روحانی خزائن

تصنیفات

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

روحانی خزائن

مجموعہ کتب حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

Ruhani Khazain

Collection of The Books of Hazrat Mirza Ghulam Ahmad Qadiani, The Promised Mesiah and Mahdi (1835-1908) Peace be on him.

Computerized Edition
Published in 2008

Published by:
Nazarat Ishaat Rabwah, Pakistan

Printed by:
Zia-ul-Islam Press, Rabwah

ISBN: 81 7912 175 5

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
وعلیٰ عبدہِ المسیح الموعود
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھوالنّاصر

وَاجْعَلْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا
اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا

لندن
10-8-2008

پیغام

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے اب میں دیتا ہوں اگر کوئی ملے امیدوار

اللہ تعالیٰ نے وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس زمانے کے امام اور مہدی کے طور پر مبعوث فرمایا کہ تا اس کی توحید کا دنیا میں بول بالا ہو اور ہمارے پیارے نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور قرآن کریم کی صداقت دنیا پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے۔

قرآن کریم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہی وہ زمانہ تھا کہ جب اسلام کی اشاعت اور تبلیغ ساری دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے سامان اس خدائے قادر مطلق نے پہلے سے مقرر کر رکھے تھے۔ اسی لئے اس زمانے میں سائنسی ایجادات اتنی تیزی اور کثرت سے ہوئی ہیں کہ انسانی عقل وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَھَا کے مصداق حیران ہو جاتی ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ جس کے بارے میں وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ کی پیشگوئی فرما کر یہ بتلا دیا کہ اس زمانے میں ایسی ایسی ایجادات ہوں گی کہ کتابوں اور رسالوں کی نشر و اشاعت عام ہو جائے گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

’’اور نشر صحف سے اس کے وسائل یعنی پریس وغیرہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ اللہ نے ایسی قوم کو پیدا کیا جس نے آلات طبع ایجاد کئے۔ دیکھو کس قدر

پریس ہیں جو ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے تا وہ ہمارے کام میں ہماری مدد کرے اور ہمارے دین اور ہماری کتابوں کو پھیلائے اور ہمارے معارف کو ہر قوم تک پہنچائے تا وہ ان کی طرف کان دھریں اور ہدایت پائیں''۔ (آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۴۷۳)

ایک اور کتاب میں آپؑ فرماتے ہیں:

''کامل اشاعت اس پر موقوف تھی کہ تمام ممالک مختلفہ یعنی ایشیا اور یورپ اور افریقہ اور امریکہ اور آبادیٔ دنیا کے انتہائی گوشوں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی تبلیغ قرآن ہو جاتی اور یہ اس وقت غیر ممکن تھا بلکہ اس وقت تک تو دنیا کی کئی آبادیوں کا ابھی پتا بھی نہیں لگا تھا اور دور دراز سفروں کے ذرائع ایسے مشکل تھے کہ گویا معدوم تھے...... ایسا ہی آیت وَّاٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ اس بات کو ظاہر کر رہی تھی کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور ہدایت کا ذخیرہ کامل ہو گیا مگر ابھی اشاعت ناقص ہے اور اس آیت میں جو مِنۡهُمۡ کا لفظ ہے وہ ظاہر کر رہا تھا کہ **ایک شخص اس زمانہ میں جو تکمیل اشاعت کے لئے موزوں ہے مبعوث ہوگا** جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں ہوگا...... اس لئے خدا تعالیٰ نے تکمیل اشاعت کو ایک ایسے زمانہ پر ملتوی کر دیا جس میں قوموں کے باہم تعلقات پیدا ہو گئے اور برّی اور بحری مرکب ایسے نکل آئے جن سے بڑھ کر سہولت سواری کی ممکن نہیں۔ اور کثرت مطابع نے تالیفات کو ایک شیرینی کی طرح بنا دیا جو دنیا کے تمام مجمع میں تقسیم ہو سکے۔ سو اس وقت حسب منطوق آیت وَّاٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ اور حسب منطوق آیت قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے بعث کی ضرورت ہوئی اور ان تمام خادموں نے جو ریل اور تار اور اگن بوٹ اور

مطابع اور احسن انتظام ڈاک اور باہمی زبانوں کا علم اور خاص کر ملک ہند میں اردو نے جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک زبان مشترک ہوگئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بزبان حال درخواست کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تمام خدام حاضر ہیں اور فرض اشاعت پورا کرنے کے لئے بدل وجان سرگرم ہیں۔ آپ تشریف لایئے اور اس اپنے فرض کو پورا کیجئے کیونکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ میں تمام کافہ ناس کے لئے آیا ہوں اور اب یہ وہ وقت ہے کہ آپ ان تمام قوموں کو جو زمین پر رہتی ہیں قرآنی تبلیغ کر سکتے ہیں اور اشاعت کو کمال تک پہنچا سکتے ہیں اور اتمام حجت کے لئے تمام لوگوں میں دلائل حقانیت قرآن پھیلا سکتے ہیں تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے جواب دیا کہ دیکھو میں بروز کے طور پر آتا ہوں۔ مگر میں ملک ہند میں آؤں گا۔ کیونکہ جوش مذاہب واجتماع جمیع ادیان اور مقابلہ جمیع ملل ونحل اور امن اور آزادی اسی جگہ ہے"۔

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۶۰-۲۶۳)

سو اس زمانے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ساری دنیا تک پہنچانے اور اسلام کی سچائی کو ساری دنیا پر ثابت کرنے اور خدائے واحد و یگانہ کی توحید کا پرچار کرنے کے لئے اسلام کا یہ بطل جلیل، جری اللہ، سیف کا کام قلم سے لیتے ہوئے قلمی اسلحہ پہن کر سائنس اور علمی ترقی کے میدان کارزار میں اترا اور اسلام کی روحانی شجاعت اور باطنی قوت کا ایسا کرشمہ دکھایا کہ ہر مخالف کے پرخچے اڑا دیے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا پرچم پھر سے ایسا بلند کیا کہ آج بھی اس کے پھریرے آسمان کی رفعتوں پر بلند سے بلند تر ہو رہے ہیں اور ساری دنیا پر اسلام کا یہ پیغام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات کے ذریعہ پھیل رہا ہے اور پھیلتا رہے گا۔ مسیح محمدی کی زندگی بخش تحریرات کی ہی یہ برکت ہے کہ ایک جہان روحانی اور جسمانی احیاء کی نوید سے مستفیض ہو رہا ہے اور صدیوں کے مردے ایک دفعہ پھر زندہ ہو رہے ہیں اور ایسا کیوں

نہ ہوتا کہ اسلام کی گزشتہ تیرہ صدیوں میں صرف آپ کا ہی کلام ایسا تھا جسے کبھی خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے ''مضمون بالا رہا'' کی سند نصیب ہوئی تو کبھی الہاماً یہ نوید عطا ہوئی کہ:

''در کلامِ تو چیزے است کہ شعراء را دراں دخلے نیست۔ کَلَامٌ اُفْصِحَتْ مِنْ لَّدُنْ رَّبٍّ کَرِیْمٍ''۔ (کاپی الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام صفحہ ۶۲۔ تذکرہ صفحہ ۵۰۸)

ترجمہ: ''تیرے کلام میں ایک چیز ہے جس میں شاعروں کو دخل نہیں ہے۔ تیرا کلام خدا کی طرف سے فصیح کیا گیا ہے۔'' (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۰۶)

چنانچہ ایسی ہی عظیم الٰہی تائیدات سے طاقت پا کر آپ فرماتے ہیں:

''میں بڑے دعویٰ اور استقلال سے کہتا ہوں کہ میں سچ پر ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں میری ہی فتح ہے۔ اور جہاں تک میں دوربین نظر سے کام لیتا ہوں تمام دنیا اپنی سچائی کے تحت اقدام دیکھتا ہوں اور قریب ہے کہ میں ایک عظیم الشان فتح پاؤں کیونکہ میری زبان کی تائید میں ایک اور زبان بول رہی ہے اور میرے ہاتھ کی تقویت کے لئے ایک اور ہاتھ چل رہا ہے جس کو دنیا نہیں دیکھتی مگر میں دیکھ رہا ہوں۔ میرے اندر ایک آسمانی روح بول رہی ہے جو میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشتی ہے''۔ (ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۴۰۳)

ایک اور جگہ آپ فرماتے ہیں:

''میں خاص طور پر خدا تعالیٰ کی اعجاز نمائی کو انشاء پردازی کے وقت بھی اپنی نسبت دیکھتا ہوں کیونکہ جب میں عربی یا اردو میں کوئی عبارت لکھتا ہوں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ کوئی اندر سے مجھے تعلیم دے رہا ہے''۔ (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۴)

پس یہ آپ کی دلی خواہش تھی کہ وہ آبِ حیات جو آپ کے مبارک قلم سے آپ کی کتابوں کی شکل میں دنیا کی روحانی اور علمی پیاس بجھانے کے لئے نکلا ہے اس سے سارا عالم فیضیاب ہو۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''میں سچ سچ کہتا ہوں کہ مسیح کے ہاتھ سے زندہ ہونے والے مر گئے مگر جو شخص میرے ہاتھ سے جام پئے گا جو مجھے دیا گیا ہے وہ ہرگز نہیں مرے گا۔ وہ زندگی بخش باتیں جو میں کہتا ہوں۔ اور وہ حکمت جو میرے منہ سے نکلتی ہے اگر کوئی اور بھی اس کی مانند کہہ سکتا ہے تو سمجھو کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا۔ لیکن اگر یہ حکمت اور معرفت جو مردہ دلوں کے لئے آب حیات کا حکم رکھتی ہے دوسری جگہ سے نہیں مل سکتی تو تمہارے پاس اس جرم کا کوئی عذر نہیں کہ تم نے اس سرچشمہ سے انکار کیا جو آسمان پر کھولا گیا زمین پر اس کو کوئی بند نہیں کر سکتا''۔ (ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۱۰۴)

عزیزو! یہی وہ چشمۂ رواں ہے کہ جو اس سے پئے گا وہ ہمیشہ کی زندگی پائے گا اور ہمارے سید و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی **یفیض المال حتی لا یقبلہ احد** (ابن ماجہ) کے مطابق یہی وہ مہدی ہے جس نے حقائق و معارف کے ایسے خزانے لٹائے ہیں کہ انہیں پانے والا کبھی ناداری اور بے کسی کا منہ نہ دیکھے گا۔ یہی وہ روحانی خزائن ہیں جن کی بدولت خدا جیسے قیمتی خزانے پر اطلاع ملتی ہے اور اس کا عرفان نصیب ہوتا ہے۔ ہر قسم کی علمی اور اخلاقی، روحانی اور جسمانی شفا اور ترقی کا زینہ آپ کی یہی تحریرات ہیں۔ اس خزانے سے منہ موڑنے والا دین و دنیا، دونوں جہانوں سے محروم اٹھنے والا قرار پاتا ہے اور خدا کی بارگاہ میں متکبر شمار کیا جاتا ہے، جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''جو شخص ہماری کتابوں کو کم از کم تین دفعہ نہیں پڑھتا۔ اس میں ایک قسم کا کبر پایا جاتا ہے''۔

(سیرت المہدی جلد اول حصہ دوم صفحہ ۳۶۵)

اسی طرح آپؑ نے فرمایا کہ:

''وہ جو خدا کے مامور اور مرسل کی باتوں کو غور سے نہیں سنتا اور اس کی تحریروں کو غور سے

نہیں پڑھتا اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ سو کوشش کرو کہ کوئی حصہ تکبر کا تم میں نہ ہو تا کہ ہلاک نہ ہو جاؤ اور تا تم اپنے اہل و عیال سمیت نجات پاؤ''۔

(نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۰۳)

پھر آپ نے ایک جگہ یہ بھی تحریر فرمایا کہ:

''سب دوستوں کے واسطے ضروری ہے کہ ہماری کتب کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کریں، کیونکہ علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے''۔

(ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۳۶۱)

یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہمیں اس امام مہدی اور مسیح محمدی کو ماننے کی توفیق ملی اور ان روحانی خزائن کا ہمیں وارث ٹھہرایا گیا۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم ان بابرکت تحریروں کا مطالعہ کریں تا کہ ہمارے دل اور ہمارے سینے اور ہمارے ذہن اس روشنی سے منور ہو جائیں کہ جس کے سامنے دجال کی تمام تاریکیاں کافور ہو جائیں گی۔ اللہ کرے کہ ہم اپنی اور اپنی نسلوں کی زندگیاں ان بابرکت تحریرات کے ذریعہ سنوار سکیں اور اپنے دلوں اور اپنے گھروں اور اپنے معاشرہ میں امن و سلامتی کے دیئے جلانے والے بن سکیں اور خدا اور اس کے رسول کی محبت اس طرح ہمارے دلوں میں موجزن ہو کہ اس کے طفیل ہم کل عالم میں بنی نوع انسان کی محبت اور ہمدردی کی شمعیں فروزاں کرتے چلے جائیں۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

خاکسار

مرزا مسرور احمد

خلیفة المسیح الخامس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خصوصی ہدایات اور راہنمائی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جملہ تصانیف کا سیٹ ''روحانی خزائن'' پہلی بار کمپیوٹرائزڈ شکل میں پیش کیا جارہا ہے۔اس سیٹ کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

۱۔حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے تاکیدی ارشاد کی تعمیل میں ہر کتاب فسٹ ایڈیشن کے عین مطابق رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ایک سے زائد ایڈیشن چھپے ہیں تو آخری ایڈیشن کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

۲۔پورے سیٹ میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ صفحہ کی سائیڈ پر ایڈیشن اوّل کا صفحہ نمبر دیا گیا ہے۔

۳۔ایڈیشن اوّل میں اگر سہو کتابت واقع ہوا ہے تو متن میں اس لفظ کو اسی طرح کمپوز کیا گیا ہے۔البتہ حاشیہ میں یہ نوٹ دیا گیا ہے کہ متن میں سہو کتابت معلوم ہوتا ہے اور غالباً صحیح لفظ یوں ہے۔

۴۔یہ ایڈیشن روحانی خزائن کے سابقہ ایڈیشن کے صفحات کے عین مطابق ہے تاکہ جماعتی لٹریچر میں گزشتہ نصف صدی سے آنے والے حوالہ جات کی تلاش میں سہولت رہے۔

۵۔حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی اجازت سے اس سیٹ میں مندرجہ ذیل اضافے کئے گئے ہیں۔

(ا) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک مضمون جو آپ نے منشی گردیال صاحب مدرس مڈل اسکول چنیوٹ کے استفسار کے جواب میں تحریر فرمایا تھا اور روحانی خزائن میں شامل نہیں ہوسکا تھا۔ اسے روحانی خزائن کے نئے ایڈیشن میں جلد نمبر۲ میں شامل اشاعت کردیا گیا ہے۔

(ب) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اہم مضمون **''ایک عیسائی کے تین سوال اور ان کے جوابات''** جو پہلے ''تصدیق النبی'' کے نام سے سلسلہ کے لٹریچر میں موجود ہے اسے روحانی خزائن جلد نمبر۴ کے آخر میں شامل اشاعت کرلیا گیا ہے۔

(ج) روحانی خزائن جلد۴ میں الحق مباحثہ دہلی کے عنوان سے ایک کتاب شامل ہے۔اس کے صفحہ ۲۲۱ پر مراسلت نمبر۱ مابین مولوی محمد بشیر صاحب اور مولوی سید محمد احسن صاحب ہے۔اس کے بعد مراسلت نمبر۲ مابین منشی بوبہ صاحب و منشی محمد اسحاق و مولوی سید محمد احسن صاحب کسی وجہ سے روحانی خزائن میں شامل ہونے سے رہ گئی ہے۔اسے روحانی خزائن جلد نمبر۴ کے نئے ایڈیشن میں شامل کرلیا گیا ہے۔

(د) روحانی خزائن جلد نمبر ۵ آئینہ کمالات اسلام کے آخر میں ”التبلیغ“ کے نام سے جو عربی خط شامل ہے اس کے آخر میں عربی قصیدہ درج ہے۔ ایڈیشن اوّل میں اس قصیدہ کے بعد ایک عربی نظم شائع شدہ ہے جو کسی وجہ سے روحانی خزائن جلد ۵ میں شامل نہیں ہو سکی تھی۔ نئے ایڈیشن میں یہ نظم شامل کر دی گئی ہے۔

(ہ) جلسہ اعظم مذاہب ۱۸۹۶ء کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تحریر فرمودہ بے مثال مضمون جو ”اسلامی اصول کی فلاسفی“ کے نام سے اردو اور دوسری زبانوں میں چھپ چکا ہے اس کے اصل مسودہ کے کچھ صفحات کسی وجہ سے شامل اشاعت نہیں ہو سکے تھے انہیں اصل مسودہ سے جو خلافت لائبریری میں موجود ہے نقل کر کے جلد نمبر ۱۰ میں شامل کیا گیا ہے۔

(و) ریویو آف ریلیجنز اردو کا پہلا شمارہ ۹ رجنوری ۱۹۰۲ء کو شائع ہوا۔ اس میں صفحہ ۹ تا ۳۰ پر مشتمل ”گناہ سے نجات کیونکر مل سکتی ہے“ کے عنوان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک بصیرت افروز مضمون شائع ہوا تھا۔ اس مضمون کو روحانی خزائن جلد نمبر ۱۸ کے آخر میں کتاب نزول المسیح کے بعد شامل کیا جا رہا ہے۔

(ز) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک سے لکھا ہوا ”عصمت انبیاء“ کے عنوان سے ایک اور مضمون بھی ریویو آف ریلیجنز اردو مئی ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۷۵ تا ۲۰۹ میں شائع ہوا تھا۔ یہ مضمون اب تک کتابی شکل میں شائع نہیں ہوا۔ اسے بھی روحانی خزائن جلد ۱۸ کے آخر میں شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔

(ح) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۲۷ ردسمبر ۱۹۰۵ء کو بعد نماز ظہر مسجد اقصیٰ میں ”احمدی اور غیر احمدی میں کیا فرق ہے“ کے عنوان سے ایک معرکۃ الآراء خطاب فرمایا اسے روحانی خزائن جلد ۲۰ کے آخر میں شامل اشاعت کیا جا رہا۔

اس جلد کی تیاری میں عزیزم محترم حبیب الرحمٰن صاحب زیروی نائب ناظر اشاعت کے ساتھ مکرم محمد یوسف شاہد صاحب، مکرم ظہور احمد صاحب مقبول، مکرم رانا محمود احمد صاحب، مکرم ظفر علی صاحب طاہر مکرم عطاء البصیر محمود صاحب، مکرم مدثر احمد صاحب، مکرم ایاز احمد صاحب طاہر، مکرم طاہر احمد مختار صاحب، اور مکرم سلطان احمد شاہد صاحب مربیان سلسلہ نے کام کیا۔ احباب ان واقفین زندگی کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

والسلام

سید عبدالحی

ناظر اشاعت

اکتوبر ۲۰۰۸ء

ترتیب

روحانی خزائن جلد۲۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

تعارف

(از سید عبد الحی صاحب فاضل ایم اے)

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ہمیں ''روحانی خزائن'' کی اکیسویں (۲۱) جلد قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی توفیق ملی ۔ یہ جلد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کی پر معارف کتاب **براھین احمدیه حصه پنجم** پر مشتمل ہے۔

براہین احمدیہ حصہ پنجم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے دعویٰ سے قبل اسلام کی حقانیت قرآن کریم کے من جانب اللہ ہونے اور نبوتِ محمدیہ کی صداقت کے اثبات میں پچاس حصّوں پر مشتمل ایک کتاب لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ چنانچہ اس کے پہلے چار حصّے ۱۸۸۰ء، ۱۸۸۲ء اور ۱۸۸۴ء میں شائع ہوئے اور مسلمانانِ ہند کے عوام و خواص نے اسلام کے دفاع میں اسے ایک بے نظیر تصنیف قرار دیا۔ چنانچہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے یہاں تک لکھا:۔

''ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں اور موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی۔'' (اشاعۃ السنہ جلد ۷ صفحہ ۱۶۹)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اعلان فرمایا تھا کہ اگر دشمنانِ اسلام براہین احمدیہ میں مذکور صداقتِ اسلام کے دلائل کے $\frac{1}{3}$ یا $\frac{1}{4}$ بلکہ $\frac{1}{5}$ کا جواب بھی دے دیں تو انہیں مبلغ دَس ہزار روپے انعام دیا جائے گا لیکن کسی کو مقابلہ پر آنے کی جرأت نہ ہوئی اور اگر کوئی مقابل پر آیا بھی تو وہ حضور کی پیشگوئیوں کے مطابق اللہ تعالےٰ کی قہری تجلّیوں کا نشانہ بن گیا۔

اِن چار حصوں کی اشاعت کے بعد اللہ تعالیٰ کی حکمت، مصلحت اور مشیّتِ خاص سے اس کتاب

کے بقیّہ حصوں کی اشاعت لمبے عرصہ تک ملتوی رہی۔ البتہ اسلام کی صداقت اور نبوتِ محمد یہ کی حقانیت پر حضور کی اسی[۸۰] کے قریب تصانیف منظر عام پر آئیں۔

آخر ۱۹۰۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے براہین احمدیہ کا پانچواں حصہ لکھنا شروع کیا۔ تیئیس[۲۳] برس کے بعد اس طویل التواء کا باعث اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اور مصلحتیں تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

(۱) ''براہین احمدیہ کے ہر چہار حصّے کہ جو شائع ہو چکے تھے وہ ایسے امور پر مشتمل تھے کہ جب تک وہ امور ظہور میں نہ آ جاتے تب تک براہین احمدیہ کے ہر چہار حصہ کے دلائل مخفی اور مستور رہتے اور ضرور تھا کہ براہین احمدیہ کا لکھنا اس وقت تک ملتوی رہے جب تک کہ امتدادِ زمانہ سے وہ سربستہ امور کھل جائیں اور جو دلائل اُن حصّوں میں درج ہیں وہ ظاہر ہو جائیں کیونکہ براہین احمدیہ کے ہر چہار حصّوں میں جو خدا کا کلام یعنی اس کا الہام جابجا مستور ہے جو اس عاجز پر ہوا وہ اس بات کا محتاج تھا جو اس کی تشریح کی جائے اور نیز اِس بات کا محتاج تھا کہ جو پیشگوئیاں اُس میں درج ہیں اُن کی سچائی لوگوں پر ظاہر ہو جائے۔ پس اِس لئے خدائے حکیم و علیم نے اس وقت تک براہین احمدیہ کا چھپنا ملتوی رکھا کہ جب تک وہ تمام پیشگوئیاں ظہور میں آ گئیں۔'' (براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۳)

(۲) پھر فرماتے ہیں:۔

''دوسرا سبب اس التواء کا جو تیئیس برس تک حصّہ پنجم لکھا نہ گیا یہ تھا کہ خدا تعالےٰ کو منظور تھا کہ ان لوگوں کے دلی خیالات ظاہر کرے جن کے دل مرض بدگمانی میں مبتلا تھے اور ایسا ہی ظہور میں آیا۔'' (براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۹)

(۳) اور پھر فرماتے ہیں:۔

''اِس دیر کا ایک یہ بھی سبب تھا کہ تا خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر ظاہر کرے کہ یہ کاروبار اُس کی مرضی کے مطابق ہے اور یہ تمام الہام جو براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں لکھے گئے ہیں یہ اُسی کی طرف سے ہیں نہ انسان کی طرف سے کیونکہ اگر یہ کتاب

خدا تعالیٰ کی مرضی کے مطابق نہ ہوتی اور یہ تمام الہام اُس کی طرف سے نہ ہوتے تو یہ امر خدائے عادل اور قدوس کی عادت کے برخلاف تھا کہ جو شخص اُس کے نزدیک مفتری ہے اور اس نے یہ گناہ کیا ہے کہ اپنی طرف سے باتیں بنا کر اس کا نام وحی اللہ اور خدا کا الہام رکھا ہے اُس کو تیئیس ۲۳ برس تک مہلت دے۔''

(براہین احمدیہ حصہ پنجم جلد ۲۱ صفحہ ۹، ۱۰)

(۴) نیز حصہ پنجم کے خاتمہ میں فرماتے ہیں:۔

''پس یہ حصہ پنجم درحقیقت پہلے حصّوں کے لئے بطور شرح کے ہے اور ایسی شرح کرنا میرے اختیار سے باہر تھا جب تک خدا تعالیٰ تمام سامان اپنے ہاتھ سے میسّر نہ کرتا............'' (براہین احمدیہ حصہ پنجم جلد ۲۱ صفحہ ۴۱۱)

موضوع

کتاب کی ابتداء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سچّے اور زندہ مذہب کی ما بہ الامتیاز خصوصیات بیان فرمائی ہیں اور تحریر فرمایا ہے کہ سچّے مذہب میں اللہ تعالیٰ کی قولی اور فعلی تجلّیات کا وجود ضروری ہے کیونکہ اِن کے بغیر اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت کامل طور پر نہیں ہوتی اور کامل معرفت کے بغیر گناہ سے نجات حاصل کرنا ناممکن ہے۔ چنانچہ اِس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معجزہ کی اصل حقیقت اور ضرورت کے بیان میں علیحدہ باب رقم فرمایا ہے (صفحہ ۵۹) اور تحریر فرمایا ہے کہ سچّے اور جھوٹے مذاہب کا ما بہ الامتیاز زندہ معجزات ہی ہیں۔ اور باب دوم میں ان نشانات کی کسی قدر تفصیل بیان فرمائی ہے جو پچیس برس قبل براہین احمدیہ میں مندرج پیشگوئیوں کے مطابق ظہور میں آئے۔ اس سِلسلہ میں حضور نے اپنے سینکڑوں الہامات کی واقعاتی شواہد اور تائیداتِ الٰہیہ سے تشریح فرمائی ہے۔ یہ تمام واقعات اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے من جانب اللہ ہونے کا بھی ثبوت ہیں۔ اسی لئے حضور نے کتاب کے اس حصے کا نام نصرت الحق بھی تحریر فرمایا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کتاب کے خاتمہ میں بیان فرمایا ہے کہ

''اسماء الانبیاء کا راز بھی جو پہلے چار حصّوں میں سربستہ تھا یعنی وہ نبیوں کے اسماء جو

میری طرف منسوب کئے گئے تھے اُن کی حقیقت بھی کماحقّہٗ منکشف ہوگئی۔‘‘

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔روحانی خزائن جلد نمبر ۲۱ صفحہ ۴۱۲)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باب دوم میں اسماءالانبیاء کی ذیل میں سورۃ الکہف کی ان آیات کی نادر اور لطیف تشریح بیان فرمائی ہے جو ذوالقرنین کے تعلق میں مذکور ہیں۔ (صفحہ ۱۱۸ تا ۱۲۶)

ضمیمہ بَراہین احمدیہ حصّہ پنجم

ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم بعض معترضین کے اعتراضات کے جواب پر مشتمل ہے۔سب سے پہلے حضور نے ایک صاحب محمد اکرام اللہ شاہجہانپوری کے ان اعتراضات کو لیا ہے جو انہوں نے حضور کے الہام عفت الدیار محلها و مقامها پر صرفی ونحوی،لغوی اور واقعاتی اعتبار سے کئے ہیں۔(صفحہ ۱۵۳)

اِس کے بعد اسی الہام پر ایک اور صاحب کے اعتراضات کا جواب ہے۔(صفحہ ۱۸۳)

اِس سِلسلہ میں حضور نے ضمناً سورۃ المومنون کی ابتدائی آیات کی انتہائی پُر معارف تفسیر بیان فرما کر انسانی پیدائش روحانی وجسمانی کے مراتبِ سِتّہ کو بیان فرمایا ہے اور اسے قرآن کریم کا علمی معجزہ قرار دیا ہے۔حضور تحریر فرماتے ہیں:۔

’’یہ جو اللہ تعالےٰ نے مومن کے وجود روحانی کے مراتبِ سِتّہ بیان کر کے اُن کے مقابل پر وجود جسمانی کے مراتبِ ستّہ دکھلائے ہیں یہ ایک علمی معجزہ ہے۔‘‘

(صفحہ ۲۲۸)

’’مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اِس قسم کا علمی معجزہ مَیں نے بجز قرآن شریف کے کسی کتاب میں نہ پایا۔‘‘ (صفحہ ۲۲۹)

تیسرے نمبر پر مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی کے بعض اُن شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے جو انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زلزلوں سے متعلق پیشگوئیوں کے بارے میں شائع کئے تھے۔

مولوی محمد حسین کے سوالات کے جوابات میں حضور نے وفاتِ مسیح کے مسئلہ پر بھی معقولی اور منقولی رنگ میں بحث فرمائی ہے اور پھر مولوی صاحب کو مخاطب کر کے ایک طویل عربی نظم رقم فرمائی ہے جس میں حضور نے اپنی صداقت کے دلائل تفصیل سے بیان فرمائے ہیں اور مولوی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:۔

وانت الذی قد قال فی تقریظه

کمثل المؤلف لیس فینا غضنفر

عرفت مقامی ثم انکرت مدبرًا

فما الجهل بعد العلم ان کنت تشعر

قطعت ودادًا قد غرسناه فی الصبا

ولیس فؤادی فی الوداد یُقَصِّرُ

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۳۳۵)

ترجمہ:۔اورتُو وہی ہے جس نے اپنے ریویو میں لکھا تھا کہ اس مؤلف کی طرح ہم میں کوئی بھی دین کی راہ میں شیر نہیں۔

تُو نے میرے مقام کو شناخت کیا پھر منکر ہو گیا۔ پس یہ کیسا جہل ہے جو علم کے بعد دیدہ و دانستہ وقوع میں آیا۔

تُو نے اس دوستی کو کاٹ دیا جس کا درخت ہم نے ایّام کودکی میں لگایا تھا مگر میرے دل نے دوستی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

چوتھے نمبر حضور نے مولوی سید محمد عبدالواحد صاحب مدرس وقاضی برہمن بڑیہ (مشرقی پاکستان) کے بعض شبہات کا ازالہ فرمایا ہے(صفحہ ۳۳۶)

اورآخر میں مولوی رشید احمد گنگوہی کے رسالہ **الخطاب الملیح فی تحقیق المهدی والمسیح** کا جواب حضور نے تحریر فرمایا ہے اور تفصیل کے ساتھ حضرت عیسیٰ بن مریم کی وفات کو قرآن کریم کی متعدد آیات سے ثابت کیا ہے۔

خاتمہ

ضمیمہ کے بعد اس خاتمہ کی ابتداء ہے جو حضور علیہ السلام تحریر فرمانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ کتاب کے آخر میں یادداشتوں کے مطالعہ سے اجمالی رنگ میں اس مضمون کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔

حضور نے بیان فرمایا ہے کہ وہ خاتمہ کو مندرجہ ذیل چار فصلوں پر تقسیم فرمانا چاہتے ہیں:۔

فصل اوّل:۔ اسلام کی حقیقت کے بیان میں

فصل دوم:۔ قرآن شریف کی اعلیٰ اور کامل تعلیم کے بیان میں

فصل سوم:۔ اُن نشانوں کے بیان میں جن کے ظہور کا براہین احمدیہ میں وعدہ تھا اور خدا نے میرے ہاتھ پر وہ ظاہر فرمائے۔

فصل چہارم:۔ اُن الہامات کی تشریح میں جن میں میرا نام عیسٰی رکھا گیا ہے یا دوسرے نبیوں کے نام سے مجھے موسوم کیا ہے یا ایسا ہی اور بعض الہامی فقرے جو تشریح کے لائق ہیں۔

کتاب کے آخر میں وہ متفرق یادداشتیں بھی درج ہیں جو حضرت اقدس علیہ السلام نے اِس مضمون کے متعلق لکھی تھیں اور آپ کے مسودات سے دستیاب ہوئیں۔ یہ یادداشتیں اگرچہ محض اشارات ہیں تاہم ان کا مطالعہ بھی خالی از فائدہ نہیں۔

خاکسار

سید عبدالحی

ٹائیٹل بار اول

جآء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

آنانکه بر دعاوی ما حمله‌ها کنند | وز راهِ جهل عربده‌ها برملا کنند

گر یک نظر کنند درین نسخهٔ کتاب | هست این یقین که ترکِ عناد و ابا کنند

باور نمی‌کنم که نیایند عذرخواه | ویں امر دیگر است که ترکِ حیا کنند

براہین احمدیہ

حصہ پنجم (۵)

ملقب

بالبراھینِ الاحمدیۃ علٰی حقیۃ کتاب اللّٰہ القرآن والنبی المحمدیۃ

از تازہ تفضلات حضرت معبود و باقیات الصالحات حضرت میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود

انوار احمدیہ مشین پریس قادیان میں شیخ یعقوب علی تراب ایڈیٹر و پرائٹر

کے اہتمام سے چھپکر ۱۵- اکتوبر ۱۹۰۸ء کو شائع ہوئی۔

تعداد جلد ۱۶۰۰

قیمت فی جلد ۱۲؍

﴿۱﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

دیباچہ پنجم حصہ براہین احمدیہ

بحمد اللہ کہ آخر ایں کتابم مکمل شد بفضلِ آن جنابم

اما بعد واضح ہو کہ یہ براہین احمدیہ کا پانچواں حصہ ہے کہ جو اس دیباچہ کے بعد لکھا جائے گا۔ خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے ایسا اتفاق ہوا کہ چار حصّے اس کتاب کے چھپ کر پھر تخمیناً تیئس ۲۳ برس تک اس کتاب کا چھپنا ملتوی رہا۔ اور عجیب تر یہ کہ اسّی ۸۰ کے قریب اِس مدت میں مَیں نے کتابیں تالیف کیں جن میں سے بعض بڑے بڑے حجم کی تھیں لیکن اِس کتاب کی تکمیل کے لئے توجہ پیدا نہ ہوئی اور کئی مرتبہ دل میں یہ درد پیدا بھی ہوا کہ براہین احمدیہ کے ملتوی رہنے پر ایک زمانہ دراز گذر گیا مگر باوجود کوشش بلیغ اور باوجود اس کے کہ خریداروں کی طرف سے بھی کتاب کے مطالبہ کے لئے سخت الحاح ہوا اور اس مدت مدید اور اس قدر زمانہ التوا میں مخالفوں کی طرف سے بھی وہ اعتراض مجھ پر ہوئے کہ جو بدظنی اور بدزبانی کے گند سے حد سے زیادہ آلودہ تھے اور بوجہ امتداد مدت درحقیقت وہ دلوں میں پیدا ہو سکتے تھے مگر پھر بھی قضاء وقدر کے مصالح نے مجھے یہ توفیق نہ دی کہ میں اس کتاب کو پورا کر سکتا۔ اس سے ظاہر ہے

کہ قضاء وقدر درحقیقت ایک ایسی چیز ہے جس کے احاطہ سے باہر نکل جانا انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ مجھے اس بات پر افسوس ہے بلکہ اس بات کے تصور سے دل دردمند ہو جاتا ہے کہ بہت سے لوگ جو اس کتاب کے خریدار تھے اس کتاب کی تکمیل سے پہلے ہی دنیا سے گذر گئے مگر جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں انسان تقدیر الٰہی کے ماتحت ہے اگر خدا کا ارادہ انسان کے ارادہ کے مطابق نہ ہو تو انسان ہزار جدو جہد کرے اپنے ارادہ کو پورا نہیں کرسکتا۔ لیکن جب خدا کے ارادہ کا وقت آجاتا ہے تو وہی امور جو بہت مشکل نظر آتے تھے نہایت آسانی سے میسر آجاتے ہیں۔ ﴿۲﴾

اس جگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ چونکہ خدا تعالیٰ کے تمام کاموں میں حکمت اور مصلحت ہوتی ہے تو اس عظیم الشان دینی خدمت کی کتاب میں جس میں اسلام کے تمام مخالفوں کا رد مقصود تھا کیا حکمت تھی کہ وہ کتاب تخمیناً تئیس ۲۳ برس تک مکمل ہونے سے معرض التوا میں رہی۔ اس کا جواب خدا ہی بہتر جانتا ہے کوئی انسان اس کے تمام بھیدوں پر محیط نہیں ہوسکتا مگر جہاں تک میرا خیال ہے وہ یہ ہے کہ براہین احمدیہ کے ہر چہار حصے کو جو شائع ہو چکے تھے وہ ایسے امور پر مشتمل تھے کہ جب تک وہ امور ظہور میں نہ آجاتے تب تک براہین احمدیہ کے ہر چہار حصّہ کے دلائل مخفی اور مستور رہتے اور ضرور تھا کہ براہین احمدیہ کا لکھنا اس وقت تک ملتوی رہے جب تک کہ امتدادِ زمانہ سے وہ سربستہ امور کھل جائیں اور جو دلائل اُن حصوں میں درج ہیں وہ ظاہر ہو جائیں کیونکہ براہین احمدیہ کے ہر چہار حصوں میں جو خدا کا کلام یعنی اس کا الہام جا بجا مستور ہے جو اس عاجز پر ہوا وہ اس بات کا محتاج تھا جو اس کی تشریح کی جائے اور نیز اس بات کا محتاج تھا کہ جو پیشگوئیاں اس میں درج ہیں اُن کی سچائی لوگوں پر ظاہر ہو جائے۔ پس اس لئے خدائے حکیم وعلیم نے اس وقت تک براہین احمدیہ کا چھپنا ملتوی رکھا کہ جب تک وہ تمام پیشگوئیاں ظہور میں آگئیں اور یاد رہے کہ

کسی مذہب کی سچائی ثابت کرنے کے لئے یعنی اس بات کے ثبوت کے لئے کہ وہ مذہب منجانب اللہ ہے دو قسم کی فتح کا اس میں پایا جانا ضروری ہے۔

اوّل۔ یہ کہ وہ مذہب اپنے عقائد اور اپنی تعلیم اور اپنے احکام کی رُو سے ایسا جامع اور اکمل اور اتم اور نقص سے دُور ہو کہ اس سے بڑھ کر عقل تجویز نہ کر سکے۔ اور کوئی نقص اور کمی اُس میں دکھلائی نہ دے۔ اور اس کمال میں وہ ہر ایک مذہب کو فتح کرنے والا ہو یعنی ان خوبیوں میں کوئی مذہب اُس کے برابر نہ ہو۔ جیسا کہ یہ دعویٰ قرآن شریف نے آپ کیا ہے کہ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا[1] یعنی آج میں نے تمہارے لئے اپنا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کیا۔ اور میں نے پسند کیا کہ اسلام تمہارا مذہب ہو۔ یعنی وہ حقیقت جو اسلام کے لفظ میں پائی جاتی ہے جس کی تشریح خود خدا تعالیٰ نے اسلام کے لفظ کے بارہ میں بیان کی ہے اس حقیقت پر تم قائم ہو جاؤ۔ اس آیت میں صریح یہ بیان ہے کہ قرآن شریف نے ہی **کامل تعلیم** عطا کی ہے اور قرآن شریف کا ہی ایسا زمانہ تھا جس میں کامل تعلیم عطا کی جاتی۔ پس یہ دعویٰ کامل تعلیم کا جو قرآن شریف نے کیا یہ اُسی کا حق تھا اس کے سوا کسی آسمانی کتاب نے ایسا دعویٰ نہیں کیا جیسا کہ دیکھنے والوں پر ظاہر ہے کہ توریت اور انجیل دونوں اس دعوے سے دست بردار ہیں کیونکہ توریت میں خدا تعالیٰ کا یہ قول موجود ہے کہ میں تمہارے بھائیوں میں سے ایک نبی قائم کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو شخص اس کے کلام کو نہ سنے گا میں اس سے مطالبہ کروں گا۔ پس صاف ظاہر ہے کہ اگر آئندہ زمانہ کی ضرورتوں کی رُو سے توریت کا سننا کافی ہوتا تو کچھ ضرورت نہ تھی کہ کوئی اور نبی آتا۔ اور مواخذہ الٰہیہ سے مخلصی پانا اُس کلام کے سننے پر موقوف ہوتا جو اُس پر نازل ہوتا۔ ایسا ہی انجیل نے کسی مقام میں دعویٰ نہیں کیا کہ انجیل کی تعلیم کامل اور جامع ہے بلکہ صاف اور

﴿۳﴾

[1] المآئدة:۴

کھلا کھلا اقرار کیا ہے کہ اور بہت سی باتیں قابل بیان تھیں مگر تم برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب **فارقلیط** آئے گا تو وہ سب کچھ بیان کرے گا۔ اب دیکھنا چاہئے کہ حضرت موسیٰ نے اپنی توریت کو ناقص تسلیم کر کے آنے والے نبی کی تعلیم کی طرف توجہ دلائی ایسا ہی حضرت عیسیٰ نے بھی اپنی تعلیم کا **نامکمل** ہونا قبول کر کے یہ عذر پیش کر دیا کہ ابھی کامل تعلیم بیان کرنے کا وقت نہیں ہے لیکن جب فارقلیط آئے گا تو وہ کامل تعلیم بیان کر دے گا مگر قرآن شریف نے ﴿۴﴾ توریت اور انجیل کی طرح کسی دوسرے کا حوالہ نہیں دیا بلکہ اپنی کامل تعلیم کا تمام دنیا میں اعلان کر دیا اور فرمایا کہ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا [1]۔ اس سے ظاہر ہے کہ کامل تعلیم کا دعویٰ کرنے والا صرف قرآن شریف ہی ہے اور ہم اپنے موقعہ پر بیان کریں گے کہ جیسا کہ قرآن شریف نے دعویٰ کیا ہے ویسا ہی اُس نے اس دعویٰ کو پورا کر کے دکھلا بھی دیا ہے اور اُس نے ایک ایسی کامل تعلیم پیش کی ہے جس کو نہ توریت پیش کر سکی اور نہ انجیل بیان کر سکی۔ پس اسلام کی سچائی ثابت کرنے کے لئے یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ وہ تعلیم کی رُو سے ہر ایک **مذہب کو فتح** کرنے والا ہے۔ اور کامل تعلیم کے لحاظ سے کوئی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

دوم۔ پھر دوسری قسم **فتح** کی جو اسلام میں پائی جاتی ہے جس میں کوئی مذہب اس کا شریک نہیں اور جو اس کی سچائی پر کامل طور پر مُہر لگاتی ہے اُس کی زندہ برکات اور **معجزات** ہیں جن سے دوسرے مذاہب بکلی محروم ہیں۔ یہ ایسے کامل نشان ہیں کہ اُن کے ذریعہ سے نہ صرف اسلام دوسرے مذاہب پر فتح پاتا ہے بلکہ اپنی کامل روشنی دکھلا کر دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ یاد رہے کہ پہلی دلیل اسلام کی سچائی کی جو ابھی ہم لکھ چکے ہیں یعنی کامل تعلیم وہ درحقیقت اس بات کے سمجھنے کیلئے کہ **مذہب اسلام** منجانب اللہ ہے ایک کھلی کھلی دلیل نہیں ہے کیونکہ ایک متعصب منکر جس کی نظر

[1] المآئدة:۴

باریک بین نہیں ہے کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ ایک کامل تعلیم بھی ہو اور پھر خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو۔ پس اگرچہ یہ دلیل ایک دانا طالب حق کو بہت سے شکوک سے مخلصی دے کر یقین کے نزدیک کر دیتی ہے لیکن تاہم جب تک دوسری دلیل مذکورہ بالا اس کے ساتھ منضم اور پیوستہ نہ ہو کمال یقین کے مینار تک نہیں پہنچا سکتی اور ان دونوں دلیلوں کے اجتماع سے سچے مذہب کی روشنی کمال تک پہنچ جاتی ہے اور اگرچہ سچا مذہب ہزارہا آثار اور انوار اپنے اندر رکھتا ہے لیکن یہ دونوں دلیلیں بغیر حاجت کسی اور دلیل کے طالب حق کے دل کو یقین کے پانی سے سیراب کر دیتی ہیں اور مکذّبوں پر پورے طور پر اتمام حجت کرتی ہیں۔ اس لئے ان دو قسم کی دلیلوں کے موجود ہونے کے بعد کسی اور دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ اور میں نے پہلے ارادہ کیا تھا کہ اثباتِ حقّیتِ اسلام کے لئے **تین۳۰۰ سو دلیل** براہین احمدیہ میں لکھوں لیکن جب میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ دو قسم کے دلائل ہزارہا نشانوں کے قائم مقام ہیں۔ پس خدا نے میرے دل کو اس ارادہ سے پھیر دیا اور مذکورہ بالا دلائل کے لکھنے کے لئے مجھے شرح صدر عنایت کیا۔ اگر میں کتاب براہین احمدیہ کے پورا کرنے میں جلدی کرتا تو ممکن نہ تھا کہ اس طریق سے اسلام کی حقّانیت لوگوں پر ظاہر کر سکتا۔ کیونکہ براہین احمدیہ کے پہلے حصوں میں بہت سی پیشگوئیاں ہیں جو اسلام کی سچائی پر قوی دلیل ہیں مگر ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا کہ خدا تعالیٰ کے وہ موعودہ نشان کھلے کھلے طور پر دنیا پر ظاہر ہوتے۔ ہر ایک دانشمند سمجھ سکتا ہے کہ معجزات اور نشانوں کا لکھنا انسان کے اختیار میں نہیں اور دراصل یہی ایک بڑا ذریعہ سچے مذہب کی شناخت کا ہے کہ اس میں برکات اور معجزات پائے جائیں کیونکہ جیسا کہ ابھی میں نے بیان کیا ہے صرف کامل تعلیم کا ہونا سچے مذہب کے لئے پوری پوری اور کھلی کھلی علامت نہیں ہے جو تسلی کے انتہائی درجہ تک پہنچا سکے۔ سو میں انشاء اللہ تعالیٰ

﴿۵﴾

یہی دونوں قسم کے دلائل اس کتاب میں لکھ کر اس کتاب کو پورا کروں گا۔ اگرچہ براہین احمدیہ کے گذشتہ حصوں میں نشانوں کے ظہور کا وعدہ دیا گیا تھا مگر میرے اختیار میں نہ تھا کہ کوئی نشان اپنی طاقت سے ظاہر کرسکتا اور کئی باتیں پہلے حصوں میں تھیں جن کی تشریح میری طاقت سے باہر تھی لیکن جب تیئس ۲۳ برس کے بعد وہ وقت آ گیا تو تمام سامان خدا تعالیٰ کی طرف سے میسر آ گئے اور موافق اُس وعدہ کے جو براہین احمدیہ کے پہلے حصوں میں درج تھا قرآن شریف کے معارف اور حقائق میرے پر کھولے گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ [1] ایسا ہی بڑے بڑے نشان ظاہر کئے گئے۔

﴿۶﴾ جو لوگ سچے دل سے خدا کے طالب ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ خدا کی معرفت خدا کے ذریعہ سے ہی میسر آسکتی ہے اور خدا کو خدا کے ساتھ ہی شناخت کر سکتے ہیں۔ اور خدا اپنی حجت آپ ہی پوری کرسکتا ہے انسان کے اختیار میں نہیں اور انسان کبھی کسی حیلہ سے گناہ سے بیزار ہو کر اس کا قرب حاصل نہیں کرسکتا جب تک کہ معرفت کاملہ حاصل نہ ہو۔ اور اس جگہ کوئی کفارہ مفید نہیں اور کوئی طریق ایسا نہیں جو گناہ سے پاک کر سکے بجز اُس کامل معرفت کے جو کامل محبت اور کامل خوف کو پیدا کرتی ہے۔ اور کامل محبت اور کامل خوف یہی دونوں چیزیں ہیں جو گناہ سے روکتی ہیں کیونکہ محبت اور خوف کی آگ جب بھڑکتی ہے تو گناہ کے خس و خاشاک کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے۔ اور یہ پاک آگ اور گناہ کی گندی آگ دونوں جمع ہو ہی نہیں سکتیں۔ غرض انسان نہ بدی سے رک سکتا ہے اور نہ محبت میں ترقی کرسکتا ہے جب تک کہ کامل معرفت اُس کو نصیب نہ ہو اور کامل معرفت نہیں ملتی جب تک کہ انسان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے زندہ برکات اور معجزات نہ دیئے جائیں۔ یہی ایک ایسا ذریعہ سچے مذہب کی شناخت کا ہے کہ جو تمام مخالفوں کا منہ بند کر دیتا ہے اور ایسا مذہب جو مذکورہ بالا دونوں قسم کے دلائل اپنے اندر رکھتا ہے یعنی ایسا مذہب کہ

[1] الرحمٰن:۲،۳

تعلیم اُس کی ہر ایک پہلو سے کامل ہے جس میں کوئی فروگذاشت نہیں اور نیز یہ کہ خدا نشانوں اور معجزات کے ذریعہ سے اس کی سچائی کی گواہی دیتا ہے۔اس مذہب کو وہی شخص چھوڑتا ہے جو خدا تعالیٰ کی کچھ بھی پروا نہیں رکھتا اور روزِ آخرت پر چندروزہ زندگی اور قوم کے جھوٹے تعلقات کو مقدم کر لیتا ہے۔ وہ خدا جو آج بھی ایسا ہی قادر ہے جیسا کہ آج سے دس۱۰ ہزار برس پہلے قادر تھا۔ اُس پر اسی صورت سے ایمان حاصل ہوسکتا ہے کہ اُس کی تازہ برکات اور تازہ معجزات اور قدرت کے تازہ کاموں پر علم حاصل ہو۔ ورنہ یہ کہنا پڑے گا کہ یہ وہ خدا نہیں ہے جو پہلے تھا یا اُس میں وہ طاقتیں اب موجود نہیں ہیں جو پہلے تھیں۔ اس لئے ان لوگوں کا ایمان کچھ بھی چیز نہیں جو خدا کے تازہ برکات اور تازہ معجزات کے دیکھنے سے محروم ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اُس کی طاقتیں آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہیں۔ ﴿۷﴾

بالآخر یہ بھی یاد رہے کہ جو براہین احمدیہ کے بقیہ حصّہ کے چھاپنے میں تیئیس۲۳ برس تک التواء رہا یہ التواء بے معنی اور فضول نہ تھا بلکہ اِس میں یہ حکمت تھی کہ تا اُس وقت تک پنجم حصہ دنیا میں شائع نہ ہو جب تک کہ وہ تمام امور ظاہر ہو جائیں جن کی نسبت براہین احمدیہ کے پہلے حصوں میں پیشگوئیاں ہیں کیونکہ براہین احمدیہ کے پہلے حصّے عظیم الشان پیشگوئیوں سے بھرے ہوئے ہیں اور پنجم حصہ کا عظیم الشان مقصد یہی تھا کہ وہ موعودہ پیشگوئیاں ظہور میں آجائیں۔ اور یہ خدا کا ایک خاص نشان ہے کہ اُس نے محض اپنے فضل سے اِس وقت تک مجھے زندہ رکھا یہاں تک کہ وہ نشان ظہور میں آگئے تب وہ وقت آگیا کہ پنجم حصہ لکھا جائے اور اِس حصہ پنجم کے وقت جو نصرت حق ظہور میں آئی ضرور تھا کہ بطور شکر گذاری کے اس کا ذکر کیا جاتا۔ سو اس امر کے اظہار کے لئے میں نے براہین احمدیہ کے پنجم حصہ کے لکھنے کے وقت جس کو درحقیقت اس کتاب کا نیا جنم کہنا چاہئے اس حصہ کا نام **نصرت الحق** بھی رکھ دیا تا وہ نام ہمیشہ کیلئے اس بات کا نشان ہو

کہ باوجود صدہا عوائق اور موانع کے محض خدا تعالیٰ کی نصرت اور مدد نے اِس حصہ کو خلعتِ وجود بخشا۔ چنانچہ اس حصہ کے چند اوائل ورق کے ہر ایک صفحہ کے سر پر نصرت الحق لکھا گیا مگر پھر اس خیال سے کہ تا یاد دلایا جائے کہ یہ وہی براہین احمدیہ ہے جس کے پہلے چار حصے طبع ہو چکے ہیں بعد اس کے ہر ایک سر صفحہ پر براہین احمدیہ کا حصہ پنجم لکھا گیا۔ پہلے پچاس حصے لکھنے کا ارادہ تھا مگر پچاس سے پانچ پر اکتفا کیا گیا اور چونکہ پچاس اور پانچ کے عدد میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے اس لئے پانچ حصوں سے وہ وعدہ پورا ہو گیا۔

دوسرا سبب اس التواء کا جو تیئیس[۲۳] برس تک حصہ پنجم لکھا نہ گیا یہ تھا کہ خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ اُن لوگوں کے دلی خیالات ظاہر کرے جن کے دل مرض بدگمانی میں مبتلا تھے اور ایسا ہی ظہور میں آیا۔ کیونکہ اس قدر دیر کے بعد خام طبع لوگ بدگمانی میں بڑھ گئے۔ یہاں تک کہ بعض ناپاک فطرت گالیوں پر اُتر آئے اور چار حصے اس کتاب کے ﴿۸﴾ جو طبع ہو چکے تھے کچھ تو مختلف قیمتوں پر فروخت کئے گئے تھے اور کچھ مفت تقسیم کئے گئے تھے۔ پس جن لوگوں نے قیمتیں دی تھیں اکثر نے گالیاں بھی دیں اور اپنی قیمت بھی واپس لی۔ اگر وہ اپنی جلد بازی سے ایسا نہ کرتے تو اُن کے لئے اچھا ہوتا۔ لیکن اس قدر دیر سے اُن کی فطرتی حالت آزمائی گئی۔

اِس دیر کا ایک یہ بھی سبب تھا کہ تا خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر ظاہر کرے کہ یہ کاروبار اُس کی مرضی کے مطابق ہے اور یہ تمام الہام جو براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں لکھے گئے ہیں یہ اُسی کی طرف سے ہیں نہ انسان کی طرف سے کیونکہ اگر یہ کتاب خدا تعالیٰ کی مرضی کے مطابق نہ ہوتی اور یہ تمام الہام اُس کی طرف سے نہ ہوتے تو یہ امر خدائے عادل اور قدوس کی عادت کے برخلاف تھا کہ جو شخص

اُس کے نزدیک مفتری ہے اور اُس نے یہ گناہ کیا ہے کہ اپنی طرف سے باتیں بنا کر اُس کا نام وحی اللہ اور خدا کا الہام رکھا ہے اس کو تیئیس ۲۳ برس تک مہلت دے تا وہ اپنی کتاب براہین احمدیہ کے باقی ماندہ حصہ کو جہاں تک ارادۂ الٰہیہ ہو اور نہ صرف اسی قدر بلکہ خدا اُس پر یہ بھی احسان کرے کہ جو باتیں اس تکمیل کے لئے انسانی اختیار سے باہر تھیں ان کو اپنی طرف سے انجام دے دے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ ایسے شخص کے ساتھ یہ معاملہ لطف و احسان کا نہیں کرتا جس کو جانتا ہے کہ وہ مفتری ہے۔ پس اس قدر دیر اور التواء سے یہ نشان بھی ظہور میں آ گیا کہ نصرت اور حمایت الٰہی میری نسبت ثابت ہوگئی۔ اس لمبی مدت میں بہت سے کافر اور دجال اور کذاب کہنے والے جو مجھے دائرہ اسلام سے خارج کرتے تھے اور مباہلہ کے رنگ میں جھوٹے پر بددُعائیں کرتے تھے دنیا سے گذر گئے مگر خدا نے مجھے زندہ رکھا اور میری وہ حمایت کی کہ جھوٹوں کا تو کیا ذکر ہے دنیا میں بہت ہی کم سچے اور راستباز گذرے ہوں گے جن کی ایسی حمایت کی گئی ہو۔ پس یہ خدا کا کھلا کھلا نشان ہے مگر اُن کے لئے جو آنکھ بند نہیں کرتے اور خدا تعالیٰ کے نشانوں کو قبول کرنے کیلئے طیار ہیں۔

میرزا غلام احمدؐ قادیانی مسیح موعود

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿۱﴾

ہے شکر ربِّ عزّ وجلّ خارج از بیاں
جس کی کلام سے ہمیں اُس کا ملا نشاں

وہ روشنی جو پاتے ہیں ہم اس کتاب میں
ہوگی نہیں کبھی وہ ہزار آفتاب میں

اُس سے ہمارا پاک دل و سینہ ہوگیا
وہ اپنے منہ کا آپ ہی آئینہ ہوگیا

اُس نے درختِ دل کو معارف کا پھل دیا
ہر سینہ شک سے دھو دیا ہر دل بدل دیا

اُس سے خدا کا چہرہ نمودار ہوگیا
شیطاں کا مکر و وسوسہ بیکار ہوگیا

وہ رَہ جو ذاتِ عزّ وجل کو دکھاتی ہے
وہ رہ جو دل کو پاک و مطہر بناتی ہے

وہ رہ جو یارِ گم شدہ کو کھینچ لاتی ہے
وہ رہ جو جامِ پاک یقیں کا پلاتی ہے

وہ رہ جو اُس کے ہونے پہ محکم دلیل ہے
وہ رَہ جو اُس کے پانے کی کامل سبیل ہے

اُس نے ہر ایک کو وہی رستہ دکھا دیا
جتنے شکوک و شبہ تھے سب کو مٹا دیا

افسردگی جو سینوں میں تھی دور ہوگئی
ظلمت جو تھی دلوں میں وہ سب نور ہوگئی

جو دَور تھا خزاں کا وہ بدلا بہار سے
چلنے لگی نسیم عنایاتِ یار سے

﴿۲﴾

جاڑے کی رُت ظہور سے اُسکے پلٹ گئی
عشقِ خدا کی آگ ہر اک دل میں اٹ گئی

جتنے درخت زندہ تھے وہ سب ہوئے ہرے
پھل اس قدر پڑا کہ وہ میووں سے لد گئے

موجوں سے اُس کی پردے وساوس کے پھٹ گئے
جو کُفر اور فسق کے ٹیلے تھے کٹ گئے

قرآں خدا نما ہے خدا کا کلام ہے
بے اُس کے معرفت کا چمن ناتمام ہے

جولوگ شک کی سردیوں سے تھرتھراتے ہیں
اس آفتاب سے وہ عجب دھوپ پاتے ہیں

دنیا میں جس قدر ہے مذاہب کا شور وشر
سب قصہ گو ہیں نور نہیں ایک ذرّہ بھر

پر یہ کلام نورِ خدا کو دکھاتا ہے
اسکی طرف نشانوں کے جلوہ سے لاتا ہے

جس دیں کا صرف قصوں پہ سارا مدار ہے
وہ دیں نہیں ہے ایک فسانہ گذار ہے

سچ پوچھیئے تو قصوں کا کیا اعتبار ہے
قصوں میں جھوٹ اور خطا بے شمار ہے

ہے دیں وہی کہ صرف وہ اک قصہ گو نہیں
زندہ نشانوں سے ہے دکھاتا رہِ یقیں

ہے دیں وہی کہ جس کا خدا آپ ہو عیاں
خود اپنی قدرتوں سے دکھاوے کہ ہے کہاں

جو معجزات سنتے ہو قصوں کے رنگ میں
اُنکو تو پیش کرتے ہیں سب بحث وجنگ میں

جتنے ہیں فرقے سب کا یہی کاروبار ہے
قصوں میں معجزوں کا بیاں بار بار ہے

پر اپنے دیں کا کچھ بھی دکھاتے نہیں نشاں
گویا وہ ربِّ ارض وسما اب ہے ناتواں

گویا اب اُس میں طاقت وقدرت نہیں رہی
وہ سلطنت وہ زور وہ شوکت نہیں رہی

﴿۳﴾

یاؔ یہ کہ اب خدا میں وہ رحمت نہیں رہی
نیت بدل گئی ہے وہ شفقت نہیں رہی

ایسا گماں خطا ہے کہ وہ ذات پاک ہے
ایسے گماں کی نوبت آخر ہلاک ہے

سچ ہے یہی کہ ایسے مذاہب ہی مر گئے
اَب اُن میں کچھ نہیں ہے کہ جاں سے گذر گئے

پابند ایسے دینوں کے دنیا پرست ہیں
غافل ہیں ذوقِ یار سے دنیا میں مست ہیں

مقصود اُن کا جینے سے دنیا کمانا ہے
مومن نہیں ہیں وہ کہ قدم فاسقانہ ہے

تم دیکھتے ہو کیسے دلوں پر ہیں اُن کے زنگ
دنیا ہی ہوگئی ہے غرض۔ دین سے آئے ننگ

وہ دیں ہی چیز کیا ہے کہ جو رہنما نہیں
ایسا خدا ہے اُس کا کہ گویا خدا نہیں

پھر اُس سے سچی راہ کی عظمت ہی کیا رہی
اور خاص وجہ صفوتِ ملّت ہی کیا رہی

نُور خدا کی اُس میں علامت ہی کیا رہی
توحید خشک رہ گئی نعمت ہی کیا رہی

لوگو ! سنو! کہ زندہ خدا وہ خدا نہیں
جس میں ہمیشہ عادتِ قدرت نما نہیں

مُردہ پرست ہیں وہ جو قصہ پرست ہیں
پس اس لئے وہ موردِ ذِلّ و شکست ہیں

بن دیکھے دل کو دوستو پڑتی نہیں ہے کل
قصوں سے کیسے پاک ہو یہ نفس پُر خلل

کچھ کم نہیں یہودیوں میں یہ کہانیاں
پر دیکھو کیسے ہوگئے شیطاں سے ہم عناں

ہر دم نشانِ تازہ کا محتاج ہے بشر
قصوں کے معجزات کا ہوتا ہے کب اثر

کیونکر ملے فسانوں سے وہ دلبرِ ازل
گر اِک نشاں ہو ملتا ہے سب زندگی کا پھل

قصوں کا یہ اثر ہے کہ دل پُر فساد ہے
ایماں زباں پہ۔ سینہ میں حق سے عِناد ہے

دُنیا کی حرص و آز میں یہ دل ہیں مر گئے
غفلت میں ساری عمر بسر اپنی کر گئے ﴿۴﴾

اے سونے والو جاگو کہ وقتِ بہار ہے
اب دیکھو آکے در پہ ہمارے وہ یار ہے

کیا زندگی کا ذوق اگر وہ نہیں ملا
لعنت ہے ایسے جینے پہ گر اُس سے ہیں جُدا

اُس رُخ کو دیکھنا ہی تو ہے اصل مدّعا
جنت بھی ہے یہی کہ ملے یارِ آشنا

اَے حُبِّ جاہ والو یہ رہنے کی جا نہیں
اِس میں تو پہلے لوگوں سے کوئی رہا نہیں

دیکھو تو جاکے اُن کے مقابر کو اِک نظر
سوچو کہ اب سلف ہیں تمہارے گئے کدھر

اِک دن وہی مقام تمہارا مقام ہے
اِک دن یہ صبح زندگی کی تم پہ شام ہے

اِک دن تمہارا لوگ جنازہ اُٹھائیں گے
پھر دفن کر کے گھر میں تاسّف سے آئیں گے

اے لوگو! عیشِ دنیا کو ہرگز وفا نہیں
کیا تم کو خوفِ مرگ و خیالِ فنا نہیں

سوچو کہ باپ دادے تمہارے کدھر گئے
کس نے بلا لیا وہ سبھی کیوں گذر گئے

وہ دن بھی ایک دن تمہیں یارو نصیب ہے
خوش مت رہو کہ کوچ کی نوبت قریب ہے

ڈھونڈو وہ راہ جس سے دل و سینہ پاک ہو
نفس دنی خدا کی اطاعت میں خاک ہو

ملتی نہیں عزیزو فقط قصوں سے یہ راہ
وہ روشنی نشانوں سے آتی ہے گاہ گاہ

وہ لغو دیں ہے جس میں فقط قصہ جات ہیں
اُن سے رہیں الگ جو سعید الصفات ہیں

صد حیف اِس زمانہ میں قصوں پہ ہے مدار
قصوں پہ سارا دیں کی سچائی کا اِنحصار

پر نقد معجزات کا کچھ بھی نشاں نہیں
پس یہ خدائے قِصّہ خدائے جہاں نہیں

﴿۵﴾

دنیا کو ایسے قِصّوں نے یکسر تبہ کیا
مُشرک بنا کے کُفر دیا روسیہ کیا

جس کو تلاش ہے کہ ملے اُس کو کردگار
اُس کے لئے حرام جو قصّوں پہ ہو نثار

اُس کا تو فرض ہے کہ وہ ڈھونڈے خدا کا نور
تا ہووے شک وشبہ سبھی اُس کے دِل سے دُور

تا اُس کے دل پہ نُورِ یقیں کا نزول ہو
تا وہ جنابِ عزّ وجل میں قبول ہو

قِصّوں سے پاک ہونا کبھی کیا مجال ہے ۔ سچ جانو یہ طریق سراسر محال ہے

قِصّوں سے کب نجات ملے ہے گناہ سے ۔ ممکن نہیں وصالِ خدا ایسی راہ سے

مُردہ سے کب اُمید کہ وہ زندہ کر سکے ۔ اُس سے تو خود محال کہ رہ بھی گذر سکے

وہ رہ جو ذاتِ عزّ وجل کو دکھاتی ہے ۔ وہ رہ جو دل کو پاک و مطہر بناتی ہے

وہ رہ جو یارِ گم شدہ کو ڈھونڈ لاتی ہے ۔ وہ رہ جو جامِ پاکِ یقین کا پلاتی ہے

وہ تازہ قدرتیں جو خدا پر دلیل ہیں ۔ وہ زندہ طاقتیں جو یقیں کی سبیل ہیں

ظاہر ہے یہ کہ قصوں میں اُن کا اثر نہیں ۔ افسانہ گو کو راہِ خدا کی خبر نہیں

اُس بے نشاں کی چہرہ نمائی نشاں سے ہے ۔ سچ ہے کہ سب ثبوت خدائی نشاں سے ہے

کوئی بتائے ہم کو کہ غیروں میں یہ کہاں ۔ قصوں کی چاشنی میں حلاوت کا کیا نشاں

یہ ایسے مذہبوں میں کہاں ہے دکھایئے ۔ ورنہ گزاف قصوں پہ ہرگز نہ جایئے

جب سے کہ قصے ہو گئے مقصود راہ میں ۔ آگے قدم ہے قوم کا ہردم گناہ میں

تم دیکھتے ہو قوم میں عِفّت نہیں رہی ۔ وہ صدق وہ صفا وہ طہارت نہیں رہی

مومن کے جو نشاں ہیں وہ حالت نہیں رہی ۔ اُس یار بے نشاں کی محبت نہیں رہی ﴿۶﴾

اِک سیل چل رہا ہے گناہوں کا زور سے ۔ سنتے نہیں ہیں کچھ بھی معاصی کے شور سے

کیوں بڑھ گئے زمیں پہ بُرے کام اس قدر ۔ کیوں ہو گئے عزیزو! یہ سب لوگ کور و کر

کیوں اب تمہارے دل میں وہ صدق وصفا نہیں ۔ کیوں اس قدر ہے فسق کہ خوف و حیا نہیں

کیوں زندگی کی چال سبھی فاسقانہ ہے ۔ کچھ اِک نظر کرو کہ یہ کیسا زمانہ ہے

اِس کا سبب یہی ہے کہ غفلت ہی چھا گئی | دُنیائے دُوں کی دل میں محبت سما گئی
تقویٰ کے جامے جتنے تھے سب چاک ہوگئے | جتنے خیال دل میں تھے ناپاک ہوگئے
ہردم کے خبث وفسق سے دل پر پڑے حجاب | آنکھوں سے اُن کی چھپ گیا ایماں کا آفتاب
جس کو خدائے عزوجل پر یقیں نہیں | اُس بدنصیب شخص کا کوئی بھی دیں نہیں
پر وہ سعید جوکہ نشانوں کو پاتے ہیں | وہ اُس سے مِل کے دل کو اُسی سے ملاتے ہیں
وہ اُس کے ہوگئے ہیں اُسی سے وہ جیتے ہیں | ہردم اُسی کے ہاتھ سے اِک جام پیتے ہیں
جس مَے کو پی لیا ہے وہ اُس مَے سے مَست ہیں | سب دشمن اُن کے اُن کے مقابل میں پَست ہیں
کچھ ایسے مست ہیں وہ رُخ خوب یار سے | ڈرتے کبھی نہیں ہیں وہ دشمن کے وار سے
اُن سے خدا کے کام سبھی معجزانہ ہیں | یہ اس لئے کہ عاشقِ یارِ یگانہ ہیں
اُن کو خدانے غیروں سے بخشی ہے امتیاز | اُن کے لئے نشاں کو دکھاتا ہے کارساز
جب دشمنوں کے ہاتھ سے وہ تنگ آتے ہیں | جب بدشعار لوگ اُنہیں کچھ ستاتے ہیں
جب اُن کے مارنے کیلئے چال چلتے ہیں | جب اُن سے جنگ کرنے کو باہر نکلتے ہیں ﴿۷﴾
تب وہ خدائے پاک نشاں کو دکھاتا ہے | غیروں پہ اپنا رُعب نشاں سے جماتا ہے
کہتا ہے یہ تو بندۂ عالی جناب ہے | مجھ سے لڑو اگر تمہیں لڑنے کی تاب ہے
اُس ذاتِ پاک سے جوکوئی دل لگاتا ہے | آخر وہ اُس کے رحم کو ایسا ہی پاتا ہے
جن کو نشانِ حضرت باری ہوا نصیب | وہ اُس جنابِ پاک سے ہردم ہوئے قریب
کھینچے گئے کچھ ایسے کہ دنیا سے سو گئے | کچھ ایسا نور دیکھا کہ اُس کے ہی ہوگئے

بِن دیکھے کیسے پاک ہو انساں گناہ سے
اِس چاہ سے نکلتے ہیں لوگ اُس کی چاہ سے

تصویرِ شیر سے نہ ڈرے کوئی گوسپند
نَے مارِ مُردہ سے ہے کچھ اندیشۂ گزند

پھر وہ خدا جو مُردہ کی مانند ہے پڑا
پس کیا امید ایسے سے اور خوف اُس سے کیا

ایسے خدا کے خوف سے دل کیسے پاک ہو
سینہ میں اُسکے عشق سے کیونکر تپاک ہو

بِن دیکھے کس طرح کسی مہ رُخ پہ آئے دل
کیونکر کوئی خیالی صنم سے لگائے دل

دیدار گر نہیں ہے تو گفتار ہی سہی
حُسن و جمالِ یار کے آثار ہی سہی

جب تک خدائے زندہ کی تم کو خبر نہیں
بے قید اور دلیر ہو کچھ دل میں ڈر نہیں

سَو روگ کی دوا یہی وصلِ الٰہی ہے
اِس قید میں ہر ایک گنہ سے رہائی ہے

پر جس خدا کے ہونے کا کچھ بھی نہیں نشاں
کیونکر نثار ایسے پہ ہو جائے کوئی جاں

ہر چیز میں خدا کی ضیا کا ظہور ہے
پر پھر بھی غافلوں سے وہ دلدار دور ہے

جوؔ خاک میں ملے اُسے ملتا ہے آشنا
اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما ﴿۸﴾

عاشق جو ہیں وہ یار کو مَر مَر کے پاتے ہیں
جب مر گئے تو اُسکی طرف کھینچے جاتے ہیں

یہ راہ تنگ ہے پہ یہی ایک راہ ہے
دلبر کی مرنے والوں پہ ہردم نگاہ ہے

ناپاک زندگی ہے جو دوری میں کٹ گئی
دیوار زُہدِ خشک کی آخر کو پھٹ گئی

زندہ وہی ہیں جو کہ خدا کے قریب ہیں
مقبول بن کے اُس کے عزیز و حبیب ہیں

وہ دُور ہیں خدا سے جو تقویٰ سے دُور ہیں
ہر دم اسیرِ نخوت و کبر و غرور ہیں

تقویٰ یہی ہے یارو کہ نخوت کو چھوڑ دو
کبر و غرور و بخل کی عادت کو چھوڑ دو

اِس بے ثبات گھر کی محبت کو چھوڑ دو — اُس یار کے لئے رہِ عشرت کو چھوڑ دو

لعنت کی ہے یہ راہ سو لعنت کو چھوڑ دو — ورنہ خیالِ حضرتِ عزّت کو چھوڑ دو

تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول — تا تم پہ ہو ملائکہء عرش کا نزول

اسلام چیز کیا ہے خدا کیلئے فنا — ترکِ رضائے خویش پئے مرضئ خدا

جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات — اِس راہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات

شوخی و کبر دیوِ لعیں کا شعار ہے — آدم کی نسل وہ ہے جو وہ خاکسار ہے

اے کرمِ خاک چھوڑ دے کبر و غرور کو — زیبا ہے کبر حضرتِ ربِّ غیور کو

بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں — شاید اسی سے دخل ہو دارالوصال میں

چھوڑو غرور و کبر کہ تقویٰ اسی میں ہے — ہو جاؤ خاک مرضئ مولیٰ اِسی میں ہے

﴿۹﴾ تقویٰ کی جڑ خدا کے لئے خاکساری ہے — عفّت جو شرط دیں ہے وہ تقویٰ میں ساری ہے

جو لوگ بدگمانی کو شیوہ بناتے ہیں — تقویٰ کی راہ سے وہ بہت دُور جاتے ہیں

بے احتیاط اُن کی زباں وار کرتی ہے — اِک دم میں اُس علیم کو بیزار کرتی ہے

اِک بات کہہ کے اپنے عمل سارے کھوتے ہیں — پھر شوخیوں کا بیج ہر اک وقت بوتے ہیں

کچھ ایسے سو گئے ہیں ہمارے یہ ہم وطن — اُٹھتے نہیں ہیں ہم نے تو سو سو کئے جتن

سب عضو سست ہو گئے غفلت ہی چھا گئی — قوت تمام نوکِ زباں میں ہی آ گئی

یا بدزباں دکھاتے ہیں یا ہیں وہ بدگماں — باقی خبر نہیں ہے کہ اسلام ہے کہاں

تم دیکھ کر بھی بد کو بچو بدگمان سے — ڈرتے رہو عقابِ خدائے جہان سے

شاید تمہاری آنکھ ہی کر جائے کچھ خطا | شاید وہ بد نہ ہو جو تمہیں ہے وہ بدنما

شاید تمہاری فہم کا ہی کچھ قصور ہو | شاید وہ آزمائشِ ربِّ غفور ہو

پھر تم تو بدگمانی سے اپنی ہوئے ہلاک | خودسر پہ اپنے لے لیا خشمِ خدائے پاک

گر ایسے تم دلیریوں میں بے حیا ہوئے | پھر اِتّقا کے سوچو کہ معنے ہی کیا ہوئے

موسیٰ بھی بدگمانی سے شرمندہ ہوگیا | قرآں میں خضر نے جو کیا تھا پڑھو ذرا

بندوں میں اپنے بھید خدا کے ہیں صد ہزار | تم کو نہ علم ہے نہ حقیقت ہے آشکار

پس تم تو ایک بات کے کہنے سے مر گئے | یہ کیسی عقل تھی کہ براہِ خطر گئے

بدبخت تر تمام جہاں سے وہی ہوا | جو ایک بات کہہ کے ہی دوزخ میں جا گرا

﴿۱۰﴾

پسؔ تم بچاؤ اپنی زباں کو فساد سے | ڈرتے رہو عقوبت ربّ العباد سے

دو عضو اپنے جو کوئی ڈر کر بچائے گا | سیدھا خدا کے فضل سے جنت میں جائے گا

وہ اِک زباں ہے عضو نہانی ہے دوسرا | یہ ہے حدیث سیّدنا سیّد الورٰی

پر وہ جو مجھ کو کاذب و مکّار کہتے ہیں | اور مفتری و کافر و بدکار کہتے ہیں

اُن کیلئے تو بس ہے خدا کا یہی نشاں | یعنی وہ فضل اُس کے جو مجھ پر ہیں ہر زماں

دیکھو خدا نے ایک جہاں کو جھکا دیا | گمنام پاکے شہرۂ عالم بنا دیا

جو کچھ مری مراد تھی سب کچھ دکھا دیا | میں اِک غریب تھا مجھے بے انتہا دیا

دنیا کی نعمتوں سے کوئی بھی نہیں رہی | جو اُس نے مجھ کو اپنی عنایات سے نہ دی

ایسے بدوں سے اُس کے ہوں ایسے معاملات | کیا یہ نہیں کرامت و عادت سے بڑھ کے بات

جو مفتری ہے اُس سے یہ کیوں اتحاد ہے — کس کو نظیر ایسی عنایت کی یاد ہے

مجھ پر ہر اک نے وار کیا اپنے رنگ میں — آخر ذلیل ہوگئے انجامِ جنگ میں

اِن کینوں میں کسی کو بھی ارماں نہیں رہا — سب کی مراد تھی کہ میں دیکھوں رہِ فنا

تھے چاہتے کہ مجھ کو دکھائیں عدم کی راہ — یا حاکموں سے پھانسی دلا کر کریں تباہ

یا کم سے کم یہ ہو کہ میں زنداں میں جا پڑوں — یا یہ کہ ذلتوں سے میں ہو جاؤں سرنگوں

یا مخبری سے ان کی کوئی اَور ہی بلا — آجائے مجھ پہ یا کوئی مقبول ہو دُعا

پس ایسے ہی ارادوں سے کر کے مقدمات — چاہا گیا کہ دن مرا ہو جائے مجھ پہ رات

﴿۱۱﴾ کوشش بھی وہ ہوئی کہ جہاں میں نہ ہو کبھی — پھر اتفاق وہ کہ زماں میں نہ ہو کبھی

مجھ کو ہلاک کرنے کو سب ایک ہوگئے — سمجھا گیا میں بد پہ وہ سب نیک ہوگئے

آخر کو وہ خدا جو کریم و قدیر ہے — جو عالم القلوب و علیم و خبیر ہے

اُترا مری مدد کیلئے کر کے عہد یاد — پس رہ گئے وہ سارے سیہ رُوئے و نامراد

کچھ ایسا فضل حضرتِ ربّ الوریٰ ہوا — سب دشمنوں کے دیکھ کے اوساں ہوئے خطا

اِک قطرہ اُس کے فضل نے دریا بنا دیا — میں خاک تھا اُسی نے ثریا بنا دیا

میں تھا غریب و بیکس و گمنام و بے ہنر — کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر

لوگوں کی اِس طرف کو ذرا بھی نظر نہ تھی — میرے وجود کی بھی کسی کو خبر نہ تھی

اب دیکھتے ہو کیسا رجوعِ جہاں ہوا — اِک مرجع خواص یہی قادیاں ہوا

پر پھر بھی جن کی آنکھ تعصب سے بند ہے — اُن کی نظر میں حال مرا ناپسند ہے

میں مفتری ہوں اُن کی نگاہ و خیال میں | دنیا کی خیر ہے مری موت و زوال میں
لعنت ہے مفتری پہ خدا کی کتاب میں | عزّت نہیں ہے ذرّہ بھی اُس کی جناب میں
توریت میں بھی نیز کلام مجید میں | لکھا گیا ہے رنگِ وعیدِ شدید میں
کوئی اگر خدا پہ کرے کچھ بھی افترا | ہوگا وہ قتل ہے یہی اِس جرم کی سزا
پھر یہ عجیب غفلت ربِّ قدیر ہے | دیکھے ہے ایک کو کہ وہ ایسا شریر ہے
پچیس سال سے ہے وہ مشغولِ افترا | ہر دن ہر ایک رات یہی کام ہے رہا
ہر روز اپنے دل سے بناتا ہے ایک بات | کہتا ہے یہ خدا نے کہا مجھ کو آج رات
پھر بھی وہ ایسے شوخ کو دیتا نہیں سزا | گویا نہیں ہے یاد جو پہلے سے کہہ چکا
پھر یہ عجیب تر ہے کہ جب حامیانِ دیں | ایسے کے قتل کرنے کو فاعل ہوں یا معیں
کرتا نہیں ہے اُن کی مدد وقتِ انتظام | تا مفتری کے قتل سے قصہ ہی ہو تمام
اپنا تو اُس کا وعدہ رہا سارا طاق پر | اوروں کی سعی و جہد پہ بھی کچھ نہیں نظر
کیا وہ خدا نہیں ہے جو فرقاں کا ہے خدا | پھر کیوں وہ مفتری سے کرے اسقدر وفا
آخر یہ بات کیا ہے کہ ہے ایک مفتری | کرتا ہے ہر مقام میں اُس کو خدا بَری
جب دشمن اُسکو پیچ میں کوشش سے لاتے ہیں | کوشش بھی اسقدر کہ وہ بس مر ہی جاتے ہیں
اِک اتفاق کرکے وہ باتیں بناتے ہیں | سو جھوٹ اور فریب کی تہمت لگاتے ہیں
پھر بھی وہ نامراد مقاصد میں رہتے ہیں | جاتا ہے بے اثر وہ جو سو بار کہتے ہیں
ذلّت ہیں چاہتے۔ یہاں اِکرام ہوتا ہے | کیا مفتری کا ایسا ہی انجام ہوتا ہے

﴿۱۲﴾

اے قوم کے سرآمدہ اے حامیانِ دیں
سوچو کہ کیوں خدا تمہیں دیتا مدد نہیں

تم میں نہ رحم ہے نہ عدالت نہ اتّقا
پس اس سبب سے ساتھ تمہارے نہیں خدا

ہوگا تمہیں کلارک کا بھی وقت خوب یاد
جب مجھ پہ کی تھی تہمتِ خوں ازرہِ فساد

جب آپ لوگ اُس سے ملے تھے بدیں خیال
تا آپ کی مدد سے اُسے سہل ہو جدال

پر وہ خدا جو عاجز و مسکیں کا ہے خدا
حاکم کے دل کو میری طرف اُس نے کردیا

«۱۳» تم نے تو مجھ کو قتل کرانے کی ٹھانی تھی
یہ بات اپنے دل میں بہت سہل جانی تھی

تھے چاہتے صلیب پہ یہ شخص کھینچا جائے
تا تم کو ایک فخر سے یہ بات ہاتھ آئے

جھوٹا تھا مفتری تھا تبھی یہ ملی سزا
آخر مری مدد کیلئے خود اُٹھا خدا

ڈگلس پہ سارا حال بریّت کا کھل گیا
عزت کے ساتھ تب میں وہاں سے بَری ہوا

الزام مجھ پہ قتل کا تھا سخت تھا یہ کام
تھا ایک پادری کی طرف سے یہ اتّہام

جتنے گواہ تھے وہ تھے سب میرے برخلاف
اِک مولوی بھی تھا جو یہی مارتا تھا لاف

دیکھو یہ شخص اب تو سزا اپنی پائے گا
اب بن سزائے سخت یہ بچ کر نہ جائے گا

اتنی شہادتیں ہیں کہ اب کھل گیا قصور
اب قید یا صلیب ہے اک بات ہے ضرور

بعضوں کو بددُعا میں بھی تھا ایک انہماک
اِتنی دُعا کہ گھس گئی سجدے میں اُن کی ناک

القصّہ جہد کی نہ رہی کچھ بھی انتہا
اِک سُو تھا مگر ایک طرف سجدہ و دُعا

آخر خدا نے دی مجھے اُس آگ سے نجات
دُشمن تھے جتنے اُن کی طرف کی نہ التفات

کیسا یہ فضل اُس سے نمودار ہوگیا
اِک مفتری کا وہ بھی مددگار ہوگیا

اُس کا تو فرض تھا کہ وہ وعدہ کو کرکے یاد
خود مارتا وہ گردنِ کذّاب بدنہاد

گر اُس سے رہ گیا تھا کہ وہ خود دکھائے ہاتھ — اتنا تو سہل تھا کہ تمہارا بٹائے ہاتھ

یہ بات کیا ہوئی کہ وہ تم سے الگ رہا — کچھ بھی مدد نہ کی نہ سنی کوئی بھی دُعا

جو مفتری تھا اُس کو تو آزاد کردیا — سب کام اپنی قوم کا برباد کردیا

سبؔ جدوجہد وسعی اکارت چلی گئی — کوشش تھی جس قدر وہ بغارت چلی گئی ﴾۱۴﴿

کیا ''راستی کی فتح'' نہیں وعدۂ خدا — دیکھو تو کھول کر سخنِ پاک کبریا

پھر کیوں یہ بات میری ہی نسبت پلٹ گئی — یا خود تمہاری چادرِ تقویٰ ہی پھٹ گئی

کیا یہ عجب نہیں ہے کہ جب تم ہی یار ہو — پھر میرے فائدہ کا ہی سب کاروبار ہو

پھر یہ نہیں کہ ہوگئی ہے صرف ایک بات — پاتا ہوں ہر قدم میں خدا کے تفضلات

دیکھو وہ بھیں کا شخص کرم دیں ہے جس کا نام — لڑنے میں جس نے نیند بھی اپنے پہ کی حرام

جس کی مدد کے واسطے لوگوں میں جوش تھا — جس کا ہر ایک دشمنِ حق عیب پوش تھا

جس کا رفیق ہوگیا ہر ظالم و غوی — جس کی مدد کے واسطے آئے تھے مولوی

اُن میں سے ایسے تھے کہ جو بڑھ بڑھ کے آتے تھے — اپنا بیاں لکھانے میں کرتب دکھاتے تھے

ہشیاری مستغیث بھی اپنی دکھاتا تھا — سو سو خلاف واقعہ باتیں بناتا تھا

پر اپنے بدعمل کی سزا کو وہ پا گیا — ساتھ اُس کے یہ کہ نام بھی کاذب رکھا گیا

کذّاب نام اس کا دفاتر میں رہ گیا — چالاکیوں کا فخر جو رکھتا تھا بہ گیا

اے ہوش وعقل والو یہ عبرت کا ہے مقام — چالاکیاں تو ہیچ ہیں تقویٰ سے ہوویں کام

جو متقی ہے اُس کا خدا خود نصیر ہے — انجام فاسقوں کا عذاب سعیر ہے

جڑ ہے ہر ایک خیر وسعادت کی اتّقا — جس کی یہ جڑ رہی ہے عمل اُس کا سب رہا

مومن ہی فتح پاتے ہیں انجام کار میں | ایسا ہی پاؤ گے سخنِ کردگار میں
کوئی بھی مفتری ہمیں دنیا میں اب دکھا | جس پر یہ فضل ہو یہ عنایات یہ عطا
اِس بدعمل کی قتل سزا ہے نہ یہ کہ پیت | پس کس طرح خدا کو پسند آ گئی یہ ریت
کیا تھا یہی معاملہ پاداشِ اِفترا | کیا مفتری کے بارے میں وعدہ یہی ہوا
کیوں ایک مفتری کا وہ ایسا ہے آشنا | یا بے خبر ہے عیب سے دھوکے میں آ گیا
آخر کوئی تو بات ہے جس سے ہوا وہ یار | بدکار سے تو کوئی بھی کرتا نہیں ہے پیار
تم بدبنا کے پھر بھی گرفتار ہوگئے | یہ بھی تو ہیں نشاں جو نمودار ہوگئے
تاہم وہ دوسرے بھی نشاں ہیں ہمارے پاس | لکھتے ہیں اب خدا کی عنایت سے بے ہراس
جس دل میں رچ گیا ہے محبت سے اُس کا نام | وہ خود نشاں ہے نیز نشاں سارے اس کے کام
کیا کیا نہ ہم نے نام رکھائے زمانہ سے | مُردوں سے نیز فرقۂ ناداں زنانہ سے
اُس کے گمان میں ہم بدو بدحال ہوگئے | اُن کی نظر میں کافر و دجّال ہوگئے
ہم مفتری بھی بن گئے اُن کی نگاہ میں | بے دیں ہوئے فساد کیا حق کی راہ میں
پر ایسے کفر پر تو فدا ہے ہماری جاں | جس سے ملے خدائے جہان وجہانیاں
لعنت ہے ایسے دیں پہ کہ اس کفر سے ہے کم | سَو شکر ہے کہ ہوگئے غالب کے یار ہم
ہوتا ہے کردگار اسی رہ سے دستگیر | کیا جانے قدر اس کا جو قصوں میں ہے اسیر
وحی خدا اِسی رہِ فرّخ سے پاتے ہیں | دلبر کا بانکپن بھی اسی سے دکھاتے ہیں

اے مدعی نہیں ہے تیرے ساتھ کردگار
یہ کُفر تیرے دیں سے ہے بہتر ہزار بار

﴿۱۵﴾

﴿۱۶﴾

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

ہزار ہزار شکر اُس خداوند کریم کا ہے جس نے ایسا مذہب ہمیں عطا فرمایا جو خدادانی اور خدا ترسی کا ایک ایسا ذریعہ ہے جس کی نظیر کبھی اور کسی زمانہ میں نہیں پائی گئی۔ اور ہزار ہا درود اُس نبی معصوم پر جس کے وسیلہ سے ہم اس پاک مذہب میں داخل ہوئے۔ اور ہزار ہا رحمتیں نبی کریم کے اصحاب پر ہوں جنہوں نے اپنے خونوں سے اِس باغ کی آب پاشی کی۔

اسلام ایک ایسا بابرکت اور خدانما مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص سچے طور پر اس کی پابندی اختیار کرے اور ان تعلیموں اور ہدایتوں اور وصیتوں پر کاربند ہو جائے جو خدائے تعالیٰ کے پاک کلام قرآن شریف میں مندرج ہیں تو وہ اسی جہان میں خدا کو دیکھ لے گا۔ وہ خدا جو دنیا کی نظر سے ہزاروں پردوں میں ہے اس کی شناخت کیلئے بجز قرآنی تعلیم کے اور کوئی بھی ذریعہ نہیں۔ قرآن شریف معقولی رنگ میں اور آسمانی نشانوں کے رنگ میں نہایت سہل اور آسان طریق سے خدائے تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور اس میں ایک برکت اور قوتِ جاذبہ ہے جو خدا کے طالب کو دمبدم خدا کی طرف کھینچتی اور روشنی اور سکینت اور اطمینان بخشتی ہے اور قرآن شریف پر سچا ایمان لانے والا صرف فلسفیوں کی طرح یہ ظن نہیں رکھتا کہ اس پُر حکمت عالم کا بنانے والا کوئی ہونا چاہیے بلکہ وہ ایک ذاتی بصیرت حاصل کر کے اور ایک پاک رؤیت سے مشرف ہو کر یقین کی آنکھ سے

﴿۱۷﴾

دیکھ لیتا ہے کہ فی الواقع وہ صانع موجود ہے اور اس پاک کلام کی روشنی حاصل کرنے والا محض خشک معقولیوں کی طرح یہ گمان نہیں رکھتا کہ خدا واحد لاشریک ہے بلکہ صدہا چمکتے ہوئے نشانوں کے ساتھ جو اُس کا ہاتھ پکڑ کر ظلمت سے نکالتے ہیں واقعی طور پر مشاہدہ کرلیتا ہے کہ درحقیقت ذات اور صفات میں خدا کا کوئی بھی شریک نہیں اور نہ صرف اس قدر بلکہ وہ عملی طور پر دنیا کو دکھا دیتا ہے کہ وہ ایسا ہی خدا کو سمجھتا ہے اور وحدتِ الٰہی کی عظمت ایسی اس کے دل میں سما جاتی ہے کہ وہ الٰہی ارادہ کے آگے تمام دنیا کو ایک مرے ہوئے کیڑے کی طرح بلکہ مطلق لَاشَے اور سراسر کالعدم سمجھتا ہے۔

انسانی فطرت ایک ایسے درخت کی طرح واقع ہے جس کے ایک حصہ کی شاخیں نجاست اور پیشاب کے گڑھے میں غرق ہیں اور دوسرے حصے کی شاخیں ایک ایسے حوض میں پڑتی ہیں جو کیوڑہ اور گلاب اور دوسری لطیف خوشبوؤں سے پُر ہے اور ہر ایک حصے کی طرف سے جب کوئی ہوا چلتی ہے تو بدبو یا خوشبو کو جیسی کہ صورت ہو پھیلا دیتی ہے۔ اِسی طرح نفسانی جذبات کی ہوا بدبو ظاہر کرتی ہے اور رحمانی نفحات کی ہوا پوشیدہ خوشبو کو پیرایۂ ظہور و بروز پہناتی ہے۔ پس اگر رحمانی ہوا کے چلنے میں جو آسمان سے اُترتی ہے روک ہو جائے تو انسان نفسانی جذبات کی تند و تیز ہواؤں کے ہر طرف سے طمانچے کھا کر اور اُن کی بدبوؤں کے نیچے دب کر ایسا خدائے تعالیٰ سے منہ پھیر لیتا ہے کہ شیطان مجسم بن جاتا ہے اور اسفل السافلین میں گرایا جاتا ہے اور کوئی نیکی اُس کے اندر نہیں رہتی اور کفر اور معصیت اور فسق و فجور اور تمام رذائل کے زہروں سے آخر ہلاک ہو جاتا ہے اور زندگی اُس کی جہنمی ہوتی ہے اور آخر مرنے کے بعد جہنم میں گرتا ہے اور اگر خدائے تعالیٰ کا فضل دستگیر ہو اور نفحاتِ الٰہیہ اُس کے صاف اور معطّر کرنے کے لئے آسمان سے چلیں اور اُس کی رُوح کو اپنی خاص تربیت سے دمبدم نورانیت اور تازگی اور پاک طاقت بخشیں تو وہ طاقت بالا سے قوت پا کر اس قدر اوپر کی طرف کھینچا جاتا ہے کہ فرشتوں کے مقام سے بھی اوپر گذر جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ

﴿۱۸﴾ انسان میں نیچے گرنے کا بھی مادہ ہے اور اوپر اُٹھائے جانے کا بھی۔ اور کسی نے اس بارے میں سچ کہا ہے۔

حضرتِ انساں کہ حدِّ مشترک را جامع است می تواند شد مسیحا مے تواند خر شدن

لیکن اس جگہ مشکل یہ ہے کہ نیچے جانا انسان کے لئے سہل امر ہے گویا ایک طبعی امر ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو ایک پتھر اوپر کو بہت مشکل سے جاتا ہے اور کسی دوسرے کے زور کا محتاج ہے لیکن نیچے کی طرف خود بخود گر جاتا ہے اور کسی کے زور کا محتاج نہیں۔ پس انسان اوپر جانے کے لئے ایک زور آور ہاتھ کا محتاج ہے۔ اِسی حاجت نے سلسلہ انبیاء اور کلام الٰہی کی ضرورت ثابت کی ہے۔ اگرچہ دنیا کے لوگ سچے مذہب کے پرکھنے کے معاملہ میں ہزارہا پیچ در پیچ مباحثات میں پڑ گئے ہیں اور پھر بھی کسی منزل مقصود تک نہیں پہنچے لیکن سچ بات یہ ہے کہ جو مذہب انسانی نابینائی کے دُور کرنے اور آسمانی برکات کے عطا کرنے کیلئے اس حد تک کامیاب ہو سکے جو اس کے پیرو کی عملی زندگی میں خدا کی ہستی کا اقرار اور نوع انسان کی ہمدردی کا ثبوت نمایاں ہو وہی مذہب سچا ہے اور وہی ہے جو اپنے سچے پابند کو اس منزل مقصود تک پہنچا سکتا ہے جس کی اُس کی رُوح کو پیاس لگا دی گئی ہے۔ اکثر لوگ صرف ایسے فرضی خدا پر ایمان لاتے ہیں جس کی قدرتیں آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہیں اور جس کی سکتی اور طاقت صرف قصوں اور کہانیوں کے پیرایہ میں بیان کی جاتی ہے۔ پس یہی سبب ہوتا ہے کہ ایسا فرضی خدا اُن کو گناہ سے روک نہیں سکتا بلکہ ایسے مذہب کی پیروی میں جیسے جیسے اُن کا تعصب بڑھتا جاتا ہے ویسے ویسے فسق و فجور پر شوخی اور دلیری زیادہ پیدا ہوتی جاتی ہے اور نفسانی جذبات ایسی تیزی میں آتے ہیں کہ جیسے ایک دریا کا بند ٹوٹ کر ارد گرد پانی اُس کا پھیل جاتا ہے اور کئی گھروں اور کھیتوں کو تباہ کر دیتا ہے۔ وہ زندہ خدا جو قادرانہ نشانوں کے شعاع اپنے ساتھ رکھتا ہے اور اپنی ہستی کو تازہ بتازہ معجزات اور طاقتوں سے ثابت کرتا رہتا ہے وہی ہے جس کا پانا اور دریافت کرنا گناہ سے روکتا ہے اور سچی سکینت اور شانتی اور تسلی بخشتا ہے اور استقامت اور دلی بہادری کو عطا فرماتا ہے۔ وہ آگ بن کر

گناہوں کو جلا دیتا ہے اور پانی بن کر دنیا پرستی کی خواہشوں کو دھوڈالتا ہے مذہب اسی کا نام ہے جو اُس کو تلاش کریں اور تلاش میں دیوانہ بن جائیں۔ ﴿۱۹﴾

یاد رہے کہ محض خشک جھگڑے اور سب وشتم اور سخت گوئی اور بدزبانی جو نفسانیت کی بنا پر مذہب کے نام پر ظاہر کی جاتی ہے۔ اور اپنی اندرونی بدکاریوں کو دُور نہیں کیا جاتا اور اس محبوب حقیقی سے سچا تعلق پیدا نہیں کیا جاتا اور ایک فریق دوسرے فریق پر نہ انسانیت سے بلکہ کتوں کی طرح حملہ کرتا ہے اور مذہبی حمایت کی اوٹ میں ہر ایک قسم کی نفسانی بدذاتی دکھلاتا ہے کہ یہ گندہ طریق جو سراسر استخوان ہے اس لائق نہیں کہ اس کا نام مذہب رکھا جائے۔ افسوس ایسے لوگ نہیں جانتے کہ ہم دنیا میں کیوں آئے۔ اور اصل اور بڑا مقصود ہمارا اس مختصر زندگی سے کیا ہے بلکہ وہ ہمیشہ اندھے اور ناپاک فطرت رہ کر صرف متعصّبانہ جذبات کا نام مذہب رکھتے ہیں اور ایسے فرضی خدا کی حمایت میں دنیا میں بداخلاقی دکھلاتے اور زبان درازیاں کرتے ہیں جس کے وجود کا اُن کے پاس کچھ بھی ثبوت نہیں۔ وہ مذہب کس کام کا مذہب ہے جو زندہ خدا کا پرستار نہیں بلکہ ایسا خدا ایک مُردے کا جنازہ ہے جو صرف دوسروں کے سہارے سے چل رہا ہے سہارا الگ ہوا اور وہ زمین پر گرا۔ ایسے مذہب سے اگر ان کو کچھ حاصل ہے تو صرف تعصب اور حقیقی خداترسی اور نوع انسان کی سچی ہمدردی جو افضل الخصائل ہے۔ بالکل اُن کی فطرت سے مفقود ہو جاتی ہے۔ اور اگر ایسے شخص کا اُن سے مقابلہ پڑے جو اُن کے مذہب اور عقیدے کا مخالف ہو تو فقط اسی قدر مخالفت کو دل میں رکھ کر اُس کی جان اور مال اور عزّت کے دشمن ہو جاتے ہیں اور اگر ان کے متعلق کسی غیر قوم کے شخص کا کام پڑ جائے تو انصاف اور خداترسی کو ہاتھ سے دے کر چاہتے ہیں کہ اس کو بالکل نابود کر دیں اور وہ رحم اور انصاف اور ہمدردی جو انسانی فطرت کی اعلیٰ فضیلت ہے بالکل اُن کے طبائع سے مفقود ہو جاتی ہے اور تعصب کے جوش سے ایک ناپاک درندگی اُن کے اندر سما جاتی ہے اور نہیں جانتے

کہ اصل غرض مذہب سے کیا ہے۔ اصل بدخواہ مذہب اور قوم کے وہی بدکردار لوگ ہوتے ہیں جو حقیقت اور سچی معرفت اور سچی پاکیزگی کی کچھ پروا نہیں رکھتے اور صرف نفسانی جوشوں کا نام مذہب رکھتے ہیں۔ تمام وقت فضول لڑائی جھگڑوں اور گندی باتوں میں صرف کرتے ہیں اور جو وقت خدا کے ساتھ خلوت میں خرچ کرنا چاہیئے وہ خواب میں بھی اُن کو میسر نہیں ہوتا۔ بزرگوں کی نندیا تحقیر توہین ان کا کام ہوتا ہے اور خود اندر اُن کا نفسانی غلاظتوں سے اس قدر بھرا ہوا ہوتا ہے جیسا کہ سنڈاس نجاست سے۔ زبان پر بک بک بہت مگر دل خدا سے دُور اور دنیا کے گندوں میں غرق پھر مصلح قوم ہونے کا دعویٰ۔ ﴿۲۰﴾

ع خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

ایسے آدمی نہ خوف زدہ دل سے کسی کی بات سن سکتے ہیں نہ تحمل سے جواب دے سکتے ہیں۔ اُن کے نزدیک تمام اسلام نشانۂ اعتراضات ہے کوئی بات بھی اچھی نہیں اور عجیب تر یہ کہ وہ اس حالت پر خوش ہوتے ہیں اور کسی دوسری قوم کے انسان پر کوئی موذیانہ ہاتھ ڈال کر خیال کرتے ہیں کہ ہم نے بہت ثواب کا کام کیا ہے یا بڑی ہمت اور جوانمردی دکھلائی ہے لیکن افسوس کہ اس زمانہ میں اکثر قومیں اسی تعصب کا نام مذہب خیال کرتی ہیں۔ اور ہم اس خراب عادت سے عام مسلمانوں کو بھی باہر نہیں رکھتے۔ پس وہ خدا کے نزدیک زیادہ مؤاخذہ کے لائق ہیں کیونکہ ان کو وہ دین دیا گیا تھا جس کا نام اسلام ہے جس کے معنے خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں خود ظاہر فرمائے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا۔ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ[1] یعنی اسلام کے دو ٹکڑے ہیں۔ ایک[1] یہ کہ خدا کی رضا میں ایسا محو ہو جانا کہ اپنی رضا چھوڑ کر اُس کی رضا جوئی کیلئے اُس کے آستانہ پر سر رکھ دینا اور دوسرے[2] عام طور پر تمام بنی نوع سے نیکی کرنا۔ پس یہ دین کیسا پیارا اور نیک اور پاک اصولوں پر مبنی تھا جس کی تعلیموں سے وہ بہت دُور پڑ گئے۔ اور یہ تباہی اُس وقت پیدا ہوئی جبکہ قرآن شریف کی تعلیم سے عمداً یا غلطی سے اعراض

[1] البقرۃ:۱۱۳

کیا گیا کیونکہ اعراض خواہ صوری ہو یا معنوی فیض الٰہی سے محروم کر دیتا ہے۔ اور اس جگہ ہماری مراد اعراض صوری سے یہ ہے کہ ایک شخص خدائے تعالیٰ کے کلام سے بالکل منکر ہو۔ اور اعراض معنوی سے یہ مراد ہے کہ بظاہر منکر تو نہ ہو لیکن رسم اور عادت اور نفسانی اغراض اور اقوال غیر کے نیچے دب کر ایسا ہو جائے کہ خدائے تعالیٰ کے کلام کی کچھ پرواہ نہ کرے۔

غرض یہ دو خبیث مرضیں ہیں جن سے بچنے کیلئے سچے مذہب کی پیروی کی ضرورت ہے۔ یعنی اوّل یہ مرض کہ خدا کو واحد لاشریک اور متصف بہ تمام صفات کاملہ اور قدرت تامہ قبول نہ کرکے اس کے حقوقِ واجبہ سے منہ پھیرنا اور ایک نمک حرام انسان کی طرح اُس کے اُن فیوض سے انکار کرنا جو جان اور بدن کے ذرّہ ذرّہ کے شامل حال ہیں۔ دوسرے یہ کہ بنی نوع کے حقوق کی بجا آوری میں کوتاہی کرنا۔ اور ہر ایک شخص جو اپنے مذہب اور قوم سے الگ ہو یا اُس کا مخالف ہو اس کی ایذا کیلئے ایک زہریلے سانپ کی طرح بن جانا اور تمام انسانی حقوق کو یک دفعہ تلف کر دینا۔ ایسے انسان درحقیقت مردہ ہیں اور زندہ خدا سے بے خبر۔ زندہ ایمان لانا ہرگز ممکن نہیں جب تک انسان زندہ خدا کی تجلیات اور آیات عظیمہ سے فیضیاب نہ ہو۔ یوں تو بجز دہریہ لوگوں کے تمام دنیا کسی نہ کسی رنگ میں خدا تعالیٰ کے وجود کی قائل ہے مگر چونکہ وہ قائل ہونا صرف اپنا خود تراشیدہ خیال ہے اور زندہ خدا کی اپنی ذاتی تجلّی سے نہیں ہے اس لئے ایسے خیال سے زندہ ایمان حاصل نہیں ہوسکتا۔ جب تک خدائے تعالیٰ کی طرف سے **انا الموجود** کی آواز زوردار طاقتوں کے ساتھ معجزانہ رنگ میں اور خارق عادت کے طور پر سنائی نہ دے اور فعلی طور پر اس کے ساتھ دوسرے زبردست نشان نہ ہوں اُس وقت تک اُس زندہ خدا پر ایمان آ نہیں سکتا۔ ایسے لوگ محض سنی سنائی باتوں کا نام خدایا پرمیشر رکھتے ہیں اور صرف گلے پڑا ڈھول بجا رہے ہیں اور اپنی شناسائی کی حد سے زیادہ لاف وگزاف اپنا پیشہ بنا رکھا ہے۔

﴿۲۱﴾

حقیقی خدادانی تمام اسی میں منحصر ہے کہ اس زندہ خدا تک رسائی ہو جائے کہ جو اپنے مقرب انسانوں سے نہایت صفائی سے ہم کلام ہوتا ہے اور اپنی پُرشوکت اور لذیذ کلام سے اُن کو تسلی اور سکینت بخشتا ہے اور جس طرح ایک انسان دوسرے انسان سے بولتا ہے ایسا ہی یقینی طور پر جو بکلّی شک وشبہ سے پاک ہے اُن سے باتیں کرتا ہے اُن کی بات سنتا ہے اور اُس کا جواب دیتا ہے اور اُن کی دعاؤں کو سن کر دُعا کے قبول کرنے سے اُن کو اطلاع بخشتا ہے اور ایک طرف لذیذ اور پُرشوکت قول سے اور دوسری طرف معجزانہ فعل سے اور اپنے قوی اور زبردست نشانوں سے اُن پر ثابت کر دیتا ہے کہ میں ہی خدا ہوں۔ وہ اوّل پیشگوئی کے طور پر ﴿۲۲﴾ اُن سے اپنی حمایت اور نصرت اور خاص طور کی دستگیری کے وعدے کرتا ہے اور پھر دوسری طرف اپنے وعدوں کی عظمت بڑھانے کیلئے ایک دنیا کو اُن کے مخالف کر دیتا ہے۔ اور وہ لوگ اپنی تمام طاقت اور تمام مکر وفریب اور ہر ایک قسم کے منصوبوں سے کوشش کرتے ہیں کہ خدا کے اُن وعدوں کو ٹال دیں جو اُس کے ان مقبول بندوں کی حمایت اور نصرت اور غلبہ کے بارے میں ہیں اور خدا ان تمام کوششوں کو برباد کرتا ہے۔ وہ شرارت کی تخم ریزی کرتے ہیں اور خدا اس کی جڑ باہر پھینکتا ہے۔ وہ آگ لگاتے ہیں اور خدا اُس کو بجھا دیتا ہے۔ وہ ناخنوں تک زور لگاتے ہیں آخر خدا اُن کے منصوبوں کو اُنہی پر اُلٹا کر مارتا ہے خدا کے مقبول اور راستباز نہایت سیدھے اور سادہ طبع اور خدا تعالیٰ کے سامنے اُن بچوں کی طرح ہوتے ہیں جو ماں کی گود میں ہوں اور دنیا اُن سے دشمنی کرتی ہے کیونکہ وہ دنیا میں سے نہیں ہوتے اور طرح طرح کے مکر اور فریب اُن کی بیخ کنی کیلئے کئے جاتے ہیں۔ قومیں اُن کے ایذا دینے کیلئے متفق ہو جاتی ہیں اور تمام نااہل لوگ ایک ہی کمان سے اُن کی طرف تیر چلاتے ہیں۔ اور طرح طرح کے افترا اور تہمتیں لگائی جاتی ہیں تا کسی طرح وہ ہلاک ہو جائیں اور اُن کا نشان نہ رہے مگر آخر خدائے تعالیٰ اپنی باتوں کو پوری کر کے دکھلا دیتا ہے۔ اِسی طرح اُن کی زندگی میں یہ معاملہ ان سے

جاری رہتا ہے کہ ایک طرف وہ مکالماتِ صحیحہ واضحہ یقینیہ سے مشرف کئے جاتے ہیں اور امور غیبیہ جن کا علم انسانوں کی طاقت سے باہر ہے اُن پر خدائے کریم وقدیر اپنے صریح کلام کے ذریعہ سے منکشف کرتا رہتا ہے اور دوسری طرف معجزانہ افعال سے جو اُن اقوال کو سچ کرکے دکھلاتے ہیں اُن کے یقین کو نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡر کیا جاتا ہے۔ اور جس قدر انسان کی طبیعت تقاضا کرتی ہے کہ خدا کی یقینی شناخت کے لئے اس قدر معرفت چاہیئے وہ معرفت قولی اور فعلی تجلّی سے پوری کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک ذرّہ کے برابر بھی تاریکی درمیان نہیں رہتی۔ یہ خدا ہے جس کے ان قولی فعلی تجلّیات کے بعد جو ہزاروں انعامات اپنے اندر رکھتی ہیں اور نہایت قوی اثر دل پر کرتی ہیں انسان کو سچا اور زندہ ایمان نصیب ہوتا ہے اور ایک سچا اور پاک تعلق خدا سے ہوکر نفسانی غلاظتیں دُور ہو جاتی ہیں۔ اور تمام کمزوریاں دُور ہو کر آسمانی روشنی کی تیز شعاعوں سے اندرونی تاریکی الوداع ہوتی ہے اور ایک عجیب تبدیلی ظہور میں آتی ہے۔ ﴿۲۳﴾

پس جو مذہب اس خدا کو جس کا ان صفات سے متصف ہونا ثابت ہے پیش نہیں کرتا اور ایمان کو صرف گذشتہ قصوں کہانیوں اور ایسی باتوں تک محدود رکھتا ہے جو دیکھنے اور کہنے میں نہیں آئی ہیں وہ مذہب ہرگز سچا مذہب نہیں ہے۔ اور ایسے فرضی خدا کی پیروی ایسی ہے کہ جیسے ایک مُردہ سے توقع رکھنا کہ وہ زندوں جیسے کام کرے گا۔ ایسے خدا کا ہونا نہ ہونا برابر ہے جو ہمیشہ تازہ طور پر اپنے وجود کو آپ ثابت نہیں کرتا گویا وہ ایک بُت ہے جو نہ بولتا ہے اور نہ سنتا ہے اور نہ سوال کا جواب دیتا ہے اور نہ اپنی قادرانہ قوت کو ایسے طور پر دکھا سکتا ہے جو ایک پکا دہریہ بھی اس میں شک نہ کرسکے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ جیسے ہمیں روشنی بخشنے کیلئے ہر روز تازہ طور پر آفتاب نکلتا ہے اور ہم اس قدر قصہ سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے اور نہ کچھ تسلی پا سکتے ہیں کہ ہم اندھیرے میں ہوں اور روشنی کا نام ونشان نہ ہو اور یہ کہا جائے کہ آفتاب تو ہے مگر وہ کسی پہلے زمانہ

میں طلوع کرتا تھا اور اب وہ ہمیشہ کیلئے پوشیدہ ہے ایسا ہی وہ حقیقی آفتاب جو دلوں کو روشن کرتا ہے ہر روز تازہ بتازہ طلوع کرتا ہے۔ اور اپنی قولی فعلی تجلیات سے انسان کو حصہ بخشتا ہے۔ وہی خدا سچا ہے اور وہی مذہب سچا جو ایسے خدا کے وجود کی بشارت دیتا ہے اور ایسے خدا کو دکھلاتا ہے اُسی زندہ خدا سے نفس پاک ہوتا ہے۔

یہ اُمید مت رکھو کہ کوئی اور منصوبہ انسانی نفس کو پاک کر سکے جس طرح تاریکی کو صرف روشنی ہی دُور کرتی ہے اسی طرح گناہ کی تاریکی کا علاج فقط وہ تجلیات الٰہیہ قولی و فعلی ہیں جو معجزانہ رنگ میں پُر زور شعاعوں کے ساتھ خدا کی طرف سے کسی سعید دل پر نازل ہوتی ہیں اور اُس کو دکھا دیتی ہیں کہ خدا ہے اور تمام شکوک کی غلاظت کو دُور کر دیتی ہیں اور تسلی اور اطمینان بخشتی ہیں۔ پس اُس طاقت بالا کی زبردست کشش سے وہ سعید آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے اس کے سوا جس قدر اور علاج پیش کئے جاتے ہیں سب فضول بناوٹ ہے۔ ہاں کامل طور پر پاک ہونے کیلئے صرف معرفت ہی کافی نہیں بلکہ اُس کے ساتھ پُر درد دُعاؤں کا سلسلہ جاری رہنا بھی ضروری ہے کیونکہ خدا تعالیٰ غنی بے نیاز ہے اُس کے فیوض کو اپنی طرف کھینچنے کیلئے ایسی دُعاؤں کی سخت ضرورت ہے جو گریہ اور بُکا اور صدق و صفا اور دردِ دل سے پُر ہوں۔ تم دیکھتے ہو کہ بچہ شیرخوار اگرچہ اپنی ماں کو خوب شناخت کرتا ہے اور اُس سے محبت بھی رکھتا ہے اور ماں بھی اُس سے محبت رکھتی ہے۔ مگر پھر بھی ماں کا دودھ اُترنے کیلئے شیرخوار بچوں کا رونا بہت کچھ دخل رکھتا ہے۔ ایک طرف بچہ دردناک طور پر بھوک سے روتا ہے اور دوسری طرف اُس کے رونے کا ماں کے دل پر اثر پڑتا ہے اور دودھ اُترتا ہے پس اسی طرح خدائے تعالیٰ کے سامنے ہر ایک طالب کو اپنی گریہ وزاری سے اپنی روحانی بھوک پیاس کا ثبوت دینا چاہیئے تا وہ رُوحانی دودھ اُترے اور اُسے سیراب کرے۔

﴿۲۴﴾

غرض پاک و صاف ہونے کیلئے صرف معرفت کافی نہیں بلکہ بچوں کی طرح دردناک

گریہ وزاری بھی ضروری ہے۔ اور نومیدمت ہو اور یہ خیال مت کرو کہ ہمارا نفس گناہوں سے بہت آلودہ ہے ہماری دُعائیں کیا چیز ہیں اور کیا اثر رکھتی ہیں کیونکہ انسانی نفس جو دراصل محبتِ الٰہی کیلئے پیدا کیا گیا ہے وہ اگرچہ گناہ کی آگ سے سخت مشتعل ہو جائے پھر بھی اُس میں ایک ایسی قوتِ توبہ ہے کہ وہ اس آگ کو بجھا سکتی ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ایک پانی کو کیسا ہی آگ سے گرم کیا جائے مگر تاہم جب آگ پر اس کو ڈالا جائے تو وہ آگ کو بجھا دے گا۔

یہی ایک طریق ہے کہ جب سے خدائے تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا اسی طریق سے اُن کے دل پاک وصاف ہوتے رہے ہیں۔ یعنی بغیر اس کے جو زندہ خدا خود اپنی تجلّی قولی و فعلی سے اپنی ہستی اور اپنی طاقت اور اپنی خدائی ظاہر کرے اور اپنا رعب چمکتا ہوا دکھاوے اور کسی طریق سے انسان گناہ سے پاک نہیں ہوسکتا۔ ﴿۲۵﴾

اور معقولی طور پر بھی یہی بات ظاہر وثابت ہے کہ انسان فقط اُسی چیز کی قدر کرتا ہے اور اُسی کا رعب اپنے دل میں جماتا ہے جس کی عظمت اور طاقت بذریعہ معرفت تامّہ کے وہ معلوم کرلیتا ہے۔ مثلاً ظاہر ہے کہ انسان اس سوراخ میں ہاتھ نہیں ڈالتا جس کی نسبت اُس کو یقین ہو کہ اس میں سانپ ہے۔ اور ایسی چیز کو ہرگز نہیں کھاتا جس کو یقین کرتا ہے کہ وہ زہر ہے۔ پھر کیا باعث کہ وہ اس طرح خدائے تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اور ہزاروں فسق وفجور گستاخی سے کرتا ہے اور گو پیرانہ سالی تک بھی نوبت پہنچ جائے پھر بھی نہیں ڈرتا۔ اس کا یہی سبب ہے کہ وہ اُس حقیقی منتقم کے وجود اور ہستی سے بالکل بے خبر ہے جو گناہ کی سزا دے سکتا ہے۔

افسوس کہ اکثر انسانوں نے بدقسمتی سے اس اصول کی طرف توجہ نہیں کی اور ایسے بے ہودہ طریق گناہ سے پاک ہونے کیلئے اپنے دل سے تراشے ہیں کہ وہ اور بھی گناہ پر گستاخ کرتے ہیں، مثلاً یہ خیال کہ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب دیئے جانے پر

ایمان لانا اور اُن کو خدا سمجھنا انسان کے تمام گناہ معاف ہو جانے کا موجب ہے۔ کیا ایسے خیال سے توقع ہو سکتی ہے کہ انسان میں سچی نفرت گناہ سے پیدا کرے۔ صاف ظاہر ہے کہ ہر ایک ضد اپنی ضد سے دُور ہوتی ہے۔ سردی کو گرمی دُور کرتی ہے اور تاریکی کے ازالہ کا علاج روشنی ہے۔ پھر یہ علاج کس قسم کا ہے کہ زید کے مصلوب ہونے سے بکر گناہ سے پاک ہو جائے۔ بلکہ یہ انسانی غلطیاں ہیں کہ جو غفلت اور دنیا پرستی کے زمانہ میں دلوں میں سما جاتی ہیں۔ اور جن پست خیالات کی وجہ سے دنیا میں بت پرستی نے رواج پایا ہے فی الحقیقت ایسے ہی نفسانی اغراض کے سبب سے یہ مذہب صلیب اور کفارہ کا عیسائیوں میں رواج پا گیا ہے۔

اصل امر یہ ہے کہ انسان کا نفس کچھ ایسا واقع ہے کہ ایسے طریق کو زیادہ پسند کر لیتا ہے جس میں کوئی محنت اور مشقت نہیں۔ مگر سچی پاکیزگی بہت سے دُکھ اور مجاہدات کو چاہتی ہے اور وہ پاک زندگی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک انسان موت کا پیالہ نہ پی لے۔ پس جیسا کہ انسان کی عادت ہے کہ وہ تنگ اور مشکل راہوں سے پرہیز کرتا ہے اور سہل اور آسان طریق ڈھونڈتا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کو یہ طریق صلیب جو صرف زبان کا اقرار ہے اور رُوح پر کسی مشقت کا اثر نہیں بہت پسند آ گیا ہے جس کی وجہ سے خدائے تعالیٰ کی محبت ٹھنڈی ہو گئی ہے۔ اور نہیں چاہتے کہ گناہوں سے نفرت کر کے پاک تبدیلی اپنے اندر پیدا کریں۔ درحقیقت صلیبی اعتقاد ایک ایسا عقیدہ ہے جو اُن لوگوں کو خوش کر دیتا ہے جو سچی پاکیزگی حاصل کرنا نہیں چاہتے اور کسی ایسے نسخہ کی تلاش میں رہتے ہیں کہ گندی زندگی بھی موجود ہو اور گناہ بھی معاف ہو جائیں لہٰذا وہ باوجود بہت سی آلودگیوں کے خیال کر لیتے ہیں کہ فقط خونِ مسیح پر ایمان لانے سے گناہ سے پاک ہو گئے۔ مگر یہ پاک ہونا درحقیقت ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک پھوڑا جو پیپ سے بھرا ہوا ہو اور باہر سے چمکتا ہوا نظر آئے۔ اور اگر غور کرنے والی طبیعتیں ہوں

﴿۲۶﴾

تو اس صلیبی نسخہ کا غلط ہونا خود صلیب پرستوں کے حالات سے واضح ہوسکتا ہے کہ وہ کہاں تک دنیا پرستی اور ہوا و ہوس کو چھوڑ کر خدائے تعالیٰ کی محبت میں محو ہوگئے ہیں۔ جو شخص یورپ کے ممالک کی سیر کرے وہ خود دیکھ لے گا کہ دنیا کی عیّاشی اور بے قیدی اور شراب خواری اور نفس پرستی اور دوسرے فسق و فجور کس درجہ تک ان لوگوں میں پائے جاتے ہیں جو بڑے حامیٔ دین کہلاتے ہیں اور جو اس ملک کے جاہل لوگوں کی طرح نہیں بلکہ تعلیم یافتہ اور مہذّب ہیں۔ سب سے زیادہ خونِ مسیح پر زور دینے والے پادری صاحبان ہیں۔ سو اکثر اُن کے شراب خواری میں جو اُمّ الخبائث ہے مبتلا ہیں بلکہ بعض کے حالات جو اخباروں میں شائع ہوتے رہتے ہیں ایسے قابلِ شرم ہیں جو ناگفتہ بہ۔ چنانچہ آج ہی ہم نے ایک اخبار میں پڑھا ہے کہ ولایت سے ایک پادری صاحب پکڑا آرہا ہے جس نے لڑکیوں کے ساتھ بدفعلی کی۔ اُس پادری صاحب کا نام ڈاکٹر ساندی لینڈز ہے۔ پادری صاحب مذکور بھٹنڈارہ ناگپور میں مشنری یتیم خانہ کے پرنسپل تھے۔ اگست کی بات ہے ۲۴؍ اگست کی رات کو اُن کے کمرہ میں ایک لڑکی پائی گئی۔ جواب نہ دے سکے۔ مستعفی ہوکر چلے جانے پر معلوم ہوا کہ سترہ ۱۷ لڑکیوں سے بدفعلیاں کیں۔ اظہار پولیس میں اور بھی گُل کھلا۔ معلوم ہوا کہ ناجائز عمل جرّاحی بھی کیا یعنی حمل گرایا۔ وارنٹ نکلا ولایت میں گرفتار ہوئے۔ ہندوستان پہنچنے پر مقدمہ ہائی کورٹ بمبئی کی اجلاس شسشن میں ہوگا۔ دیکھو پایونیئر و اخبار عام ۸؍ فروری ۱۹۰۵ء پہلا کالم۔ اور ۹؍ فروری ۱۹۰۵ء صفحہ ۶ دوسرا کالم۔ اب ظاہر ہے کہ جبکہ یہ لوگ کہ جو بڑے مقدس پادری کہلاتے ہیں اور خونِ مسیح سے فیض اُٹھانے میں اوّل درجہ پر ہیں اُن کا یہ حال ہے تو دوسرے بیچارے اس نسخہ سے کیا فائدہ اُٹھائیں گے۔ سو یاد رہے کہ یہ طریق حقیقی پاکیزگی حاصل کرنے کا ہرگز نہیں ہے۔ اور وقت آتا جاتا ہے بلکہ قریب ہے کہ لوگ اس غلط طریق پر خود متنبہ ہو جائیں گے۔ طریق وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ ہر ایک شخص جو خدائے تعالیٰ کی طرف آیا ہے اِسی دروازہ سے داخل ہوا ہے۔

﴿۲۷﴾

ہاں یہ دروازہ بہت تنگ ہے اور اس کے اندر داخل ہونے والے بہت تھوڑے ہیں کیونکہ اس دروازہ کی دہلیز موت ہے اور خدا کو دیکھ کر اُس کی راہ میں اپنی ساری قوت اور سارے وجود سے کھڑے ہو جانا اُس کی چوکھٹ ہے۔ پس بہت ہی تھوڑے ہیں جو اس دروازے میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ افسوس کہ ہمارے ملک میں عیسائی صاحبوں کو تو حضرت مسیح کے خون کے خیال نے اس دروازہ سے دُور ڈال دیا اور آریہ صاحبوں کو تناسخ کے خیال اور توبہ نہ قبول ہونے کے عقیدہ نے اس دروازہ سے محروم کر دیا کیونکہ اُن کے نزدیک گناہ کے بعد بجز طرح طرح کے جونوں میں پڑنے کے اسی زندگی میں اور کوئی طریق پاک ہونے کا نہیں۔ اور توبہ یعنی خدا تعالیٰ کی طرف ایک موت کی حالت بنا کر پرصدق دل سے رجوع کرنا اور موت کی سی حالت بنا کر اپنی قربانی آپ ادا کرنا اُن کے نزدیک ایک لغو خیال ہے۔ پس یہ دونوں فریق اُس حقیقی راہ سے محروم ہیں۔

آریہ صاحبوں کے لئے اور بھی مشکلات ہیں کہ اُن کیلئے خدائے تعالیٰ پر یقین کرنے کی کوئی بھی راہ کھلی نہیں۔ نہ معقولی نہ سماوی۔ معقولی اس لئے نہیں کہ اُن کے خیال کے مطابق ارواح مع اپنی تمام طاقتوں کے خود بخود ہیں اور پرکرتی یعنی اجزاء عالم مع اپنے تمام گنوں کے خود بخود ہیں تو پھر پرمیشر کے وجود پر کونسی عقلی دلیل رہی کیونکہ اگر سب کچھ خود بخود ہے تو پھر کیا وجہ کہ ان چیزوں کا جوڑ خود بخود نہیں۔ سو یہ مذہب دہریہ مذہب سے بہت نزدیک ہے۔ اور اگر خدا نے ان لوگوں کو اس غلط راہ سے توبہ نصیب نہ کی تو کسی دن سب دہریہ ہو جائیں گے۔ اسی طرح سماوی طریق سے بھی خدا تعالیٰ کی شناخت سے بے نصیب ہیں۔ ﴿۲۸﴾ کیونکہ سماوی طریق سے مراد آسمانی نشان ہیں جو خدائے تعالیٰ کے وجود پر تازہ بتازہ نشان ہوتے ہیں۔ جن کو زندہ خدا پر ایمان لانے والا آدمی مشاہدہ کرتا رہتا ہے اور یقینی طور پر اُس کا تصرف ہر ایک چیز پر دیکھتا ہے۔ سو یہ لوگ ان نشانوں سے قطعاً منکر ہیں لہٰذا خدا شناسی کے دونوں دروازے ان لوگوں پر بند ہیں۔ ہاں محض تعصّب کے طور پر

مباحثاتِ مذہبیّہ میں بڑی سرگرمی دکھلاتے ہیں۔ اور سخت گوئی اور بدزبانی اور منہ کی تیزی میں ایک طور سے پادری صاحبوں سے بھی کچھ آگے قدم ہے۔ لیکن خدائے تعالیٰ کی معرفت اُن کو ہرگز نصیب نہیں کیونکہ اوّل تو خدا تعالیٰ عقلی طور پر اپنی خالقیت سے شناخت کیا جاتا ہے مگر اُن کے نزدیک خدائے تعالیٰ خالق نہیں ہے۔ پس مصنوعات کے لحاظ سے اُن کے پاس اُس کے وجود پر کوئی دلیل نہیں اور دوسرا طریق شناخت خدائے تعالیٰ کا آسمانی نشان ہیں مگر وہ اُن سے منکر اور قطعاً اس راہ سے بے نصیب ہیں اور صرف پرمیشر کے نام کے لفظ ہاتھ میں ہیں اور اُس کی ہستی سے بے خبر۔ افسوس یہ لوگ نہیں جانتے کہ انسان ہزار اپنی زبان سے بک بک کرے اس سے کیا فائدہ جب تک اس کو اپنے خدا کی ایسی شناخت حاصل نہ ہو جائے جس سے اُس کی سفلی زندگی پر موت آجائے۔ اور اُس کا دل خدائے تعالیٰ کی محبت سے بھر جائے اور گناہ سے اس کو نفرت ہو جائے۔

یوں تو ہر ایک شخص دعویٰ کرسکتا ہے کہ میں ایسا ہی ہوں لیکن سچے پرستاروں کے یہ نشان ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی سچی محبت کی وجہ سے اُن میں ایک برکت پیدا ہوجاتی ہے اور خدائے تعالیٰ کی قولی اور فعلی تجلّی اُن کے شامل حال ہو جاتی ہے۔ یعنی وہ خدائے تعالیٰ کے ہم کلام ہوجاتے ہیں اور خدائے تعالیٰ کے معجزانہ افعال اُن میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ بہت سے الہامات ایسے اُن پر ظاہر کرتا ہے جن میں آئندہ نصرتوں کے وعدے ہوتے ہیں اور پھر دوسرے وقت میں وہ نصرتیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور اس طرح پر وہ اپنے خدا کو پہچان لیتے ہیں اور خاص نشانوں کے ساتھ غیر سے ممتاز ہو جاتے ہیں۔ اُن کو ایک قوتِ جذب دی جاتی ہے جس سے لوگ اُن کی طرف کھنچے جاتے ہیں۔ اور عشقِ الٰہی اُن کے منہ پر برستا ہے۔ اور اگر یہ مابہ الامتیاز نہ ہو تو پھر ہر ایک بدمعاش جو پوشیدہ طور پر زانی فاسق فاجر شراب خور اور پلید طبع ہو نیک کہلا سکتا ہے پھر حقیقی نیک اور اس مصنوعی نیک میں فرق کیا ہوگا۔ پس فرق کرنے کیلئے ہمیشہ سے

﴿۲۹﴾

یہ عادتِ الٰہی ہے کہ راستبازوں کی معجزانہ زندگی ہوتی ہے۔ اور خدا کی نصرت اُن کے شامل حال رہتی ہے اور ایسے طور سے شامل حال ہوتی ہے کہ وہ سراسر معجزہ ہوتا ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ ایک راستباز کی معجزانہ زندگی زمین اور آسمان سے زیادہ تر خدائے تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتی ہے کیونکہ کسی نے نہیں دیکھا کہ زمین اور آسمان کو خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا۔ صرف اس عالم کی پُر حکمت صنعت کو دیکھ کر اور اس کی ترکیب کو ابلغ اور محکم پاکر عقل سلیم اس بات کی ضرورت سمجھتی ہے کہ ان بے مثل مصنوعات کا کوئی صانع ہونا چاہیے۔ مگر عقل اپنی معرفت میں اس حد تک نہیں پہنچتی کہ فی الواقع وہ صانع موجود بھی ہے کیونکہ اُس نے اس صانع کو بناتے نہیں دیکھا اور عقلی خداشناسی کا تمام مدار صرف ضرورتِ صانع پر رکھا گیا ہے نہ یہ کہ اس کا ہونا مشاہدہ کیا گیا ہے لیکن راستباز کی معجزانہ زندگی واقعی طور پر اور مشاہدہ کے پیرایہ میں خدائے تعالیٰ کی ہستی کو دکھلاتی ہے کیونکہ راستباز اپنی سب ابتدائی حالت میں ایک ذرّہ بے مقدار کی طرح ہوتا ہے یا ایک رائی کے بیج کی طرح جس کو ایک کسان نے بویا اور نہایت ذلیل حالت میں پڑا ہوا ہوتا ہے۔ تب وحی کے ذریعہ سے خدا دنیا کو اطلاع دیتا ہے کہ دیکھو میں اس کو بناؤں گا۔ میں ستاروں کی طرح اُس میں چمک ڈالوں گا اور آسمان کی طرح اُس کو بلند کروں گا۔ اور ایک ذرّہ کو ایک پہاڑ کی طرح کر دکھاؤں گا۔ پھر بعد اس کے باوجود اس بات کے کہ دنیا کے تمام شریر چاہتے ہیں کہ وہ ارادۂ الٰہی معرضِ التواء میں رہے۔ اور ناخنوں تک زور لگاتے ہیں کہ وہ امر ہونے نہ پائے مگر وہ رُک نہیں سکتا جب تک پورا نہ ہو اور خدا کا ہاتھ سب روکوں کو دور کر کے اس کو پورا کرتا ہے وہ ایک گمنام کو اپنی پیشگوئی کے مطابق ایک عظیم الشان جماعت بنا دیتا ہے۔ وہ تمام مستعد لوگوں کو اس کی طرف کھینچتا ہے۔ وہ اُس گمنام کو ایسی شہرت دیتا ہے ﴿۳۰﴾ کہ کبھی اُس کے باپ دادوں کو نصیب نہ ہوئی۔ وہ ہر میدان میں اس کا ہاتھ پکڑتا ہے اور ہر ایک جنگ میں اس کو فتح دیتا ہے اور ایک دنیا کو اُس کا غلام کرتا ہے اور لاکھوں انسانوں کو اس کی طرف

کھینچ لاتا ہے اور اُس کی تعلیم اُن کے دلوں میں بٹھا دیتا ہے۔ اور رُوح القدس سے اُن کی مدد کرتا ہے۔ وہ اُس کے دشمنوں کا دشمن اور اس کے دوستوں کا دوست ہو جاتا ہے اور اُس کے دشمن سے وہ آپ لڑتا ہے۔ اسی لئے میں نے کہا ہے کہ راستباز کی معجزانہ زندگی آسمان و زمین سے زیادہ خدائے تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتی ہے کیونکہ لوگوں نے زمین و آسمان کو بچشم خود خدا کے ہاتھ سے بنتے نہیں دیکھا لیکن وہ بچشم خود دیکھ لیتے ہیں کہ خدا راستباز کے اقبال کی عمارت کو اپنے ہاتھ سے بناتا ہے۔ وہ ایک زمانہ دراز پہلے خبر دے دیتا ہے کہ میں ایسا کروں گا اور ایسا اس کو بنا دوں گا۔ اور پھر باوجود سخت روکوں اور شدید مزاحمتوں کے جو شریر انسانوں کی طرف سے ہوتی ہیں ایسا ہی کر کے دکھلا دیتا ہے۔

پس یہ نشان حق کے طالب کو حق الیقین تک پہنچاتا ہے اور وہ خدائے تعالیٰ کے وجود پر ایک قطعی دلیل ہوتی ہے۔ مگر اُن کے لئے جو خدائے تعالیٰ کے طالب ہیں اور تکبّر نہیں کرتے اور حق کو پا کر انکسار سے قبول کر لیتے ہیں۔ اس زمانہ میں بھی خدا نے ایسے نشان بہت جمع کئے ہیں۔ کاش لوگ اُن میں غور کرتے اور اپنے تئیں یقین اور معرفت کے چراغ سے روشن کر کے نجات کے لائق ٹھہرا دیتے۔ لیکن شریر انسان کو خدا کے نشانوں سے ہدایت حاصل کرنا نصیب نہیں۔ وہ روشنی کو دیکھ کر آنکھ بند کر لیتا ہے تا ایسا نہ ہو کہ روشنی اُس کی آنکھوں کو منور کرے اور راہ دکھائی دے۔ شریر آدمی ہزار نشان دیکھ کر اس سے منہ پھیر لیتا ہے اور ایک بات جس کو اپنی ہی حماقت سے سمجھ نہیں سکا بار بار پیش کرتا ہے۔ وہ شخص جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اُس پر یہ فرض نہیں ہے کہ ایسے نشان دکھائے جس سے ستارے زمین پر گریں یا آفتاب مغرب سے طلوع کرے یا بکری کو انسان بنا کر دکھلا دے یا لوگوں کے روبرو آسمان پر چڑھ جائے اور ان کے روبرو ہی اُترے اور آسمان سے ایک لکھی ہوئی کتاب لائے جس کو لوگ خود ہاتھوں میں لے کر پڑھ لیں یا اس کے تمام مکانات سونے کے بن جائیں یا اس کے ہاتھ سے لوگوں کے باپ دادے مرے ہوئے زندہ ہو کر

﴿۳۱﴾

قبروں سے بولتے ہوئے اور چیختے ہوئے نکلیں اور اپنے بیٹوں کو لعنت کریں اور نفرین کر کے
کہیں کہ یہ تو حقیقت میں سچا خدا کا رسول تھا یہ غضب تم نے کیا کیا کہ اُس کے منکر ہو گئے۔ ہم
بچشم خود دیکھ آئے ہیں کہ اس پر ایمان لانے والا سیدھا بہشت کی طرف جاتا ہے اور اس سے
منکر رہنے والا نہایت ذلیل حالت میں دوزخ میں ڈالا جاتا ہے اور شہر میں جلسے کریں اور تمام
منکروں کو اُن جلسوں میں بلائیں اور اپنی اولاد کو کہیں کہ تم جانتے ہو کہ ہم تمہارے باپ دادا ہیں
اور تم جانتے ہو کہ ہم کس قدر اس شخص کے دشمن تھے لیکن جب ہم مر گئے تو اس کی دشمنی کی وجہ
سے ہم دوزخ میں ڈالے گئے۔ دیکھو ہمارے بدن آگ میں جھلسے ہوئے اور سیاہ ہو رہے ہیں
اور تمہارے روبرو ہم قبروں میں سے نکلے ہیں تا ہم گواہی دیں کہ یہ شخص خدا کی طرف سے اور سچا
نبی ہے۔ یاد رکھو کہ ایسے لیکچر کبھی مردوں نے قبروں میں سے نکل کر نہیں دیئے۔ اور کبھی اور کسی
زمانہ میں ایسے جلسے نہیں ہوئے کہ چند لوگوں کے باپ دادا قبروں میں سے زندہ ہو کر نکل آئے
ہوں۔ تب ایک مکان جلسہ کا مقرر ہو کر تمام شہر کے لوگ اُن مردوں کے سامنے بلائے گئے
ہوں اور اُن مُردوں نے ہزاروں لوگوں کے روبرو کھڑے ہو کر بلند آواز سے یہ لیکچر دیئے ہوں
کہ اے حاضرین! ہم آپ کا شکر کرتے ہیں کہ آپ ہمارا لیکچر سننے کے لئے آئے۔ آپ
صاحبان جانتے ہیں اور ہمیں خوب پہچانتے ہیں کہ ہم فلاں فلاں محلّہ کے رہنے والے اور فلاں
فلاں شخص کے دادا پڑدادا ہیں اور چند سال ہوئے کہ ہم طاعون سے یا ہیضہ سے یا کسی اور بیماری
سے فوت ہو گئے تھے اور آپ لوگ ہمارے جنازہ میں شریک تھے اور آپ لوگوں نے ہی ہمیں
دفن کیا تھا یا پھونک دیا تھا پھر بعد اس کے آپ صاحبوں نے اِس بزرگ نبی کو جو ہمارے سامنے
صدر نشینی کی کرسی کو زیب دے رہا ہے نہایت تحقیر سے ردّ کیا اور اس کو جھوٹا خیال کیا اور اس سے
چاہا کہ معجزہ کے طور پر چند مردے زندہ ہوں تب اس کی دُعا سے ہم زندہ ہو گئے جو اس وقت آپ
صاحبوں کے سامنے کھڑے ہیں۔ صاحبان آنکھ کھول کر دیکھ لو کہ ہم وہی ہیں اور ہم سے ہمارے

﴿۳۲﴾

پورے قصے پوچھ لو۔ اور اس وقت زندہ ہوکر ہم چشم دید گواہی دیتے ہیں کہ یہ شخص درحقیقت سچا ہے اور ہم اس کے نہ ماننے کی وجہ سے دوزخ میں جلتے ہوئے آئے ہیں سو ہماری گواہی چشم دید گواہی ہے اس کو قبول کرو تا تم دوزخ سے بچ جاؤ۔ اب کیا کوئی کانشنس کوئی ضمیر کوئی نورِ قلب قبول کرتا ہے کہ ایسا لیکچر کسی مُردہ نے زندہ ہوکر دیا اور پھر لوگوں نے قبول نہ کیا۔

پس جو شخص اب بھی نہیں سمجھتا کہ نشان کس حد تک ظاہر ہوتے ہیں وہ خود مردہ ہے اگر نشانوں میں ایسے لیکچر مُردوں کی طرف سے ضروری ہیں تو پھر ایمان کا کچھ فائدہ نہیں۔ کیونکہ ایمان اُس حد تک ایمان کہلاتا ہے کہ ایک بات من وجہٍ ظاہر ہو اور من وجہٍ پوشیدہ بھی ہو یعنی ایک باریک نظر سے اُس کا ثبوت ملتا ہو اور اگر باریک نظر سے نہ دیکھا جائے تو سرسری طور پر حقیقت پوشیدہ رہ سکتی ہو۔ لیکن جب سارا پردہ ہی کھل گیا تو کون ہے کہ ایسی کھلی بات کو قبول نہیں کرے گا۔ سو معجزات سے وہ امور خارق عادت مراد ہیں جو باریک اور منصفانہ نظر سے ثابت ہوں اور بجز مؤیّدانِ الٰہی دوسرے لوگ ایسے امور پر قادر نہ ہوسکیں اِسی وجہ سے وہ امور خارق عادت کہلاتے ہیں۔ مگر بدبخت ازلی اُن معجزانہ امور سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے جیسا کہ یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے کئی معجزات دیکھے مگر اُن سے کچھ فائدہ نہ اُٹھایا اور انکار کرنے کیلئے ایک دوسرا پہلو لے لیا کہ ایک شخص کی بعض پیشگوئیاں پوری نہیں ہوئیں جیسا کہ باراں تختوں کی پیشگوئی جو حواریوں کیلئے کی گئی تھی اُن میں سے ایک مرتد ہو گیا۔ یہودیوں کا بادشاہ ہونے کا دعویٰ بے بنیاد ثابت ہوا۔ اور پھر تاویل کی گئی کہ میری مراد اس سے آسمانی بادشاہت ہے۔ اور یہ بھی پیشگوئی حضرت مسیح نے کی تھی کہ ابھی اِس زمانہ کے لوگ زندہ ہوں گے کہ میں پھر دنیا میں آؤں گا۔ مگر یہ پیشگوئی بھی صریح طور پر جھوٹی ثابت ہوئی۔ اور پھر پہلے نبیوں نے مسیح کی نسبت یہ پیشگوئی کی تھی کہ وہ نہیں آئے گا جب تک کہ الیاس دوبارہ دنیا میں نہ آجائے مگر الیاس نہ آیا۔ اور یسوع ابن مریم نے یونہی مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا حالانکہ الیاس دوبارہ دنیا میں

﴿۴۳﴾

نہ آیا۔ اور جب پوچھا گیا تو الیاس موعود کی جگہ یوحنا یعنی یحییٰ نبی کو الیاس ٹھہرا دیا۔ تا کسی طرح مسیح موعود بن جائے حالانکہ پہلے نبیوں نے آنے والے الیاس کی نسبت ہرگز یہ تاویل نہیں کی اور خود یوحنا نبی نے الیاس سے مراد وہی الیاس مراد رکھا جو دنیا سے گذر گیا تھا۔ مگر مسیح نے یعنی یسوع بن مریم نے اپنی بات بنانے کیلئے پہلے نبیوں اور تمام راستبازوں کے اجماع کے برخلاف الیاس آنے والے سے مراد یوحنا اپنے مرشد کو قرار دے دیا اور عجیب یہ کہ یوحنا اپنے الیاس ہونے سے خود منکر ہے۔ مگر تاہم یسوع ابن مریم نے زبردستی اس کو الیاس ٹھہرا ہی دیا۔

اب سوچنے کی بات ہے کہ یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے نشانوں سے کچھ بھی فائدہ نہ اٹھایا اور اب تک کہتے ہیں کہ اُس سے کوئی معجزہ نہیں ہوا صرف مکر وفریب تھا۔ اِسی لئے حضرت مسیح کو کہنا پڑا کہ اس زمانہ کے حرام کار مجھ سے معجزہ مانگتے ہیں انہیں کوئی معجزہ دکھایا نہیں جائے گا۔

درحقیقت معجزات کی مثال ایسی ہے جیسے چاندنی رات کی روشنی جس کے کسی حصہ میں کچھ بادل بھی ہو مگر وہ شخص جو شب کور ہو جو رات کو کچھ دیکھ نہیں سکتا اُس کیلئے یہ چاندنی کچھ مفید نہیں۔ ایسا تو ہرگز نہیں ہوسکتا اور نہ کبھی ہوا کہ اِس دنیا کے معجزات اُسی رنگ سے ظاہر ہوں جس رنگ سے قیامت میں ظہور ہوگا۔ مثلاً دو تین سو مُردے زندہ ہو جائیں اور بہشتی پھل اُن کے پاس ہوں اور دوزخ کی آگ کی چنگاریاں بھی پاس رکھتے ہوں اور شہر بشہر دورہ کریں اور ایک نبی کی سچائی پر جو قوم کے درمیان ہو گواہی دیں اور لوگ اُن کو شناخت کر لیں کہ درحقیقت یہ لوگ مر چکے تھے اور اب زندہ ہو گئے ہیں اور وعظوں اور لیکچروں سے شور مچا دیں کہ درحقیقت یہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے سچا ہے۔ سو یاد رہے کہ ایسے معجزات کبھی ظاہر نہیں ہوئے اور نہ آئندہ قیامت سے پہلے کبھی ظاہر ہوں گے۔ اور جو شخص دعویٰ کرتا ہے کہ ایسے معجزات کبھی

ظاہر ہو چکے ہیں وہ محض بے بنیاد قصوں سے فریب خوردہ ہے اور اُس کو سنت اللہ کا علم نہیں اگر ایسے معجزات ظاہر ہوتے تو دنیا دنیا نہ رہتی اور تمام پردے کھل جاتے اور ایمان لانے کا ایک ذرّہ بھی ثواب باقی نہ رہتا۔

﴿۴۴﴾ یاد رہے کہ معجزہ صرف حق اور باطل میں فرق دکھلانے کیلئے اہل حق کو دیا جاتا ہے اور معجزہ کی اصل غرض صرف اس قدر ہے کہ عقلمندوں اور منصفوں کے نزدیک سچے اور جھوٹے میں ایک مابہ الامتیاز قائم ہو جائے اور اُسی حد تک معجزہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو مابہ الامتیاز قائم کرنے کیلئے کافی ہو۔ اور یہ اندازہ ہر ایک زمانہ کی حاجت کے مناسبِ حال ہوتا ہے اور نیز نوعیّتِ معجزہ بھی حسبِ حال زمانہ ہی ہوتی ہے۔ یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ ہر ایک متعصب اور جاہل اور بدطبع گو کیسا ہی مصلحتِ الٰہیّہ کے برخلاف اور قدرِ ضرورت سے بڑھ کر کوئی معجزہ مانگے تو وہ بہرحال دکھلانا ہی پڑے۔ یہ طریق جیسا کہ حکمت الٰہیّہ کے برخلاف ہے ایسا ہی انسان کی ایمانی حالت کو بھی مضر ہے کیونکہ اگر معجزات کا حلقہ ایسا وسیع کر دیا جائے کہ جو کچھ قیامت کے وقت پر موقوف رکھا گیا ہے وہ سب دنیا میں ہی بذریعہ معجزہ ظاہر ہو سکے تو پھر قیامت اور دنیا میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ حالانکہ اسی فرق کی وجہ سے جن اعمال صالحہ اور عقائد صحیحہ کا جو دنیا میں اختیار کئے جائیں ثواب ملتا ہے وہی عقائد اور اعمال اگر قیامت کو اختیار کئے جائیں تو ایک رتّی بھی ثواب نہیں ملے گا۔ جیسا کہ تمام نبیوں کی کتابوں اور قرآن شریف میں بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن کسی بات کا قبول کرنا یا کوئی عمل کرنا نفع نہیں دے گا اور اُس وقت ایمان لانا محض بیکار ہوگا۔ کیونکہ ایمان اُسی حد تک ایمان کہلاتا ہے جبکہ کسی مخفی بات کو ماننا پڑے لیکن جب کہ پردہ ہی کھل گیا اور رُوحانی عالم کا دن چڑھ گیا اور ایسے امور قطعی طور پر ظاہر ہو گئے کہ خدا پر اور روز جزا پر شک کرنے کی کوئی بھی وجہ نہ رہی تو پھر کسی بات کو اُس وقت ماننا جس کو دوسرے لفظوں میں ایمان کہتے ہیں محض تحصیلِ حاصل ہوگا۔ غرض

نشان اس درجہ پر کھلی کھلی چیز نہیں ہے جس کے ماننے کیلئے تمام دنیا بغیر اختلاف اور بغیر عذر اور بغیر چون و چرا کے مجبور ہو جائے۔ اور کسی طبیعت کے انسان کو اُس کے نشان ہونے میں کلام نہ رہے اور کسی غبی سے غبی انسان پر بھی وہ امر مشتبہ نہ رہے۔

غرض نشان اور معجزہ ہر ایک طبیعت کیلئے ایک بدیہی امر نہیں جو دیکھتے ہی ضروری التسلیم ہو بلکہ نشانوں سے وہی عقلمند اور منصف اور راستباز اور راست طبع فائدہ اٹھاتے ہیں جو اپنی ﴿۳۵﴾ فراست اور دور بینی اور باریک نظر اور انصاف پسندی اور خدا ترسی اور تقویٰ شعاری سے دیکھ لیتے ہیں کہ وہ...... ایسے امور ہیں جو دنیا کی معمولی باتوں میں سے نہیں ہیں اور نہ ایک کاذب اُن کے دکھلانے پر قادر ہوسکتا ہے اور وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ امور انسانی بناوٹ سے بہت دور ہیں اور بشری دسترس سے برتر ہیں اور اُن میں ایک ایسی خصوصیت اور امتیازی علامت ہے جس پر انسان کی معمولی طاقتیں اور پُر تکلف منصوبے قدرت نہیں پا سکتے اور وہ اپنے لطیف فہم اور نُورِ فراست سے اس تہ تک پہنچ جاتے ہیں کہ اُن کے اندر ایک نُور ہے اور خدا کے ہاتھ کی ایک خوشبو ہے جس پر مکر اور فریب یا کسی چالاکی کا شُبہ نہیں ہوسکتا۔ پس جس طرح سورج کی روشنی پر یقین لانے کیلئے صرف وہ روشنی ہی کافی نہیں بلکہ آنکھ کے نور کی بھی ضرورت ہے تا اُس روشنی کو دیکھ سکے اِسی طرح معجزہ کی روشنی پر یقین لانے کیلئے فقط معجزہ ہی کافی نہیں ہے بلکہ نورِ فراست کی بھی ضرورت ہے اور جب تک معجزہ دیکھنے والے کی سرشت میں فراستِ صحیحہ اور عقل سلیم کی روشنی نہ ہو تب تک اس کا قبول کرنا غیر ممکن ہے مگر بدبخت انسان جس کو یہ نورِ فراست عطا نہیں ہوا وہ ایسے معجزات سے جو صرف امتیازی حد تک ہیں تسلّی نہیں پاتا اور بار بار یہی سوال کرتا ہے کہ بجز ایسے معجزہ کے میں کسی معجزہ کو قبول نہیں کرسکتا کہ جو نمونہ قیامت ہو جائے۔ مثلاً کوئی شخص میرے روبرو آسمان پر چڑھ جائے اور پھر روبرو ہی آسمان سے اُترے اور اپنے ساتھ کوئی ایسی کتاب لائے جو اُترنے کے وقت اس کے

ہاتھ میں ہو۔ اور صرف اسی پر کفایت نہیں بلکہ تب مانیں گے کہ ہم اس کتاب کو ہاتھ میں لے کر دیکھ لیں اور پڑھ لیں۔ یا چاند کا ٹکڑا یا سورج کا ٹکڑا اپنے ساتھ لائے جو زمین کو روشن کر سکے۔ یا فرشتے اس کے ساتھ آسمان سے اُتریں جو فرشتوں کی طرح خارق عادت کام کر کے دکھلائیں۔ یا دس بیس مردے اُس کی دُعا سے زندہ ہو جائیں او وہ شناخت کئے جائیں کہ فلاں فلاں شخص کے باپ دادا ہیں جو فلاں تاریخ مر گئے تھے اور صرف اسی قدر کافی نہیں بلکہ ساتھ اس کے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عام شہروں میں مجلسیں منعقد کر کے لیکچر دیں۔ اور بلند آواز سے کہہ دیں کہ درحقیقت ہم مُردے ہیں جو دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں آئے ہیں اور ہم اسلئے آئے ہیں کہ تا گواہی دیں کہ فلاں مذہب سچا ہے یا فلاں شخص جو دعویٰ کرتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں وہ سچ کہتا ہے اور ہم خدائے تعالیٰ کے منہ سے سن کر آئے ہیں کہ وہ سچا ہے۔ ﴿۳۶﴾

یہ وہ خود تراشیدہ معجزات ہیں جو اکثر جاہل لوگ جو ایمان کی حقیقت سے بکلّی بے خبر ہیں مانگا کرتے ہیں۔ یا ایسے ہی اور بیہودہ خوارق جو خدائے تعالیٰ کی اصل منشاء سے بہت دور ہیں طلب کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ مدت ہوئی کہ آریوں میں سے ایک شخص لیکھرام نام نے بھی قادیان میں آ کر ایسے ہی نشان مجھ سے طلب کئے تھے اور ہر چند سمجھایا گیا کہ اصل غرض نشانوں کی صرف حق اور باطل میں امتیاز ہے اور صرف امتیاز دکھلانے کی حد تک وہ ظاہر ہوتے ہیں مگر تعصب نے اس قدر اُس کو نافہم اور غبی کر رکھا تھا کہ وہ اس حقیقت کو سمجھتا ہی نہیں تھا۔ آخر وہ نشانوں سے منکر ہونے کی وجہ سے بمقام لاہور خدا کے نشان کا ہی نشانہ ہو گیا۔ اور جیسا کہ اُس کے حق میں اُس کی مفتریانہ پیشگوئی کے مقابل پر یہ پیشگوئی میں نے کی تھی کہ وہ چھ ۶ سال کے اندر مارا جائے گا ایسا ہی ظہور میں آیا۔ اور اس قضا و قدر کو جس کی نسبت پانچ برس پہلے لاکھوں انسانوں میں اعلان کیا گیا تھا کوئی روک نہ سکا۔ اور اسلام اور آریہ مذہب میں ایک امتیازی نشان ظاہر ہو گیا۔ کیونکہ میری طرف سے یہ دعویٰ تھا کہ مذہب اسلام سچا ہے۔ اور لیکھرام کی طرف سے یہ دعویٰ تھا کہ آریہ مذہب سچا ہے اور لیکھرام نے اپنے دعویٰ کی تائید میں اپنی

کتاب میں جواب تک موجود ہے میری نسبت یہ شائع کیا تھا کہ مجھے پرمیشر کے الہام سے معلوم ہوا ہے کہ یہ شخص تین۳ برس میں ہیضہ کی بیماری سے فوت ہو جائے گا۔ اور اس کے مقابل پر میں نے خدائے تعالیٰ سے واقعی اطلاع پا کر یہ اشتہار دیا تھا کہ لیکھرام چھ۶ برس کے اندر مارا جائے گا اور اُس کے مارے جانے کا دن اور تاریخ مقرر کر دی تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ یہ امتیازی نشان ہے جو مذہب اسلام کی سچائی پر گواہی دیتا ہے لیکن افسوس کہ آریہ صاحبوں نے اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔

غرض سچا مذہب صرف عقل کا دریوزہ گر نہیں ہوتا کہ یہ اس کیلئے عار ہے۔ اور اس سے شبہ گذرتا ہے کہ عقلمندوں کی باتیں چُرا کر لکھی گئی ہیں کیونکہ دنیا میں عقلمند تھوڑے نہیں گذرے ہیں۔ بلکہ وہ علاوہ عقلی دلائل کے مذہب کی ذاتی خاصیت بھی پیش کرتا ہے جو آسمانی نشان ہیں اور یہی سچے مذہب کی حقیقی علامت ہے ہاں یہ سچ ہے کہ جو عوام الناس اور جاہل لوگ بعض مذاہب یا اشخاص کی نسبت خود تراشیدہ کرامات اور معجزات شائع کرتے ہیں جو نہایت مبالغہ آمیز باتیں ہوتی ہیں وہ کسی مذہب کا فخر نہیں ہیں بلکہ عار اور ننگ کی جگہ ہیں۔ اور ان فرضی معجزات کے ساتھ جس قدر حضرت عیسیٰ علیہ السلام متہم کئے گئے ہیں اس کی نظیر کسی اور نبی میں نہیں پائی جاتی یہاں تک کہ بعض جاہل خیال کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہزاروں بلکہ لاکھوں مُردے زندہ کر ڈالے تھے۔ یہاں تک کہ انجیلوں میں بھی یہ مبالغہ آمیز باتیں لکھی ہیں کہ ایک مرتبہ تمام گورستان جو ہزاروں برسوں کا چلا آتا تھا سب کا سب زندہ ہو گیا تھا اور تمام مُردے زندہ ہو کر شہر میں آ گئے تھے۔

﴿۴۷﴾

اب عقلمند قیاس کر سکتا ہے کہ باوجودیکہ کروڑہا انسان زندہ ہو کر شہر میں آ گئے اور اپنے بیٹوں پوتوں کو آ کر تمام قصے سنائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سچائی کی تصدیق کی مگر پھر بھی یہودی ایمان نہ لائے اور اس درجہ کی سنگ دلی کو کون باور کرے گا۔ اور درحقیقت اگر ہزاروں مُردے زندہ کرنا حضرت عیسیٰ کا پیشہ تھا تو جیسا کہ عقل کے رو سے سمجھا جاتا ہے

وہ تمام مردے بہرے اور گونگے تو نہیں ہوں گے۔ اور جن لوگوں کو ایسے معجزات دکھلائے جاتے تھے کوئی اُن مُردوں میں سے اُن کا بھائی ہوگا اور کوئی باپ اور کوئی بیٹا اور کوئی ماں اور کوئی دادی اور کوئی دادا اور کوئی دوسرا قریبی اور عزیز رشتہ دار۔ اِس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے کافروں کو مومن بنانے کی ایک وسیع راہ کھل گئی تھی۔ کئی مُردے یہودیوں کے رشتہ دار اُن کے ساتھ ساتھ پھرتے ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کئی شہروں میں اُن کے لیکچر دلائے ہوں گے۔ ایسے لیکچر نہایت پُر بہار اور شوق انگیز ہوتے ہوں گے۔ جب ایک مردہ کھڑا ہو کر حاضرین کو سناتا ہوگا کہ اے حاضرین! آپ لوگوں میں بہت ایسے اس وقت موجود ہیں جو مجھے شناخت کرتے ہیں جنہوں نے مجھے اپنے ہاتھ سے دفن کیا تھا۔ اب میں خدا کے منہ سے سن کر آیا ہوں کہ عیسیٰ مسیح سچا ہے اور اُسی نے مجھے زندہ کیا تو عجب لطف ہوتا ہوگا اور ظاہر ہے کہ ایسے مردوں کے لیکچروں سے یہودی قوم کے لوگوں کے دلوں پر بڑے بڑے اثر ہوتے ہوں گے۔ اور ہزاروں لاکھوں یہودی ایمان لاتے ہوں گے۔ پر قرآن شریف اور انجیل سے ثابت ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رد کر دیا تھا۔ اور اصلاح مخلوق میں تمام نبیوں سے اُن کا گرا ہوا نمبر تھا اور تقریباً تمام یہودی اُن کو ایک مکّار اور کاذب خیال کرتے تھے۔ ﴿۳۸﴾

اب عقلمند سوچے کہ کیا ایسے بزرگ اور فوق العادت معجزات کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے تھا جبکہ ہزاروں مُردوں نے زندہ ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سچائی کی گواہی بھی دیدی اور یہ بھی کہہ دیا کہ ہم بہشت کو دیکھ آئے ہیں اُس میں صرف عیسائی ہیں جو حضرت عیسیٰ کے ماننے والے ہیں اور دوزخ کو دیکھا تو اس میں یہودی ہیں جو حضرت عیسیٰ کے منکر ہیں تو ان سب باتوں کے بعد کس کی مجال تھی کہ حضرت عیسیٰ کی سچائی میں ذرہ بھی شک کرتا۔ اور اگر کوئی شک کرتا تو ان کے باپ دادا جو زندہ ہو کر آئے تھے اُن کو جان سے مارتے کہ اے ناپاک لوگو! ہماری گواہی اور پھر بھی شک۔ پس یقیناً سمجھو کہ ایسے معجزات محض بناوٹ ہے۔

معجزہ کے نفس امر میں شک نہیں مگر وہ اسی قدر ہوتا ہے جیسا کہ آگے ہم تفصیل سے بیان کریں گے۔
اس جگہ مسلمانوں پر نہایت افسوس ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ایسے معجزات منسوب کرتے ہیں جو قرآن شریف کی بیان کردہ سنت کے مخالف ہیں۔ اور وہ راہ چلتے ہیں جس کا آگے کوچہ ہی بند ہے۔ اور نہ صرف اسی قدر کہ حضرت عیسیٰ کی نسبت عیسائیوں کی پرانی کہانیوں پر ایمان لائے ہوئے ہیں بلکہ آئندہ کیلئے تمام دنیا سے الگ کسی وقت آسمان سے اُن کا نازل ہونا مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آئندہ آخری زمانہ میں (حالانکہ عمر دنیا کے رُو سے جو سات ہزار ہے یہی آخری زمانہ ہے) حضرت عیسیٰ آسمان سے فرشتوں کے ساتھ نازل ہوں گے اور ایک بڑا تماشا ہوگا اور لاکھوں آدمیوں کا ہجوم ہوگا اور آسمان کی طرف نظر ہوگی۔ اور لوگ دور سے دیکھ کر کہیں گے کہ وہ آئے وہ آئے۔ اور دمشق میں ایک سفید مینار کے قریب اُتریں گے۔ مگر تعجب کہ وہ غریب اور عاجز انسان جو اپنی نبوت ثابت کرنے کیلئے الیاس نبی کو دوبارہ دنیا میں نہ لا سکا یہاں تک کہ صلیب پر لٹکایا گیا۔ اُس کی نسبت ایسے ایسے کرشمے بیان کئے جاتے ہیں۔ اگر یہ باتیں قبول کے لائق ہیں تو پھر کیوں حضرت سید عبدالقادر جیلانی کی یہ کرامت جو لوگوں میں بہت مشہور ہو رہی ہے قبول نہیں کی جاتی کہ ایک کشتی جو مع برات دریا میں ڈوب گئی تھی انہوں نے بارہ برس کے بعد نکالی تھی اور سب لوگ زندہ تھے اور نقارے اور باجے اُن کے ساتھ بج رہے تھے۔ ایسا ہی یہ دوسری کرامت کہ ایک مرتبہ فرشتہ ملک الموت ان کے کسی مرید کی رُوح بغیر اجازت نکال کر لے گیا تھا انہوں نے اڑ کر آسمان پر اس کو جا پکڑا اور اُس کی ٹانگ پر لاٹھی ماری اور ہڈی توڑ دی۔ اور اُس روز کی جس قدر روحیں نکالی گئی تھیں سب چھوڑ دیں اور وہ دوبارہ زندہ ہوگئیں۔ فرشتہ روتا ہوا خدا تعالیٰ کے پاس گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عبدالقادر محبوبیّت کے مقام میں ہے اس کے کام کی نسبت کوئی دست اندازی نہیں ہوگی اگر وہ تمام گذشتہ مُردے زندہ کر دیتا تب بھی اُس کا اختیار تھا۔

﴿۳۹﴾

اب جس حالت میں ایسی مشہور شدہ کرامات کو قبول نہیں کیا گیا جن کے قبول کرنے میں چنداں حرج نہ تھا تو پھر کیوں ایسے شخص کی طرف وہ باتیں منسوب کی جاتی ہیں جو نہ صرف قرآن شریف کی منشاء کے برخلاف ہیں بلکہ عیسیٰ پرستی کے شرک کو اُس سے مدد ملتی ہے جس نے چالیس کروڑ انسانوں کو خدائے تعالیٰ کی توحید سے محروم کر دیا ہے میں نہیں سمجھ سکتا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کو اور نبیوں پر کیا زیادتی اور کیا خصوصیت ہے۔ پھر اُس کو ایک خصوصیت دینا جو شرک کی جڑ ہے کس قدر کھلی کھلی ضلالت ہے جس سے ایک بڑی قوم تباہ ہو چکی ہے ہائے افسوس کہ انہوں نے محض مصنوعی کفارہ پر بھروسہ کر کے اپنے تئیں ہلاک کیا اور یہ خیال نہ کیا کہ نفس کے آتشی دریا سے وہی پار ہوگا جو اپنی کشتی اپنے ہاتھ سے بنائے گا اور وہی مزدوری لے گا جو اپنا کام آپ کرے گا اور وہی نقصان سے بچے گا جو اپنا بوجھ آپ اُٹھائے گا یہ کیسی جہالت ہے جو ایک انسان بیدست و پا ہو کر دوسرے انسان پر اپنی کامیابی کیلئے بھروسہ کرے اور کسی کی جسمانی قوت کو اپنی روحانی زندگی کیلئے مفید سمجھے۔ خدا کا قانون ہے کہ اُس نے کسی انسان کو کسی امر میں خصوصیت نہیں دی اور کوئی انسان نہیں کہہ سکتا کہ مجھ میں ایک ایسی بات ہے جو دوسرے انسانوں میں نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ایسے انسان کو واقعی طور پر معبود ٹھہرانے کیلئے بنیاد پڑ جاتی۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بعض عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ خصوصیت پیش کی تھی کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں تو فی الفور اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی اس آیت میں جواب دیا۔ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ [1] یعنی ”عیسیٰ کی مثال آدم کی مثال ہے خدا نے اس کو مٹی سے پیدا کیا پھر اُس کو کہا کہ ”ہو جا۔ سو وہ ہو گیا“ ایسا ہی عیسیٰ بن مریم، مریم کے خون سے اور مریم کی منی سے پیدا ہوا اور پھر خدا نے کہا کہ ہو جا سو ہو گیا۔ پس اتنی بات میں کون سی خدائی اور کون سی خصوصیت اُس میں پیدا ہو گئی۔ موسم برسات میں ہزارہا کیڑے مکوڑے بغیر ماں اور باپ کے خود بخود زمین سے ﴿۴۰﴾

[1] اٰل عمران : ۶۰

پیدا ہو جاتے ہیں۔ کوئی اُن کو خدا نہیں ٹھہراتا۔ کوئی اُن کی پرستش نہیں کرتا۔ کوئی اُن کے آگے سر نہیں جھکاتا۔ پھر خواہ نخواہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت اتنا شور کرنا اگر جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔ اور یہ کہنا کہ وہ اب تک زندہ ہے اور دوسرے نبی سب فوت ہو چکے یہ قرآن شریف کی مخالفت ہے۔ اللہ تعالیٰ تو قرآن شریف میں بتصریح اُن کی موت بیان فرماتا ہے پھر وہ زندہ کیونکر ہوئے اور قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ دوبارہ ہرگز نہیں آئیں گے۔ جیسا کہ آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي [1] سے یہ دونوں مطلب ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس تمام آیت کے اوّل آخر کی آیتوں کے ساتھ یہ معنے ہیں کہ خدا قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہے گا کہ کیا تو نے ہی لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اپنا معبود ٹھہرانا۔ تو وہ جواب دیں گے کہ جب تک میں اپنی قوم میں تھا تو میں اُن کے حالات سے مطلع تھا اور گواہ تھا پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو پھر تو ہی اُن کے حالات سے واقف تھا۔ یعنی بعد وفات مجھے اُن کے حالات کی کچھ بھی خبر نہیں۔

اب اس آیت سے صریح طور پر دو باتیں ثابت ہوتی ہیں (۱) اوّل یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اِس آیت میں اقرار کرتے ہیں کہ جب تک میں اُن میں تھا میں ان کا محافظ تھا۔ اور وہ میرے روبرو بگڑے نہیں بلکہ میری وفات کے بعد بگڑے ہیں۔ پس اب اگر فرض کیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب تک آسمان پر زندہ ہیں تو ساتھ ہی اقرار کرنا پڑے گا کہ **اب تک عیسائی بھی بگڑے نہیں** کیونکہ اس آیت میں عیسائیوں کا بگڑنا آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کا ایک نتیجہ ٹھہرایا گیا ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر موقوف رکھا گیا ہے۔ لیکن جبکہ ظاہر ہے کہ عیسائی بگڑ چکے ہیں تو ساتھ ہی ماننا پڑتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی فوت ہو چکے ہیں ورنہ تکذیب آیت قرآنی لازم آتی ہے۔ (۲) دوسرے یہ کہ آیت میں صریح طور پر بیان فرمایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عیسائیوں کے بگڑنے کی نسبت اپنی لاعلمی ظاہر کریں گے اور کہیں گے کہ مجھے تو اُس وقت تک ان کے حالات کی نسبت علم تھا جبکہ میں اُن میں تھا۔

[1] المآئدۃ: ۱۱۸

اور پھر جب مجھے وفات دی گئی تب سے میں اُن کے حالات سے محض بے خبر ہوں مجھے معلوم نہیں کہ میرے پیچھے کیا ہوا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ عذر اُن کا اس حالت میں کہ وہ قیامت سے پہلے دوبارہ دنیا میں کسی وقت آئے ہوتے اور عیسائیوں کی ضلالت پر اطلاع پاتے۔ محض دروغگوئی ٹھہرتا ہے اور اس کا جواب تو خدائے تعالیٰ کی طرف سے یہ ہونا چاہیے کہ اے گستاخ شخص میرے روبرو اور میری عدالت میں کیوں جھوٹ بولتا ہے اور کیوں محض دروغ کے طور پر کہتا ہے کہ مجھے اُن کے بگڑنے کی کچھ بھی خبر نہیں حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ میں نے قیامت سے پہلے دوبارہ تجھے دنیا میں بھیجا تھا اور تو نے عیسائیوں سے لڑائیاں کی تھیں اور اُن کی صلیب توڑی تھی اور اُن کے خنزیر قتل کئے تھے اور پھر میرے روبرو اتنا جھوٹ کہ گویا تجھے کچھ بھی خبر نہیں۔ اب ظاہر ہے کہ ایسے عقیدے میں کہ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے کس قدر ان کی ہتک ہے اور نعوذ باللہ اس سے وہ دروغگو ٹھہرتے ہیں۔ ﴿۴۱﴾

اور اگر کہو کہ پھر ان حدیثوں کے کیا معنے کریں جن میں لکھا ہے کہ عیسیٰ بن مریم نازل ہوگا اس کا یہ جواب ہے کہ اُسی طرح معنے کرلو جس طرح حضرت عیسیٰ نے الیاس کے دوبارہ آنے کی نسبت معنے کئے تھے۔ اور نیز حدیثوں میں صاف لکھا ہے کہ وہ عیسیٰ اسی امت میں سے ہوگا کوئی اور شخص نہیں ہوگا۔ اور یہ نہیں لکھا کہ دوبارہ آئے گا۔ بلکہ یہ لکھا ہے کہ ''نازل ہوگا'' اگر دوبارہ آنا مقصود ہوتا تو اُس جگہ رجوع کا لفظ چاہئے تھا نہ نزول کا۔ اور اگر فرض محال کے طور پر کوئی حدیث قرآن شریف سے مخالف ہوتی تو وہ رد کرنے کے لائق تھی نہ یہ کہ کسی حدیث سے قرآن شریف کو رد کیا جائے۔ اور اس جگہ یاد رہے کہ قرآن شریف یہود و نصاریٰ کی غلطیوں اور اختلافات کو دُور کرنے کیلئے آیا ہے۔ اور قرآن شریف کی کسی آیت کے معنے کرنے کے وقت جو یہود و نصاریٰ کے متعلق ہو یہ ضرور دیکھ لینا چاہئے کہ اُن میں کیا جھگڑا تھا جس کو قرآن شریف فیصلہ کرنا چاہتا ہے اب اس اصول کو مدنظر رکھ کر اس آیت کے معنے کہ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ...... بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ[1]

[1] النسآء: ۱۵۸، ۱۵۹

بڑی آسانی سے ایک منصف مزاج سمجھ سکتا ہے کیونکہ یہود کے عقیدہ کے رُو سے جو شخص صلیب کے ذریعہ سے قتل کیا جائے وہ ملعون ہوتا ہے اور اُس کا رفع رُوحانی خدا تعالیٰ کی طرف نہیں ہوتا اور وہ شیطان کی طرف جاتا ہے۔ اب خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ حضرت عیسیٰ کا رفع روحانی خدائے تعالیٰ کی طرف ہوا یا نہ ہوا۔ سو خدا نے اوّل یہود کے اِس وہم کو مٹایا کہ حضرت عیسیٰ بذریعہ صلیب قتل ہو چکے ہیں اور فرمایا کہ یہود کا صرف یہ ایک شبہ تھا جو خدا نے اُن کے دلوں میں ڈال دیا۔ عیسیٰ بذریعہ صلیب قتل نہیں ہوا تا اس کو ملعون قرار دیا جائے بلکہ اُس کا رفع روحانی ہوا جیسے کہ اور مومنوں کا ہوتا ہے ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ کو اس فضول بحث اور فیصلہ کی ضرورت نہ تھی کہ حضرت عیسیٰ بجسم عنصری آسمان پر گیا یا نہ گیا۔ کیونکہ یہود کا یہ متنازع فیہ امر نہ تھا اور یہود کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ جو شخص مصلوب ہو جائے وہ مع جسم عنصری آسمان پر نہیں جاتا کیونکہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ جو شخص مصلوب ﴿۴۲﴾ نہ ہو وہ مع جسم عنصری آسمان پر چلا جاتا ہے اور نہ یہود کا یہ عقیدہ ہے کہ بے ایمان اور لعنتی آدمی مع جسم آسمان پر نہیں جاتا مگر مومن مع جسم عنصری آسمان پر چلا جاتا ہے کیونکہ موسیٰؑ جو یہود کے نزدیک سب سے بڑا نبی تھا اُس کی نسبت بھی یہود کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ وہ مع جسم آسمان پر چلا گیا۔ پس تمام جھگڑا تو رفع روحانی کا تھا۔ یہود کی طرف سے اپنے عقیدہ کے موافق یہ بحث تھی کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ ملعون ہیں کیونکہ اُن کا رفع روحانی نہیں ہوا وجہ یہ کہ وہ صلیب کے ذریعہ سے مارے گئے پس اسی غلطی کو خدا تعالیٰ نے دُور کرنا تھا سو خدا تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ عیسیٰ ملعون نہیں ہے بلکہ اُس کا رفع رُوحانی اور مومنوں کی طرح ہو گیا۔

یاد رہے کہ ملعون کا لفظ مرفوع کے مقابل پر آتا ہے جبکہ مرفوع کے معنے رُوحانی طور پر مرفوع ہو۔ پس جو لوگ حضرت عیسیٰ کو بوجہ مصلوب ہونے کے ملعون ٹھہراتے ہیں اُن کے نزدیک ملعون کے معنے صرف اس قدر ہیں کہ ایسے شخص کا رفع رُوحانی نہیں ہوتا۔ عیسائیوں نے بھی اپنی غلطی سے تین دن کیلئے حضرت عیسیٰ کو ملعون مان لیا یعنی تین دن تک اُس کا رفع روحانی

نہیں ہوا۔ اور بموجب ان کے عقیدہ کے حضرت عیسیٰ ملعون ہونے کی حالت میں تحت الثریٰ میں گئے اور ساتھ کوئی جسم نہ تھا۔ پھر مرفوع ہونے کی حالت میں کیوں جسم کی ضرورت ہوئی۔ دونوں حالتیں ایک ہی رنگ کی ہونی چاہئیں ۔ یہ ہماری طرف سے عیسائیوں پر الزام ہے کہ وہ بھی رفع کے بارے میں غلطی میں پھنس گئے۔ وہ اب تک اس بات کے اقراری ہیں کہ صلیب کا نتیجہ توریت کی رُو سے ایک روحانی امر تھا یعنی لعنتی ہونا جس کو دوسرے لفظوں میں عدم رفع کہتے ہیں پس بموجب اُن کے عقیدہ کے عدم رفع رُوحانی طور پر ہی ہوا۔ اس حالت میں رفع بھی روحانی ہونا چاہئے تھا تا تقابل قائم رہے۔ عیسائی صاحبان مانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ملعون ہونے کی حالت میں صرف روحانی طور پر تحت الثریٰ اور دوزخ کی طرف گئے اُس وقت اُن کے ساتھ کوئی جسم نہ تھا۔ پھر جبکہ یہ حالت ہے تو پھر مرفوع ہونے کی حالت میں کیوں جسم کی ضرورت پڑی اور کیوں جسم کو ساتھ ملایا گیا۔ حالانکہ قدیم سے توریت کے ماننے والے تمام نبی اور تمام یہود کے فقیہ صلیبی لعنت کے یہی معنے کرتے آئے ہیں کہ روحانی طور پر رفع نہ ہو۔ اور اب بھی یہی کرتے ہیں کہ جو شخص صلیب کے ذریعہ سے مارا جائے اُس کا خدا تعالیٰ کی طرف رفع نہیں ہوتا۔ لعنت کے معنے عدم رفع ہے۔ بہرحال جبکہ خدا تعالیٰ نے یہود کا اعتراض دُور کرنا تھا اور یہود اب تک عدم رفع سے مراد رُوحانی معنے لیتے ہیں یعنی یہ کہتے ہیں کہ روحانی طور پر عیسیٰ کا خدا تعالیٰ کی طرف رفع نہیں ہوا۔ اور وہ کاذب تھا۔ تو پھر خدا تعالیٰ اصل بات کو چھوڑ کر اور طرف کیوں چلا گیا۔ گویا نعوذ باللہ خدا تعالیٰ نے یہود کا اصل جھگڑا سمجھا ہی نہیں اور ایسے جج کی طرح فیصلہ کیا جو سراسر روئداد مثل کے برخلاف فیصلہ لکھ مارتا ہے۔ ایسا گمان اگر عمداً خدا تعالیٰ کی نسبت کیا جائے تو پھر کفر میں کیا شک ہے۔ ﴿۴۳﴾

پھر ماسوا اس کے ہم کہتے ہیں کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ خدائے تعالیٰ نے یہود کے اصل جھگڑے کی اس جگہ پروا نہ رکھ کر ایک نئی بات بیان کر دی ہے جس کا بیان کرنا محض ایک فضول اور غیر ضروری امر تھا یعنی یہ کہ حضرت عیسیٰ کو مع جسم عنصری دوسرے آسمان پر بٹھایا گیا تو پھر

اس خیال کا بطلان اس طرح پر ہوتا ہے کہ اوّل تو قرآن شریف میں کہیں نہیں لکھا کہ حضرت عیسیٰ کو مع جسم عنصری دوسرے آسمان پر بٹھایا گیا بلکہ قرآن شریف کے لفظ تو یہ ہیں کہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ [1] یعنی خدا نے عیسیٰ کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ پس سوچو کہ کیا خدا دوسرے آسمان پر مجسم چیزوں کی طرح بیٹھا ہوا ہے؟ اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف رفع ہمیشہ روحانی ہی ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی تمام نبیوں کی تعلیم ہے خدا جسم نہیں ہے کہ تا جسمانی رفع اُس کی طرف ہو۔ تمام قرآن شریف میں یہی محاورہ ہے کہ جب کسی کی نسبت فرمایا جاتا ہے کہ خدا کی طرف وہ گیا یا خدا کی طرف اس کا رفع ہوا تو اُس کے یہی معنے ہوتے ہیں کہ روحانی طور پر اس کا رفع ہوا۔ جیسا کہ اس آیت میں بھی یہی معنے ہیں جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ [2] الخ کہ اے نفسِ مطمئنہ اپنے رب کی طرف واپس آ جا۔ پس کیا اس کے یہ معنے ہیں کہ مع جسم عنصری آ جا۔

ماسوا اس کے اس جگہ یہ سوال ہوگا کہ اگر اس جگہ رفع رُوحانی کا بیان نہیں ہے اور اس جگہ وہ جھگڑا فیصلہ نہیں کیا گیا جو یہود نے حضرت مسیح کے رفع روحانی کی نسبت انکار کیا تھا اور نعوذ باللہ ملعون قرار دیا تھا تو پھر قرآن شریف کے کس مقام میں یہود کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے جس کا جواب دینا بموجب وعدہ الٰہی کے ضروری تھا۔ پس اس تمام بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ کے رفع کو رفع جسمانی ٹھہرانا سراسر ہٹ دھرمی اور حماقت ہے بلکہ یہ وہی رفع ہے جو ہر ایک مومن کے لئے وعدۂ الٰہی کے موافق موت کے بعد ہونا ضروری ہے اور کافر کے لئے حکم ہے کہ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ [3] یعنی اُن کیلئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ یعنی اُن کا رفع نہیں ہوگا۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرماتا ہے مُفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ [4] پس سیدھی بات کو اُلٹا دینا تقویٰ اور طہارت کے برخلاف اور ایک طور سے تحریف کلام اِلٰہی ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وقت میں تمام صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے کہ تمام نبی فوت ہو چکے ہیں۔

[1] النسآء:۱۵۹ [2] الفجر:۲۸، ۲۹ [3] الاعراف:۴۱ [4] صٓ:۵۱

اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں یہی معنے آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ [1] کے کئے گئے۔ یعنی سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ پس کیا حضرت عیسیٰ رسول نہیں تھے جو فوت سے باہر رہ گئے۔ پھر باوجود اس اجماع کے فیج اعوج کے زمانہ کی تقلید کرنا دیانت سے بعید ہے۔ امام مالک کا بھی یہی مذہب تھا کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو گئے ہیں۔ پس جبکہ سلف الائمہ کا یہ مذہب ہے تو دوسروں کا بھی یہی مذہب ہوگا۔ اور جن بزرگوں نے اس حقیقت کے سمجھنے میں خطا کی وہ خطا خدا تعالیٰ کے نزدیک درگذر کے لائق ہے۔ اِس دین میں بہت سے اسرار ایسے تھے کہ درمیانی زمانہ میں پوشیدہ ہو گئے تھے مگر مسیح موعود کے وقت میں ان غلطیوں کا کھل جانا ضروری تھا کیونکہ وہ حَکَم ہو کر آیا۔ اگر درمیانی زمانہ میں یہ غلطیاں نہ پڑتیں تو پھر مسیح موعود کا آنا فضول اور انتظار کرنا بھی فضول تھا، کیونکہ مسیح موعود مجدد ہے اور مجدد غلطیوں کی اصلاح کے لئے ہی آیا کرتے ہیں۔ وہ جس کا نام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حَکَم رکھا ہے وہ کس بات کا حَکَم ہے اگر کوئی اصلاح اس کے ہاتھ سے نہ ہو۔ یہی سچ ہے مبارک وہ جو قبول کریں اور خدا سے ڈریں۔ ﴿۴۴﴾

اب پھر ہم اپنے پہلے مضمون کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ معجزات اور کرامات جو عوام الناس نے حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب کئے ہیں وہ سنت اللہ سے سراسر برخلاف ہیں۔ اور جیسے ایک فریق نے سرے سے انکار معجزات کا کر کے اپنے تئیں تفریط کی حد تک پہنچا دیا ہے ایسا ہی اُن کے مقابل پر دوسرے فریق نے معجزات کے بارے میں سخت غلو کر کے اپنی بات کو افراط کی حد تک پہنچا دیا ہے اور درمیانی راہ کو دونوں فریق نے ترک کر دیا ہے ظاہر ہے کہ اگر معجزات نہ ہوں تو پھر خدا تعالیٰ کے وجود پر کوئی قطعی اور یقینی علامت باقی نہیں رہتی اور اگر معجزات اس رنگ کے ہوں جس کا ابھی بیان کیا گیا ہے تو پھر ایمان کے ثمرات مفقود ہو جاتے ہیں اور ایمان ایمان نہیں رہتا۔ اور شرک تک نوبت پہنچتی ہے

[1] ال عمران : ۱۴۵

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو عجیب طور پر جاہلوں کا نشانہ ہوئے ہیں۔ اُن کی زندگی کے زمانہ میں تو یہود بے دین نے اُن کا نام کافر اور کذّاب اور مکّار اور مُفتری رکھا اور اُن کے رفع روحانی سے انکار کیا۔ اور پھر جب وہ فوت ہوگئے تو اُن لوگوں نے جن پر انسان پرستی کی سیرت غالب تھی اُن کو خدا بنا دیا اور یہودی تو رفع روحانی سے ہی انکار کرتے تھے۔ اب بمقابل اُن کے رفع جسمانی کا اعتقاد ہوا اور یہ بات مشہور کی گئی کہ وہ مع جسم آسمان پر چڑھ گئے ہیں گویا پہلے نبی تو روحانی طور پر بعد موت آسمان پر چڑھتے تھے مگر حضرت عیسیٰ زندہ ہونے کی حالت میں ہی مع جسم مع لباس مع تمام لوازم جسمانی کے آسمان پر جا بیٹھے۔ گویا یہ یہودیوں کی ضد اور انکار کا جو رفع روحانی سے منکر تھے نہایت مبالغہ کے ساتھ ایک جواب تراشا گیا اور یہ جواب سراسر نامعقول تھا کیونکہ یہودیوں کو رفعِ جسمانی سے کچھ غرض نہ تھی۔ اُن کی شریعت کا یہ مسئلہ تھا کہ جو لوگ صلیب پر مرتے ہیں وہ لعنتی اور کافر اور بے ایمان ہوتے ہیں۔ اُن کا رفع روحانی خدائے تعالیٰ کی طرف نہیں ہوتا اور یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ ہر ایک مومن جب مرتا ہے تو اُس کی رُوح کو فرشتے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں اور اُس کیلئے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں لیکن کافر کی رُوح آسمان کی طرف اٹھائی نہیں جاتی۔ اور کافر ملعون ہوتا ہے اُس کی رُوح نیچے کو جاتی ہے۔ اور وہ لوگ بباعث صلیب پانے حضرت عیسیٰ اور نیز بوجہ بعض اختلافات کے اپنے فتووں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کافر ٹھہرا چکے تھے۔ کیونکہ بزعم اُن کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بذریعہ صلیب قتل ہوگئے تھے۔ اور توریت میں یہ صاف حکم تھا کہ جو شخص بذریعہ صلیب مارا جائے وہ لعنتی ہوتا ہے پس ان وجوہ سے انہوں نے حضرت عیسیٰ کو کافر ٹھہرایا تھا اور اُن کے رفع روحانی سے منکر ہوگئے تھے۔ پس یہودیوں کے نزدیک یہ منصوبہ ہنسی کے قابل تھا کہ گویا حضرت مسیح مع جسم آسمان پر چلے گئے۔ اور درحقیقت یہ افترا ان لوگوں نے کیا تھا جو توریت کے علم سے ناواقف تھے اور خود فی نفسہٖ یہ خیال نہایت درجہ پر لغو تھا جس سے

﴿۴۵﴾

خدائے تعالیٰ پر اعتراض ہوتا تھا کیونکہ جس حالت میں حضرت مسیح علیہ السلام یہودیوں کے تمام فرقوں تک جو مختلف فرقوں میں متفرق ہو چکے تھے اپنی دعوت کو ہنوز پہنچا نہیں سکے تھے اور اُن کے ہاتھ سے ایک فرقہ کو بھی ابھی ہدایت نہیں ہوئی تھی۔ ایسی صورت میں تبلیغ کے کام کو ناتمام چھوڑ کر حضرت عیسیٰ کا آسمان پر چڑھ جانا سراسر خلافِ مصلحت اور اپنے فرض منصبی سے پہلوتہی کرنا تھا۔ اور خود ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ کا محض بیہودہ طور پر اُن کو آسمان پر بٹھا دینا ایک بے سود اور لغو کام ہے جو ہرگز خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔

غرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ ایک تہمت ہے کہ گویا وہ مع جسم عنصری آسمان پر چلے گئے۔ سو جیسا کہ حضرت عیسیٰ کی زندگی کے زمانہ میں بھی اُن کے دشمنوں نے محض تہمت کے طور پر اُن کو کافر اور کذّاب قرار دیا ویسا ہی اُن کی تعریف میں غلو کرنے والوں نے جو نادان دوست تھے بقول شخصے کہ پیراں نپر ند مریداں پر انند اُن کو مع جسم آسمان پر چڑھا دیا اور نہ صرف اِسی قدر بلکہ اُن کو خدا بھی بنا دیا۔ اور پھر جب اور بھی زمانہ گذر گیا تو یہ عقیدہ بھی تراشا گیا کہ وہ اسی جسم عنصری کے ساتھ پھر آسمان سے اُتریں گے اور آخری دور انہی کا ہوگا اور وہی خاتم الانبیاء ہوں گے۔ غرض جس قدر جھوٹی کرامتیں اور جھوٹے معجزات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کئے گئے ہیں کسی اور نبی میں اُس کی نظیر نہیں پائی جاتی اور عجیب تر یہ کہ باوجود ان تمام فرضی معجزات کے ناکامی اور نامرادی جو مذہب کے پھیلانے میں کسی کو ہو سکتی ہے وہ سب سے اوّل نمبر پر ہیں۔ کسی اور نبی میں اس قدر نامرادی کی نظیر تلاش کرنا لاحاصل ہے مگر یاد رہے کہ اب اُن کے نام پر جو مذہب دنیا میں پھیل رہا ہے یہ ان کا مذہب نہیں ہے۔ اُن کی تعلیم میں خنزیر خوری اور تین خدا بنانے کا حکم اب تک انجیلوں میں نہیں پایا جاتا۔ بلکہ یہ وہی مشرکانہ تعلیم ہے جس کی نبیوں نے مخالفت کی تھی۔ توریت کے دو۲ ہی بڑے بھاری اور ابدی حکم تھے اوّل یہ کہ انسان کو خدا نہ بنانا۔ دوسرے یہ کہ سؤر کو مت کھانا۔ سو دونوں حکم پولوس مقدس کی تعلیم سے توڑ دیئے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔

﴿۴۶﴾

اب ہم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ معجزہ کیا چیز ہے اور معجزہ کی کیوں ضرورت ہے۔ سو ہم اس کتاب کے پہلے باب میں معجزہ کی اصل حقیقت اور ضرورت بیان کریں گے۔ اور دوسرے باب میں اپنے دعویٰ کے مطابق اُن معجزات کے چند نمونے بیان کر دیں گے اور تیسرا باب خاتمہ کا ہوگا۔ جس پر رسالہ ختم ہوگا۔

پہلا باب

معجزہ کی اصل حقیقت اور ضرورت کے بیان میں

معجزہ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ معجزہ ایسے امر خارق عادت کو کہتے ہیں کہ فریق مخالف اُس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز آ جائے خواہ وہ امر بظاہر نظر انسانی طاقتوں کے اندر ہی معلوم ہو جیسا کہ قرآن شریف کا معجزہ جو ملک عرب کے تمام باشندوں کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ پس وہ اگرچہ بنظر سرسری انسانی طاقتوں کے اندر معلوم ہوتا تھا لیکن اُس کی نظیر پیش کرنے سے عرب کے تمام باشندے عاجز آ گئے۔ پس معجزہ کی حقیقت سمجھنے کیلئے قرآن شریف کا کلام نہایت روشن مثال ہے کہ بظاہر وہ بھی ایک کلام ہے جیسا کہ انسان کا کلام ہوتا ہے لیکن وہ اپنی فصیح تقریر کے لحاظ سے اور نہایت لذیذ اور مصفّٰی اور رنگین عبارت کے لحاظ سے جو ہر جگہ حق اور حکمت کی پابندی کا التزام رکھتی ہے اور نیز روشن دلائل کے لحاظ سے جو تمام دنیا کے مخالفانہ دلائل پر غالب آ گئیں اور نیز زبردست پیشگوئیوں کے لحاظ سے ایک ایسا لاجواب معجزہ ہے جو باوجود گذرنے تیرہ سو برس کے اب تک کوئی مخالف اس کا مقابلہ نہیں کر سکا اور نہ کسی کو طاقت ہے جو کرے۔ قرآن شریف کو تمام دنیا کی کتابوں سے یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ معجزانہ پیشگوئیوں کو بھی معجزانہ عبارات میں جو اعلیٰ درجہ

کی بلاغت اور فصاحت سے پُر اور حق اور حکمت سے بھری ہوئی ہیں بیان فرماتا ہے۔ غرض اصلی اور بھاری مقصد معجزہ سے حق اور باطل یا صادق اور کاذب میں ایک امتیاز دکھلانا ہے۔ اور ایسے امتیازی امر کا نام معجزہ یا دوسرے لفظوں میں نشان ہے۔ نشان ایک ایسا ضروری امر ہے کہ اُس کے بغیر خدائے تعالیٰ کے وجود پر بھی پورا یقین کرنا ممکن نہیں اور نہ وہ ثمرہ حاصل ہونا ممکن ہے کہ جو پورے یقین سے حاصل ہوسکتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مذہب کی اصلی سچائی خدائے تعالیٰ کی ہستی کی شناخت سے وابستہ ہے۔ سچے مذہب کے ضروری اور اہم لوازم میں سے یہ امر ہے کہ اُس میں ایسے نشان پائے جائیں جو خدائے تعالیٰ کی ہستی پر قطعی اور یقینی دلالت کریں اور وہ مذہب اپنے اندر ایسی زبردست طاقت رکھتا ہو جو اپنے پیرو کا خدائے تعالیٰ کے ہاتھ سے ہاتھ ملادے۔ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ صرف مصنوعات پر نظر کر کے صانع کی فقط ضرورت ہی محسوس کرنا اور اُس کی واقعی ہستی پر اطلاع نہ پانا یہ کامل خدا شناسی کیلئے کافی نہیں ہے اور اسی حد تک ٹھہرنے والے کوئی سچا تعلق خدائے تعالیٰ سے حاصل نہیں کر سکتے اور نہ اپنے نفس کو جذبات نفسانیہ سے پاک کر سکتے ہیں۔ اس سے اگر کچھ سمجھا جاتا ہے تو صرف اس قدر کہ اس ترکیب محکم اور ابلغ کا کوئی صانع ہونا چاہیے نہ یہ کہ درحقیقت وہ صانع ہے بھی۔ اور ظاہر ہے کہ صرف ضرورت کو محسوس کرنا ایک قیاس ہے جو رؤیت کا قائم مقام نہیں ہوسکتا اور نہ رؤیت کے پاک نتائج اس سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ پس جو مذہب انسان کی خدا شناسی کو صرف ہونا چاہئے کے ناقص مرحلہ تک چھوڑتا ہے وہ اس کی عملی حالت کا چارہ گر نہیں ہے۔ پس درحقیقت ایسا مذہب ایک مردہ مذہب ہے جس سے کسی پاک تبدیلی کی توقع رکھنا ایک طمعِ خام ہے۔

﴿۴۷﴾

ظاہر ہے کہ محض عقلی دلائل مذہب کی سچائی کے لئے کامل شہادت نہیں ہو سکتے اور یہ ایسی مہر نہیں ہے کہ کوئی جعلساز اس کے بنانے پر قادر نہ ہو بلکہ یہ تو عقل کے چشمۂ عام کی ایک گداگری متصور ہوسکتی ہے۔ پھر اس بات کا کون فیصلہ کرے کہ عقلی باتیں جو ایک

کتاب نے لکھیں درحقیقت وہ الہامی ہیں یا کسی اور کتاب سے چُرا کر لکھی گئی ہیں۔اور اگر فرض بھی کر لیں کہ وہ چُرائی ہوئی نہیں ہیں تو پھر بھی ہستی باری تعالیٰ پر وہ کب دلیل قاطع ہوسکتی ہیں۔اور کب کسی طالب حق کا نفس اس بات پر پوری تسلی پا سکتا ہے کہ فقط وہی عقلی باتیں یقینی طور پر آیت خدا نما ہیں اور کب یہ اطمینان بھی ہوسکتا ہے کہ وہ باتیں بکلی غلطی سے مبرّا ہیں۔پس اگر ایک مذہب صرف چند باتوں کو عقل یا فلسفہ کی طرف منسوب کر کے اپنی سچائی کی وجہ بیان کرتا ہے اور آسمانی نشانوں اور خارق عادت امور کے دکھلانے سے قاصر ہے تو ایسے مذہب کا پیرو فریب خوردہ یا فریب دہندہ ہے اور وہ تاریکی میں مرے گا۔

﴿۴۸﴾ غرض محض عقلی دلائل سے تو خدائے تعالیٰ کا وجود بھی یقینی طور پر ثابت نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ کسی مذہب کی سچائی اُس سے ثابت ہو جائے۔اور جب تک ایک مذہب اس بات کا ذمہ وار نہ ہو کہ وہ خدا کی ہستی کو یقینی طور پر ثابت کر کے دکھلائے تب تک وہ مذہب کچھ چیز نہیں ہے اور بدقسمت ہے وہ انسان جو ایسے مذہب پر فریفتہ ہو۔ہر ایک وہ مذہب لعنت کا داغ اپنی پیشانی پر رکھتا ہے جو انسان کی معرفت کو اُس مرحلہ تک نہیں پہنچا سکتا جس سے گویا وہ خدا کو دیکھ لے۔اور نفسانی تاریکی روحانی حالت سے بدل جائے اور خدا کے تازہ نشانوں سے تازہ ایمان حاصل ہو جائے۔اور نہ صرف لاف کے طور پر بلکہ واقعی طور پر ایک پاک زندگی مل جائے۔انسان کو سچی پاکیزگی حاصل کرنے کیلئے اس بات کی بڑی ضرورت ہے کہ اُس زندہ خدا کا اُس کو پتہ لگ جائے جو نافرمان کو ایک دم میں ہلاک کرسکتا ہے اور جس کی رضا کے نیچے چلنا ایک نقد بہشت ہے۔اور جس طرح ایک مذہب کیلئے صرف عقلی طور پر اپنی عمدگی دکھلانا کافی نہیں ہے ایسا ہی ایک ظاہری راستباز کیلئے صرف یہ دعویٰ کافی نہیں ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے احکام پر چلتا ہے بلکہ اس کیلئے ایک امتیازی نشان چاہیے جو اُس کی راستبازی پر گواہ ہو کیونکہ ایسا دعویٰ تو قریباً ہر ایک کرسکتا ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے اور اس کا دامن تمام اقسام فسق و فجور سے پاک ہے مگر ایسے دعوے پر

تسلی کیونکر ہو کہ فی الحقیقت ایسا ہی امر واقع ہے۔ اگر کسی میں مادۂ سخاوت ہے تو ناموری کی غرض سے بھی ہوسکتا ہے۔ اگر کوئی عابد زاہد ہے تو ریا کاری بھی اس کا موجب ہوسکتی ہے۔ اور اگر فسق وفجور سے کوئی بچ گیا ہے تو تہیدستی بھی اس کا باعث ہوسکتی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ محض لوگوں کے لعن طعن کے خوف سے کوئی پارسا طبع بن بیٹھے اور عظمت الٰہی کا کچھ بھی اس کے دل پر اثر نہ ہو۔ پس ظاہر ہے کہ عمدہ چال چلن اگر ہو بھی تاہم حقیقی پاکیزگی پر کامل ثبوت نہیں ہوسکتا شاید در پردہ کوئی اور اعمال ہوں۔ لہٰذا حقیقی راستبازی کیلئے خدائے تعالیٰ کی شہادت ضروری ہے جو عالم الغیب ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو دنیا میں پاک ناپاک کے حالات مشتبہ ہو جاتے ہیں اور امان اُٹھ جاتا ہے اس لئے مابہ الامتیاز کی نہایت درجہ ضرورت ہے۔ اور جس مذہب نے راستباز کیلئے کوئی مابہ الامتیاز کا خلعت عطا نہیں فرمایا یقیناً سمجھو کہ وہ مذہب ٹھیک نہیں ہے اور نور سے بالکل خالی ہے۔ خدا کی طرف سے جو کتاب ہو وہ آپ بھی اپنے اندر مابہ الامتیاز رکھتی ہے اور اپنے پیرو کو بھی امتیازی نشان بخشتی ہے۔

غرض بغیر امتیازی نشان کے نہ مذہب حق اور مذہب باطل میں کوئی کھلا کھلا تفرقہ پیدا ہوسکتا ہے اور نہ ایک راستباز اور مکّار کے درمیان کوئی فرق بیّن ظاہر ہوسکتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ایک شخص دراصل بدچلن اور فاسق اور فاجر ہو لیکن اُس کی بدچلنیاں ظاہر نہ ہوں۔ پس اگر ایسی صورت میں وہ بھی راستبازی کا دعویٰ کرے جیسا کہ ایسے دعوے ہمیشہ دنیا میں پائے جاتے ہیں تو پھر خدائے تعالیٰ کی طرف سے حقیقی راستباز کیلئے کونسا ایک چمکتا ہوا نشان ہے جس سے وہ ایسے مکّاروں سے الگ کا الگ دکھائی دے اور روز روشن کی طرح شناخت کرلیا جائے۔ حالانکہ قدیم سے اور جب سے کہ دنیا کی بنیاد ڈالی گئی ہے سنت اللہ اِسی طرح پر جاری ہے اور یہی قانونِ قدرت ہے کہ تمام عمدہ اور خراب چیزوں میں ایک امتیازی نشان رکھا گیا ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ بظاہر سونا اور پیتل ہم شکل ہیں یہاں تک کہ

﴿۴۹﴾

بعض جاہل اس سے دھوکہ بھی کھا لیتے ہیں۔ لیکن حکیم مطلق نے سونے میں ایک امتیازی نشان رکھا ہے جس کو صرّاف فی الفور شناخت کر لیتے ہیں۔ اور بہتیرے سفید اور چمکتے ہوئے پتھر ایسے ہیں جو کہ ہیرے سے بہت ہی مشابہ ہیں اور بعض نادان اُن کو ہیرا سمجھ کر ہزارہا روپیہ کا نقصان اٹھا لیتے ہیں۔ لیکن صانع عالم نے ہیرے کیلئے ایک امتیازی نشان رکھا ہوا ہے جس کو ایک دانشمند جوہری شناخت کر سکتا ہے۔ ایسا ہی دنیا کے کل جواہرات اور عمدہ چیزوں کو دیکھ لو کہ اگرچہ بظاہر نظر کئی ردّی اور ادنیٰ درجہ کی چیزیں اُن سے شکل میں مل جاتی ہیں مگر ہر ایک پاک اور قابل قدر جوہر اپنے امتیازی نشان سے اپنی خصوصیت کو ظاہر کر دیتا ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو دنیا میں اندھیر پڑ جاتا۔ اور خود انسان کو دیکھو کہ اگرچہ وہ صورت میں بہت سے حیوانات سے مشابہت رکھتا ہے جیسا کہ بندر سے تاہم اُس میں ایک امتیازی نشان ہے جس کی وجہ سے ہم کسی بندر کو انسان نہیں کہہ سکتے۔ پھر جب کہ اس مادی دنیا میں جو ناپائدار اور بے ثبات ہے اور جس کا نقصان بھی بمقابل آخرت کے کچھ چیز نہیں ہے ہر ایک عمدہ اور نفیس جوہر کیلئے حکیم مطلق نے امتیازی نشان قائم کر دیا ہے جس کی وجہ سے وہ جوہر بسہولت شناخت کیا جاتا ہے تو پھر مذہب جس کی غلطی جہنم تک پہنچاتی ہے اور ایسا ہی ایک راستباز اور اہل اللہ کا وجود جس کا انکار شقاوت ابدی کے گڑھے میں ڈالتا ہے کیونکر یقین کیا جائے کہ اُن کی شناخت کے لئے کوئی بھی یقینی اور قطعی نشان نہیں۔ پس ایسے شخص سے زیادہ کون احمق اور نادان ہے کہ جو خیال کرتا ہے کہ سچے مذہب اور سچے راستباز کیلئے کوئی امتیازی نشان خدا نے قائم نہیں کیا۔ حالانکہ خدائے تعالیٰ قرآن شریف میں آپ فرماتا ہے کہ کتاب اللہ جو مذہب کی بنیاد ہے امتیازی نشان اپنے اندر رکھتی ہے جس کی نظیر کوئی پیش نہیں کر سکتا۔ اور نیز فرماتا ہے کہ ہر ایک مومن کو فرقان عطا ہوتا ہے یعنی امتیازی نشان جس سے وہ شناخت کیا جاتا ہے۔ پس یقیناً سمجھو کہ سچا مذہب اور حقیقی راستباز ضرور اپنے ساتھ امتیازی نشان رکھتا ہے اور اسی کا نام دوسرے لفظوں میں معجزہ اور کرامت اور خارق عادت امر ہے۔ ﴿۵۰﴾

ہمارے اس قدر بیان سے ثابت ہو گیا کہ سچا مذہب ضرور اس بات کا حاجت مند ہے کہ اُس میں کوئی ایسی معجزانہ خاصیّت ہو کہ جو دوسرے مذاہب میں وہ نہ پائی جائے اور سچا راستباز ضرور اس بات کا حاجتمند ہے کہ کچھ ایسی معجزانہ تائیدات الٰہیہ اُس کے شامل حال ہوں کہ جن کی نظیر غیروں میں ہرگز نہ مل سکے تا انسان ضعیف البنیان جو ادنیٰ ادنیٰ شبہ سے ٹھوکر کھاتا ہے دولتِ قبول سے محروم نہ رہے۔ سوچ کر دیکھو کہ جس حالت میں انسانوں کی غفلت اور وہم پرستی کی یہ حالت ہے کہ باوجودیکہ خدا کے سچے مامورین سے صدہا نشان ظاہر ہوتے ہیں اور ہر ایک پہلو سے خدا اُن کی مدد فرماتا ہے پھر بھی وہ اپنی بدبختی سے شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ہزارہا نشانوں سے کچھ بھی فائدہ نہ اٹھا کر طرح طرح کی بدگمانیوں میں پڑ جاتے ہیں تو پھر اس صورت میں ان کا کیا حال ہوتا کہ ایک مامور من اللہ کیلئے آسمان سے کوئی امتیازی نشان نہ ملتا اور صرف خشک زہد اور ظاہری عبادت کے دکھلانے پر مدار ہوتا اور اس طرح بدگمانیوں کا دروازہ بھی کھلا ہوتا۔ پس خدا جو کریم و رحیم ہے اُس نے نہ چاہا کہ اس کے ایک مقبول مذہب یا ایک مقبول بندہ سے انکار کر کے دنیا میں ہلاک ہو جائے۔ پس اُس نے سچے مذہب پر دائمی نشانوں کی مُہر لگا دی اور سچے راستباز کو اپنے خارق عادت کاموں کے ساتھ قبولیت کا نشان عطا فرمایا۔ سچ تو یہ ہے کہ خدا نے مقبول مذہب اور مقبول بندہ کو امتیازی نشان عطا کرنے میں کوئی بھی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اور سورج سے زیادہ اُن کو چمکا کر دکھلا دیا اور وہ کام اُن کی تائید میں دکھلائے کہ جن کی نظیر دنیا میں دیکھنے سننے میں نہیں آتی۔ خدا برحق ہے لیکن اُس کا چہرہ دیکھنے کا آئینہ وہ منہ ہیں جن پر اس کے عشق کی بارشیں ہوئیں جن کے ساتھ خدا ایسا ہمکلام ہوا کہ جیسے ایک دوست دوست سے۔ وہ غلبۂ محبت سے دوئی کے نقش کو مٹا کر توحید کی کامل حقیقت تک پہنچے کیونکہ توحید صرف یہی نہیں ہے کہ الگ رہ کر خدا کو ایک جاننا۔ اس توحید کا تو شیطان بھی قائل ہے بلکہ ساتھ اس کے یہ بھی ضروری ہے کہ عملی رنگ میں یعنی محبت کے کامل جوش سے اپنی ہستی کو محو کر کے خدا کی وحدت کو اپنے پر وارد کر لینا یہی

کامل توحید ہے جو مدارِنجات ہے جس کو اہل اللہ پاتے ہیں۔ پس یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ خدا اُن میں اُترتا ہے کیونکہ خلا اپنے تئیں بالطبع پُر کرنا چاہتا ہے۔ لیکن وہ اُترتا جسمانی طور سے نہیں ہے بلکہ اس طور سے ہے جو کیف اور کم سے بلند تر ہے۔ غرض خدا کی خاص تجلّی سے حقیقی راستبازوں میں وہ برکتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو خدا میں ہیں۔ اور اُن کی زندگی معجزانہ زندگی ہو جاتی ہے وہ بدلائے جاتے ہیں۔ اور ان کا وجود ایک نیا وجود ہو جاتا ہے جس کو دنیا دیکھ نہیں سکتی۔ پر سعید لوگ اُس کے آثار کو دیکھتے ہیں۔ چونکہ اب وہ تجلّی موجود ہے اور ایسے آثار تائیداتِ الٰہیہ کے نمایاں ہیں جو ہم میں اور ہمارے غیروں میں مابہ الامتیاز ہیں اس لئے ہم چند ایسے نشان تحریر کر کے حق کے طالبوں کو خدائے تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں جو ماموریں کی نسبت سنت اللہ ہے اور شریر متعصّبوں پر خدائے تعالیٰ کی حجت پوری کرتے ہیں۔ ﴿۵۱﴾ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْکَرِیْمِ الْقَدِیْر۔

باب دوم

اُن نشانوں کے بیان میں جو بذریعہ اُن پیشگوئیوں کے ظاہر ہوئے جو آج سے پچیس برس پہلے براہین احمدیہ میں لکھ کر شائع کی گئی تھیں

واضح ہو کہ براہین احمدیہ میری تالیفات میں سے وہ کتاب ہے جو ۱۸۸۰ء عیسوی میں یعنی ۱۲۹۷ ہجری میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ اِس کتاب کی تالیف کے زمانہ میں جیسا کہ خود کتاب سے ظاہر ہوتا ہے میں ایک ایسی گمنامی کی حالت میں تھا کہ بہت کم لوگ ہوں گے کہ جو میرے وجود سے بھی واقف ہوں گے۔ غرض اس زمانہ میں مَیں اکیلا انسان تھا جس کے ساتھ کسی دوسرے کو کچھ تعلق نہ تھا اور میری زندگی ایک گوشۂ تنہائی میں گذرتی تھی اور اسی پر مَیں راضی اور

خوش تھا کہ ناگہاں عنایت ازلی سے مجھے یہ واقعہ پیش آیا کہ یکدفعہ شام کے قریب اسی مکان میں اور ٹھیک ٹھیک اسی جگہ کہ جہاں اب ان چند سطروں کے لکھنے کے وقت میرا قدم ہے مجھے خدائے تعالیٰ کی طرف سے کچھ خفیف سی غنودگی ہو کر یہ وحی ہوئی:۔

یَا اَحْمَدُ بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکَ. مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی. اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اُنْذِرَ اٰبَاءُ ھُمْ وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلَ الْمُجْرِمِیْنَ. قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ.☆

﴿۵۲﴾

یعنی اے احمد! خدا نے تجھ میں برکت رکھ دی۔ جو کچھ تو نے چلایا تو نے نہیں چلایا بلکہ خدا نے چلایا۔ وہ خدا ہے جس نے تجھے قرآن سکھلایا یعنی اُس کے حقیقی معنوں پر تجھے اطلاع دی۔* تا کہ تو اُن لوگوں کو ڈرائے جن کے باپ دادے نہیں ڈرائے گئے۔ اور تا کہ مجرموں کی راہ کھل جائے اور تیرے انکار کی وجہ سے اُن پر حجت پوری ہو جائے۔ ان لوگوں کو کہہ دے کہ مَیں خدائے تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہوں اور مَیں وہ ہوں جو سب سے پہلے ایمان لایا۔

اِس وحی کے نازل ہونے پر مجھے ایک طرف تو خدائے تعالیٰ کی بے نہایت عنایات کا

* قرآن شریف کے لئے تین۳ تجلّیات ہیں۔ وہ سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے نازل ہوا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعہ سے اُس نے زمین پر اشاعت پائی اور مسیح موعود کے ذریعہ سے بہت سے پوشیدہ اسرار اس کے کھلے۔ وَلِکُلِّ اَمْرٍ وَقْتٌ مَّعْلُوْم۔ اور جیسا کہ آسمان سے نازل ہوا تھا ویسا ہی آسمان تک اس کا نور پہنچا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اس کے تمام احکام کی تکمیل ہوئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت میں اس کے ہر ایک پہلو کی اشاعت کی تکمیل ہوئی اور مسیح موعود کے وقت میں اس کے روحانی فضائل اور اسرار کے ظہور کی تکمیل ہوئی۔ منہ

حاشیہ

☆ دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۲۳۹

شکر ادا کرنا پڑا کہ ایک میرے جیسے انسان کو جو کوئی بھی لیاقت اپنے اندر نہیں رکھتا اِس عظیم الشان خدمت سے سرفراز فرمایا اور دوسری طرف بمجرّد اِس وحی الٰہی کے مجھے یہ فکر دامنگیر ہوا کہ ہر ایک مامور کیلئے سنتِ الٰہیہ کے موافق جماعت کا ہونا ضروری ہے تا وہ اُس کا ہاتھ بٹائیں اور اُس کے مددگار رہوں۔ اور مال کا ہونا ضروری ہے۔ تا دینی ضرورتوں میں جو پیش آتی ہیں خرچ ہو۔ اور سنت اللہ کے موافق اعداء کا ہونا بھی ضروری ہے اور پھر اُن پر غلبہ بھی ضروری ہے تا اُن کے شر سے محفوظ رہیں اور اَمر دعوت میں تاثیر بھی ضروری ہے تا سچائی پر دلیل ہو اور تا اس خدمت مفوّضہ میں ناکامی نہ ہو۔

اِن امور میں جیسا کہ تصور کیا گیا بڑی مشکلات کا سامنا نظر آیا اور بہت خوفناک حالت دکھائی دی کیونکہ جبکہ مَیں نے اپنے تئیں دیکھا تو نہایت درجہ گمنام اور اَحَدٌ مِّنَ النَّاس پایا۔ وجہ یہ کہ نہ تو مَیں کوئی خاندانی پیرزادہ اور کسی گدّی سے تعلق رکھتا تھا تا میرے پر اُن لوگوں کا اعتقاد ہو جاتا اور وہ میرے گرد جمع ہو جاتے جو میرے باپ دادا کے مرید تھے اور کام سہل ہو جاتا۔ اور نہ مَیں کسی مشہور عالم فاضل کی نسل میں سے تھا تا صدہا آبائی شاگردوں کا میرے ساتھ تعلق ہوتا۔ اور نہ مَیں کسی عالم فاضل سے باقاعدہ تعلیم یافتہ اور سند یافتہ تھا تا مجھے اپنے سرمایۂ علمی پر ہی بھروسہ ہوتا۔ اور نہ مَیں کسی جگہ کا بادشاہ یا نواب یا حاکم تھا تا میرے رُعبِ حکومت سے ہزاروں لوگ میرے تابع ہو جاتے بلکہ میں ایک غریب ایک ویرانہ گاؤں کا رہنے والا اور بالکل اُن ممتاز لوگوں سے الگ تھا جو مرجع عالم ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں۔ ﴿۵۳﴾

غرض کسی قسم کی ایسی عزت اور شہرت اور ناموری مجھے حاصل نہ تھی جس پر میں نظر رکھ کر اس بات کو اپنے لئے سہل سمجھتا کہ یہ کام تبلیغِ دعوت کا مجھ سے ہو سکے گا۔ پس طبعًا یہ کام مجھے نہایت مشکل اور بظاہر صورت غیر ممکن اور محالات سے معلوم ہوا۔ اور علاوہ اس کے اور مشکلات یہ معلوم ہوئے کہ بعض امور اس دعوت میں ایسے تھے کہ ہرگز اُمید نہ تھی کہ قوم

اُن کوقبول کر سکے اورقوم پر تو اس قدر بھی امید نہ تھی کہ وہ اس امر کوبھی تسلیم کرسکیں کہ بعد زمانۂ نبوت وحی غیر تشریعی کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا اور قیامت تک باقی ہے بلکہ صریح معلوم ہوتا تھا کہ اُن کی طرف سے وحی کے دعوے پر تکفیر کا انعام ملے گا۔ اور سب علماء متفق ہوکر درپئے ایذا و بیخ کنی ہو جائیں گے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک بعد سیدنا جناب ختمی پناہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی پر قیامت تک مہر لگ گئی ہے اور بالکل غیر ممکن ہے کہ اب کسی سے مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ ہو اور اب قیامت تک اُمّتِ مرحومہ اِس قسم کے رحم سے بے نصیب کی گئی ہے کہ خدائے تعالیٰ ان کو اپنا ہمکلام کر کے اُن کی معرفت میں ترقی بخشے اور براہ راست اپنی ہستی پر اُن کو مطلع فرمائے بلکہ وہ صرف تقلیدی طور پر گلے پڑا ڈھول بجا رہے ہیں۔ اور شہودی طور پر ایک ذرّہ معرفت اُن کو حاصل نہیں۔ ہاں اس قدر محض لغو طریق پر بعض کا اُن میں سے اعتقاد ہے کہ الہام تو نیک بندوں کو ہوتا ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ وہ الہام رحمانی ہے یا شیطانی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسا الہام جو شیطان کی طرف بھی منسوب ہوسکتا ہے خدا کے ان انعامات میں شمار نہیں ہوسکتا جو انسان کے ایمان کو مفید ہوسکتے ہیں بلکہ مشتبہ ہونا اور شیطانی کلام سے مشابہ ہونا اُس کے ساتھ ایک ایسا لعنت کا داغ ہے جو جہنم تک پہنچا سکتا ہے۔ اور اگر خدا نے کسی بندہ کے لئے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دُعا قبول کی ہے اور اُس کو منعمین میں داخل فرمایا ہے تو ضرور اپنے وعدہ کے مطابق اس رُوحانی انعام سے حصہ دیا ہے جو یقینی طور پر مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ ہے۔

غرض یہ ہی وہ امر تھا کہ اس اندھی دُنیا میں قوم کیلئے ایک جوش اور غضب دکھلانے کا محل تھا۔ پس میرے جیسے بیکس تنہا کے لئے ان تمام امور کا جمع ہونا بظاہر ناکامی کی ایک علامت تھی☆۔ بلکہ ایک سخت ناکامی کا سامنا تھا کیونکہ کوئی پہلو بھی درست نہ تھا۔ اوّل

☆ میری دعوت کی مشکلات میں سے ایک رسالت اور وحی الٰہی اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ تھا اسی کی نسبت میری گھبراہٹ ظاہر کرنے کے لئے یہ الہام ہوا تھا۔ فاجاءہ المخاض

﴿۵۴﴾

مال کی ضرورت ہوتی ہے۔سو اس وحی الٰہی کے وقت تمام ملکیت ہماری تباہ ہو چکی تھی اور ایک بھی ایسا آدمی ساتھ نہ تھا جو مالی مدد کر سکتا۔ دوسرے مَیں کسی ایسے ممتاز خاندان میں سے نہیں تھا جو کسی پر میرا اثر پڑ سکتا۔ ہر ایک طرف سے بال و پر ٹوٹے ہوئے تھے پس جس قدر مجھے اس وحی الٰہی کے بعد سرگردانی ہوئی وہ میرے لئے ایک طبعی امر تھا اور میں اس بات کا محتاج تھا کہ میری زندگی کو قائم رکھنے کے لئے خدائے تعالیٰ عظیم الشان وعدوں سے مجھے تسلی دیتا تا میں غموں کے ہجوم سے ہلاک نہ ہو جاتا۔ پس میں کِس مُنہ سے خداوند کریم وقدیر کا شکر کروں کہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ اور میری بے کسی اور نہایت بے قراری کے وقت میں مجھے مبشرانہ پیشگوئیوں کے ساتھ تھام لیا اور پھر بعد اس کے اپنے تمام وعدوں کو پورا کیا۔ اگر وہ خدائے تعالیٰ کی تائیدیں اور نصرتیں بغیر سبقت پیشگوئیوں کے یونہی ظہور میں آتیں تو بخت اور اتفاق پر حمل کی جاتیں لیکن اب وہ ایسے خارقِ عادت نشان ہیں کہ اُن سے وہی انکار کرے گا جو شیطانی خصلت اپنے اندر رکھتا ہوگا۔

اور پھر اس کے بعد خدا نے اپنے اُن تمام وعدوں کو پورا کیا جو ایک زمانہ دراز پہلے پیشگوئی کے طور پر کئے تھے۔ اور طرح طرح کی تائیدیں اور طرح طرح کی نصرتیں کیں۔ اور جن مشکلات کے تصور سے قریب تھا کہ میری کمر ٹوٹ جائے اور جن غموں کی وجہ سے مجھے خوف تھا کہ میں ہلاک ہو جاؤں اُن تمام مشکلات اور تمام غموں کو دُور فرمایا اور جیسا کہ وعدہ کیا تھا

بقیہ حاشیہ

اِلٰی جذع النخلة. قال یالیتنی مِتّ قبل ھٰذا و کنت نسیًا منسیًا ۔مخاض سے مراد اس جگہ وہ امور ہیں جن سے خوفناک نتائج پیدا ہوتے ہیں اور جذع النخلة سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کی اولاد مگر صرف نام کے مسلمان ہیں۔ بامحاورہ ترجمہ یہ ہے کہ دردانگیز دعوت جس کا نتیجہ قوم کا جانی دشمن ہو جانا تھا اس مامور کو قوم کے لوگوں کی طرف لائی جو کھجور کی خشک شاخ یا جڑ کی مانند ہیں۔تب اُس نے خوف کھا کر کہا کہ کاش میں اس سے پہلے مر جاتا اور بھولا بسرا ہو جاتا۔منه

ویسا ہی ظہور میں لایا۔ اگرچہ وہ بغیر سبقت پیشگوئیوں کے بھی میری نصرت اور تائید کرسکتا تھا مگر اُس نے ایسا نہ کیا بلکہ ایسے زمانہ اور ایسی نومیدی کے وقت میں میری تائید اور نصرت کیلئے پیشگوئیاں فرمائیں کہ وہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس زمانہ سے مشابہ تھا جبکہ آپ مکّہ معظّمہ کی گلیوں میں اکیلے پھرتے تھے اور کوئی آپ کے ساتھ نہ تھا۔ اور کوئی صورت کامیابی کی ظاہر نہیں تھی۔ اسی طرح وہ پیشگوئیاں جو میرے گمنامی کے زمانہ میں کی گئیں اُس زمانہ کی نگاہ میں ہنسی کے لائق اور دُور از قیاس تھیں اور ایک دیوانہ کی بڑ سے مشابہ تھیں۔ کس کو معلوم تھا کہ جیسا کہ ان پیشگوئیوں میں وعدہ فرمایا گیا ہے سچ مچ کسی زمانہ میں ہزارہا انسان میرے پاس قادیان میں آئیں گے۔ اور کئی لاکھ انسان میری بیعت میں داخل ہو جائیں گے اور میں اکیلا نہیں رہوں گا جیسا کہ اُس زمانہ میں اکیلا تھا۔ اور خدا نے گمنامی اور تنہائی کے زمانہ میں یہ خبریں دیں تا وہ ایک دانشمند اور طالب حق کی نظر میں عظیم الشان نشان ہوں اور تا سچائی کے ڈھونڈنے والے یقینِ دل سے سمجھ لیں کہ یہ کاروبار انسان کی طرف سے نہیں ہے اور نہ ممکن ہے کہ انسان کی طرف سے ہو۔ اُس زمانہ میں کہ مَیں ایک گمنام اور اکیلا اور نہایت کم درجہ کی حیثیت کا انسان تھا اور اس قدر کم حیثیت تھا کہ قابل ذکر نہ تھا اور کسی ایسے ممتاز خاندان سے نہ تھا جس کی نسبت توقع ہوسکتی تھی کہ بآسانی لوگ اُس پر جمع ہو جائیں گے۔ ایسے وقت میں اور ایسی حالت میں کون انسان ایسی پیشگوئیاں کرسکتا تھا جو براہین احمدیہ میں آج سے پچیس[۲۵] برس☆ پہلے شائع ہوچکی ہیں جن میں سے بطور نمونہ ہم ذیل میں لکھتے ہیں۔ ﴿۵۵﴾

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَانْتَھٰی اَمْرُ الزَّمَانِ اِلَیْنَا اَلَیْسَ ھٰذَا بِالْحَقّ.

☆ اصل میں بہت سی پیشگوئیاں براہین احمدیہ کی ایسی ہیں جن پر آج تیس[۳۰] سال کی مدت گزر چکی ہے لیکن پچیس[۲۵] سال براہین احمدیہ میں لکھے جانے کی تاریخ ہے نہ اصل زمانہ پیشگوئی کا۔ منہ

وَلَا تَیْئَسْ مِنْ رَوْحِ اللّٰہِ. اَلَا اِنَّ رَوْحَ اللّٰہِ قَرِیْب. اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْب. یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْق. یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْق. یَنْصُرُکَ اللّٰہُ مِنْ عِنْدِہٖ یَنْصُرُکَ رِجَالٌ نُوْحِیْ اِلَیْھِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا . یَرْفَعُ اللّٰہُ ذِکْرَکَ وَیُتِمُّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃ. اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ تَوْحِیْدِیْ وَتَفْرِیْدِیْ فَحَانَ اَنْ تُعَانَ وَتُعْرَفَ بَیْنَ النَّاسِ. ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا. وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَھُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَاتْلُ عَلَیْھِمْ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ. وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰہِ وَلَا تَسْئَمْ مِّنَ النَّاسِ. اَصْحَابُ الصُّفَّۃ. وَمَا اَدْرَاکَ مَا اَصْحَابُ الصُّفَّۃ تَرٰی اَعْیُنَھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ. یُصَلُّوْنَ عَلَیْکَ. رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ . اٰمَنُوا. دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۲۴۰ سے ۲۴۲ تک۔ ترجمہ۔ جس وقت خدا کی مدد اور فتح آئے گی اور زمانہ ہماری طرف رجوع کرلے گا اُس وقت کہا جائے گا کہ کیا یہ کاروبار خدا کی طرف سے نہ تھا۔ اور خدا کی رحمت سے نومید مت ہو یعنی یہ خیال مت کر کہ میں تو ایک گمنام اور اکیلا اور احدٌ مّن النّاس آدمی ہوں۔ یہ کیوں کر ہوگا کہ میرے ساتھ ایک دنیا جمع ہو جائے گی۔ کیونکہ خدا ارادہ کر چکا ہے کہ ایسا ہی ہوگا اور اُس کی مدد قریب ہے۔ اور جن راہوں سے وہ مالی مدد آئے گی اور ارادت کے خطوط آئیں گے وہ سڑکیں ٹوٹ جائیں گی اور گہری ہو جائیں گی۔ یعنی بکثرت ہر ایک قسم کا مال آئے گا اور دُور دُور سے آئے گا اور دُور دُور سے مُریدانہ خطوط آئیں گے۔ اور نیز اس قدر لوگ کثرت سے آئیں گے کہ جن راہوں پر چلیں گے اُن راہوں میں گڑھے پڑ جائیں گے۔ خدا اپنے پاس سے تیری مدد کرے گا۔ تیری مدد وہ لوگ کریں گے جن کے دلوں میں ہم خود آسمان سے الہام کریں گے۔ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ تیرے ذکر کو خدا اونچا کرے گا اور دنیا اور آخرت میں اپنی نعمت تیرے پر پوری کردے گا۔ تو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میری توحید اور تفرید۔ پس وقت چلا آتا ہے کہ تیری مدد کی جائے گی۔ اور دنیا جہان میں تیرے نام کو

﴿۵۶﴾

شہرت دی جائے گی۔ اور تو اس سے کیوں تعجب کرتا ہے کہ خدا ایسا کرے گا۔ کیا تیرے پر وہ وقت نہیں آیا کہ تو محض معدوم تھا اور تیرے وجود کا دنیا میں نام ونشان نہ تھا۔ پھر کیا خدا کی قدرت سے یہ بعید ہے کہ تیری ایسی تائیدیں کرے اور یہ وعدے پورے کر کے دکھلا دے۔ اور تو اُن لوگوں کو جو ایمان لائے یہ خوشخبری سنا کہ اُن کا قدم خدا کے نزدیک صدق کا قدم ہے۔ سو اُن کو وہ وحی سنا دے جو تیری طرف تیرے رب سے ہوئی۔ اور یاد رکھ کہ وہ زمانہ آتا ہے کہ لوگ کثرت سے تیری طرف رجوع کریں گے۔ سو تیرے پر واجب ہے کہ تو اُن سے بدخلقی نہ کرے اور تجھے لازم ہے کہ تو اُن کی کثرت کو دیکھ کر تھک نہ جائے۔ اور ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اپنے وطنوں سے ہجرت کر کے تیرے حجروں میں آ کر آباد ہوں گے۔ وہی ہیں جو خدا کے نزدیک اَصحابُ الصُّفّہ کہلاتے ہیں۔ اور تو جانتا ہے کہ وہ کس شان اور کس ایمان کے لوگ ہوں گے جو اَصحابُ الصُّفّہ کے نام سے موسوم ہیں وہ بہت قوی الایمان ہوں گے۔ تو دیکھے گا کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے وہ تیرے پر درود بھیجیں گے اور کہیں گے کہ اے ہمارے خدا! ہم نے ایک آواز دینے والے کی آواز سنی جو ایمان کی طرف بلاتا ہے۔ سو ہم ایمان لائے ان تمام پیشگوئیوں کو تم لکھ لو کہ وقت پر واقع ہوں گی۔

ان چند سطروں میں جو پیشگوئیاں ہیں وہ اس قدر نشانوں پر مشتمل ہیں جو دس لاکھ سے زیادہ ہوں گے اور نشان بھی ایسے کھلے کھلے ہیں جو اوّل درجہ پر خارق عادت ہیں سو ہم اوّل صفائی بیان کے لئے ان پیشگوئیوں کے اقسام بیان کرتے ہیں بعد اس کے یہ ثبوت دیں گے کہ یہ پیشگوئیاں پوری ہوگئی ہیں۔ اور درحقیقت یہ خارق عادت نشان ہیں اور اگر بہت ہی سخت گیری اور زیادہ سے زیادہ احتیاط سے بھی ان کا شمار کیا جائے تب بھی یہ نشان جو ظاہر ہوئے دس لاکھ سے زیادہ ہوں گے۔

پیشگوئیوں کے اقسام میں سے اوّل وہ پیشگوئی ہے جس کی طرف وحی الٰہی وَانْتَھٰی اَمْرُ الزَّمَانِ اِلَیْنَا میں اشارہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مخالف لوگوں سے ہمارا جنگ ہوگا

مخالف چاہیں گے کہ اِس سلسلہ میں ناکامی رہے اور لوگ اِس طرف رجوع نہ کریں اور نہ قبول کریں۔ پر ہم چاہیں گے کہ لوگ رجوع کریں آخر ہمارا ہی ارادہ پورا ہوگا۔ اور لوگوں کا اِس طرف رجوع ہو جائے گا۔ اور وہ قبول کرتے جائیں گے (۲) دوسری پیشگوئیوں میں یہ خبر دی گئی ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ دُور دُور سے مالی امداد بھیجی جائے گی اور دُور دُور سے خطوط آئیں گے اور اس قدر تواتر اور کثرت سے مالی مدد پہنچے گی کہ جن راہوں سے وہ مالی مدد آئے گی وہ سڑکیں گہری ہو جائیں گی۔ (۳) تیسری پیشگوئی یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ اس قدر لوگ ارادت اور اعتقاد سے قادیان میں آئیں گے کہ جن راہوں سے وہ آئیں گے وہ سڑکیں ٹوٹ جائیں گی (۴) چوتھی پیشگوئی یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ لوگ تیرے ہلاک اور تباہ کرنے کے لئے کوشش کریں گے۔ مگر ہم تیرے محافظ رہیں گے۔ (۵) پانچویں پیشگوئی یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ میں دنیا میں تجھے شہرت دوں گا اور تو دُور دُور تک مشہور ہو جائے گا اور تیری مدد کی جائے گی۔ (۶) چھٹی پیشگوئی یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ اس قدر لوگ کثرت سے آئیں گے کہ قریب ہے کہ تو تھک جائے یا بباعث کثرت ازدحام اُن سے تو بدخلقی کرے۔ (۷) ساتویں پیشگوئی یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ بہت سے لوگ اپنے اپنے وطنوں سے تیرے پاس قادیان میں ہجرت کر کے آئیں گے اور تمہارے گھروں کے کسی حصہ میں رہیں گے وہ اصحابِ صُفّہ کہلائیں گے۔

﴿۵۷﴾

یہ سات پیشگوئیاں ہیں جن کی خبر ان کلماتِ وحی الٰہی میں دی گئی ہے اور ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ ساتوں پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔ کیونکہ علماء اور پیرزادوں نے کفر کے فتوے طیار کر کے اور طرح طرح کے منصوبے تراش کر کے ناخنوں تک زور لگایا کہ تا میری طرف کوئی رجوع نہ کرے اور حیا کو بالائے طاق رکھ کر خدا تعالیٰ سے جنگ کیا اور کوئی دقیقہ مکر اور فریب اور دھوکہ دینے کا اٹھا نہ رکھا۔ اور بعض نے میری نسبت جھوٹی مخبریاں کیں تا کسی طرح گورنمنٹ کو ہی افروختہ کریں اور بعض نے جاہل مسلمانوں کو افروختہ کیا تا وہ دُکھ دیتے رہیں مگر آخر کار وہ سب نامراد رہے اور یہ پودا زمین میں مخفی نہ رہ سکا اور ایک جماعت کی

صورت پیدا ہوگئی جس کے ثابت کرنے کی کچھ ضرورت نہیں کہ بدیہی امر ہے پھر دوسری پیشگوئی یہ تھی کہ ہر طرف سے مالی امداد آئے گی یہ مالی امداد اب تک پچاس ہزار روپیہ سے زیادہ آچکی ہے۔ بلکہ مَیں یقین کرتا ہوں کہ ایک لاکھ کے قریب پہنچ گئی ہے اس کے ثبوت کیلئے ڈاکخانجات کے رجسٹر کافی ہیں اور پھر تیسری پیشگوئی یہ تھی کہ لوگ کثرت سے آئیں گے۔ سواس قدر کثرت سے آئے کہ اگر ہر روزہ آمدن اور خاص وقتوں کے مجمعوں کا اندازہ لگایا جائے تو کئی لاکھ تک اُس کی تعداد پہنچتی ہے۔ چنانچہ اس واقعہ کو محکمہ پولیس کے وہ ملازم خوب جانتے ہیں جن کو اس طرف خیال رکھنے کا حکم ہے اور نیز قادیان کے تمام لوگ جانتے ہیں۔ اور پھر چوتھی پیشگوئی یہ تھی کہ خدا فرماتا ہے کہ لوگوں کے حملوں سے ہم بچائیں گے اور تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے سواِس کا ظہور بھی ہو چکا۔ چنانچہ ڈاکٹر مارٹن کلارک کے مقدمہ میں یہ ارادہ کیا گیا تھا کہ میں پھانسی دیا جاؤں اور کرم دین جس نے ناحق بے موجب مجھ پر فوجداری مقدمے کئے اُس کا بھی یہی ارادہ تھا کہ میں کسی طرح سخت قید کی سزا پاؤں اور وہ اس مقدمہ بازی میں اکیلا نہ تھا بلکہ کئی مولوی اور حاسد دنیادار اس کے ساتھ شریک تھے اور اس کیلئے چندے ہوتے تھے۔ سو خدا نے مجھے بچالیا اور اپنی پیشگوئیوں کو سچا کر کے دکھلا دیا۔ پھر پانچویں پیشگوئی یہ تھی کہ خدا دنیا میں عزت کے ساتھ تجھے شہرت دے گا۔ سواس کا پورا ہونا محتاج بیان نہیں۔ چھٹی پیشگوئی یہ تھی کہ اس قدر لوگ آئیں گے کہ عنقریب ہے کہ تو اُن کی ملاقات سے تھک جائے یا کثرت مہمانداری کی وجہ سے بدخلقی کرے سواس پیشگوئی کا وقوع نہایت ظاہر ہے اور جن لوگوں کو قادیان میں آنے کا اتفاق ہوتا رہا ہے وہ کثرت آمد مہمانوں کو دیکھ کر گواہی دے سکتے ہیں کہ واقعی بعض اوقات اس کثرت سے مہمان جمع ہوتے ہیں اور اس کثرت سے ملاقاتوں کی کشمکش ہوتی ہے کہ اگر یہ وصیت ہر وقت ملحوظ نہ ہو تو ممکن ہے کہ ضعف بشریت بدخلقی کی طرف مائل کر دیوے یا مہمانداری میں فتور پیدا ہو جائے۔ سب کے ساتھ خوش خلقی سے مصافحہ کرنا اور باوجود صدہا لوگوں کے اجتماع کے ہر ایک کے ساتھ پورے اخلاق سے پیش آنا بجز خدا کی مدد کے ہر ایک کا کام نہیں۔ ساتویں پیشگوئی اُن اصحاب الصفہ کی

﴿۵۸﴾

نسبت ہے جو ہجرت کر کے قادیاں میں آ گئے۔ سو جس کا جی چاہے آ کر دیکھ لے۔

یہ سات قسم کے نشان ہیں جن میں سے ہر ایک نشان ہزار ہا نشانوں کا جامع ہے۔ مثلاً یہ پیشگوئی کہ یَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْق جس کے یہ معنے ہیں کہ ہر ایک جگہ سے اور دور دراز ملکوں سے نقد اور جنس کی امداد آئے گی اور خطوط بھی آئیں گے۔ اب اس صورت میں ہر ایک جگہ سے جو اب تک کوئی روپیہ آتا ہے یا پارچات اور دوسرے ہدیے آتے ہیں یہ سب بجائے خود ایک ایک نشان ہیں۔ کیونکہ ایسے وقت میں ان تمام باتوں کی خبر دی گئی تھی جبکہ انسانی عقل اس کثرتِ مدد کو دُور از قیاس و محال سمجھتی تھی۔ ایسا ہی یہ دوسری پیشگوئی یعنی یَأْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْق جس کے یہ معنے ہیں کہ دُور دُور سے لوگ تیرے پاس آئیں گے یہاں تک کہ وہ سڑکیں ٹوٹ جائیں گی جن پر وہ چلیں گے۔ اس زمانہ میں یہ پیشگوئی بھی پوری ہوگئی چنانچہ اب تک کئی لاکھ انسان قادیان میں آ چکے ہیں اور اگر خطوط بھی اس کے ساتھ شامل کئے جائیں جن کی کثرت کی خبر بھی قبل از وقت گمنامی کی حالت میں دی گئی تھی تو شاید یہ اندازہ کروڑ تک پہنچ جائے گا مگر ہم صرف مالی مدد اور بیعت کنندوں کی آمد پر کفایت کر کے ان نشانوں کو تخمیناً دس لاکھ نشان قرار دیتے ہیں۔ بے حیا انسان کی زبان کو قابو میں لانا تو کسی نبی کیلئے ممکن نہیں ہوا لیکن وہ لوگ جو حق کے طالب ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے گمنامی کے زمانہ میں جس کو قریباً پچیس برس گذر گئے جب کہ میں کچھ بھی چیز نہ تھا اور کسی قسم کی شہرت نہ رکھتا تھا اور کسی بزرگ خاندان پیرزادگی سے نہ تھا تا رجوع خلائق سہل ہوتا۔ اس قدر کھلے طور پر آئندہ زمانہ کے عروج اور ترقیات کی خبر دینا اور پھر اُن چیزوں کا اُسی طرح بعد زمانہ دراز وقوع میں آ جانا کیا کسی انسان سے ہوسکتا ہے اور کیا ممکن ہے کہ کوئی کذّاب اور مفتری ایسا کر سکے۔ مَیں باور نہیں کر سکتا کہ جو شخص پہلے انصاف کی نظر سے اُس زمانہ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے جبکہ براہین احمدیہ تالیف کی گئی تھی اور ابھی شائع بھی نہیں ہوئی تھی اور ایک جوڈیشل تحقیقات کے طور سے خود موقع پر آ کر دریافت کرے کہ اُس زمانہ میں مَیں کیا چیز تھا اور کس قدر خمول اور گمنامی کے زاویہ میں پڑا ہوا تھا

﴿۵۹﴾

اور کیسے مہجور اور مخذول کی طرح لوگوں کے تعلقات سے الگ تھا۔ اور پھر ان پیشگوئیوں کو جو حال کے زمانہ میں پوری ہوگئیں غور سے دیکھے اور تدبّر سے اُن پر نظر ڈالے تو اُس کو ان پیشگوئیوں کی سچائی پر ایسا یقین آجائے گا کہ گویا دن چڑھ جائے گا۔ مگر بخل اور تعصب اور نفسانی کبر اور رعونت کی حالت میں کسی کو کیا غرض جو اس قدر محنت اٹھائے بلکہ وہ تو تکذیب کی راہ کو اختیار کرے گا جو بہت سہل کام ہے اور کوشش کرے گا جو کسی طرح ان نشانوں کے قبول کرنے سے محروم رہے۔

بجز فضلِ خداوندی چہ درمانے ضلالت را ۔۔۔ نہ بخشد سود اعجازے تہیدستانِ قِسمت را

اگر بر آسمان صد ماہتاب و صد خورے تابد ۔۔۔ نہ بیند روز روشن آنکہ گم کردہ بصارت را

تو اے دانا بترس از آنکہ سوئے او بخواہی رفت ۔۔۔ بہ دنیا دل چہ مے بندی چہ دانی وقتِ رحلت را

مشو از بہرِ دنیا سرکشِ فرمانِ احدیّت ۔۔۔ مخر از بہرِ روزے چند اے مسکیں تو شقوت را

اگر خواہی کہ یابی در دو عالم جاہ و دولت را ۔۔۔ خدا را باش و از دل پیشہ خود گیر طاعت را

غلامِ درگہش باش و بعالم بادشاہی کُن ۔۔۔ نباشد بیم از غیرے پرستارانِ حضرت را

تو از دل سوئے یارِ خود بیا تا نیز یار آید ۔۔۔ محبت مے کشد با جذبِ روحانی محبت را

خدا در نصرتِ آنکس بود کو ناصرِ دین ست ۔۔۔ ہمیں اُفتاد آئین از ازل درگاہِ عزّت را

اگر باور نمے آید بخواں ایں واقعاتم را ۔۔۔ کہ تا بینی تو در ہر مشکلم انواعِ نُصرت را

ہر آں کو یابد از درگاہ از خدمت ہمے یابد ۔۔۔ کہ غفلت را سزائے ہست و اجرے ہست خدمت را

من اندر کارِ خود حیرانم و رازش نمے دانم ۔۔۔ کہ من بے خدمتے دیدم چنیں نعماء و حشمت را

نہاں اندر نہاں اندر نہاں اندر نہاں ہستم ۔۔۔ کجا باشد خبر از ما گرفتارانِ نخوت را

﴿۶۰﴾

اگر کرے کند لعنت چہ وزن آں ہرزہ لعنت را	ندائے رحمت از درگاہِ باری بشنوم ہردم
نوشتیم از رہِ شفقت کہ ماموریم دعوت را	اگر در حلقۂ اہلِ خدا داخل شوی یا نے

یہ پیشگوئیاں جو ابھی ہم لکھ چکے ہیں صرف براہین احمدیہ کے اُسی مقام میں مسطور نہیں ہیں بلکہ خدائے تعالیٰ نے تاکید کے طور پر اور اس اظہار کی غرض سے کہ یہ ارادہ آسمان پر قرار پا چکا ہے جابجا دوبارہ سہ بارہ براہین احمدیہ کے مختلف مقامات میں اُن کا ذکر کیا ہے۔ اور بعض اور پیشگوئیاں بھی بیان فرمائی ہیں جو ان سے الگ ہیں۔ چنانچہ ہم حق کے طالبوں کو پورے طور پر سیراب کرنے کیلئے وہ پیشگوئیاں بھی اس جگہ لکھ دیتے ہیں اور یاد رہے کہ اس جگہ صرف اسی قدر معجزہ نہیں کہ وہ پیشگوئیاں باوجود اہلِ عناد کی سخت مخالفت کے ایک مدت دراز کے بعد پوری ہوگئیں بلکہ ساتھ اس کے یہ بھی معجزہ ہے کہ جیسا کہ ابتدا میں یہ وحی الٰہی مجھے ہوئی تھی کہ جو اس رسالہ میں درج ہو چکی ہے یعنی یہ کہ **یا احمد بارک اللّٰہ فیک** جس کے معنے ہیں کہ اے احمد خدا تیری عمر اور کام میں برکت دے گا۔ ایسا ہی خدا نے مجھے موت سے محفوظ رکھا یہاں تک کہ وہ تمام پیشگوئیاں پوری کر کے دکھلا دیں اور باوجود ان تمام عوارض اور امراض کے جو مجھے لگے ہوئے ہیں جو دو[۲] زرد چادروں کی طرح ایک اوپر کے حصّے میں اور ایک نیچے کے بدن کے حصہ میں شامل حال ہیں جیسا کہ مسیح موعود کے لئے اخبار صحیحہ میں یہ علامت قرار دی گئی ہے مگر پھر بھی خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل سے جیسا کہ وعدہ کیا تھا میری عمر میں برکت دی بڑی بڑی بیماریوں سے میں جاں بر ہو گیا۔ اور کئی دشمن بھی منصوبے کرتے رہے کہ کسی طرح میں کسی پیچ میں پڑ کر اس دارِ دنیا سے رخصت ہو جاؤں مگر وہ اپنے مکروں میں نامراد رہے اور میرے خدا کا ہاتھ میرے ساتھ رہا اور اُس کی پاک وحی جس پر میں ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ خدائے تعالیٰ کی تمام کتابوں پر مجھے ہر روز تسلی دیتی رہی۔ سو یہ خدا کے نشان ہیں جن کے دیکھنے سے اُس کا چہرہ نظر آتا ہے۔ مبارک وہ

جو ان پر غور کریں اور خدا کے ساتھ لڑنے سے ڈریں۔ اگر یہ کاروبار انسان کا ہوتا تو خود تباہ ہو جاتا اور اس کا یوں خاتمہ ہو جاتا جیسا کہ ایک کاغذ لپیٹ دیا جائے۔ پر یہ سب کچھ اُس خدا کی طرف سے ہے جس نے آسمان بنائے اور زمین کو پیدا کیا۔ کیا انسان کو حق پہنچتا ہے کہ اُس پر اعتراض کرے کہ تو نے ایسا کیوں کیا۔ اور ایسا کیوں نہ کیا۔ اور کیا وہ ایسا ہے کہ اپنے کاموں سے پوچھا جائے؟ کیا انسان کا علم اس کے علم سے بڑھ کر ہے؟ کیا وہ نہیں جانتا کہ نزولِ مسیح کی پیشگوئی کے کیا معنے تھے؟

﴿۶۱﴾ اب ذیل میں وہ پیشگوئیاں لکھی جاتی ہیں جو پہلی پیشگوئیوں کی تاکید اور تائید کیلئے فرمائی گئی ہیں اور وہ یہ ہیں:۔ **بورکت یا احمد وکان ما بارک اللّٰہ فیک حقًّا فیک. شانک عجیب واجرک قریب. الارض والسّماء معک کما ھو معی. سبحان اللّٰہ تبارک وتعالٰی زاد مجدک ینقطع اٰباءک ویبدء منک . وما کان اللّٰہ لیترکک حتّٰی یمیز الخبیث من الطیّب. واللّٰہ غالب علٰی امرہٖ ولٰکن اکثر النّاس لا یعلمون . اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح وتَمَّت کلمۃ ربّک ھٰذا الذی کنتم بہ تستعجلون. أَردتُّ ان استخلف فخلقتُ اٰدم . دنٰی فتدلّٰی فکان قاب قوسین او أدنٰی . یُحیِی الدّین ویقیم الشریعۃ** ۔ دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۴۸۶ سے صفحہ ۴۹۶ تک۔ ترجمہ:۔ اے احمد تجھے برکت دی گئی اور یہ برکت تیرا ہی حق تھا۔ تیری شان عجیب ہے اور تیرا اجر قریب ہے یعنی وہ تمام وعدے جو کئے گئے وہ جلد پورے ہوں گے۔ چنانچہ پورے ہو گئے۔ اور پھر فرماتا ہے کہ زمین اور آسمان تیرے ساتھ ہیں جیسا کہ وہ میرے ساتھ ہیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آئندہ بہت سی قبولیت ظاہر ہو گی اور زمین کے لوگ رجوع کریں گے اور آسمانی فرشتے ساتھ ہوں گے جیسا کہ آج کل ظہور میں آیا۔ پھر فرماتا ہے۔ پاک ہے وہ خدا جو بہت برکتوں والا اور بہت بلند ہے اُس نے تیری بندگی کو زیادہ کیا۔ تیرے باپ دادے کا ذکر منقطع ہو جائے گا اور اب سے سلسلہ تجھ سے شروع ہوگا۔ اور دنیا میں تیری نسل پھیلے گی اور قوموں میں تیری شہرت ہو جائے گی۔ اور

خاندان کی عمارت کا پہلا پتھر تُو ہوگا۔ خدا ایسا نہیں ہے کہ تجھے چھوڑ دے جب تک پاک اور پلید میں فرق کر کے نہ دکھلائے۔ اور خدا اپنی ہر ایک بات پر غالب ہے مگر اکثر لوگ خدائی طاقت سے بے خبر ہیں۔ ان پیشگوئیوں میں بہت سی نسل کا وعدہ دیا جیسا کہ حضرت ابراہیم کو دیا تھا چنانچہ اس وعدہ کی بنا پر مجھے یہ چار بیٹے دیئے جو اب موجود ہیں۔ اوران پیشگوئیوں کو کہ میں تجھے نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ پاک اور پلید میں فرق نہ کرلوں اِس زمانہ میں ظاہر کردیا۔ چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ باوجود تمہاری سخت مخالفت اور مخالفانہ دعاؤں کے اُس نے مجھے نہیں چھوڑا اور ہر میدان میں وہ میرا حامی رہا۔ ہر ایک پتھر جو میرے پر چلایا گیا اُس نے اپنے ہاتھوں پر لیا۔ ہر ایک تیر جو مجھے مارا گیا اُس نے وہی تیر دشمنوں کی طرف لوٹا دیا۔ میں بیکس تھا اُس نے مجھے پناہ دی۔ میں اکیلا تھا اُس نے مجھے اپنے دامن میں لے لیا۔ میں کچھ بھی چیز نہ تھا مجھے اُس نے عزت کے ساتھ شہرت دی اور لاکھوں انسانوں کو میرا اِرادتمند کردیا۔ پھر وہ اُسی مقدس وحی میں فرماتا ہے کہ جب میری مدد تمہیں پہنچے گی اور میرے منہ کی باتیں پوری ہوجائیں گی یعنی خلق اللہ کا رجوع ہوجائے گا اور مالی نُصرتیں ظہور میں آئیں گی تب منکروں کو کہا جائے گا کہ دیکھو کیا وہ باتیں پوری نہیں ہوگئیں جن کے بارے میں تم جلدی کرتے تھے۔ چنانچہ آج وہ سب باتیں پوری ہوگئیں۔ اس بات کے بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ خدا نے اپنے عہد کو یاد کر کے لاکھوں انسانوں کو میری طرف رجوع دے دیا اور وہ مالی نصرتیں کیں جو کسی کے خواب وخیال میں نہ تھیں۔ پس اے مخالفو! خدا تم پر رحم کرے اور تمہاری آنکھیں کھولے۔ ذرہ سوچو کہ کیا یہ انسانی مکر ہوسکتے ہیں۔ یہ وعدے تو براہین احمدیہ کی تصنیف کے زمانہ میں کئے گئے تھے جبکہ قوم کے سامنے ان کا ذکر کرنا بھی ہنسی کے لائق تھا اور میری حیثیت کا اس قدر بھی وزن نہ تھا جیسا کہ رائی کے دانہ کا وزن ہوتا ہے۔ تم میں سے کون ہے کہ جو مجھے اس بیان میں ملزم کرسکتا ہے۔ تم میں سے کون ہے کہ یہ ثابت کرسکتا ہے کہ اُس وقت بھی ان ہزارہا لوگوں میں سے کوئی میری طرف رجوع رکھتا تھا۔ میں تو براہین احمدیہ کے چھپنے کے وقت ایسا گمنام

﴿۶۲﴾

شخص تھا کہ امرتسر میں ایک پادری کے مطبع میں جس کا نام رجب علی تھا میری کتاب براہین احمدیہ چھپتی تھی اور میں اُس کے پروف دیکھنے کے لئے اور کتاب کے چھپوانے کے لئے اکیلا امرتسر جاتا اور اکیلا واپس آتا تھا اور کوئی مجھے آتے جاتے نہ پوچھتا کہ تو کون ہے اور نہ مجھ سے کسی کو تعارف تھا اور نہ میں کوئی حیثیت قابل تعظیم رکھتا تھا۔ میری اس حالت کے قادیاں کے آریہ بھی گواہ ہیں جن میں سے ایک شخص شرمپت نام اب تک قادیاں میں موجود ہے جو بعض دفعہ میرے ساتھ امرتسر میں پادری رجب علی کے پاس مطبع میں گیا تھا جس کے مطبع میں میری کتاب براہین احمدیہ چھپتی تھی۔ اور تمام یہ پیشگوئیاں اس کا کاتب لکھتا تھا۔ اور وہ پادری خود حیرانی سے پیشگوئیوں کو پڑھ کر باتیں کرتا تھا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک ایسے معمولی انسان کی طرف ایک دنیا کا رجوع ہو جائے گا۔ پر چونکہ وہ باتیں خدا کی طرف سے تھیں میری نہیں تھیں اس لئے وہ اپنے وقت میں پوری ہوگئیں اور پوری ہو رہی ہیں۔ ایک وقت میں انسانی آنکھ نے اُن سے تعجب کیا۔ اور دوسرے وقت میں دیکھ بھی لیا۔ پھر بقیہ ترجمہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے ارادہ کیا کہ دنیا میں اپنا ایک خلیفہ قائم کروں۔ سو میں نے اس آدم کو پیدا کیا۔ اس وحی الٰہی میں میرا نام آدم رکھا گیا۔ کیونکہ انسانی نسل کے خراب ہو جانے کے زمانہ میں مَیں پیدا کیا گیا گویا ایسے زمانہ میں جب کہ زمین انسانوں سے خالی تھی۔ اور جیسا کہ آدم توام پیدا کیا گیا میں بھی توآم ہی پیدا ہوا تھا۔ اور میرے ساتھ ایک لڑکی تھی جو مجھ سے پہلے پیدا ہوئی اور مَیں بعد میں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اب میرے پر کامل انسانیت کے سلسلہ کا خاتمہ ہے اور نیز میرا نام آدم رکھنے میں اور بھی ایک اشارہ تھا جو اس دوسرے الہام میں یعنی اُس وحی الٰہی میں جو قرآنی عبارت میں مجھ کو ہوئی۔ اُس کی تفصیل یہ ہے اور وہ وحی یہ ہے: **قال اِنّی جاعل فی الارض خلیفۃ . قالوا اَتجعل فیھا من یفسد فیھا . قَالَ اِنّی اعلم ما لا تعلمون** ۔ یعنی میری نسبت خدا نے میرے ہی ذریعہ سے براہین احمدیہ میں خبر دی کہ میں آدم کے رنگ پر ایک خلیفہ پیدا کرتا ہوں۔ تب اس خبر کو سن کر بعض مخالفوں نے

﴿۶۳﴾

میرے حالات کو کچھ اپنے عقائد کے برخلاف پا کر اپنے دلوں میں کہا کہ یا الٰہی کیا تو ایسے انسان کو اپنا خلیفہ بنائے گا کہ جو ایک مفسد آدمی ہے جو ناحق قوم میں پھوٹ ڈالتا ہے اور علماء کے مسلّمات سے باہر جاتا ہے۔ تب خدا نے جواب دیا کہ جو مجھے معلوم ہے وہ تمہیں معلوم نہیں۔ یہ خدا کا کلام ہے کہ جو مجھ پر نازل ہوا اور درحقیقت میرے اور میرے خدا کے درمیان ایسے باریک راز ہیں جن کو دنیا نہیں جانتی اور مجھے خدا سے ایک نہانی تعلق ہے جو قابل بیان نہیں۔ اور اس زمانہ کے لوگ اس سے بےخبر ہیں۔ پس یہی معنے ہیں اس وحی الٰہی کے کہ قَالَ اِنّی اَعلم مالا تَعلمون۔

پھر بقیہ ترجمہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ شخص مجھ سے نزدیک ہوا اور میرا قرب کامل اس نے پایا۔ اور پھر بعد اس کے ہمدردیٔ خلائق کے لئے اُن کی طرف متوجہ ہوا اور مجھ میں اور مخلوق میں ایک واسطہ ہو گیا جیسا کہ دو قوسوں میں وتر ہو۔ اور اس لئے کہ وہ اس درمیانی مقام پر ہے وہ دین کو از سر نو زندہ کرے گا اور شریعت کو قائم کر دے گا۔ یعنی بعض غلطیاں جو مسلمانوں میں رائج ہوگئی ہیں اور ناحق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان غلطیوں کو منسوب کیا جاتا ہے۔ اُن سب غلطیوں کو ایک حَکَم کے منصب پر ہو کر دُور کر دے گا۔ اور شریعت کو جیسا کہ ابتدا میں سیدھی تھی سیدھی کر کے دکھلا دے گا۔

پھر انہی پیشگوئیوں کے بارے میں براہین احمدیہ میں اور بھی الہام ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ نُصرتَ وقالوا لَاتَ حین مناص. اَمْ یقولون نحن جمیع منتصر . سَیُھزم الجمع ویولون الدبر. وان یروا اٰیةً یُعرضوا ویقولوا سحر مستمر. قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ. واعلموا اَنّ اللّٰہ یحیی الارض بعد موتھا . ومن کان لِلّٰہ کان اللّٰہ لہ . قل ان افتریتہ فعلیّ اجرام شدید. یا احمدی انت مرادی ومعی غرستک کرامتک بیدی . أ کَانَ للنّاس عجبًا . قل ھو اللّٰہ عجیب . لا یُسئل

﴿۶۴﴾

عمّا یفعل وھم یُسئَلون. وقالوا انّی لک ھٰذا ان ھٰذاالّا اختلاق. قل اللّٰہ ثمّ ذرھُم فِیْ خوضھم یلعبون. وَلا تخاطبنی فی الذین ظلموا انھم مغرقون. یظلّ ربّک علیک ویغیثک ویرحمک. وان لم یعصمک الناس یعصمک اللّٰہ من عندہٖ. یعصمک اللّٰہ من عندہ وان لم یعصمک الناس. واذیمکربک الّذی کفّر☆. اوقدلی یاھامان. تبّت یدا ابی لھبٍ وتبّ ما کان لہ ان یدخل فیھا اِلّا خائفًا وَمَا اصابک فمن اللّٰہ. الفتنۃ ھٰھنا فاصبر کما صبر اولوا العزم. اَلا انّھا فتنۃ من اللّٰہ لیحبّ حبًّا جمًّا عطاءً غیر مجذوذ. شاتان تذبحان. وکلّ من علیھا فان. عسٰی ان تکرھوا شیئًا وھو خیرلکم واللّٰہ یعلم وانتم لا تعلمون. دیکھو صفحہ ۴۹۷ سے ۵۱۱ تک براہین احمدیہ جلد چہارم۔

ترجمہ: تجھے مدد دی جائے گی اور نصرت الٰہی تیرے شامل ہوگی۔ اور ایسی نصرت ہوگی کہ حقیقت راستی کھل جائے گی۔ تب مخالف لوگ کہیں گے کہ اب گریز کی جگہ نہیں۔ وہ کہیں گے کہ ہم ایک بھاری جماعت ہیں جو انتقام لے سکتے ہیں۔ پر عنقریب وہ بھاگ جائیں گے اور منہ پھیرلیں گے۔ خدا کے نشان کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہ مکر ہے جو بہت پختہ ہے۞۔ تو اُن کو کہہ دے کہ اگر خدائے تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو آؤ میری پیروی

☆ یہ لفظ کفّر اور کفر دونوں قراءتیں ہیں۔ کیونکہ کافر کہنے والا بہرحال منکر بھی ہوگا اور جو شخص اس دعوے سے منکر ہے وہ بہرحال کافر ٹھہرائے گا۔ اور ھامان کا لفظ ھیمان کے لفظ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور ھیمان اس کو کہتے ہیں جو کسی وادی میں اکیلا سرگردان پھرے۔ منہ

۞ یہ آیت یعنی وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَۃً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ [1] قرآن شریف کے اس مقام کی ہے جہاں معجزہ شقّ القمر کا ذکر ہے۔ پس ایسی آیت کو اس موقعہ پر ذکر کرنا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اس جگہ بھی کوئی قمری نشان ظاہر ہوگا۔ پس وہ نشان عجیب طور کا خسوف قمر تھا جو رمضان کے مہینہ میں ظہور میں آیا۔ بعض علماء لکھتے ہیں کہ معجزہ شقّ القمر بھی ایک قسم کا خسوف ہی تھا۔ منہ

[1] القمر: ۳

کروتا خدا بھی تم سے محبت رکھے اور یقیناً سمجھو کہ خدا اس زمین کو یعنی اس زمین کے رہنے والوں کو جو مر چکے ہیں پھر زندہ کرے گا یعنی بہت سے لوگ ہدایت پائیں گے اور ایک روحانی انقلاب پیدا ہوگا۔ اور بہت سے لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوں گے۔ اور جو خدا کا ہو خدا اُس کے لئے ہو جاتا ہے۔ اُن کو کہہ دے کہ اگر میں نے خدا پر افترا کیا ہے تو میں نے ایک سخت گناہ کا ارتکاب کیا ہے جس کی سزا مجھے ملے گی یعنی مفتری اِسی دنیا میں سزا پاتا ہے اور سرسبز نہیں ہوتا اور اُس کا تمام ساختہ پرداختہ آخر بگڑ جاتا ہے۔ مگر صادق کامیاب ہو جاتا ہے اور صدق کی جڑ پاتال میں ہے۔ پھر فرمایا کہ اے میرے احمد! تو میری مراد ہے اور میرے ساتھ ہے میں نے تیری بزرگی کا ﴿۶۵﴾ درخت اپنے ہاتھ سے لگایا یعنی تو صادق ہے اور میری طرف سے ہے اس لئے میں تجھے لوگوں میں بہت وجاہت اور بزرگی بخشوں گا اور یہ کام خاص میرے ہاتھ سے ہوگا نہ کسی اور کے ہاتھ سے۔ لہٰذا اس کام کو کوئی بھی زائل نہیں کر سکے گا۔ یہ آئندہ زمانہ کے لئے ایک پیشگوئی تھی جو اب پوری ہوگئی۔ اور پھر فرماتا ہے کہ کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہے اور خیال کرتے ہیں کہ ایسا کیونکر ہوگا۔ تو تُو ان کو جواب دے کہ عجائب دکھلانا خدا کا کام ہے وہ اپنے کاموں سے پوچھا نہیں جاتا اور لوگ پوچھے جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ مرتبہ تجھے کیونکر ملے گا۔ یہ تو تیری اپنی بناوٹ معلوم ہوتی ہے۔ کہہ نہیں یہ وعدے خدا کی طرف سے ہیں اور پھر اُن کو اُن کے لہو ولعب میں چھوڑ دے یعنی جو بدگمانی کر رہے ہیں کرتے رہیں۔ آخر دیکھ لیں گے کہ یہ خدا کی باتیں ہیں یا انسان کی۔ اور جو لوگ ظالم ہیں اور اپنے ظلم کو نہیں چھوڑتے اُن کے بارے میں مجھ سے ہمکلام مت ہو کہ میں اُن کو غرق کروں گا۔ یہ ایک نہایت خوفناک پیشگوئی ہے جو غرق کرنے کا وعدہ دیا گیا ہے۔ نہ معلوم کس طور سے غرق کیا جائے گا۔ آیا نوح کی قوم کی طرح یا لوط کی قوم کی طرح جو شدید زلزلہ سے زمین میں غرق کئے گئے تھے۔ پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تیرے پر تیرا ربّ اپنا سایہ ڈالے گا اور تیری فریاد سنے گا اور تیرے پر رحم کرے گا اور اگرچہ لوگ تجھے بچانا نہ چاہیں مگر خدا تجھے بچائے گا۔ خدا تجھے ضرور بچائے گا اگرچہ لوگ پھنسانے

کا ارادہ کریں۔ یہ پیشگوئی اُن مقدمات کی نسبت ہے جو ڈاکٹر مارٹن کلارک اور کرم دین وغیرہ کی طرف سے بصیغہ فوجداری میرے پر ہوئے تھے اور لیکھرام کے قتل ہونے کے وقت بھی میرے پھنسانے کیلئے کوشش کی گئی تھی اور ان مقدمات میں ارادہ کیا گیا تھا کہ مجھے پھانسی دی جائے یا قید میں ڈالا جائے۔ سو خدائے تعالیٰ اس پیشگوئی میں فرماتا ہے کہ میں اُن کو اُن کے ارادوں میں نامراد رکھوں گا اور ان کے حملوں سے میں تجھے ضرور بچاؤں گا، چنانچہ چوبیس[۲۴] برس کے بعد وہ سب پیشگوئیاں پوری ہوگئیں۔ اور پھر فرماتا ہے کہ اس مکر کرنے والے کے مکر کو یاد کر جو تجھے کافر ٹھہرائے گا۔ اور تیرے دعوے سے منکر ہوگا وہ ایک اپنے رفیق سے استفتاء پر فتویٰ لے گا تا عوام کو اس سے افروختہ کرے۔ ہلاک ہوگئے دونوں ہاتھ ابی لہب کے جن سے وہ فتویٰ لکھا تھا۔ لکھنے میں اگرچہ ایک ہاتھ کا کام ہے مگر دوسرا بھی اس کی مدد دیتا ہے۔ اور ہلاک ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ اپنے استفتاء کی غرض سے نامراد رہے گا۔ اور پھر فرماتا ہے کہ وہ بھی ہلاک ہوگیا یعنی اُس نے گناہِ شدید کا ارتکاب کیا جو دراصل ہلاکت ہے۔ اس لئے دنیا کی طرف اُس کا رُخ کر دیا گیا اور حلاوتِ ایمان اُس سے جاتی رہی۔ اُس کو مناسب نہ تھا کہ اِس معاملہ میں دخل دیتا مگر ڈرتے ڈرتے یعنی اگر کچھ شک تھا تو پوشیدہ طور پر رفع کرتا اور ادب سے رفع کرتا نہ یہ کہ دشمن بن کر میدان میں نکلتا۔ اور پھر فرمایا کہ جو تجھے تکلیف پہنچے گی وہ خدا کی طرف سے ہے۔ یعنی اگر خدا نہ چاہتا تو یہ فتنہ برپا کرنا اس کی مجال نہ تھا۔ اور پھر فرمایا کہ اُس وقت دنیا میں بڑا شور اُٹھے گا اور بڑا فتنہ ہوگا پس تجھ کو چاہیے کہ صبر کرے جیسا کہ اولوالعزم پیغمبر صبر کرتے رہے۔ مگر یاد رکھ کہ یہ فتنہ اُس شخص کی طرف سے نہیں ہوگا بلکہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہوگا تا کہ وہ تجھ سے زیادہ پیار کرے۔ اور یہ پیار

﴿۶۶﴾

☆ اس جگہ ابی لہب کے معنے ہیں۔ آگ بھڑ کنے کا باپ یعنی اس ملک میں جو تکفیر کی آگ بھڑکے گی۔ دراصل باپ اس کا وہ ہوگا جس نے یہ استفتاء لکھا۔ منہ

خدا کی طرف سے وہ نعمت ہے کہ جو پھر تجھ سے چھینی نہیں جائے گی۔ اور پھر ایک اور پیشگوئی کر کے فرمایا کہ دو بکریاں ذبح کی جائیں گی۔ یعنی میاں **عبدالرحمٰن** اور مولوی **عبداللطیف** جو کابل میں سنگسار کئے گئے۔ اور ہر ایک جو زمین پر ہے آخر مرے گا۔ پر ان دونوں کا ذبح کیا جانا آخر تمہارے لئے بہتری کا پھل لائے گا۔ اور ان واقعات شہادت کے مصالح جو خدا کو معلوم ہیں وہ تمہیں معلوم نہیں۔ یعنی خدا جانتا ہے کہ ان موتوں سے اس ملک کابل میں کیا کیا بہتری پیدا ہوگی۔ اس سے پہلی پیشگوئی اُس استفتاء کے بارے میں ہے جو مولوی محمد حسین کے ہاتھ سے اور مولوی نذیر حسین کے فتویٰ لکھنے سے ظہور میں آیا جس سے ایک دنیا میں شور اٹھا اور سب نے ہمارا تعلق چھوڑ دیا اور کافر اور بے ایمان اور دجّال کہنا موجب ثواب سمجھا۔ اُس کے ساتھ جو یہ وعدہ ہے کہ خدا اس کے بعد بہت پیار کرے گا یہ رجوع خلق اللہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ خدا کا پیار مخلوق کے پیار کو چاہتا ہے۔ اور خدا کی رضامندی تقاضا کرتی ہے کہ دنیا کے سعید لوگ بھی راضی ہو جائیں۔ اور مؤخر الذکر پیشگوئی میں جو دو بکریوں کے ذبح کئے جانے کا ذکر ہے یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو سرزمین کابل میں ظہور میں آیا یعنی ہماری جماعت میں سے ایک شخص عبدالرحمٰن نام جو جوان صالح تھا اور دوسرے مولوی عبداللطیف صاحب جو نہایت بزرگوار آدمی تھے امیر کابل کے حکم سے سنگسار کئے گئے محض اس الزام سے کہ کیوں وہ دونوں ہماری جماعت میں داخل ہو گئے اور اس واقعہ کو قریباً دو برس گذر چکے ہیں☆۔ اب یہ مقام انصاف کی آنکھ سے دیکھنے کا ہے کہ کیونکر

﴿۶۷﴾

☆ یہ واقعہ شہادت اخویم مولوی عبداللطیف صاحب مرحوم اور شیخ عبدالرحمٰن صاحب مرحوم ایک ایسا دور از قیاس واقعہ تھا کہ جب تک وقوع میں نہ آ گیا ہمارے ذہن کا اس طرف التفات نہ ہوا کہ دراصل وحی الٰہی کے یہ معنے ہیں کہ دو ہمارے صادق مرید سچ مچ ذبح کئے جائیں گے بلکہ اس حالت کو مستبعد سمجھ کر محض اجتہاد کے طور پر تاویل کی طرف میلان ہوتا رہا۔ اور تاویلی مصداق

﴿۶۷﴾

ممکن ہے کہ ایسے غیب کی باتیں جو نہاں در نہاں تھیں اُس شخص کی طرف منسوب ہوسکیں جو مفتری ہو۔ حالانکہ خدائے تعالیٰ اپنے کلام عزیز میں فرماتا ہے کہ ہر ایک مومن پر غیبِ کامل کے امور ظاہر نہیں کئے جاتے بلکہ محض اُن بندوں پر جو اصطفاء اور اجتباء کا مرتبہ رکھتے ہیں ظاہر ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ایک جگہ قرآن شریف میں فرماتا ہے لَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ[1] یعنی اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر کسی کو غالب ہونے نہیں دیتا مگر اُن لوگوں کو جو اس کے رسول اور اس کی درگاہ کے پسندیدہ ہوں۔

افسوس کا مقام ہے کہ بعض نادان مولوی اور عالم کہلا کر بعض وعید کی پیشگوئیوں کی نسبت جن میں سے بعض پوری ہوگئیں اور بعض پوری ہونے کو ہیں اعتراض پیش کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ خدائے تعالیٰ اپنے وعید کی نسبت اختیار رکھتا ہے چاہے اُس کو پورا کرے یا ملتوی کردے یہی تمام نبیوں کا مذہب ہے اور اسی پر ردّ بلا کا سلسلہ قائم کیا گیا ہے۔ کیونکہ ایک بلا جس کا خدا تعالیٰ نے کسی کی نسبت ارادہ کیا ہے خواہ وہ اُس بلا کو کسی نبی پر ظاہر کرکے پیشگوئی کے رنگ میں ظاہر فرمادے اور خواہ پوشیدہ رکھے وہ بہرحال بلا ہی ہے۔ پس اگر وہ کسی طرح رد نہیں ہوسکتی تو پھر صدقہ اور خیرات اور دُعا کی کیوں ترغیب دی ہے۔

بقیہ حاشیہ

خیال میں گزرتے رہے کیونکہ انسان کا اپنا علم اور اپنا اجتہاد غلطی سے خالی نہیں۔ لیکن جب یہ دونوں واقعات بعینہٖ ظہور میں آ گئے۔ اور دو بزرگ اس جماعت کے بڑی بے رحمی سے کابل میں شہید کئے گئے تو حق الیقین کی طرح وحی الٰہی کے معنے معلوم ہو گئے اور جب اُس وحی کی تمام عبارت کو نظر اٹھا کر دیکھا تو آنکھ کھل گئی اور عجیب ذوق پیدا ہوا اور معلوم ہوا کہ جہاں تک تصریح ممکن ہے خدا نے تصریح سے اس پیشگوئی کو بیان کردیا ہے اور ایسے الفاظ اختیار کئے ہیں اور ایسے فقرات بیان فرمائے ہیں کہ وہ دوسرے پر صادق آ ہی نہیں سکتے۔ سبحان اللہ! اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کیسے اس نے ان پوشیدہ باتوں کو ایک زمانۂ دراز پہلے براہین احمدیہ میں بتصریح بیان کردیا۔ منہ

[1] الجنّ: ۲۷

﴿۶۸﴾

پھر بعد اس کے اور پیشگوئیاں ہیں جو ان پیشگوئیوں کی مؤیّد ہیں جن کو ہم ذیل میں لکھتے ہیں اور وہ یہ ہیں:۔ وَلا تھنوا وَلا تحزنوا الیس اللّٰہ بکاف عبدہ. الم تعلم انّ اللّٰہ علٰی کلّ شیءٍ قدیر. وان یتخذونک اِلّا ھزوا. أَھٰذا الّذی بعث اللّٰہ. قل انّما انا بشر مثلکم یوحٰی اِلیّ انّما اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحدٌ والخَیر کلّہٗ فی القراٰن. قل ان ھُدَی اللّٰہ ھو الھُدٰی . رَبِّ اِنّیْ مغلوبٌ فانتصر . ایلی ایلی لما سبقتنی. یا عبد القادراِنّی معک غرست لک بیدَی رحمتی وقدرتی. ونجّیناک من الغمّ وفتنّاک فتونا. انا بُدّک اللازم. اَنَا مُحیِیْکَ نفختُ فیک مِن لّدنّی روح الصّدق. وَأَلقیت علیک محبّۃ مِّنّی وَلتصنع علٰی عینی. کزرع اخرج شَطْأَہٗ فَاستغلظ فاستوٰی علٰی سوقہٖ . اِنّا فتحنالک فتحا مُّبِیْنًا لیغفرلک اللّٰہ ماتقدّم من ذنبک وَمَا تَأَخّر. دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۵۱۱ سے ۵۱۵ تک ۔**ترجمہ مع شرح**۔اورتم سست مت بنواورغم مت کرو۔کیا خدا اپنے بندے کے لئے کافی نہیں یعنی اگر تمام لوگ دشمن ہو جائیں تو خدا اپنی طرف سے نُصرت کرے گا اور پھر فرمایا کہ کیا تو جانتا نہیں کہ خدا ہر ایک چیز پر قادر ہے اُس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔ پس وہ قادر ہے کہ ایک تنہا گمنام کو اس قدر ترقی دے کہ لاکھوں انسان اُس کے محبّ اور ارادتمند ہو جائیں۔ یہ وہ پیشگوئی ہے جو پچیس برس کے بعد اس زمانہ میں پوری ہوئی۔ اور پھر فرمایا کہ ان لوگوں نے تجھے ایک ہنسی کی جگہ سمجھ رکھا ہے۔ وہ طنزًا کہتے ہیں کہ کیا یہی وہ شخص ہے جس کو خدا نے ہم میں دعوت کے لئے کھڑا کیا ان کو کہہ دے کہ مَیں تو تمہاری طرح صرف ایک بشر ہوں مجھے یہ وحی ہوتی ہے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے اور ہر ایک نیکی اور بھلائی قرآن میں ہے ان کو کہہ دے کہ تمہارے خیالات کیا چیز ہیں۔ ہدایت وہی ہے جو خدائے تعالیٰ براہِ راست آپ دیتا ہے ورنہ انسان اپنے غلط اجتہادات سے کتاب اللہ کے معنے بگاڑ دیتا ہے اور کچھ کا کچھ سمجھ لیتا ہے۔ وہ خدا ہی ہے جو غلطی نہیں کھاتا لہٰذا ہدایت اُسی کی ہدایت ہے۔ انسانوں کے

اپنے خیالی معنے بھروسے کے لائق نہیں ہیں۔ اور پھر فرمایا کہ یہ دعا کر کہ اے خدا میں مغلوب ہوں وہ بہت ہیں اور میں اکیلا ہوں وہ ایک گروہ ہے تو میری طرف سے مقابلہ کے لئے آپ کھڑا ہو جا۔ اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ یہ آئندہ زمانہ کی ابتلاؤں کی نسبت ایک پیشگوئی ہے کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا جو مخالفت کا بہت شور اُٹھے گا اور وہ گمنامی اور تنہائی کا زمانہ ہوگا اور مخالفت پر ایک مخلوق تُل جائے گی اور ظاہری تزلزل دیکھ کر بشریت کے مقتضا سے خیال آئے گا کہ خدا نے اپنی نصرت کو چھوڑ دیا۔ پس خدائے تعالیٰ اس آئندہ زمانہ کو یاد دلاتا ہے کہ اُس وقت خدا دُعاؤں کو قبول کرے گا اور وہ حالت نہیں رہے گی۔ اور دلوں کو اس طرف رجوع پیدا ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بہت فتنہ کے بعد جو کافر ٹھہرانے کے فتویٰ سے اٹھا تھا آخر دل اس طرف متوجہ ہو گئے۔ پھر فرماتا ہے کہ اے عبدالقادر میں تیرے ساتھ ہوں۔ مَیں نے تیرے لئے اپنی رحمت اور قدرت کا درخت لگایا اور میں تجھ کو ہر ایک غم سے نجات دوں گا مگر اس سے پہلے کئی فتنے تیری راہ میں برپا کروں گا تا تجھے خوب جانچا جائے اور تا فتنوں کے وقتوں میں تیری استقامت ظاہر ہو۔ میں تیرا لازمی چارہ ہوں۔ اور میں تیرے دردوں کا علاج ہوں اور میں ہی ہوں جس نے تجھے زندہ کیا۔ میں نے اپنی طرف سے تجھ میں صدق کی رُوح پھونک دی۔ اور اپنی طرف سے میں نے تجھ پر محبت ڈال دی۔ یعنی تجھ میں ایک ایسی خاصیت رکھ دی کہ ہر ایک جو سعید ہوگا وہ تجھ سے محبت کرے گا اور تیری طرف کھینچا جائے گا۔ میں نے ایسا کیا تا کہ تو میری آنکھوں کے سامنے پرورش پاوے اور میرے روبرو تیرا نشو ونما ہو۔ تو اُس بیج کی طرح ہے جو زمین میں بویا گیا اور وہ ایک چھوٹا سا دانہ تھا جو خاک میں پوشیدہ تھا۔ پھر اُس کا سبزہ نکلا اور روز بروز وہ بڑھتا گیا یہاں تک کہ وہ بہت موٹا ہو گیا اور اُس کی ٹہنیاں پھیل گئیں اور وہ ایک پورا درخت ہو کر تنا اُس کا اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ یہ آئندہ زمانہ کی ترقی کے لئے ایک پیشگوئی ہے اور اس میں بتلایا ہے کہ اس وقت تو تُو

﴿۶۹﴾

ایک دانہ کی طرح ہے جو زمین میں بویا گیا اور خاک میں چھپ گیا۔ لیکن آئندہ یہ مقدر ہے کہ اس دانہ کا سبزہ نکلے اور وہ بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ ایک بڑا درخت بن جائے گا اور موٹا ہو جائے گا اور اپنے پاؤں پر قائم ہو جائے گا جس کو کوئی آندھی نقصان پہنچا نہیں سکے گی۔ یہ پیشگوئی اس زمانہ سے پچیس[۲۵] برس پہلے دنیا میں شائع ہو چکی ہے۔ اور پھر فرمایا کہ خدا تجھے ایک بڑی اور کھلی کھلی فتح دے گا تا کہ وہ تیرے پہلے گناہ بخشے اور پچھلے گناہ بھی۔ اس جگہ اس وحی الٰہی کے متعلق ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ فتح کو گناہ کے بخشنے سے کیا تعلق ہے۔ بظاہر ان دونوں فقروں کو آپس میں کچھ جوڑ نہیں۔ لیکن درحقیقت ان دونوں فقروں کا باہم نہایت درجہ کا تعلق ہے۔ پس تشریح اُس وحی الٰہی کی یہ ہے کہ اس اندھی دنیا میں جس قدر خدا کے ماموروں اور نبیوں اور رسولوں کی نسبت نکتہ چینیاں ہوتی ہیں اور جس قدر اُن کی شان اور اعمال کی نسبت اعتراض ہوتے ہیں اور بدگمانیاں ہوتی ہیں اور طرح طرح کی باتیں کی جاتی ہیں وہ دنیا میں کسی کی نسبت نہیں ہوتیں اور خدا نے ایسا ہی ارادہ کیا ہے تا اُن کو بدبخت لوگوں کی نظر سے مخفی رکھے اور وہ ان کی نظر میں جائے اعتراض ٹھہر جائیں کیونکہ وہ ایک دولت عظمیٰ ہیں اور دولت عظمیٰ کو نااہلوں سے پوشیدہ رکھنا بہتر ہے۔ اِسی وجہ سے خدائے تعالیٰ اُن کو جو شقی ازلی ہیں اُس برگزیدہ گروہ کی نسبت طرح طرح کے شبہات میں ڈال دیتا ہے تا وہ دولتِ قبول سے محروم رہ جائیں۔ یہ سنت اللہ ان لوگوں کی نسبت ہے جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے امام اور رسول اور نبی ہو کر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس قدر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت دشمنانِ حق نے طرح طرح کے اعتراض تراشے ہیں اور طرح طرح کی عیب جوئی کی ہے وہ باتیں کسی معمولی صالح کی نسبت ہرگز تراشی نہیں گئیں۔ کونسی تہمت ہے جو اُن پر نہیں لگائی گئی اور کونسی نکتہ چینی ہے جو اُن پر نہیں کی گئی۔ پس چونکہ تمام تہمتوں کا معقولی طور پر جواب دینا ایک نظری امر تھا اور نظری امور کا فیصلہ مشکل ہوتا ہے اور تاریک طبع لوگ اُس سے تسلی نہیں پکڑتے۔ اس لئے خدائے تعالیٰ نے نظری راہ کو اختیار نہیں کیا اور نشانوں کی راہ اختیار کی

﴿۷۰﴾

اور اپنے نبیوں کی بریّت کے لئے اپنے تائیدی نشانوں اور عظیم الشان نصرتوں کو کافی سمجھا۔ کیونکہ ہر ایک غبی اور پلید بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اگر وہ نعوذ باللہ ایسے ہی نفسانی آدمی اور مفتری اور ناپاک طبع ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ اُن کی نصرت کے لئے ایسے بڑے بڑے نشان دکھلائے جاتے سو خدا تعالیٰ نے اپنی سنت قدیمہ کے موافق حصص سابقہ براہین احمدیہ میں میری نسبت بھی یہی وحی کی جو اوپر ذکر ہو چکی ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ خدا بڑی بڑی فتوحات اور عظیم الشان نشان تیری تائید میں دکھلائے گا تا وہ اعتراض جو دنیا کے اندھے لوگوں نے تیرے پہلے حصۂ زندگی کی نسبت یا اخیر حصۂ زندگی کی نسبت کئے ہیں ان سب کا جواب پیدا ہو جائے☆۔ کیونکہ عالم الاسرار کی شہادت سے بڑھ کر اور کوئی شہادت نہیں اور ذنب کا لفظ اس اعتبار سے بولا گیا ہے کہ معترض اور نکتہ چین جو حملہ کرتے ہیں وہ اپنے دلوں میں مرسلین کی نسبت ان نکتہ چینیوں کو ایک ذنب قرار دے کر حملہ کرتے ہیں۔ پس اس کے یہ معنے ہوئے کہ جو ذنب تیری طرف منسوب کیا گیا ہے نہ یہ کہ حقیقت میں کوئی ذنب ہے اور خود یہ ادب سے دُور ہے کہ انسان اس وحی الٰہی کے یہ معنے کرے کہ درحقیقت کوئی ذنب ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے بخش دیا بلکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ جو کچھ ذنب کے نام پر اُن کی طرف

﴿۷۱﴾

☆ خدا نے مجھ پر ظاہر فرمایا ہے کہ آخری حصہ زندگی کا یہی ہے جو اب گذر رہا ہے جیسا کہ عربی میں وحی الٰہی یہ ہے۔ قَرُبَ اَجَلُکَ الْمُقَدّر وَلا نُبْقِیُ لک من المخزیاتِ ذِکرا۔ یعنی تیری اجل مقدر اب قریب ہے اور ہم تیری نسبت ایک بات بھی ایسی باقی نہیں چھوڑیں گے جو موجب رسوائی اور طعن تشنیع ہو۔ اسی بناء پر اس نے مجھے توفیق دی کہ پنجم حصہ براہین احمدیہ شائع کیا جائے۔ اور ایسا ہی خدائے عزّ و جلّ نے اپنی اس وحی میں میرے قرب اجل کی طرف اشارہ فرمایا۔

تمام حوادث اور عجائبات قدرت دکھلانے کے بعد تیرا حادثہ ہوگا۔ منه

منسوب کیا گیا اور اس کو شہرت دی گئی ہے اس غلط شہرت کو ایک عظیم الشان نشان سے ڈھانک دیا جائے گا۔ نادان لوگ نہیں جانتے کہ کن معنوں سے خدا اپنے مقبول بندوں کی طرف ذنب کو یعنی گناہ کو منسوب کرتا ہے کیونکہ حقیقی گناہ جو نافرمانی خدا تعالیٰ کی ہے وہ تو قبل از توبہ قابل سزا ہے نہ یہ کہ خدا تعالیٰ کو خود ہی اِس بات کا فکر پڑ جائے کہ میں کوئی ایسا نشان دکھلاؤں کہ تا وہ نکتہ چینی کے خیالات اور عیب جوئی کے توہمات خود بخود مخفی اور مستور ہو جائیں اور اُن کا ذکر کرنے والا ذلیل ہو جائے۔ اسی وجہ سے ائمہ اور اہل تصوف لکھتے ہیں کہ جن لغزشوں کا انبیاء علیہم السّلام کی نسبت خدائے تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے جیسا کہ آدم علیہ السلام کا دانہ کھانا۔ اگر تحقیر کی راہ سے ان کا ذکر کیا جائے تو یہ موجبِ کفر اور سلب ایمان ہے کیونکہ وہ مقبول ہیں اور دنیا جس بات کو ذنب سمجھتی ہے وہ اُس سے محفوظ ہیں اور اُن سے عداوت کرنا خدائے تعالیٰ کے حملہ کا نشانہ بننا ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے **وَمَن عَادٰی وَلِیًّا لی فقد اٰذنتہ للحرب** یعنی جو شخص میرے ولی کا دشمن ہو تو میں اُس کو متنبہ کرتا ہوں کہ اب میری لڑائی کے لئے طیار ہو جا۔ غرض اہلِ اِصطفاء خدائے تعالیٰ کے بہت پیارے ہوتے ہیں اور اُس سے نہایت شدید تعلق رکھتے ہیں۔ اُن کی عیب جوئی اور نکتہ چینی میں خیر نہیں ہے۔ اور ہلاکت کے لئے اس سے کوئی بھی دروازہ نزدیک تر نہیں کہ انسان اندھا بن کر محبّان اور محبوبانِ الٰہی کا دشمن ہو جائے۔

اور یاد رہے کہ مغفرت کے صرف یہی معنے نہیں کہ جو گناہ صادر ہو جائے اُس کو بخش دینا بلکہ یہ بھی معنے ہیں کہ گناہ کو حیزّ قوت سے حیزّ فعل کی طرف نہ آنے دینا اور ایسا خیال دل میں پیدا ہی نہ کرنا۔ ان پیشگوئیوں میں بھی بار بار خدائے تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ایک گمنامی کی حالت کو خدائے تعالیٰ شہرت کی حالت سے بدل دے گا اور گو کتنے فتنے پیدا ہوں گے اُن سب سے خدائے تعالیٰ نجات دے گا۔ اور جیسے اوّل عیب جو اور نکتہ چین تھے آخری حصۂ عمر میں بھی ایسے ہی ہوں گے لیکن خدا ایک ایسی فتح نمایاں ظاہر کرے گا کہ ان نکتہ چینوں

اورعیب گیروں کا منہ بند ہو جائے گا یا یہ کہ اُن کے اثر سے لوگ محفوظ رہیں گے۔ یہ انسان کا خاصہ ہے کہ ہزار نشان سے بھی اس قدر ہدایت پانے کے لئے طیار نہیں ہوتا جس قدر کہ ایک عیب گیر کی شرارت سے متاثر ہو کر منکر ہونے کو طیار ہو جاتا ہے۔ اس لئے اِس وحی الٰہی میں اس پیرایہ میں ظاہر نہیں فرمایا کہ میں نشان دکھلاؤں گا بلکہ فرمایا کہ میں ایک فتح عظیم تجھ کو دوں گا یعنی کوئی ایسا نشان دکھلاؤں گا کہ جو دلوں کو فتح کرے گا اور تمہاری عظمت ظاہر کردے گا۔ اورفرمایا کہ یہ عمر کے آخری زمانہ میں ہوگا۔ پس **میں زور سے کہتا ہوں** کہ اسی زمانہ کیلئے یہ پیشگوئی ہے۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ نکتہ چینیاں اور عیب گیریاں حد سے بڑھ گئی ہیں پس میں امیدوار ہوں کہ عنقریب ایک بڑا نشان ظاہر ہوگا جو دلوں کو فتح کرے گا اور مُردہ دلوں کو جو بار بار مرتے ہیں پھر زندہ کردے گا۔ **فالحمد لِلّٰہِ علٰی ذالک.** ﴿۷۲﴾

پھران پیشگوئیوں کی تائید میں اور پیشگوئیاں حصص سابقہ براہین احمدیہ میں ہیں جو پچیس[۲۵] برس کے بعد اس زمانہ میں پوری ہوئی ہیں اور وہ یہ ہیں۔ **الیس اللّٰہ بکافٍ عبدہ فبرّأہ اللّٰہ ممّا قالوا وکان عند اللّٰہ وجیھا. الیس اللّٰہ بکافٍ عبدہ فلمّا تجلّٰی ربّہ للجبل جعلہ دکّا. واللّٰہ موھن کید الکافرین. الیس اللّٰہ بکافٍ عبدہ ولنجعلہٗ اٰیۃ للناس ورحمۃً منّا وکان امرًا مقضیًّا قول الحق الّذی فیہ تمترون. لا یُصدّق السفیہ اِلّا سیفۃ الھلاک عدوٌّلی وعدوٌّلکَ قل اَتٰی امر اللّٰہ فلا تستعجلوہ اذا جاء نصر اللّٰہ الست بربّکم قالوا بلٰی** ۔ بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد۔ پاک محمد مصطفٰی نبیوں کا سردار۔ خدا تیرے سب کام درست کردے گا۔ اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔ **ھو الّذی ینزل الغیث بعد ماقنطوا وینشر رحمتہ .یجتبی الیہ من یشاء من عبادہٖ. وکذالک مَنَنَّا عَلٰی یوسف لنصرف عنہ السُّوء والفحشاء ولتنذر قومًا مَّا**

اُنذر اٰباء هم فهم غافلون. قل عندی شهادة من اللّٰه فهل انتم مؤمنون۔ انّ مَعِی ربّی سیهدین. ربّ السِّجنُ احبّ الیَّ ممّا یدعوننی الیه ربِّ نجّنی من غَمّی۔ دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۵۱۶ سے ۵۵۴ تک۔

ترجمہ:۔ کیا خدا اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں ہے۔ پس وہ اُن تمام الزاموں سے اُس کو بَری کرے گا جو اُس پر لگائے جائیں گے اور وہ خدا کے نزدیک مرتبہ رکھتا ہے کیا خدا اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں ہے۔ پس وہ پہاڑ کو اُس کی بریت کے لئے گواہ لائے گا اور پہاڑ پر جب اُس کی تجلی ہوگی تو وہ اُسے پارہ پارہ کردے گا اور اس نشان سے منکروں کے منصوبوں کو سست کردے گا کیا وہ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں ہے یعنی خدا کے نشان کافی ہیں کسی اور کی گواہی کی ضرورت نہیں اور یہ پہاڑ کا پارہ پارہ کرنا لوگوں کے لئے ہم ایک نشان بنائیں گے اور یہ نشان ہمارا موجب رحمت ہوگا کہ اس سے بہت لوگ فائدہ اٹھائیں گے☆ اور یہ امر پہلے سے مقدر تھا۔ یہ وہ سچی بات ہے جس کے ظہور سے پہلے تم شک میں مبتلا تھے۔ سفلہ آدمی تو کسی نشان کو نہیں مانتا بجز موت کے نشان کے وہ میرا اور تیرا دشمن ہے ان سفلوں کو کہہ دے کہ موت کا نشان بھی آئے گا اور دنیا میں ایک مری پڑے گی۔ پس تم مجھ سے جلدی مت کرو کہ یہ سب کچھ اپنے وقت پر ظاہر ہوگا۔ یہ طاعون اور زلزلہ شدید کی نسبت پیشگوئی ہے کہ جو اس زمانہ سے پچیس[۲۵] برس

﴿۷۳﴾

☆ یاد رہے کہ براہین احمدیہ میں جو کلماتِ الٰہیہ کا ترجمہ ہے وہ بباعث قبل از وقت ہونے کے کسی جگہ مجمل ہے اور کسی جگہ معقولی رنگ کے لحاظ سے کوئی لفظ حقیقت سے پھیرا گیا ہے یعنی صرف عن الظاہر کیا گیا، اور چونکہ اصل کلام الٰہی موجود ہے اس کے پڑھنے والوں کو چاہیے کہ کسی ایسی تاویل کی پروا نہ کریں جو پیشگوئی کے ظہور سے پہلے کی گئی ہو۔ اور اس کو اجتہادی غلطی سمجھ لیں کیونکہ پیشگوئی کی حقیقی تفسیر کا وہ وقت ہوتا ہے جس وقت میں وہ پیشگوئی ظاہر ہو۔ منه

پہلے براہین احمدیہ میں شائع ہو چکی ہے۔ پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں ہولناک اور مہلک نشان ملک میں بھیج کر اپنے مامور اور مرسل کی مدد کروں گا تو منکرین کو کہا جائے گا کہ اب بتلاؤ کیا میں تمہارا رب ہوں یا نہیں۔ یعنی وہ دن بڑی مشکل اور مصیبت کے ہوں گے۔ اور اُن دنوں میں بڑے بڑے ہولناک نشان ظاہر ہوں گے۔ اور نشانوں کو دیکھ کر بہت سے سیہ دل اور کج طبع حق کی طرف رجوع کر لیں گے۔ اور یہ فرستادہ جوان کے درمیان ظاہر ہوا ہے اس پر ایمان لے آئیں گے۔ پھر مجھ کو خدائے عزّوجل مذکورہ بالا وحی میں مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تو خوشی اور نشاط کی چال سے زمین پر چل کہ اب تیرا وقت نزدیک آ گیا اور محمدیوں کا پاؤں ایک بہت بلند اور محکم منار پر پڑ گیا۔ محمدیوں کے لفظ سے مراد اس سلسلہ کے مسلمان ہیں۔ ورنہ بموجب خدا تعالیٰ کی پیشگوئی کے جو براہین احمدیہ میں شائع ہو چکی ہے دوسرے فرقے جو مسلمان کہلاتے ہیں روز بروز تنزل پذیر ہوں گے۔ اور ایسا ہی وہ فرقے جو اسلام سے باہر ہیں جیسا کہ اس وحی الٰہی میں جو براہین احمدیہ میں مندرج ہے صریح طور پر فرمایا ہے۔ **یا عیسٰی انّی متوفیک ورافعک الیّ ومطھّرک من الّذین کفروا**۞ **وجاعل الّذین اتبعوک**

☆ یہ پیشگوئی ان لوگوں کی نسبت ہے جو اس مامور و مرسل کی وحی کو انسان کا افترا یا شیطان کے وساوس خیال کرتے ہیں اور یہ نہیں مانتے کہ وہی ہمارا خدا ہے جو براہین احمدیہ کے زمانہ سے آج تک اس راقم پر اپنی وحی نازل کر رہا ہے۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ اخیر میں ان کو منوا کر چھوڑوں گا۔ اور ان کو اقرار کرنا پڑے گا۔ وہ جو براہین احمدیہ کے زمانہ سے اخیر تک اس راقم پر وحی کرتا رہا ہے وہی اس دنیا کا خدا ہے اس کے سوائے کوئی خدا نہیں۔ اس میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ کوئی بڑا نشان ظاہر ہوگا جس سے بڑے بڑے منکروں کی گردنیں جھک جائیں گی۔ منه

﴿۷۴﴾

۞ یہ فقرہ سہو کاتب سے براہین میں رہ گیا ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ منکروں کے ہر ایک الزام اور تہمت سے تیرا دامن پاک کر دوں گا۔ یہ کئی مرتبہ الہام ہو چکا ہے۔ منه

﴿۷۳﴾

فوق الذین کفروا الٰی یوم القیامۃ. یعنی اے عیسیٰ مَیں تجھے وفات دوں گا۔اور اپنی طرف اٹھاؤں گا اور تیری بریّت ظاہر کروں گا۔اور وہ جو تیرے پیرو ہیں مَیں قیامت تک ان کو تیرے منکروں پر غالب رکھوں گا۔اس جگہ اس وحی الٰہی میں عیسیٰ سے مراد مَیں ہوں۔اور تابعین یعنی پیروؤں سے مراد میری جماعت ہے۔قرآن شریف میں یہ پیشگوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت ہے اور مغلوب قوم سے مراد یہودی ہیں جو دن بدن کم ہوتے گئے۔پس اس آیت کو دوبارہ میرے لئے اور میری جماعت کے لئے نازل کرنا اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مقدّر یوں ہے کہ وہ لوگ جو اس جماعت سے باہر ہیں وہ دن بدن کم ہوتے جائیں گے اور تمام فرقے مسلمانوں کے جو اس سلسلہ سے باہر ہیں وہ دن بدن کم ہوکر اس سلسلہ میں داخل ہوتے جائیں گے یا نابود ہوتے جائیں گے جیسا کہ یہودی گھٹتے گھٹتے یہاں تک کم ہو گئے کہ بہت ہی تھوڑے رہ گئے۔ایسا ہی اس جماعت کے مخالفوں کا انجام ہوگا۔اور اس جماعت کے لوگ اپنی تعداد اور قوتِ مذہب کے رُو سے سب پر غالب ہو جائیں گے۔یہ پیشگوئی فوق العادت کے طور پر پوری ہو رہی ہے کیونکہ جب براہین احمدیہ میں یہ پیشگوئی شائع ہوئی تھی اُس وقت تو میری یہ حالت گمنامی کی تھی کہ ایک شخص بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ میرا پیرو تھا۔اب خدا تعالیٰ کے فضل سے تعداد اس جماعت کی کئی لاکھ تک پہنچ گئی ہے اور اس ترقی کی تیز رفتار ہے جس کا باعث وہ آفات آسمانی بھی ہیں جو اس ملک کو لقمۂ اجل بنا رہے ہیں۔پھر بعد اس کے بقیہ وحیٔ الٰہی یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں کا سردار ہے اور پھر بعد اس کے فرمایا کہ خدا تیرے سب کام درست کر دے گا۔اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔واضح رہے کہ یہ پیشگوئیاں نہایت اعلیٰ درجہ کی ہیں کیونکہ ایسے وقت میں کی گئیں جبکہ کوئی کام بھی درست نہ تھا اور کوئی مراد حاصل نہ تھی اور اب اس زمانہ میں پچیس[۲۵] برس بعد اس قدر مرادیں حاصل ہوگئیں کہ جن کا شمار کرنا مشکل ہے خدا نے اس ویرانہ کو یعنی قادیان کو مجمع الدیار بنا دیا کہ ہر ایک ملک کے لوگ یہاں آ کر جمع ہوتے ہیں اور وہ کام دکھلائے کہ کوئی عقل نہیں کہہ سکتی تھی کہ ایسا ظہور میں آجائے گا۔لاکھوں انسانوں نے

﴿۷۴﴾

مجھے قبول کر لیا اور یہ ملک ہماری جماعت سے بھر گیا۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ ملک عرب اور شام اور مصر اور روم اور فارس اور امریکہ اور یورپ وغیرہ ممالک میں یہ تخم بویا گیا اور کئی لوگ ان ممالک سے اس سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے اور امید کی جاتی ہے کہ وہ وقت آتا جاتا ہے بلکہ نزدیک ہے کہ ان مذکورہ بالا ممالک کے لوگ بھی اس نور آسمانی سے پورا حصہ لیں گے۔ نادان دشمن جو مولوی کہلاتے تھے اُن کی کمریں ٹوٹ گئیں اور وہ آسمانی ارادہ کو اپنے فریبوں اور مکروں اور منصوبوں سے روک نہ سکے اور وہ اس بات سے نوامید ہو گئے کہ وہ اس سلسلہ کو معدوم کر سکیں اور جن کاموں کو وہ بگاڑنا چاہتے تھے وہ سب کام درست ہو گئے۔ **فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِک**

پھر بعد اس کے خدا تعالیٰ آئندہ زمانہ کے لوگوں کی بیجا تہمتوں کی نسبت ایک خاص پیشگوئی کر کے مجھے یوسف قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے: **ھو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا وینشر رحمتہ یجتبی الیہ من یشاء من عبادہٖ وکذالک مننّا علٰی یوسف لنصرف عنہ السوء والفحشاء ولتنذر قومًا مّا اُنذر اٰباء ھم فھم غافلون. قل عندی شھادۃ من اللّٰہ فھل انتم مؤمنون انّ معی ربّی سیھدین . ربّ السجن احبّ الیّ ممّا یدعوننی الیہ . ربّ نجّنی من غمّی.**

ان آیات کو جو براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۱۶ سے ۵۵۴ تک درج ہیں میں ابھی پہلے بھی لکھ چکا ہوں مگر صفائی بیان کے لئے دوبارہ موقع پر لکھی گئیں تا پیشگوئی کے معنی سمجھنے میں کچھ دقّت نہ ہو۔ ﴿۷۵﴾ ترجمہ اس وحی الٰہی کا یہ ہے۔ خدا وہ خدا ہے جو بارش کو اُس وقت اُتارتا ہے۔ جبکہ لوگ مینہ سے نومید ہو جاتے ہیں تب نومیدی کے بعد اپنی رحمت پھیلاتا ہے۔ اور جس بندہ کو اپنے بندوں میں سے چاہتا ہے رسالت اور نبوت کے لئے چن لیتا ہے۔ اور ہم نے اِسی طرح اس یوسف پر احسان کیا تا ہم دفع کریں اور پھیر دیں اُس سے اُن بُرائی اور بے حیائی کی باتوں کو جو اُس کی نسبت بطور تہمت تراشی جائیں گی۔ یعنی خدا تعالیٰ کا کسی تہمت اور الزام کے وقت جو اُس کے نبیوں اور رسولوں کی نسبت کی جاتی ہیں یہ قانونِ قدرت ہے کہ

اوّل وہ عیب گیر اور نکتہ چین اور بدگمان لوگوں کو پورے طور پر موقعہ دیتا ہے کہ تا وہ جو چاہیں
بکواس کریں اور جس طرح چاہیں کوئی تہمت لگاویں یا بہتان باندھیں۔ پس وہ لوگ بہت
خوش ہوکر حملے کرتے ہیں اور اپنے حملوں پر بہت بھروسہ کرتے ہیں یہاں تک کہ صادقوں کی
جماعت ایسے حملوں سے ڈرتی ہے اور انسانی کمزوری کی وجہ سے اس بات سے نومید ہو جاتے
ہیں کہ بارانِ رحمت الٰہی اس مفتریانہ داغ کو دھو دے اور خدا تعالیٰ کی بھی یہی عادت ہے کہ
بارانِ رحمت نازل تو کرتا ہے اور اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے لیکن اوّل کسی مدت تک لوگوں کو
نومید کر دیتا ہے تا وہ لوگوں کے ایمان کی آزمائش کرے۔ پس اسی طرح خدا تعالیٰ کے نبی اور
مرسل پر جو لوگ ایمان لاتے ہیں وہ آزمائے جاتے ہیں۔ شریر لوگوں کی طرف سے بہت بیجا
حملے خدا تعالیٰ کے نبیوں پر ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ فاسق اور فاجر ٹھہرائے جاتے ہیں اور
خدا تعالیٰ کی عادت اسی طرح پر واقعہ ہے کہ اعتراض کرنے والوں کو اعتراض کرنے کے لئے
بہت سی گنجائش دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی نکتہ چینی اور عیب گیری کی باتوں کو بہت قوی سمجھنے
لگتے ہیں اور اُن پر خوش ہوتے اور اتراتے ہیں اور مومنوں کے دلوں کو ان باتوں سے بہت
صدمہ پہنچتا ہے یہاں تک کہ اُن کی کمر ٹوٹتی ہے اور وہ سخت طور پر آزمائے جاتے ہیں پھر خدا تعالیٰ
کی نصرت کا مینہ برستا ہے اور تمام افتراؤں کے ورق کو دھو ڈالتا ہے اور اپنے نبیوں کے
اجتباء اور اصطفاء کے مرتبہ کو ثابت کر دیتا ہے۔ خلاصہ اس پیشگوئی کا یہ ہے کہ اسی طرح اس
یوسف کی ہم بریّت ظاہر کریں گے کہ اوّل شریر لوگ بیجا تہمتیں اُس پر لگائیں گے جیسا کہ
یوسف بن یعقوب پر تہمت لگائی گئی تھی لیکن آخر خدا نے ایک شخص کو اُس کی بریت کیلئے ایک گواہ
ٹھہرایا اور اُس گواہی نے یوسف کو اُس تہمت سے بَری کر دیا۔ پس خدا فرماتا ہے کہ اس جگہ بھی
میں ایسا ہی کروں گا۔ جیسا کہ اس نے فرمایا۔ **قل عندی شھادۃٌ من اللّٰہ فھل انتم مؤمنون.**
ان معی ربّی سیھدین ۔ یعنی اے یوسف جو لوگ تیرے پر الزام لگاتے ہیں اُن کو کہہ دے

کہ میں اپنی بریّت کیلئے خدا تعالیٰ کی گواہی اپنے پاس رکھتا ہوں پس کیا تم اس گواہی کو قبول کرو گے یا نہیں؟ اور یہ بھی ان کو کہہ دے کہ مَیں تمہاری کسی تہمت سے ملزم نہیں ہوسکتا کیونکہ میرے ساتھ میرا خدا ہے۔ وہ میری بریّت کے لئے کوئی راہ پیدا کر دے گا☆۔ یاد رہے کہ جب یوسف بن یعقوب پر زلیخا نے بیجا الزام لگایا تھا تو اُس موقعہ پر خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا[1]۔ یعنی زلیخا کے قریبیوں میں سے ایک شخص نے یوسف کی بریّت کی گواہی دی۔ مگر اس جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں اِس یوسف کے لئے خود گواہی دوں گا پس اس سے زیادہ اور کیا گواہی ہوگی کہ آج سے پچیس[۲۵] برس پہلے خدا تعالیٰ نے ان تہمتوں کی خبر دی ہے جو ظالم اور شریر لوگ مجھ پر لگاتے ہیں۔ اور یوسف بن یعقوب کے لئے صرف ایک انسان نے گواہی دی مگر میرے لئے خدا نے پسند کیا کہ خود گواہی دے اور یوسف بن یعقوب پر تہمت لگانے کیلئے ایک عورت نے پیش دستی کی مگر میرے پر وہ لوگ تہمتیں لگاتے ہیں جو عورتوں سے بھی کمتر ہیں۔ اور اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ[2] کے مصداق ہیں۔ پھر اس پیشگوئی کے آخری حصہ کی یہ عبارت ہے۔ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ۔ یعنی اے میرے رب مجھے تو قید بہتر ہے اُن باتوں سے کہ یہ عورتیں مجھ سے خواہش

﴿۷۶﴾

☆ یہ آیت یعنی اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ[3] جس کا یہ ترجمہ ہے کہ میرے ساتھ میرا خدا ہے۔ وہ مَخلصی کی کوئی راہ دکھلا دے گا۔ یہ قرآن شریف میں حضرت موسیٰ کے قصہ میں ہے جب کہ فرعون نے ان کا تعاقب کیا تھا اور بنی اسرائیل نے سمجھا تھا کہ اب ہم پکڑے گئے ہیں پس خدا تعالیٰ اشارہ فرماتا ہے کہ ایسے کمزور اس جماعت میں بھی ہوں گے جن کی تسلی کے لئے کہا جائے گا کہ گھبراؤ مت۔ خدا تمہیں ان تہمتوں سے بریّت حاصل کرنے کے لئے کوئی راہ دکھا دے گا جیسا کہ اس نے یوسف بن یعقوب کو دکھلا دی جب کہ ایک مکّارہ عورت نے پیش دستی کر کے خلاف واقعہ باتیں یوسف کی نسبت اپنے خاوند کو سنائیں۔ منه

[1] یوسف:۲۷ [2] یوسف:۲۹ [3] الشعرآء:۶۳

کرتی ہیں۔خلاصہ مطلب یہ کہ اگر کوئی عورت ایسی خواہش کرے تو میں اپنے نفس کے لئے اُس امر سے قید ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ یہ یوسف بن یعقوب علیہما السلام کی دُعا تھی جس دُعا کی وجہ سے وہ قید ہوگئے اور میرا ابھی یہی کلمہ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے آج سے پچیس[۲۵] برس پہلے براہین احمدیہ میں لکھ دیا۔صرف یہ فرق ہے کہ یوسف بن یعقوب اپنی اس دُعا کی وجہ سے قید ہوگیا،مگر خدا نے براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۱۰ میں میری نسبت یہ فرمایا۔**یعصمک اللّٰہ من عندہ وان لم یعصمک النّاس** ۔یعنی خدا تعالیٰ تجھے خود بچالے گا اگرچہ لوگ تیرے پھنسانے پر آمادہ ہوں۔سو ایسا ہی ہوا کہ مسمّی کرم دین کے فوجداری مقدمہ میں ایک ہندو مجسٹریٹ کا ارادہ تھا کہ مجھے قید کی سزا دے مگر خدا تعالیٰ نے کسی غیبی سامان سے اُس کے دل کو اس ارادہ سے روک دیا۔اور یہ بھی ظاہر کیا کہ وہ آخر کار سزا دینے کے ارادہ سے قطعاً نا کام رہے گا۔پس اِس اُمت کا یوسف یعنی یہ عاجز اسرائیلی یوسف سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ عاجز قید کی دُعا کر کے بھی قید سے بچایا گیا مگر یوسف بن یعقوب قید میں ڈالا گیا۔اور اِس اُمت کے یوسف کی بریّت کے لئے پچیس[۲۵] برس پہلے ہی خدا نے آپ گواہی دے دی اور اور بھی نشان دکھلائے مگر یوسف بن یعقوب اپنی بریّت کے لئے انسانی گواہی کا محتاج ہوا۔اور ان پیشگوئیوں کی گواہی کے بعد زلزلہ شدیدہ نے بھی گواہی دی جس کی گیارہ مہینہ پہلے میں نے خبر دی تھی کیونکہ زلزلہ کی پیشگوئی کے ساتھ یہ وحی الٰہی بھی ہوئی تھی۔ **قل عندی شھادۃ من اللّٰہ فھل انتم مؤمنون**☆ ۔پس یہ دو گواہ ہوگئے اور نہ معلوم کہ بعد ان کے کتنے گواہ ہیں۔

☆ اس جگہ پر خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ **قل عندی شھادۃ من اللّٰہ فھل انتم مؤمنون**۔یعنی ان کو کہہ دے کہ میرے پاس خدا کی گواہی ہے جو انسانوں کی گواہی پر مقدّم ہے۔وہ یہی گواہی ہے کہ خدا نے ایک مدت دراز پہلے اِن بیجا بہتانوں کی خبر دی۔منہ

غرض وہ خدا جو بدگمانوں کے گندے خیالات کا بھی علم رکھتا ہے اُس نے مجھے یوسف قرار دے کر اور میری نسبت میری زبان سے یوسف علیہ السلام کا وہ قول نقل کر کے جو سورہ یوسف میں آچکا ہے یعنی یہ کہ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۔ آئندہ زمانہ کی نسبت ایک پیشگوئی کی ہے تا وہ میرے اندرونی حالات کو لوگوں پر ظاہر کرے۔ اگرچہ میں یہ عادت نہیں رکھتا اور طبعاً اس سے کراہت کرتا ہوں کہ لوگوں کے سامنے اپنی دلی پاکیزگی ظاہر کروں بلکہ یوسف کی طرح میرا بھی یہی قول ہے کہ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ مگر خدا کے لطف و کرم کو میں کہاں چھپاؤں اور کیونکر میں اس کو پوشیدہ کر دوں۔ اُس کے تو اس قدر لطف و کرم ہیں کہ میں گن بھی نہیں سکتا۔ کیا عجیب کرم فرمائی ہے کہ ایسے زمانہ میں جبکہ بدگمانیاں نہایت درجہ تک پہنچ گئی ہیں خدا نے میرے لئے ہیبت ناک نشان دکھلائے۔ مثلاً غور کرو کہ وہ شدید زلزلہ جس کی ۳۱ رمئی ۱۹۰۴ء کو مجھے خبر دی گئی جس نے ہزارہا انسانوں کو ایک دم میں تباہ کر دیا۔ اور پہاڑوں کو غاروں کی طرح بنا دیا اُس کے آنے کی کس کو خبر تھی۔ کس نجومی نے مجھ سے پہلے یہ پیشگوئی کی تھی وہ خدا ہی تھا جس نے قریباً ایک برس پہلے مجھے یہ خبر دی۔ اُسی وقت لاکھوں انسانوں میں بذریعہ اخبارات شائع کی گئی۔ اُس نے فرمایا کہ میں نشان کے طور پر یہ زلزلہ ظاہر کروں گا تا سعید لوگوں کی آنکھ کھلے۔ مگر میرے نزدیک براہین احمدیہ کی پیشگوئیاں اس سے کم نہیں ہیں جن میں اس زلزلہ شدیدہ کی بھی خبر ہے۔ اور یہ پیشگوئی یوسف قرار دینے کی بھی ایک ایسی پیشگوئی ہے جس نے اس زمانہ کے نہایت گندہ حملوں کی آج سے پچیس۲۵ سال پہلے خبر دی ہے۔ یہ وہ ناپاک حملے ہیں جو نادان مخالفوں کے آخری ہتھیار ہیں اور بعد اس کے فیصلہ کا دن ہے۔ اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اس موقعہ پر خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ قل عندی شھادۃ من اللّٰہ فھل انتم مؤمنون یہ اُس شہادت سے زیادہ زبردست ہے جو سورہ یوسف میں یہ آیت ہے وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا[1] ظاہر ہے

﴿۷۷﴾

[1] یوسف: ۲۷

کہ خدا کی شہادت اور انسان کی شہادت برابر نہیں ہوسکتی۔ پس وہ شہادت یہی شہادت ہے کہ وہ جو عالم الغیب ہے وہ پچیس۲۵ سال پہلے اس زمانہ سے مجھے یوسف قرار دے کر اس کے واقعات میرے پر منطبق کرتا ہے اور ایسی خصوصیت کے الفاظ بیان فرماتا ہے جس سے حقیقت کھلتی ہے جیسا کہ اس کا میری طرف سے یہ فرمانا کہ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ[1] ظاہر کر رہا ہے کہ کسی آئندہ واقعہ کی طرف یہ اشارہ ہے لیکن چونکہ یوسف بھی شریر لوگوں کی بدگمانیوں سے نہیں بچ سکا تو پھر ایسے لوگوں پر مجھے بھی افسوس کرنا لاحاصل ہے جو میرے پر بدگمانی کریں۔ ہر ایک جو مجھ پر حملہ کرتا ہے وہ جلتی ہوئی آگ میں اپنا ہاتھ ڈالتا ہے کیونکہ وہ میرے پر حملہ نہیں بلکہ اُس پر حملہ ہے جس نے مجھے بھیجا ہے وہی فرماتا ہے کہ اِنِّیْ مھینٌ من اراد اھانتک ۔یعنی میں اُس کو ذلیل کروں گا جو تیری ذلّت چاہتا ہے ایسا شخص خدا تعالیٰ کی آنکھ سے پوشیدہ نہیں☆۔ یہ مت گمان کرو کہ وہ میرے لئے نشانوں کا دکھلانا بس کر دے گا۔ نہیں بلکہ وہ نشان پر نشان دکھلائے گا اور میرے لئے اپنی وہ گواہیاں دے گا جن سے زمین بھر جائے گی۔ وہ ہولناک نشان دکھلائے گا اور رعب ناک کام کرے گا۔ اس نے مدت تک ان حالات کو دیکھا اور صبر کرتا رہا مگر اب وہ اس مینہ کی طرح جو موسم پر ضرور گرجتا ہے گرجے گا اور شریر روحوں کو اپنے صاعقہ کا مزا چکھائے گا۔ وہ شریر جو اس سے نہیں ڈرتے اور شوخیوں میں حد سے بڑھ جاتے ہیں وہ اپنے ناپاک خیالات اور بُرے کاموں کو لوگوں سے چھپاتے ہیں مگر خدا اُنہیں دیکھتا ہے کیا شریر انسان خدا کے ارادوں پر غالب آسکتا ہے؟ کیا وہ اس سے لڑکر فتح پاسکتا ہے؟ اور یہ جو اللہ تعالیٰ نے

☆ یہ آیت کہ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ[2] بآواز بلند بتلا رہی ہے کہ فرعونی صفات لوگ اپنی بیجا تہمتوں پر فخر کریں گے مگر خدا اپنے بندہ کو نجات دے گا پھر حملہ کرنے والوں کے آگے ایک دریا ہے جس میں اُن کا خاتمہ ہوجائے گا۔ منه

[1] یوسف:۳۴ [2] الشعرآء:۶۳

﴿۷۸﴾

مجھے یوسف قرار دے کر فرمایا قل عندی شھادۃ من اللّٰہ فھل انتم مؤمنون ۔جس کے یہ معنے ہیں کہ ان کو کہہ دے کہ میرے پاس خدا کی گواہی ہے جو انسانوں کی گواہیوں پر غالب ہے پس کیا تم اس گواہی کو مانتے ہو یا نہیں؟ اس فقرہ سے یہ مطلب ہے کہ اے شرارتیں کرنے والو اور تہمتیں لگانے والو! اگر تم خدا کی اس گواہی کو قبول نہیں کرتے جو اُس نے آج سے پچیس[۲۵] سال پہلے دی تو پھر خدا کسی اور نشان سے گواہی دے گا جس سے تم ایک سخت شکنجہ میں پڑو گے تب رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔ پس میں دیکھتا ہوں کہ خدا کی دوسری گواہیاں بھی شروع ہو گئیں اور مجھے خدا نے اپنے الہام سے یہ بھی خبر دی ہے کہ جو شخص تیری طرف تیر چلائے گا میں اُسی تیر سے اس کا کام تمام کروں گا۔ اور اس وحی الٰہی میں جو مجھے یوسف قرار دیا گیا ہے یہ بھی ایک فقرہ ہے کہ ولتنذر قومًا ماانذر اٰباء ھم فھم غافلون۔ اس آیت کے معنے پہلی آیت کو ساتھ ملانے سے یہ ہیں کہ ہم نے اس یوسف پر احسان کیا کہ خود اس کی بریّت کی شہادت دی تا وہ بُرائی اور بے حیائی جو اس کی طرف منسوب کی جائے گی اس کو ہم اُس سے پھیر دیں اور دفع کر دیں اور ہم یہ اس لئے کریں گے کہ تا انذار اور دعوت میں حرج نہ آوے کیونکہ خدا کے رسولوں اور نبیوں اور ماموروں پر جو یہ اندھی دنیا طرح طرح کے الزام لگاتی ہے اگر ان کو دفع نہ کیا جائے تو اس سے دعوت اور انذار کا کام سُست ہو جاتا ہے بلکہ رُک جاتا ہے اور ان کی باتیں دلوں پر اثر نہیں کرتیں اور معقولی رنگ کے جواب اچھی طرح دلوں کے زنگ کو دُور نہیں کر سکتے۔ پس اس سے اندیشہ ہوتا ہے کہ لوگ اپنی بدگمانیوں سے ہلاک نہ ہو جائیں اور ہیزم دوزخ نہ بن جائیں۔ لہٰذا وہ خدا جو کریم اور رحیم ہے جو اپنی مخلوق کو ضائع کرنا نہیں چاہتا اپنے زبردست نشانوں کے ساتھ اپنے نبیوں کی صفائی اور اصطفاء اور اجتباء کی شہادت دیتا ہے اور جو شخص ان گواہیوں کو پا کر بھی اپنی بدظنیوں سے باز نہیں آتا اُس کے ہلاک ہونے کی خدا کو کچھ بھی پروا نہیں۔ خدا اُس کا دشمن ہو جاتا ہے

اور اس کے مقابل پر خود کھڑا ہو جاتا ہے۔ شریر انسان خیال کرتا ہے کہ میرے مکر دُنیا کے دلوں پر بُرا اثر ڈالیں گے مگر خدا کہتا ہے کہ اے احمق! کیا تیرے مکر میرے مکر سے بڑھ کر ہیں؟ میں تیرے ہی ہاتھوں کو تیری ذلّت کا موجب کروں گا اور تجھے تیرے دوستوں کے ہی آگے رُسوا کر کے دکھلاؤں گا۔ اور اس جگہ مجھے یوسف قرار دینے سے ایک اور مقصد بھی مدّنظر ہے کہ یوسف نے مصر میں پہنچ کر کئی قسم کی ذلّتیں اٹھائی تھیں جو دراصل اُس کی ترقی مدارج کی ایک بنیاد تھی مگر اوائل میں یوسف نادانوں کی نظر میں حقیر اور ذلیل ہو گیا تھا اور آخر خدا نے اُس کو ایسی عزّت دی کہ اُس کو اسی ملک کا بادشاہ بنا کر قحط کے دنوں میں وہی لوگ غلام کی طرح اس کے بنا دیئے جو غلامی کا داغ بھی اُس کی طرف منسوب کرتے تھے پس خدا تعالیٰ مجھے یوسف قرار دے کر یہ اشارہ فرماتا ہے کہ اس جگہ بھی میں ایسا ہی کروں گا۔ اسلام اور غیر اسلام میں روحانی غذا کا قحط ڈال دوں گا اور روحانی زندگی کے ڈھونڈنے والے بجز اس سلسلہ کے کسی جگہ آرام نہ پائیں گے اور ہر ایک فرقہ سے آسمانی برکتیں چھین لی جائیں گی اور اسی بندۂ درگاہ پر جو بول رہا ہے ہر ایک نشان کا انعام ہوگا پس وہ لوگ جو اس روحانی موت سے بچنا چاہیں گے وہ اسی بندۂ حضرت عالی کی طرف رجوع کریں گے اور یوسف کی طرح یہ عزت مجھے اسی توہین کے عوض دی جائے گی بلکہ دی گئی جس توہین کو ان دنوں میں ناقص العقل لوگوں نے کمال تک پہنچایا ہے۔ اور گو مَیں زمین کی سلطنت کے لئے نہیں آیا مگر میرے لئے آسمان پر سلطنت ہے جس کو دنیا نہیں دیکھتی اور مجھے خدا نے اطلاع دی ہے کہ آخر بڑے بڑے مفسد اور سرکش تجھے شناخت کر لیں گے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ **یَخِرُّوْنَ عَلَی الْاَذْقَانِ سُجَّدًا. ربّنا اغفرلنا انا کنا خاطئین. لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللّٰہ لکم وھو ارحم الرّاحمین**☆۔ اور میں نے کشفی طور پر

﴿۷۹﴾

☆ ترجمہ۔ ٹھوڑیوں پر سجدہ کرتے ہوئے گریں گے یہ کہتے ہوئے کہ خدایا ہم خطاکار تھے ہم نے گناہ کیا۔ ہمارے گناہ بخش۔ پس خدا فرمائے گا کہ تم پر کوئی سرزنش نہیں کیونکہ تم ایمان لے آئے خدا تمہارے گناہ بخش دے گا کہ وہ ارحم الراحمین ہے۔ اس جگہ بھی خدا نے **لا تثریب** کے لفظ کے ساتھ مجھے یوسف ہی قرار دیا۔ منہ

دیکھا کہ زمین نے مجھ سے کلام کیا اور کہا یا ولی اللّٰہ کُنتُ لا اَعْرِفک ۔ یعنی اے ولی اللہ میں اس سے پہلے تجھ کو نہیں پہچانتی تھی۔ زمین سے مراد اس جگہ اہل زمین ہیں۔ مبارک وہ جو دہشت ناک دن سے پہلے مجھ کو قبول کرے کیونکہ وہ امن میں آئے گا۔ لیکن جو شخص زبردست نشانوں کے بعد مجھے قبول کرے اُس کا ایمان رَتی بھی قیمت نہیں رکھتا۔

اکنوں ہزار عُذر بیارے گناہ را مرشوئے کردہ رانبود زیب دخترے

پھر اور پیشگوئیاں ہیں جو مذکورہ بالا پیشگوئیوں کی تائید میں براہین احمدیہ میں مندرج ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ھو شعنا نَعْسا. آئی لَوْ یُو[1] آئی شیل گو یوءِ لارج پارٹی اوف اسلام[2] ثلّة من الاولین وثلّة من الاٰخرین ۔ میں اپنی چمکار دکھاؤں گا اپنی قدرت نمائی سے تجھ کو اُٹھاؤں گا۔ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اُس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دے گا الفتنة ھٰھنا فاصبر کما صبر اولو العزم . یا داوٗد عامل بالناس رفقًا واحسانًا واما بنعمة ربّک فحدّث. اشکر نعمتی رئیت خدیجتی. انک الیوم لذوحظٍ عظیم. ما ودّعک ربّک وما قلٰی. الم نشرح لک صدرک. الم نجعل لک سھولةً فی کلّ امر. بیت الفکر وبیت الذکر ومن دخله کان اٰمنا. مبارک و مبارک وکل امرٍ مبارک یجعل فیه. یریدون ان یطفئوا نور اللّٰہ قل اللّٰہ حافظه. عنایة اللّٰہ حافظک. نحن نزّلناہ وانالہ لحافظون. اللہ خیرٌ حافظا ﴿۸۰﴾ وھوارحم الراحمین. ویُخوّفونک من دونه ائمّة الکفر. لا تخف انک انت الاعلٰی. ینصرک اللّٰہ فی مواطن. کتب اللّٰہ لأغلبن انا ورسلی. اعمل ماشئت فانی قد غفرت لک. انت منّی بمنزلة لا یعلمھا الخلق. وقالوا ان ھوالّا افک افترٰی. وما سمعنا بھٰذا فی اٰبائنا الاولین. ولقد کرمنا بنی اٰدم و

1. I Love you 2. I shall give you a large party of Islam

فَضَّلنا بعضھم علٰی بعض. اجتبیناھم و اصطفیناھم کذالک لیکون اٰیۃً للمؤمنین. ام حسبتم انّ اصحابَ الکھف و الرقیم کانوا من اٰیاتنا عجبًا. قل ھو اللّٰہ عجیب . کلّ یوم ھو فی شان ففھّمناھا سلیمان. وجحدوا بھا واستیقنتھا انفسھم ظلمًا وعلوّا. قل جاء کم نورٌ من اللّٰہ فلا تکفروا ان کنتم مؤمنین. سلام علٰی ابراھیم. صافیناہ ونجیناہ من الغم. تفردنا☆ بذالک . فاتخذوا من مقام ابراھیم مُصلّٰی. (دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۶ سے صفحہ ۵۶۱ تک)

ترجمہ۔ اے خدا میں دُعا کرتا ہوں کہ مجھے نجات بخش اور مشکلات سے رہائی فرما۔ ہم نے نجات دے دی۔ یہ دونوں فقرے عبرانی زبان میں ہیں اور یہ ایک پیشگوئی ہے جو دُعا کی صورت میں کی گئی اور پھر دعا کا قبول ہونا ظاہر کیا گیا اور اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جو موجودہ مشکلات ہیں یعنی تنہائی بیکسی ناداری کسی آئندہ زمانہ میں وہ دُور کر دی جائیں گی۔ چنانچہ پچیس[۲۵] برس کے بعد یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور اس زمانہ میں ان مشکلات کا نام ونشان نہ رہا۔ اور پھر دوسری پیشگوئی انگریزی زبان میں ہے اور میں اس زبان سے واقف نہیں۔ یہ بھی ایک معجزہ ہے جو اِس زبان میں وحی الٰہی نازل ہوئی۔ ترجمہ یہ ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں تمہیں ایک بڑا گروہ اسلام کا دوں گا۔ ایک گروہ تو اُن میں سے پہلے مسلمانوں میں سے ہوگا اور دوسرا گروہ اُن لوگوں میں سے ہوگا جو دوسری قوموں میں سے ہوں گے یعنی ہندوؤں میں سے یا یورپ کے عیسائیوں میں سے یا امریکہ کے عیسائیوں میں سے یا کسی اور قوم میں سے چنانچہ ہندو مذہب کے گروہ میں سے بہت سے لوگ مشرف باسلام ہوکر

☆ ترجمہ: یعنی سچی اور صافی اور کامل محبت جو ہم کو اس بندہ سے ہے دوسروں کو نہیں ہم اس امر میں منفرد ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ محبت بقدر معرفت ہوتی ہے۔ منہ

ہمارے سلسلہ میں داخل ہو گئے ہیں جن میں سے ایک شیخ عبدالرحیم ہیں جو اسی جگہ قادیان میں مقیم ہیں جنہوں نے عربی کی کتابیں بھی پڑھ لی ہیں اور قرآن شریف اور کتب درسیہ حدیث وغیرہ کو پڑھ لیا ہے اور عربی میں خوب مہارت پیدا کر لی ہے۔ دوسرے شیخ فضل حق جو اس ضلع کے رئیس ہیں اور اُن کا باپ جاگیردار ہے۔ تیسرے شیخ عبداللہ (دیوان چند) جو سالہا سال سے ڈاکٹری میں تجربہ رکھتے ہیں اور اس جگہ قادیان میں وہی کام کرتے ہیں۔ اور اس سلسلہ کے لئے اسی کام پر قادیان میں مامور ہیں اسی طرح اور کئی ہیں جو اپنے اپنے وطنوں میں جاگزیں ہیں۔ ایسا ہی یورپ یا امریکہ کے قدیم عیسائیوں میں بھی تھوڑے عرصہ ﴿۸۱﴾ سے ہمارے سلسلہ کا رواج ہوتا جاتا ہے چنانچہ حال میں ہی ایک معزز انگریز شہر نیویارک کا رہنے والا جو ملک یونائیٹڈ اسٹیٹ امریکہ میں ہے جس کا پہلا نام ہے ایف ایل اینڈرسن نمبر ۲۰۲۔ ۲۰۰ ورتھ سٹریٹ۔ اور بعد اسلام اس کا نام حَسن رکھا گیا ہے وہ ہماری جماعت یعنی سلسلہ احمدیہ میں داخل ہے اور اُس نے اپنے ہاتھ سے چٹھی لکھ کر اپنا نام اس جماعت میں درج کرایا ہے اور ہماری کتابیں جو انگریزی میں ترجمہ شدہ ہیں پڑھتا ہے قرآن شریف کو عربی میں پڑھ لیتا ہے اور لکھ بھی سکتا ہے ایسا ہی اور کئی انگریز ان ملکوں میں اس سلسلہ کے ثناخوان ہیں اور اپنی موافقت اس سے ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر بیکر جن کا نام ہے۔ اے جارج بیکر نمبر ۴۰۴ سیس کوئی ھینا ایونیو فلاڈلفیا امریکہ۔ میگزین ریویو آف ریلیجنز میں میرا نام اور تذکرہ پڑھ کر اپنی چٹھی میں یہ الفاظ لکھتے ہیں ’’مجھے آپ کے امام کے خیالات کے ساتھ بالکل اتفاق ہے انہوں نے اسلام کو ٹھیک اُس شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے جس شکل میں حضرت نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا‘‘ اور ایک عورت امریکہ سے میری نسبت اپنے خط میں لکھتی ہے کہ ’’میں ہر وقت ان کی تصویر کو دیکھتی رہنا پسند کرتی ہوں۔ یہ تصویر بالکل مسیح کی تصویر معلوم ہوتی ہے‘‘ اور اسی طرح ہمارے ایک دوست کی بیوی جس کا پہلا نام ایلزی بتھ

تھا جو انگلینڈ کی باشندہ ہے اس جماعت میں داخل ہو چکی ہے۔ اسی طرح اور کئی خط امریکہ انگلینڈ روس وغیرہ ممالک سے متواتر آرہے ہیں اور وہ تمام خطوط متعصّب منکروں کے منہ بند کرنے کے لئے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ ایک بھی ضائع نہیں کیا گیا اور دن بدن اِن ممالک میں ہمارے ساتھ تعلق پیدا کرنے کیلئے قدرتی طور پر ایک جوش پیدا ہو رہا ہے اور تعجب ہے کہ وہ خود بخود ہمارے سلسلہ سے مطلع ہوتے جاتے ہیں اور خدائے کریم و رحیم و حکیم ان کے دلوں میں ایک اُنس اور محبت اور حسن ظن پیدا کرتا جاتا ہے اور صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ یورپ اور امریکہ کے لوگ ہمارے سلسلہ میں داخل ہونے کے لئے طیاری کر رہے ہیں اور وہ اس سلسلہ کو بڑی عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جیسا کہ ایک سخت پیاسا یا سخت بھوکا جو شدت بھوک اور پیاس سے مرنے پر ہو اور یکدفعہ اُس کو پانی اور کھانا مل جائے۔ اسی طرح وہ اس سلسلہ کے ظہور سے خوشی ظاہر کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اِس زمانہ میں اسلام کی شکل کو تفریط اور افراط کے سیلاب نے بگاڑ دیا تھا ایک فرقہ جو محض زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتا ہے وہ قطعاً اسلامی برکات سے منکر ہو چکا تھا اور معجزات اور پیشگوئیوں سے نہ صرف انکار بلکہ دن رات ٹھٹھا اور ہنسی کرتا تھا اور معاد کے واقعات کی اصل حقیقت نہ سمجھ کر اس سے بھی تمسخر اور انکار سے پیش آتا تھا اور عباداتِ اسلامیہ سے جن سے روحانیت کے دروازے کھلتے ہیں سبکدوش ہونا چاہتا تھا غرض دہریت سے بہت قریب جا رہا تھا اور صرف نام کا مسلمان تھا۔ اور وہ امر جو اسلام اور دوسرے مذاہب میں ایسا مابہ الامتیاز ہے جو کوئی شخص اپنی طاقت سے اپنے مذہب میں وہ حصہ امتیازی نشان کا داخل کر ہی نہیں سکتا اُس سے وہ بالکل بے خبر تھا۔ یہ تو تفریط والوں کا حال تھا اور دوسرے فریق نے افراط کی راہ اختیار کر لی تھی یعنی ایسے بے اصل قصّے اور بیہودہ کہانیاں جو کتاب اللہ کے برخلاف ہیں جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ دنیا

﴿۸۲﴾

میں آنا اپنے مذہب کا جزو بنا دیا تھا حالانکہ خدا تعالیٰ صریح الفاظ سے قرآن شریف میں اُن کی وفات ظاہر کرتا ہے اوراحادیث نبویہ میں صراحت سے لکھا گیا ہے کہ آنے والا مسیح اِسی اُمت میں سے ہوگا۔ جیسا کہ موسیٰؑ کے سلسلہ کا مسیح اُسی قوم میں سے تھا نہ کہ آسمان سے آیا تھا۔ پس اس تفریط اور افراط کو دُور کرنے کیلئے خدا نے یہ سلسلہ زمین پر قائم کیا جو بباعث اپنی سچائی اورخوبصورتی اور اعتدال کے ہر ایک اہل دل کو پسند آتا ہے۔ غرض یہ پیشگوئی کہ ایک گروہ پرانے مسلمانوں میں سے اس سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوگا اور ایک گروہ نئے مسلمانوں میں سے یعنی یورپ اورامریکہ اور دیگر کُفّار کی قوموں میں سے اس سلسلہ کے اندر اپنے تئیں لائے گا۔ پچیس۲۵ برس بعد اُس زمانہ سے کہ جب خبر دی گئی پوری ہوئی۔ یاد رکھو کہ جیسا کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں عربی زبان میں اس پیشگوئی کے یہ لفظ ہیں جو وحی الٰہی نے میرے پر ظاہر کئے جو براہین احمدیہ حصص سابقہ میں آج سے پچیس۲۵ برس پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ ثُلّۃٌ من الاوّلین وثُلّۃٌ من الاٰخرین یعنی اس سلسلہ میں داخل ہونے والے دو۲ فریق ہوں گے۔ ایک پرانے مسلمان جن کا نام اولین رکھا گیا جواب تک تین لاکھ کے قریب اس سلسلہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ اور دوسرے نئے مسلمان جو دوسری قوموں میں سے اسلام میں داخل ہوں گے یعنی ہندوؤں اور سکھوں اور یورپ اور امریکہ کے عیسائیوں میں سے۔ اور وہ بھی ایک گروہ اس سلسلہ میں داخل ہو چکا ہے اور ہوتے جاتے ہیں۔ اسی زمانہ کے بارہ میں جو میرا زمانہ ہے خدا تعالیٰ قرآن شریف میں خبر دیتا ہے جس کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ آخری دنوں میں طرح طرح کے مذاہب پیدا ہو جائیں گے اور ایک مذہب دوسرے مذہب پر حملہ کرے گا جیسا کہ ایک موج دوسری موج پر پڑتی ہے یعنی تعصب بہت بڑھ جائے گا اور لوگ طلب حق کو چھوڑ کر خواہ نخواہ اپنے مذاہب کی حمایت کریں گے۔ اور کینے اور تعصب ایسے حدِّ اعتدال سے گذر جائیں گے کہ ایک قوم دوسری قوم کو نگل لینا چاہے گی تب انہیں دنوں میں آسمان سے ایک فرقہ کی بنیاد ڈالی جائے گی اور خدا اپنے مُنہ سے اُس فرقہ کی حمایت کے لئے

﴿۸۳﴾

ایک کرناء بجائے گا اور اس کرناء کی آواز سے ہر ایک سعیدؔ اس فرقہ کی طرف کھچا آئے گا بجز اُن لوگوں کے جو شقی ازلی ہیں جو دوزخ کے بھرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ قرآن شریف کے اس میں الفاظ یہ ہیں وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا[1]۔ اور یہ بات کہ وہ نفخ کیا ہوگا۔ اور اس کی کیفیت کیا ہوگی اس کی تفصیل وقتاً فوقتاً خود ظاہر ہوتی جائے گی۔ مجملاً صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ استعدادوں کو جنبش دینے کے لئے کچھ آسمانی کارروائی ظہور میں آئے گی اور ہولناک نشان ظاہر ہوں گے تب سعید لوگ جاگ اٹھیں گے کہ یہ کیا ہوا چاہتا ہے کیا یہ وہی زمانہ نہیں جو قریب قیامت ہے جس کی نبیوں نے خبر دی ہے۔ اور کیا یہ وہی انسان نہیں جس کی نسبت اطلاع دی گئی تھی کہ اس امت میں سے وہ مسیح ہو کر آئے گا جو عیسیٰ بن مریم کہلائے گا تب جس کے دل میں ایک ذرا بھی سعادت اور رشد کا مادہ ہے خدا تعالیٰ کے غضبناک نشانوں کو دیکھ کر ڈرے گا اور طاقت بالا اُس کو کھینچ کر حق کی طرف لے آئے گی اور اُس کے تمام تعصب اور کینے یوں جل جائیں گے جیسا کہ ایک خشک تنکا بھڑکتی ہوئی آگ میں پڑ کر بھسم ہو جاتا ہے غرض اُس وقت ہر ایک رشید خدا کی آواز سن لے گا۔ اور اس کی طرف کھینچا جائے گا اور دیکھ لے گا کہ اب زمین اور آسمان دوسرے رنگ میں ہیں نہ وہ زمین ہے اور نہ وہ آسمان۔ جیسا کہ مجھے پہلے اس سے ایک کشفی رنگ میں دکھلایا گیا تھا کہ میں نے ایک نئی زمین اور نیا آسمان بنایا ایسا ہی عنقریب ہونے والا ہے اور کشفی رنگ میں یہ بنانا میری طرف منسوب کیا گیا کیونکہ خدا نے اس زمانہ کے لئے مجھے بھیجا ہے۔ لہٰذا اس نئے آسمان اور نئی زمین کا میں ہی موجب ہوا اور ایسے استعارات خدا کی کلام میں بہت ہیں لیکن اس جگہ شاید بعض نادانوں کو یہ اشکال پیش آوے کہ اگرچہ یہ تو صحیح مسلم اور بخاری میں آ چکا ہے کہ آنے والا مسیح اسی امت میں سے ہوگا اور قرآن شریف میں بھی سورۂ نور میں مِنْكُمْ کا لفظ اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہر ایک خلیفہ اسی اُمت میں سے ہوگا اور آیت كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ[2] بھی اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے جس سے ظاہر ہے کہ کوئی امر غیر معمولی نہیں ہوگا بلکہ جس طرح صدر زمانہ اسلام میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

[1] الکھف: ۱۰۰ [2] النور: ۵۶

مثیل موسیٰ ہیں جیسا کہ آیت کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا[1] سے ظاہر ہے ایسا ہی آخر زمانہ اسلام میں دونوں سلسلوں موسوی اور محمدی کا اوّل اور آخر میں تطابق پورا کرنے کیلئے مثیل عیسیٰ کی ضرورت تھی جس کی نسبت حدیث بخاری اِمَامُکُمْ مِنْکُم اور حدیث مسلم اَمَّکُمْ مِنْکُم وضاحت سے خبر دے رہی ہیں۔ مگر اسی امت میں سے عیسیٰ بننے والا ابن مریم کیونکر کہلا سکے وہ تو مریم کا بیٹا نہیں ہے حالانکہ حدیثوں میں ابن مریم کا لفظ آیا ہے۔ پس یاد رہے کہ یہ وسوسہ جو نادانوں کے دلوں کو پکڑتا ہے قرآن شریف میں سورۂ تحریم میں اِس شبہ کا ازالہ کر دیا گیا ہے جیسا کہ سورۃ تحریم میں اس امت کے بعض افراد کو مریم سے مشابہت دی گئی ہے اور پھر اس میں عیسیٰ کی روح کے نفخ کا ذکر کیا گیا ہے جس میں صریح اشارہ کیا گیا ہے کہ اس امت میں سے کوئی فرد اوّل مریم کے درجہ پر ہوگا اور پھر اس مریم میں نفخ روح کیا جائے گا تب وہ اس درجہ سے منتقل ہو کر ابن مریم کہلائے گا۔ اور اگر کوئی مجھ سے سوال کرے کہ اگر یہی سچ ہے تو پھر تمہارے الہامات میں بھی اس کی طرف کوئی اشارہ ہونا چاہئے تھا۔ اس کے جواب میں مَیں کہتا ہوں کہ آج سے پچیس[۲۵] برس پہلے یہی تصریح میری کتاب براہین احمدیہ حصص سابقہ میں موجود ہے اور نہ صرف اشارہ بلکہ پوری وضاحت سے کتاب براہین احمدیہ حصص سابقہ میں ایک لطیف استعارہ کے رنگ میں مجھے ابن مریم ٹھہرایا گیا ہے چاہیے کہ اوّل وہ کتاب ہاتھ میں لے لو اور پھر دیکھو کہ اس کی اوائل میں اوّل میرا نام خدا تعالیٰ نے مریم رکھا ہے اور فرمایا ہے یا مریم اسکن انت وزوجک الجنة. یعنی اے مریم تو اور تیری دوست جنت میں داخل ہو۔ پھر آگے چل کر کئی صفحوں کے بعد جو ایک مدت پیچھے لکھے گئے تھے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے یا مریم نفختُ فیک من لدنی روح الصدق. یعنی اے مریم میں نے تجھ میں صدق کی روح پھونک دی۔ پس یہ رُوح پھونکنا گویا روحانی حمل تھا کیونکہ اس جگہ وہی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو مریم صدیقہ کی نسبت استعمال کئے گئے تھے جب مریم صدیقہ میں روح پھونکی گئی تھی تو اس کے یہی معنے تھے کہ اس کو حمل ہو گیا تھا جس حمل سے عیسیٰ پیدا ہوا۔ پس اس جگہ بھی اسی طرح فرمایا کہ تجھ میں رُوح پھونکی گئی گویا یہ ایک روحانی حمل تھا۔ پھر آگے چل کر آخر کتاب میں

﴿۸۴﴾

[1] المزّمّل:۱۶

مجھے عیسیٰ کر کے پکارا گیا۔ کیونکہ بعد نفخ ربانی مریمی حالت عیسیٰ بننے کیلئے مستعد ہوئی جس کو
استعارہ کے رنگ میں حمل قرار دیا گیا۔ پھر آخر اُسی مریمی حالت سے عیسیٰ پیدا ہو گیا۔ اسی رمز
کیلئے کتاب کے آخر میں میرا نام عیسیٰ رکھا گیا اور کتاب کے اوّل میں مریم نام رکھا گیا۔ اب شرم
اور حیا اور انصاف اور تقویٰ کی آنکھ سے اوّل سورۂ تحریم میں اس آیت پر غور کرو جس میں بعض افراد
اس امت کو مریم سے نسبت دی گئی ہے اور پھر مریم میں نفخ روح کا ذکر کیا گیا ہے جو اس حمل کی
طرف اشارہ کرتا ہے جس سے عیسیٰ پیدا ہونے والا ہے۔ پھر بعد اس کے براہین احمدیہ حصص
سابقہ کے یہ تمام مقامات پڑھو اور خدا تعالیٰ سے ڈر کر خوف کرو کہ کس طرح اُس نے پہلے میرا نام
مریم رکھا اور پھر مریم میں نفخِ رُوح کا ذکر کیا اور آخر کتاب میں اسی مریم کے رُوحانی حمل سے
مجھے عیسیٰ بنا دیا۔ اگر یہ کاروبار انسان کا ہوتا تو ہرگز انسان کی قدرت نہ تھی کہ دعوے سے ایک ﴿۸۵﴾
زمانہ دراز پہلے یہ لطیف معارف پیش بندی کے طور پر اپنی کتاب میں داخل کر دیتا۔ تم خود گواہ ہو کہ اُس
وقت اور اُس زمانہ میں مجھے اس آیت پر اطلاع بھی نہ تھی کہ میں اس طرح پر عیسیٰ مسیح بنایا جاؤں گا
بلکہ میں بھی تمہاری طرح بشریت کے محدود علم کی وجہ سے یہی اعتقاد رکھتا تھا کہ عیسیٰ بن مریم
آسمان سے نازل ہوگا۔ اور باوجود اس بات کے کہ خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ حصص سابقہ میں
میرا نام عیسیٰ رکھا اور جو قرآن شریف کی آیتیں پیشگوئی کے طور پر حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب
تھیں وہ سب آیتیں میری طرف منسوب کر دیں اور یہ بھی فرما دیا کہ تمہارے آنے کی خبر قرآن
اور حدیث میں موجود ہے مگر پھر بھی میں متنبہ نہ ہوا اور براہین احمدیہ حصص سابقہ میں مَیں نے
وہی غلط عقیدہ اپنی رائے کے طور پر لکھ دیا اور شائع کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے
نازل ہوں گے۔ اور میری آنکھیں اُس وقت تک بالکل بند رہیں جب تک کہ خدا نے بار بار
کھول کر مجھ کو نہ سمجھایا کہ عیسیٰ بن مریم اسرائیلی تو فوت ہو چکا ہے اور وہ واپس نہیں آئے گا اس
زمانہ اور اس امت کے لئے تو ہی عیسیٰ بن مریم ہے۔ یہ میری غلط رائے جو براہین احمدیہ حصص
سابقہ میں درج ہوگئی یہ بھی خدا تعالیٰ کا ایک نشان تھا اور میری سادگی اور عدم بناوٹ پر گواہ تھا

مگر اب میں اس سخت دل قوم کا کیا علاج کروں کہ نہ قسم کو مانتے ہیں نہ نشانوں پر ایمان لاتے ہیں اور نہ خدا تعالیٰ کی ہدایتوں پر غور کرتے ہیں۔ آسمان نے بھی نشان دکھلائے اور زمین نے بھی۔ مگر ان کی آنکھیں بند ہیں اب نہ معلوم خدا انہیں کیا دکھلائے گا۔

اِس جگہ یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ ہی نہیں رکھا بلکہ ابتدا سے انتہا تک جس قدر انبیاء **علیھم السّلام** کے نام تھے وہ سب میرے نام رکھ دیئے ہیں۔ چنانچہ براہین احمدیہ حصص سابقہ میں میرا نام آدم رکھا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **اردتُ اَن استخلف فخلقتُ اٰدم** دیکھو براہین احمدیہ حصص سابقہ صفحہ ۴۹۲۔ پھر دوسری جگہ فرماتا ہے **سبحان الذی اسری بعبدہ لیلًا خلق اٰدم فاکرمہ**۔ دیکھو براہین احمدیہ حصص سابقہ صفحہ ۵۰۴ دونوں فقروں کے معنے یہ ہیں کہ میں نے ارادہ کیا کہ اپنا خلیفہ بناؤں سو میں نے آدم کو پیدا کیا یعنی اس عاجز کو۔ پھر فرمایا پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو ایک ہی رات میں تمام سیر کرا دیا۔ پیدا کیا اِس آدم کو۔ پھر اس کو بزرگی دی۔ ایک ہی رات میں سیر کرانے سے مقصد یہ ہے کہ اس کی تمام تکمیل ایک ہی رات میں کر دی اور صرف چار پہر میں اس کے سلوک کو کمال تک پہنچایا اور خدا نے جو میرا نام آدم رکھا اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں عام طور پر بنی آدم کی روحانیت پر موت آ گئی تھی پس خدا نے نئی زندگی کے سلسلہ کا ﴿۸۶﴾ مجھے آدم ٹھہرایا اور اس مختصر فقرہ میں یہ پیشگوئی پوشیدہ ہے کہ جیسا کہ آدم کی نسل تمام دنیا میں پھیل گئی ایسا ہی میری یہ روحانی نسل اور نیز ظاہری نسل بھی تمام دنیا میں پھیلے گی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ فرشتوں نے آدم کے خلیفہ بنانے پر اعتراض کیا اور خدا تعالیٰ نے اس اعتراض کو رد کر کے کہا کہ آدم کے حالات جو مجھے معلوم ہیں وہ تمہیں معلوم نہیں یہی واقعہ میرے پر صادق آتا ہے کیونکہ براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں یہ وحی الٰہی درج ہے کہ لوگ میری نسبت ایسے ہی اعتراض کریں گے جیسے کہ آدم علیہ السلام پر کئے گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وان یتخذونک اِلا ھزوًا أھٰذا الذی بعث اللّٰہ. جاھل اومجنون.** یعنی تجھے لوگ ہنسی کی جگہ بنا لیں گے اور کہیں گے کہ کیا یہی شخص خدا نے مبعوث فرمایا ہے

یہ تو جاہل ہے یا دیوانہ ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ انہیں حصص براہین احمدیہ میں فرماتا ہے۔ **انتَ منّی بمنزلۃٍ لا یعلمھا الخلق** ۔یعنی تیرا میرے نزدیک وہ مقام ہے جس کو دنیا نہیں جانتی۔ یہ جواب اِسی قسم کا ہے جیسا کہ آدم کی نسبت قرآن شریف میں ہے۔ قَالَ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ [1] بلکہ یہی آیتیں بعینہٖ اگرچہ براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں نہیں مگر دوسری کتابوں میں میری نسبت بھی وحی الٰہی ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ تیسری آدم سے مجھے یہ بھی مناسبت ہے کہ آدم توام کے طور پر پیدا ہوا اور میں بھی توام پیدا ہوا۔ پہلے لڑکی پیدا ہوئی بعدہٗ میں۔ اور بااین ہمہ میں اپنے والد کیلئے خاتم الولد تھا۔ میرے بعد کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔ اور میں جمعہ کے روز پیدا ہوا تھا اور آدم کا حوا سے پہلے پیدا ہونا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ وہ سلسلہ دنیا کا مبدء ہے۔ اور میرا اپنی توام ہمشیرہ سے بعد میں پیدا ہونا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ میں دنیا کے سلسلہ کے خاتمہ پر آیا ہوں۔ چنانچہ چھٹے ہزار کے آخر میں میری پیدائش ہے اور قمری حساب کی رو سے اب ساتواں ہزار جاتا ہے۔

اسی طرح براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں خدا تعالیٰ نے میرا نام نوح بھی رکھا ہے اور میری نسبت فرمایا ہے۔ **ولا تخاطبنی فی الّذین ظلموا اِنّھم مُغرقون** ۔یعنی میری آنکھوں کے سامنے کشتی بنا اور ظالموں کی شفاعت کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کر کہ میں ان کو غرق کروں گا۔ خدا نے نوح کے زمانہ میں ظالموں کو قریباً ایک ہزار سال تک مہلت دی تھی اور اب بھی خیر القرون کی تین صدیوں کو علیحدہ رکھ کر ہزار برس ہی ہو جاتا ہے۔ اس حساب سے اب یہ زمانہ اُس وقت پر آ پہنچتا ہے جبکہ نوح کی قوم عذاب سے ہلاک کی گئی تھی ﴿۸۷﴾ اور خدا تعالیٰ نے مجھے فرمایا۔ **اصنع الفلک باعیننا و وحینا. انّ الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ ید اللّٰہ فوق ایدیھم** ۔یعنی میری آنکھوں کے روبرو اور میرے حکم سے کشتی بنا۔ وہ لوگ جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ نہ تجھ سے بلکہ خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ یہ خدا کا ہاتھ ہے جو ان کے ہاتھوں پر ہے۔ یہی بیعت کی کشتی ہے جو انسانوں کی جان اور ایمان بچانے

[1] البقرۃ:۳۱

کے لئے ہے۔ لیکن بیعت سے مراد وہ بیعت نہیں جو صرف زبان سے ہوتی ہے اور دل اس سے غافل بلکہ روگردان ہے۔ بیعت کے معنے بیچ دینے کے ہیں۔ پس جو شخص درحقیقت اپنی جان اور مال اور آبرو کو اس راہ میں بیچتا نہیں مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ خدا کے نزدیک بیعت میں داخل نہیں بلکہ مَیں دیکھتا ہوں کہ ابھی تک ظاہری بیعت کرنے والے بہت ایسے ہیں کہ نیک ظنّی کا مادہ بھی ہنوز اُن میں کامل نہیں اور ایک کمزور بچہ کی طرح ہر ایک ابتلا کے وقت ٹھوکر کھاتے ہیں۔ اور بعض بدقسمت ایسے ہیں کہ شریر لوگوں کی باتوں سے جلد متاثر ہو جاتے ہیں اور بدگمانی کی طرف ایسے دوڑتے ہیں جیسے کتا مُردار کی طرف۔ پس میں کیونکر کہوں کہ وہ حقیقی طور پر بیعت میں داخل ہیں مجھے وقتاً فوقتاً ایسے آدمیوں کا علم بھی دیا جاتا ہے مگر اذن نہیں دیا جاتا کہ ان کو مطلع کروں۔ کئی چھوٹے ہیں جو بڑے کئے جائیں گے اور کئی بڑے ہیں جو چھوٹے کئے جائیں گے۔ پس مقام خوف ہے۔

اسی طرح براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں میرا نام ابراہیم بھی رکھا گیا ہے جیسا کہ فرمایا۔ **سلام علیک یا ابراھیم** (دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۸) یعنی اے ابراہیم تجھ پر سلام۔ ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے بہت برکتیں دی تھیں اور وہ ہمیشہ دشمنوں کے حملوں سے سلامت رہا۔ پس میرا نام ابراہیم رکھ کر خدا تعالیٰ یہ اشارہ کرتا ہے کہ ایسا ہی اس ابراہیم کو برکتیں دی جائیں گی اور مخالف اس کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔ جیسا کہ اسی براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں اللہ تعالیٰ مجھے مخاطب کر کے فرماتا ہے **بورکت یا احمد و کان ما بارک اللّٰہ فیک حقًّا فیک** یعنی اے احمد تجھے مبارک کیا گیا اور یہ تیرا ہی حق تھا۔ اور انہیں حصص سابقہ براہین احمدیہ میں اللہ تعالیٰ ایک جگہ مجھے مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ میں تجھے اس قدر برکت دوں گا کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے اور جس طرح ابراہیم سے خدا نے خاندان شروع کیا اسی طرح اللہ تعالیٰ براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں میری نسبت فرماتا ہے۔ **سبحان اللّٰہ زاد مجدک ینقطع اٰباء ک و یبدء منک.** یعنی خدا پاک ہے جس نے تیری بزرگی کو

﴿۸۸﴾

زیادہ کیا۔ وہ تیرے باپ دادے کا ذکر منقطع کر دے گا اور ابتداء خاندان کا تجھ سے کرے گا۔ اور ابراہیم سے خدا کی محبت ایسی صاف تھی جو اُس نے اس کی حفاظت کے لئے بڑے بڑے کام دکھلائے اور غم کے وقت اُس نے ابراہیم کو خود تسلی دی۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں میرا نام ابراہیم رکھ کر فرماتا ہے۔ **سلام علٰی ابراھیم صافیناہ و نجّیناہ من الغمّ تفرّدنا بذالک** صفحہ ۵۶۱۔ یعنی اس ابراہیم پر سلام۔ ہماری اس سے محبت صافی ہے جس میں کوئی کدورت نہیں اور ہم اس کو غم سے نجات دیں گے۔ یہ محبت ہم سے ہی مخصوص ہے کوئی دوسرا اس کا ایسا محبّ نہیں۔ اور پھر ایک اور جگہ براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں میرا نام ابراہیم رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ **یا ابراھیم أَعرِضْ عن ھٰذا اِنّہ عمل غیر صالح. انما انت مذکّر وما انت علیھم بمصیطر** ۔صفحہ ۵۱۰۔ یعنی اے ابراہیم اس شخص سے الگ ہو جا یہ اچھا آدمی نہیں ہے اور تیرا کام یاد دلانا ہے تو ان پر داروغہ تو نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بعض اپنی قوم کے لوگوں سے اور قریب رشتوں سے قطع تعلق کرنا پڑا تھا پس میری نسبت یہ پیشگوئی تھی کہ تمہیں بھی بعض قوم کے قریب لوگوں سے قطع تعلق کرنا پڑے گا چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ پھر ایک اور جگہ براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں میرا نام ابراہیم رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے **و نظرنا الیک وقلنا یا نار کونی بردًا و سلامًا علٰی ابراھیم۔** دیکھو صفحہ ۲۴۰۔ یعنی ہم نے اس ابراہیم کی طرف نظر کی اور کہا کہ اے آگ ابراہیم کیلئے ٹھنڈی اور سلامتی ہو جا۔ یہ آئندہ زمانہ کے لئے ایک پیشگوئی ہے۔ اور جہاں تک اس وقت میرا خیال ہے یہ ان خوفناک مقدمات کیلئے بشارت ہے جن میں جان اور عزت کے تلف ہونے کا اندیشہ تھا جیسا کہ ڈاکٹر مارٹن کلارک کا میرے پر استغاثہ اقدام قتل اور کرم دین کا مقدمہ اور آگ سے مراد اس جگہ وہ آگ ہے جو حکام کے غضب اور اشتعال سے پیدا ہوتی ہے اور حاصل مطلب یہ ہے کہ ہم غضب اور اشتعال کی آگ کو ٹھنڈی کر دیں گے اور سلامتی سے مخلصی ہو گی۔ اور اسی طرح براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں میرا نام یوسف بھی رکھا گیا ہے۔ اور

مشابہت کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ ایسا ہی براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں میرا نام موسیٰ رکھا گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **تلطّف بالناس و ترحّم علیھم انت فیھم بمنزلۃ موسٰی و اصبر علٰی مایقولون** (دیکھو صفحہ ۵۰۸ براہین احمدیہ حصص سابقہ) یعنی لوگوں سے لطف اور مدارات سے پیش آ۔ تو اُن میں موسیٰ کی طرح ہے اور اُن کی دلآزار باتوں پر صبر کرتا رہ۔ یعنی موسیٰ بڑا حلیم تھا اور ہمیشہ بنی اسرائیل آئے دن مرتد ہوتے تھے اور ﴿۸۹﴾ موسیٰ پر حملے کرتے اور بعض اوقات کئی بیہودہ الزام اس پر لگاتے تھے مگر موسیٰ ہمیشہ صبر کرتا تھا اور ان کا شفیع تھا۔ موسیٰ ان کو ایک جلتے ہوئے تنور سے نکال لایا اور فرعون کے ہاتھ سے نجات دی اور موسیٰ نے فرعون کے سامنے بڑے بڑے ہولناک معجزے دکھائے۔ پس اس نام کے رکھنے میں یہ پیشگوئی بھی ہے کہ ایسا ہی اس جگہ بھی ہوگا۔ اسی طرح خدا نے براہین احمدیہ حصص سابقہ میں میرا نام داؤد بھی رکھا جس کی تفصیل عنقریب اپنے موقع پر آئے گی۔ ایسا ہی براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں خدا تعالیٰ نے میرا نام سلیمان بھی رکھا اور اسکی تفصیل بھی عنقریب آئے گی۔ ایسا ہی براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں خدا تعالیٰ نے میرا نام احمد اور محمد بھی رکھا اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم نبوت ہیں ویسا ہی یہ عاجز خاتم ولایت ہے۔ اور بعد اس کے میری نسبت براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں یہ بھی فرمایا۔ **جری اللّٰہ فی حُلَلِ الانبیاء** یعنی رسولِ خدا تمام گذشتہ انبیاء **علیھم السلام** کے پیرایوں میں، اس وحی الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ آدم سے لے کر اخیر تک جس قدر انبیاء **علیھم السلام** خدا تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں آئے ہیں خواہ وہ اسرائیلی ہیں یا غیر اسرائیلی ان سب کے خاص واقعات یا خاص صفات میں سے اِس عاجز کو کچھ حصہ دیا گیا ہے اور ایک بھی نبی ایسا نہیں گزرا جس کے خواص یا واقعات میں سے اس عاجز کو حصہ نہیں دیا گیا۔ ہر ایک نبی کی فطرت کا نقش میری فطرت میں ہے اسی پر خدا نے مجھے اطلاع دی اور اس میں یہ بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ تمام انبیاء **علیھم السلام** کے جانی دشمن

اور سخت مخالف جو عناد میں حد سے بڑھ گئے تھے جن کو طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کیا گیا اس زمانہ کے اکثر لوگ بھی اُن سے مشابہ ہیں اگر وہ توبہ نہ کریں۔ غرض اس وحی الٰہی میں یہ جتلانا منظور ہے کہ یہ زمانہ جامع کمالاتِ اخیار و کمالات اشرار ہے اور اگر خدا تعالیٰ رحم نہ کرے تو اس زمانہ کے شریر تمام گذشتہ عذابوں کے مستحق ہیں یعنی اس زمانہ میں تمام گذشتہ عذاب جمع ہو سکتے ہیں اور جیسا کہ پہلی امتوں میں کوئی قوم طاعون سے مری کوئی قوم صاعقہ سے اور کوئی قوم زلزلہ سے اور کوئی قوم پانی کے طوفان سے اور کوئی قوم آندھی کے طوفان سے اور کوئی قوم خسف سے۔ اسی طرح اس زمانہ کے لوگوں کو ایسے عذابوں سے ڈرنا چاہیے اگر وہ اپنی اصلاح نہ کریں کیونکہ اکثر لوگوں میں یہ تمام مواد موجود ہیں محض حلم الٰہی نے مہلت دے رکھی ہے۔ اور یہ فقرہ کہ **جری اللّٰہ فی حُلَلِ الانبیاء** بہت تفصیل کے لائق ہے جس کا یہ پنجم حصہ براہین متحمل نہیں ہو سکتا صرف اس قدر اِجمالاً کافی ہے کہ ہر ایک گذشتہ نبی کی عادت اور خاصیت اور واقعات میں سے کچھ مجھ میں ہے اور جو کچھ خدا تعالیٰ نے گذشتہ نبیوں کے ساتھ رنگا رنگ طریقوں میں نصرت اور تائید کے معاملات کئے ہیں اُن معاملات کی نظیر بھی میرے ساتھ ظاہر کی گئی ہے اور کی جائے گی اور یہ امر صرف اسرائیلی نبیوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ کُل دنیا میں جو نبی گذرے ہیں ان کی مثالیں اور ان کے واقعات میرے ساتھ اور میرے اندر موجود ہیں۔ اور ہندوؤں میں جو ایک نبی گذرا ہے جس کا نام **کرشن** تھا وہ بھی اس میں داخل ہے افسوس کہ جیسے داؤد نبی پر شریر لوگوں نے فسق و فجور کی تہمتیں لگائیں ایسی ہی تہمتیں کرشن پر بھی لگائی گئی ہیں اور جیسا کہ داؤد خدا تعالیٰ کا پہلوان اور بڑا بہادر تھا اور خدا اس سے پیار کرتا تھا ویسا ہی آریہ ورت میں کرشن تھا۔ پس یہ کہنا درست ہے کہ آریہ ورت کا داؤد کرشن ہی تھا اور اسرائیلی نبیوں کا کرشن داؤد ہی تھا اور یہ بالکل صحیح ہے کہ ہم کہیں کہ داؤد کرشن تھا یا کرشن داؤد تھا۔ کیونکہ زمانہ اپنے اندر ایک گردشِ دَوری رکھتا ہے۔ اور نیک ہوں یا بد ہوں بار بار دنیا میں ان کے امثال پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس زمانہ میں خدا نے چاہا کہ جس قدر نیک اور راستباز مقدس نبی گذر چکے ہیں ایک ہی شخص کے

﴿۹۰﴾

وجود میں ان کے نمونے ظاہر کئے جائیں سو وہ **میں ہوں** ۔اسی طرح اس زمانہ میں تمام بدوں کے نمونے بھی ظاہر ہوئے فرعون ہو یا وہ یہود ہوں جنہوں نے حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھایا یا ابوجہل ہو سب کی مثالیں اِس وقت موجود ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یاجوج ماجوج کے ذکر کے وقت اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اسی طرح خدا تعالیٰ نے میرا نام ذوالقرنین بھی رکھا کیونکہ خدا تعالیٰ کی میری نسبت یہ وحی مقدّس کہ **جری اللّٰہ فی حُلَلِ الانبیاء** ۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ خدا کا رسول تمام نبیوں کے پیرائیوں میں یہ چاہتی ہے کہ مجھ میں ذوالقرنین کے بھی صفات ہوں کیونکہ سورۂ کہف سے ثابت ہے کہ ذوالقرنین بھی صاحب وحی تھا۔ خدا تعالیٰ نے اس کی نسبت فرمایا ہے قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ[1] پس اس وحی الٰہی کی رُو سے کہ **جری اللّٰہ فی حُلَلِ الانبیاء.** اِس اُمت کے لئے ذوالقرنین مَیں ہوں۔ اور قرآن شریف میں مثالی طور پر میری نسبت پیشگوئی موجود ہے مگر اُن کے لئے جو فراست رکھتے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ذوالقرنین وہ ہوتا ہے جو دو۲ صدیوں کو پانے والا ہو۔ اور میری نسبت یہ عجیب بات ہے کہ اس زمانہ کے لوگوں نے جس قدر اپنے اپنے طور پر صدیوں کی تقسیم کر رکھی ہے ان تمام تقسیموں کے لحاظ سے جب دیکھا جائے تو ظاہر ہوگا کہ میں نے ہر ایک قوم کی دو۲ صدیوں کو پا لیا ہے۔ میری عمر اس وقت تخمیناً ۶۷ سال ہے پس ظاہر ہے کہ اس حساب سے جیسا کہ میں نے دو۲ ہجری صدیوں کو پالیا ہے۔ ایسا ہی دو۲ عیسائی صدیوں کو بھی پالیا ہے اور ایسا ہی دو۲ ہندی صدیوں کو بھی جن کا سن بکرماجیت سے شروع ہوتا ہے اور میں نے جہاں تک ممکن تھا قدیم زمانہ کے تمام ممالک شرقی ﴿۹۱﴾ اور غربی کی مقرر شدہ صدیوں کا ملاحظہ کیا ہے کوئی قوم ایسی نہیں جس کی مقرر کردہ صدیوں میں سے دو۲ صدئیں میں نے نہ پائی ہوں۔ اور بعض احادیث میں بھی آچکا ہے کہ آنے والے مسیح کی ایک یہ بھی علامت ہے کہ وہ ذوالقرنین ہوگا۔ غرض بموجب نص وحی الٰہی کے مَیں

[1] الکھف: ۸۷

ذوالقرنین ہوں اور جو کچھ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کی ان آیتوں کی نسبت جو سورۂ کہف میں ذوالقرنین کے قِصّہ کے بارے میں ہیں میرے پر پیشگوئی کے رنگ میں معنی کھولے ہیں۔مَیں ذیل میں ان کو بیان کرتا ہوں مگر یاد رہے کہ پہلے معنوں سے انکارنہیں ہے وہ گذشتہ سے متعلق ہیں اور یہ آئندہ کے متعلق۔اورقرآن شریف صرف قصہ گو کی طرح نہیں ہے بلکہ اس کے ہرایک قصہ کے نیچے ایک پیشگوئی ہے۔اور ذوالقرنین کا قِصّہ مسیح موعود کے زمانہ کیلئے ایک پیشگوئی اپنے اندر رکھتا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف کی عبارت یہ ہے وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا[1]☆ یعنی یہ لوگ تجھ سے ذوالقرنین کا حال دریافت کرتے ہیں۔ان کو کہو کہ میں ابھی تھوڑا سا تذکرہ ذوالقرنین کا تم کو سناؤں گا اور پھر بعد اس کے فرمایا۔ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَ اٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا[2] یعنی ہم اس کو یعنی مسیح موعود کو جو ذوالقرنین بھی کہلائے گا روئے زمین پر ایسا مستحکم کریں گے کہ کوئی اس کو نقصان نہ پہنچا سکے گا۔اور ہم ہر طرح سے ساز و سامان اس کو دے دیں گے۔اور اُس کی کارروائیوں کو سہل اور آسان کر دیں گے۔ یاد رہے کہ یہ وحی براہین احمدیہ حصص سابقہ میں بھی میری نسبت ہوئی ہے جیسا کہ اللہ فرماتا ہے **الم نجعل لک سھولۃً فی کلّ امرٍ** یعنی کیا ہم نے ہرایک امر میں تیرے لئے آسانی نہیں کر دی۔یعنی کیا ہم نے تمام وہ سامان تیرے لئے میسر نہیں کر دیئے جو تبلیغ اور اشاعت حق کے لئے ضروری تھے۔جیسا کہ ظاہر ہے کہ اس نے میرے لئے وہ سامان تبلیغ اور اشاعت حق کے میسر کر دیئے جو کسی نبی کے وقت میں موجود نہ تھے۔تمام قوموں کی آمد و رفت کی راہیں کھولی گئیں۔ طے مسافرت کے لئے وہ آسانیاں کر دی گئیں کہ برسوں کی راہیں دنوں میں طے ہونے لگیں اور خبر رسانی کے وہ ذریعے

☆ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ذوالقرنین کا ذکر صرف گزشتہ زمانہ سے وابستہ نہیں بلکہ آئندہ زمانہ میں بھی ایک ذوالقرنین آنے والا ہے اور گزشتہ کا ذکر تو ایک تھوڑی سی بات ہے۔منہ

[1] الکہف:۸۴　　[2] الکہف:۸۵

پیدا ہوئے کہ ہزاروں کوس کی خبریں چند منٹوں میں آنے لگیں۔ ہر ایک قوم کی وہ کتابیں شائع ہوئیں جو مخفی اور مستور تھیں۔ اور ہر ایک چیز کے بہم پہنچانے کے لئے ایک سبب پیدا کیا گیا۔ کتابوں کے لکھنے میں جو جو دقتیں تھیں وہ چھاپہ خانوں سے دفع اور دور ہو گئیں یہاں تک کہ ایسی ایسی مشینیں نکلی ہیں کہ ان کے ذریعہ سے دس دن میں کسی مضمون کو اس کثرت سے چھاپ سکتے ہیں کہ پہلے زمانوں میں دس سال میں بھی وہ مضمون قید تحریر میں نہیں آ سکتا تھا اور پھر ان کے شائع کرنے کے اس قدر حیرت انگیز سامان نکل آئے ہیں کہ ایک تحریر صرف چالیس دن میں تمام دنیا کی آبادی میں شائع ہو سکتی ہے اور اس زمانہ سے پہلے ایک شخص بشرطیکہ اس کی عمر بھی لمبی ہو سو برس تک بھی اس وسیع اشاعت پر قادر نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر بعد اس کے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے فَاَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِىْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا[1] یعنی جب ذوالقرنین کو جو مسیح موعود ہے ہر ایک طرح کے سامان دیئے جائیں گے۔ پس وہ ایک سامان کے پیچھے پڑے گا۔ یعنی وہ مغربی ممالک کی اصلاح کے لئے کمر باندھے گا اور وہ دیکھے گا کہ آفتاب صداقت اور حقانیت ایک کیچڑ کے چشمہ میں غروب ہو گیا اور اس غلیظ چشمہ اور تاریکی کے پاس ایک قوم کو پائے گا جو مغربی قوم کہلائے گی یعنی مغربی ممالک میں عیسائیت کے مذہب والوں کو نہایت تاریکی میں مشاہدہ کرے گا۔ نہ اُن کے مقابل پر آفتاب ہوگا جس سے وہ روشنی پا سکیں اور نہ اُن کے پاس پانی صاف ہوگا جس کو وہ پیویں یعنی ان کی علمی و عملی حالت نہایت خراب ہو گی اور وہ روحانی روشنی اور روحانی پانی سے بے نصیب ہوں گے۔ تب ہم ذوالقرنین یعنی مسیح موعود کو کہیں گے کہ تیرے اختیار میں ہے چاہے تو اِن کو عذاب دے یعنی عذاب نازل ہونے کے لئے بددُعا کرے (جیسا کہ احادیث صحیحہ میں مروی ہے) یا اُن کے ساتھ حسن سلوک

﴿۹۲﴾

[1] الکھف: ۸۶ تا ۸۹

کا شیوہ اختیار کرے تب ذوالقرنین یعنی مسیح موعود جواب دے گا کہ ہم اُسی کو سزا دلانا چاہتے ہیں جو ظالم ہو۔ وہ دنیا میں بھی ہماری بددُعا سے سزایاب ہوگا اور پھر آخرت میں سخت عذاب دیکھے گا۔ لیکن جو شخص سچائی سے منہ نہیں پھیرے گا اور نیک عمل کرے گا اس کو نیک بدلہ دیا جائے گا اور اس کو انہیں کاموں کی بجا آوری کا حکم ہوگا جو سہل ہیں اور آسانی سے ہو سکتے ہیں۔ غرض یہ مسیح موعود کے حق میں پیشگوئی ہے کہ وہ ایسے وقت میں آئے گا جبکہ مغربی ممالک کے لوگ نہایت تاریکی میں پڑے ہوں گے اور آفتابِ صداقت اُن کے سامنے سے بالکل ڈوب جائے گا اور ایک گندے اور بدبودار چشمہ میں ڈوبے گا یعنی بجائے سچائی کے بدبودار عقائد اور اعمال اُن میں پھیلے ہوئے ہوں گے۔ اور وہی ان کا پانی ہوگا جس کو وہ پیتے ہوں گے۔ اور روشنی کا نام و نشان نہیں ہوگا تاریکی میں پڑے ہوں گے اور ظاہر ہے کہ یہی حالت عیسائی مذہب کی آج کل ہے جیسا کہ قرآن شریف نے ظاہر فرمایا ہے اور عیسائیت کا بھاری مرکز ممالک مغربیہ ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا كَذٰلِكَ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا[1] یعنی پھر ذوالقرنین جو مسیح موعود ہے جس کو ہر ایک سامان عطا کیا جائے گا ایک اور سامان کے پیچھے پڑے گا یعنی ممالک مشرقیہ کے لوگوں کی حالت پر نظر ڈالے گا اور وہ جگہ جس سے سچائی کا آفتاب نکلتا ہے اس کو ایسا پائے گا کہ ایک ایسی نادان قوم پر آفتاب نکلا ہے جن کے پاس دھوپ سے بچنے کے لئے کوئی بھی سامان نہیں یعنی وہ لوگ ظاہر پرستی اور افراط کی دھوپ سے جلتے ہوں گے اور حقیقت سے بے خبر ہوں گے اور ذوالقرنین یعنی مسیح موعود کے پاس حقیقی راحت کا سامان سب کچھ ہوگا جس کو ہم خوب جانتے ہیں مگر وہ لوگ قبول نہیں کریں گے اور وہ لوگ افراط کی دھوپ سے بچنے کے لئے کچھ بھی پناہ نہیں رکھتے ہوں گے۔ نہ گھر نہ سایہ دار درخت نہ کپڑے جو گرمی سے بچا سکیں اس لئے آفتاب صداقت جو طلوع کرے گا اُن کی ہلاکت کا موجب ہو جائے گا۔ یہ اُن لوگوں کے لئے ایک مثال ہے جو آفتاب ہدایت کی روشنی تو اُن کے سامنے موجود ہے اور اُس گروہ کی طرح نہیں ہیں جن کا آفتاب غروب ہو چکا ہے لیکن ان لوگوں کو اس آفتاب ہدایت سے بجز اس کے کوئی فائدہ نہیں کہ دھوپ سے چمڑا اُن کا جل جائے اور رنگ سیاہ ہو جائے اور آنکھوں کی

﴿۹۳﴾

[1] الکھف: ۹۰-۹۲

روشنی بھی جاتی رہے☆۔ اس تقسیم سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسیح موعود کا اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے کے لئے تین قسم کا دورہ ہوگا۔ اوّل[۱] اس قوم پر نظر ڈالے گا جو آفتاب ہدایت کو کھو بیٹھے ہیں اور ایک تاریکی اور کیچڑ کے چشمہ میں بیٹھے ہیں۔ دوسرا[۲] دورہ اس کا ان لوگوں پر ہوگا جو ننگ دھڑنگ آفتاب کے سامنے بیٹھے ہیں۔ یعنی ادب سے اور حیا سے اور تواضع سے اور نیک ظن سے کام نہیں لیتے نرے ظاہر پرست ہیں گویا آفتاب کے ساتھ لڑنا چاہتے ہیں سو وہ بھی فیض آفتاب سے بے نصیب ہیں اور ان کو آفتاب سے بجز جلنے کے اور کوئی حصہ نہیں۔ یہ ان مسلمانوں کی طرف اشارہ ہے جن میں مسیح موعود ظاہر تو ہوا مگر وہ انکار اور مقابلہ سے پیش آئے اور حیا اور ادب اور حسن ظن سے کام نہ لیا اس لئے سعادت سے محروم رہ گئے بعد اس کے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَیۡنَ السَّدَّیۡنِ وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِہِمَا قَوۡمًا ۙ لَّا یَکَادُوۡنَ یَفۡقَہُوۡنَ قَوۡلًا قَالُوۡا یٰذَا الۡقَرۡنَیۡنِ اِنَّ یَاۡجُوۡجَ وَمَاۡجُوۡجَ مُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَہَلۡ نَجۡعَلُ لَکَ خَرۡجًا عَلٰۤی اَنۡ تَجۡعَلَ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَہُمۡ سَدًّا قَالَ مَا مَکَّنِّیۡ فِیۡہِ رَبِّیۡ خَیۡرٌ فَاَعِیۡنُوۡنِیۡ بِقُوَّۃٍ اَجۡعَلۡ بَیۡنَکُمۡ وَبَیۡنَہُمۡ رَدۡمًا اٰتُوۡنِیۡ زُبَرَ الۡحَدِیۡدِ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیۡنَ الصَّدَفَیۡنِ قَالَ انۡفُخُوۡا حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَہٗ نَارًا قَالَ اٰتُوۡنِیۡۤ اُفۡرِغۡ عَلَیۡہِ قِطۡرًا فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ یَّظۡہَرُوۡہُ وَمَا اسۡتَطَاعُوۡا لَہٗ نَقۡبًا قَالَ ہٰذَا رَحۡمَۃٌ مِّنۡ رَّبِّیۡ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّیۡ جَعَلَہٗ دَکَّآءَ وَکَانَ وَعۡدُ رَبِّیۡ حَقًّا وَتَرَکۡنَا بَعۡضَہُمۡ یَوۡمَئِذٍ یَّمُوۡجُ فِیۡ بَعۡضٍ وَّنُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَجَمَعۡنٰہُمۡ جَمۡعًا وَّعَرَضۡنَا جَہَنَّمَ یَوۡمَئِذٍ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ عَرۡضَا الَّذِیۡنَ کَانَتۡ اَعۡیُنُہُمۡ فِیۡ غِطَآءٍ عَنۡ ذِکۡرِیۡ وَکَانُوۡا لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ سَمۡعًا اَفَحَسِبَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا عِبَادِیۡ مِنۡ دُوۡنِیۡۤ اَوۡلِیَآءَ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا جَہَنَّمَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ نُزُلًا ۔[۱]

﴿۹۴﴾

☆ اس جگہ خدا تعالیٰ کو یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ مسیح موعود کے وقت تین گروہ ہوں گے۔ ایک گروہ تفریط کی راہ لے گا۔ جو روشنی کو بالکل کھو بیٹھے گا۔ اور دوسرا گروہ افراط کی راہ اختیار کرے گا جو تواضع اور انکسار اور فروتنی سے روشنی سے فائدہ نہیں اٹھائے گا بلکہ خیرہ طبع ہو کر مقابلہ کرنے والے کی طرح روحانی دھوپ کے سامنے محض برہنہ ہونے کی حالت میں کھڑا ہوگا۔ مگر تیسرا گروہ میانہ حالت میں ہوگا۔ وہ مسیح موعود سے چاہیں گے کہ کسی طرح یاجوج ماجوج کے حملوں سے بچ جائیں اور یاجوج ماجوج اجیج کے لفظ سے نکلا ہے۔ یعنی وہ قوم جو آگ کے استعمال کرنے میں ماہر ہے۔ منہ

[۱] الکہف: ۹۳ تا ۱۰۳

پھر ذوالقرنین یعنی مسیح موعود ایک اور سامان کے پیچھے پڑے گا۔ اور جب وہ ایک ایسے موقعہ پر پہنچے گا یعنی جب وہ ایک ایسا نازک زمانہ پائے گا جس کو بین السدّین کہنا چاہیئے یعنی دو پہاڑوں کے بیچ مطلب یہ کہ ایسا وقت پائے گا جب کہ دوطرفہ خوف میں لوگ پڑے ہوں گے اور ضلالت کی طاقت حکومت کی طاقت کے ساتھ مل کر خوفناک نظارہ دکھائے گی تو ان دونوں طاقتوں کے ماتحت ایک قوم کو پائے گا جو اُس کی بات کو مشکل سے سمجھیں گے یعنی غلط خیالات میں مبتلا ہوں گے اور بباعث غلط عقائد مشکل سے اُس ہدایت کو سمجھیں گے جو وہ پیش کرے گا لیکن آخر کار سمجھ لیں گے اور ہدایت پالیں گے اور یہ تیسری قوم ہے جو مسیح موعود کی ہدایات سے فیض یاب ہوں گے تب وہ اس کو کہیں گے کہ اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج نے زمین پر فساد مچا رکھا ہے پس اگر آپ کی مرضی ہو تو ہم آپ کے لئے چندہ جمع کر دیں تا آپ ہم میں اور ان میں کوئی روک بنا دیں۔ وہ جواب میں کہے گا کہ جس بات پر خدا نے مجھے قدرت بخشی ہے وہ تمہارے چندوں سے بہتر ہے ہاں اگر تم نے کچھ مدد کرنی ہو تو اپنی طاقت کے موافق کرو تا میں تم مَیں اور ان میں ایک دیوار کھینچ دوں۔ یعنی ایسے طور پر اُن پر حجت پوری کروں کہ وہ کوئی طعن تشنیع اور اعتراض کا تم پر حملہ نہ کر سکیں۔ لوہے کی سلیں مجھے لا دو تا آمد و رفت کی راہوں کو بند کیا جائے یعنی اپنے تئیں میری تعلیم اور دلائل پر مضبوطی سے قائم کرو اور پوری استقامت اختیار کرو اور اس طرح پر خود لوہے کی سِل بن کر مخالفانہ حملوں کو روکو اور پھر سلوں میں آگ پھونکو جب تک کہ وہ خود آگ بن جائیں۔ یعنی محبت الٰہی اس قدر اپنے اندر بھڑکاؤ کہ خود الٰہی رنگ اختیار کرو۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ سے کمال محبت کی یہی علامت ہے کہ محبّ میں ظلی طور پر الٰہی صفات پیدا ہو جائیں۔ اور جب تک ایسا ظہور میں نہ آوے تب تک دعویٔ محبت جھوٹ ہے۔ محبت کاملہ کی مثال بعینہٖ لوہے کی وہ حالت ہے جب کہ وہ آگ میں ڈالا جائے اور اس قدر آگ اُس میں اثر کرے کہ وہ خود آگ بن جائے۔ پس اگرچہ وہ اپنی اصلیت میں لوہا ہے

آگ نہیں ہے مگر چونکہ آگ نہایت درجہ اس پر غلبہ کر گئی ہے اس لئے آگ کے صفات اُس سے ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ آگ کی طرح جلا سکتا ہے۔ آگ کی طرح اس میں روشنی ہے۔ پس محبت الٰہیہ کی حقیقت یہی ہے کہ انسان اس رنگ سے رنگین ہو جائے اور اگر اسلام اس حقیقت تک پہنچا نہ سکتا تو وہ کچھ چیز نہ تھا لیکن اسلام اس حقیقت تک پہنچاتا ہے۔ اوّل انسان کو چاہیئے کہ لوہے کی طرح اپنی استقامت اور ایمانی مضبوطی میں بن جائے کیونکہ اگر ایمانی حالت خس وخاشاک کی طرح ہے تو آگ اُس کو چھوتے ہی بھسم کر دے گی۔ پھر کیونکر وہ آگ کا مظہر بن سکتا ہے۔ افسوس بعض نادانوں نے عبودیّت کے اُس تعلق کو جو ربوبیّت کے ساتھ ہے جس سے ظلّی طور پر صفاتِ الٰہیہ بندہ میں پیدا ہوتے ہیں نہ سمجھ کر میری اس وحی من اللہ پر اعتراض کیا ہے کہ اِنَّما امرک اذا اردتَ شیئًا ان تقول له کُنْ فیکون۔ یعنی تیری یہ بات ہے کہ جب تو ایک بات کو کہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے جو میرے پر نازل ہوا یہ میری طرف سے نہیں ہے اور اس کی تصدیق اکابر صوفیہ اسلام کر چکے ہیں جیسا کہ سید عبد القادر جیلانی ؒ نے بھی فتوح الغیب میں یہی لکھا ہے اور عجیب تر یہ کہ سید عبد القادر جیلانی ؒ نے بھی یہی آیت پیش کی ہے۔ افسوس لوگوں نے صرف رسمی ایمان پر کفایت کر لی ہے اور پوری معرفت کی طلب ان کے نزدیک کفر ہے اور خیال کرتے ہیں کہ یہی ہمارے لئے کافی ہے حالانکہ وہ کچھ بھی چیز نہیں اور اس سے منکر ہیں کہ کسی سے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کا مکالمہ مخاطبہ یقینی اور واقعی طور پر ہو سکتا ہے۔ ہاں اس قدر اُن کا خیال ہے کہ دلوں میں القا تو ہوتا ہے مگر نہیں معلوم کہ وہ القا شیطانی ہے یا رحمانی ہے اور نہیں سمجھتے کہ ایسے القا سے ایمانی حالت کو فائدہ کیا ہوا اور کونسی ترقی ہوئی بلکہ ایسا القا تو ایک سخت ابتلا ہے جس میں معصیت کا اندیشہ یا ایمان جانے کا خطرہ ہے کیونکہ اگر ایسی مشتبہ وحی میں جو نہیں معلوم شیطان سے ہے یا رحمان سے ہے کسی کو تاکیدی حکم ہو کہ یہ کام کر تو اگر اس نے وہ کام نہ کیا اس خیال سے کہ شاید یہ شیطان نے حکم دیا ہے

اور دراصل وہ خدا کا حکم تھا تو یہ انحراف موجب معصیت ہوا۔ اور اگر اُس حکم کو بجالایا اور اصل میں شیطان کی طرف سے وہ حکم تھا تو اس سے ایمان گیا۔ پس ایسے الہام پانے والوں سے وہ لوگ اچھے رہے جو ایسے خطرناک الہامات سے جن میں شیطان بھی حصہ دار ہوسکتا ہے۔ محروم ہیں۔ ایسے عقیدہ کی حالت میں عقل بھی کوئی فیصلہ نہیں کرسکتی ممکن ہے کہ کوئی الہام الٰہی ایسا ہو جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا تھا جس کی تعمیل میں اس کے بچہ کی جان خطرہ میں پڑتی تھی یا جیسا کہ خضر علیہ السلام کا الہام تھا جس نے بظاہر حال ایک نفس زکیہ کا ناحق خون کیا اور چونکہ ایسے امور بظاہر شریعت کے برخلاف ہیں اس لئے شیطانی دخل کے احتمال سے کون ان پر عمل کرے گا اور بوجہ عدم تعمیل معصیت میں گرے گا۔ اور ممکن ہے کہ شیطان لعین کوئی ایسا حکم دے کہ بظاہر شریعت کے مخالف معلوم نہ ہو اور دراصل بہت فتنہ اور تباہی کا موجب ہو یا پوشیدہ طور پر ایسے امور ہوں جو موجب سلبِ ایمان ہوں۔ پس ایسے مکالمہ مخاطبہ سے فائدہ کیا ہوا۔ ﴿۹۶﴾

پھر آیاتِ متذکرہ بالا کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ذوالقرنین یعنی مسیح موعود اس قوم کو جو یاجوج ماجوج سے ڈرتی ہے کہے گا کہ مجھے تانبا لادو کہ مَیں اس کو پگھلا کر اُس دیوار پر انڈیل دوں گا۔ پھر بعد اس کے یاجوج ماجوج طاقت نہیں رکھیں گے کہ ایسی دیوار پر چڑھ سکیں یا اس میں سوراخ کرسکیں۔ یاد رہے کہ لوہا اگرچہ بہت دیر تک آگ میں رہ کر آگ کی صورت اختیار کرلیتا ہے مگر مشکل سے پگھلتا ہے مگر تانبا جلد پگھل جاتا ہے اور سالک کے لئے خدا تعالیٰ کی راہ میں پگھلنا بھی ضروری ہے۔ پس یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایسے مستعد دل اور نرم طبیعتیں لاؤ کہ جو خدا تعالیٰ کے نشانوں کو دیکھ کر پگھل جائیں کیونکہ سخت دلوں پر خدا تعالیٰ کے نشان کچھ اثر نہیں کرتے لیکن انسان شیطانی حملے سے تب محفوظ ہوتا ہے کہ اول استقامت میں لوہے کی طرح ہو

اور پھر وہ لوہا خدا تعالیٰ کی محبت کی آگ سے آگ کی صورت پکڑ لے اور پھر دل پگھل کر اس لوہے پر پڑے اور اس کو منتشر اور پراگندہ ہونے سے تھام لے۔ سلوک تمام ہونے کے لئے یہ تین ہی شرطیں ہیں جو شیطانی حملوں سے محفوظ رہنے کیلئے سدِّ سکندری ہیں اور شیطانی رُوح اس دیوار پر چڑھ نہیں سکتی اور نہ اس میں سوراخ کرسکتی ہے۔ اور پھر فرمایا کہ یہ خدا کی رحمت سے ہوگا اور اس کا ہاتھ یہ سب کچھ کرے گا۔ انسانی منصوبوں کا اس میں دخل نہیں ہوگا۔ اور جب قیامت کے دن نزدیک آجائیں گے تو پھر دوبارہ فتنہ برپا ہو جائے گا یہ خدا کا وعدہ ہے اور پھر فرمایا کہ ذوالقرنین کے زمانہ میں جو مسیح موعود ہے ہر ایک قوم اپنے مذہب کی حمایت میں اُٹھے گی اور جس طرح ایک موج دوسری موج پر پڑتی ہے ایک دوسرے پر حملہ کریں گے اتنے میں آسمان پر قرناء پھونکی جائے گی یعنی آسمان کا خدا مسیح موعود کو مبعوث فرما کر ایک تیسری قوم پیدا کردے گا اور ان کی مدد کے لئے بڑے بڑے نشان دکھلائے گا یہاں تک کہ تمام سعید لوگوں کو ایک مذہب پر یعنی اسلام پر جمع کردے گا۔ اور وہ مسیح کی آواز سنیں گے اور اس کی طرف دوڑیں گے تب ایک ہی چوپان اور ایک ہی گلہ ہوگا اور وہ دن بڑے سخت ہوں گے۔ اور خدا ہیبت ناک نشانوں کے ساتھ اپنا چہرہ ظاہر کردے گا۔ اور جو لوگ کفر پر اصرار کرتے ہیں وہ اسی دنیا میں بباعث طرح طرح کی بلاؤں کے دوزخ کا منہ دیکھ لیں گے۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کی آنکھیں میری کلام سے پردہ میں تھیں اور جن کے کان میرے حکم کو سن نہیں سکتے تھے کیا ان منکروں نے یہ گمان کیا تھا کہ یہ امر سہل ہے کہ عاجز بندوں کو خدا بنا دیا جائے اور میں معطل ہو جاؤں اس لئے ہم ان کی ضیافت کے لئے اِسی دنیا میں جہنم کو نمودار کردیں گے۔ یعنی بڑے بڑے ہولناک نشان ظاہر ہوں گے اور یہ سب نشان اس کے مسیح موعود کی سچائی پر گواہی دیں گے۔ اُس کریم کے فضل کو دیکھو کہ یہ انعامات اِس مُشتِ خاک پر ہیں جس کو مخالف کافر اور دجّال کہتے ہیں۔

﴿۹۷﴾

اے خدا اے کارساز و عیب پوش و کردگار
اے مرے پیارے مرے محسن مرے پروردگار

کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر و سپاس
وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار

بدگمانوں سے بچایا مجھ کو خود بن کر گواہ
کر دیا دشمن کو اک حملہ سے مغلوب اور خوار

کام جو کرتے ہیں تیری رہ میں پاتے ہیں جزا
مجھ سے کیا دیکھا کہ یہ لطف و کرم ہے بار بار

تیرے کاموں سے مجھے حیرت ہے اے میرے کریم
کس عمل پر مجھ کو دی ہے خلعتِ قرب و جوار

کرم خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

یہ سراسر فضل و احساں ہے کہ میں آیا پسند
ورنہ درگہ میں تیری کچھ کم نہ تھے خدمت گذار

دوستی کا دم جو بھرتے تھے وہ سب دشمن ہوئے
پر نہ چھوڑا ساتھ تو نے اے میرے حاجت برار

اے مرے یارِ یگانہ اے مری جاں کی پنہ
بس ہے تو میرے لئے مجھ کو نہیں تجھ بن بکار

میں تو مرکر خاک ہوتا گر نہ ہوتا تیرا لطف
پھر خدا جانے کہاں یہ پھینک دی جاتی غبار

اے فدا ہو تیری راہ میں میرا جسم و جان و دل
میں نہیں پاتا کہ تجھ سا کوئی کرتا ہو پیار

ابتدا سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے
گود میں تیری رہا میں مثلِ طفلِ شیر خوار

نسلِ انساں میں نہیں دیکھی وفا جو تجھ میں ہے
تیرے بن دیکھا نہیں کوئی بھی یارِ غمگسار

لوگ کہتے ہیں کہ نالائق نہیں ہوتا قبول
میں تو نالائق بھی ہوکر پا گیا درگہ میں بار

اس قدر مجھ پر ہوئیں تیری عنایات و کرم
جن کا مشکل ہے کہ تا روزِ قیامت ہو شمار

آسماں میرے لئے تو نے بنایا اِک گواہ
چاند اور سورج ہوئے میرے لئے تاریک و تار

تو نے طاعوں کو بھی بھیجا میری نصرت کے لئے
تا وہ پورے ہوں نشاں جو ہیں سچائی کا مدار

ہوگئے بیکار سب حیلے جب آئی وہ بلا
ساری تدبیروں کا خاکہ اُڑ گیا مثلِ غبار

سرزمین ہند میں ایسی ہے شہرت مجھ کو دی
جیسے ہووے برق کا اک دم میں ہرجا انتشار

﴿۹۸﴾

پھر دوبارہ ہے اُتارا تو نے آدم کو یہاں
تا وہ نخلِ راستی اس ملک میں لاوے ثمار

لوگ سَو بک بک کریں پر تیرے مقصد اور ہیں
تیری باتوں کے فرشتے بھی نہیں ہیں راز دار

ہاتھ میں تیرے ہے ہر خُسران و نفع و عُسر و یُسر
تو ہی کرتا ہے کسی کو بے نوا یا بختیار

جس کو چاہے تختِ شاہی پر بٹھا دیتا ہے تو
جس کو چاہے تخت سے نیچے گرا دے کر کے خوار

میں بھی ہوں تیرے نشانوں سے جہاں میں اک نشاں
جس کو تو نے کردیا ہے قوم و دیں کا افتخار

فانیوں کی جاہ و حشمت پر بلا آوے ہزار
سلطنت تیری ہے جو رہتی ہے دائم برقرار

عزت و ذلّت یہ تیرے حکم پر موقوف ہیں
تیرے فرماں سے خزاں آتی ہے اور بادِ بہار

میرے جیسے کو جہاں میں تو نے روشن کردیا
کون جانے اے مرے مالک ترے بھیدوں کی سار

تیرے اے میرے مُربّی کیا عجائب کام ہیں
گرچہ بھاگیں جبر سے دیتا ہے قسمت کے ثمار

ابتدا سے گوشۂ خلوت رہا مجھ کو پسند
شہرتوں سے مجھ کو نفرت تھی ہر اک عظمت سے عار

پر مجھے تو نے ہی اپنے ہاتھ سے ظاہر کیا
میں نے کب مانگا تھا یہ تیرا ہی ہے سب برگ و بار

اس میں میرا جرم کیا جب مجھ کو یہ فرماں ملا
کون ہوں تا رد کروں حکمِ شہِ ذِی الاِقتدار

اب تو جو فرماں ملا اُس کا ادا کرنا ہے کام
گرچہ میں ہوں بس ضعیف و ناتواں و دل فگار

دعوتِ ہر ہرزہ گو کچھ خدمتِ آساں نہیں
ہر قدم میں کوہِ ماراں ہر گذر میں دشتِ خار

چرخ تک پہنچے ہیں میرے نعرہ ہائے روز و شب
پر نہیں پہنچی دلوں تک جاہلوں کے یہ پکار

قبضۂ تقدیر میں دل ہیں اگر چاہے خدا
پھیر دے میری طرف آجائیں پھر بے اختیار

گر کرے مُعجز نمائی ایک دم میں نرم ہو
وہ دلِ سنگیں جو ہووے مثلِ سنگ کوہسار

ہائے میری قوم نے تکذیب کرکے کیا لیا
زلزلوں سے ہوگئے صدہا مساکن مثلِ غار

شرط تقویٰ تھی کہ وہ کرتے نظر اس وقت پر
شرط یہ بھی تھی کہ کرتے صبر کچھ دن اور قرار

﴿۹۹﴾

کیا وہ سارے مرحلے طے کر چکے تھے علم کے
کیا نہ تھی آنکھوں کے آگے کوئی رہ تاریک و تار

دل میں جو ارماں تھے وہ دل میں ہمارے رہ گئے
دشمن جاں بن گئے جن پر نظر تھی بار بار

ایسے کچھ بگڑے کہ اب بننا نظر آتا نہیں
آہ کیا سمجھے تھے ہم اور کیا ہوا ہے آشکار

کس کے آگے ہم کہیں اِس دردِ دل کا ماجرا
اُن کو ہے ملنے سے نفرت بات سننا درکنار

کیا کروں کیونکر کروں مَیں اپنی جاں زیر و زبر
کس طرح میری طرف دیکھیں جو رکھتے ہیں نقار

اِس قدر ظاہر ہوئے ہیں فضلِ حق سے معجزات
دیکھنے سے جن کے شیطاں بھی ہوا ہے دلفگار

پر نہیں اکثر مخالف لوگوں کو شرم و حیا
دیکھ کر سو سو نشاں پھر بھی ہے توہیں کاروبار

صاف دل کو کثرتِ اعجاز کی حاجت نہیں
اِک نشاں کافی ہے گر دل میں ہے خوفِ کردگار

دن چڑھا ہے دشمنانِ دیں کا ہم پر رات ہے
اے مرے سورج نکل باہر کہ میں ہوں بیقرار

اے مرے پیارے فدا ہو تجھ پہ ہر ذرّہ مرا
پھیر دے میری طرف اے سارباں جگ کی مہار

کچھ خبر لے تیرے کوچہ میں یہ کس کا شور ہے
خاک میں ہوگا یہ سر گر تو نہ آیا بن کے یار

فضل کے ہاتھوں سے اب اِسوقت کر میری مدد
کشتیٔ اسلام تا ہو جائے اس طوفاں سے پار

میرے سُقم و عَیب سے اب کیجئے قطعِ نظر
تا نہ خوش ہو دشمنِ دیں جس پہ ہے لعنت کی مار

میرے زخموں پر لگا مرہم کہ میں رنجور ہوں
میری فریادوں کو سن میں ہو گیا زار و نزار

دیکھ سکتا ہی نہیں میں ضُعفِ دینِ مصطفیٰ
مجھ کو کر اے میرے سلطاں کامیاب و کامگار

کیا سُلائے گا مجھے تو خاک میں قبل از مراد
یہ تو تیرے پر نہیں امید اے میرے حصار

یا الٰہی فضل کر اسلام پر اور خود بچا
اس شکستہ ناؤ کے بندوں کے اب سن لے پکار

قوم میں فسق و فجور و معصیت کا زور ہے
چھا رہا ہے ابرِ یاس اور رات ہے تاریک و تار

ایک عالم مرگیا ہے تیرے پانی کے بغیر
پھیر دے اب میرے مولیٰ اس طرف دریا کی دھار

﴿۱۰۰﴾

اب نہیں ہیں ہوش اپنے اِن مصائب میں بجا
رحم کر بندوں پہ اپنے تا وہ ہوویں رستگار

کس طرح نپٹیں کوئی تدبیر کچھ بنتی نہیں
بے طرح پھیلی ہیں یہ آفات ہر سو ہر کنار

ڈوبنے کو ہے یہ کشتی آمرے اے ناخدا
آ گیا اِس قوم پر وقتِ خزاں اندر بہار

نورِ دل جاتا رہا اور عقل موٹی ہوگئی
اپنی کج رائی پہ ہر دل کر رہا ہے اعتبار

جس کو ہم نے قطرۂ صافی تھا سمجھا اور تقی
غور سے دیکھا تو کیڑے اُس میں بھی پائے ہزار

دوربینِ معرفت سے گند نکلا ہر طرف
اس وبا نے کھا لئے ہر شاخِ ایمان کے ثمار

اے خدا بن تیرے ہو یہ آبپاشی کس طرح
جل گیا ہے باغِ تقویٰ دیں کی ہے اب اک مزار

تیرے ہاتھوں سے مرے پیارے اگر کچھ ہو تو ہو
ورنہ فتنہ کا قدم بڑھتا ہے ہر دم سیل وار

اِک نشاں دکھلا کہ اب دیں ہوگیا ہے بے نشاں
اِک نظر کر اس طرف تا کچھ نظر آوے بہار

کیا کہوں دنیا کے لوگوں کی کہ کیسے سوگئے
کسقدر ہے حق سے نفرت اور ناحق سے پیار

عقل پر پردے پڑے سو سو نشاں کو دیکھ کر
نور سے ہو کر الگ چاہا کہ ہوویں اہلِ نار

گر نہ ہوتی بدگمانی کفر بھی ہوتا فنا
اُس کا ہووے ستیاناس اِس سے بگڑے ہوشیار

بدگمانی سے تو رائی کے بھی بنتے ہیں پہاڑ
پَر کے اک ریشہ سے ہو جاتی ہے کوّوں کی قطار

حد سے کیوں بڑھتے ہو لوگو کچھ کرو خوفِ خدا
کیا نہیں تم دیکھتے نصرت خدا کی بار بار

کیا خدا نے اتقیا کی عون و نصرت چھوڑ دی
ایک فاسق اور کافر سے وہ کیوں کرتا ہے پیار

ایک بدکردار کی تائید میں اتنے نشاں
کیوں دکھاتا ہے وہ کیا ہے بدکنوں کا رشتہ دار

کیا بدلتا ہے وہ اب اس سنت و قانون کو
جس کا تھا پابند وہ از ابتدائے روزگار

آنکھ گر پھوٹی تو کیا کانوں میں بھی کچھ پڑ گیا
کیا خدا دھوکے میں ہے اور تم ہو میرے راز دار

جس کے دعوٰی کی سراسر افترا پر ہے بِنا
اُس کی یہ تائید ہو پھر جھوٹ سچ میں کیا نکھار

﴿۱۰۱﴾

کیا خدا بھولا رہا تم کو حقیقت مل گئی
کیا رہا وہ بے خبر اور تم نے دیکھا حالِ زار

بدگمانی نے تمہیں مجنون و اندھا کردیا
ورنہ تھے میری صداقت پر براہیں بیشمار

جہل کی تاریکیاں اور سوءِ ظن کی تند باد
جب اکٹھے ہوں تو پھر ایماں اُڑے جیسے غبار

زہر کے پینے سے کیا انجام جز موت و فنا
بدگمانی زہر ہے اس سے بچو اے دیں شعار

کانٹے اپنی راہ میں بوتے ہیں ایسے بدگمان
جن کی عادت میں نہیں شرم و شکیب و اصطبار

یہ غلط کاری بشر کی بدنصیبی کی ہے جڑ
پر مقدر کو بدل دینا ہے کس کے اختیار

سخت جاں ہیں ہم کسی کے بغض کی پروا نہیں
دل قوی رکھتے ہیں ہم دردوں کی ہے ہم کو سہار

جو خدا کا ہے اُسے للکارنا اچھا نہیں
ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبۂ زار و نزار

ہے سرِ رہ پر مرے وہ خود کھڑا مولیٰ کریم
پس نہ بیٹھو میری رہ میں اے شریرانِ دیار

سنت اللہ ہے کہ وہ خود فرق کو دکھلائے ہے
تا عیاں ہو کون پاک اور کون ہے مُردار خوار

مجھ کو پردے میں نظر آتا ہے اِک میرا معیں
تیغ کو کھینچے ہوئے اُس پر جو کرتا ہے وہ وار

دشمنِ غافل اگر دیکھے وہ بازو وہ سلاح
ہوش ہو جائیں خطا اور بھول جائے سب نقار

اس جہاں کا کیا کوئی داور نہیں اور داد گر
پھر شریرالنفس ظالم کو کہاں جائے فرار

کیوں عجب کرتے ہو گر میں آگیا ہوکر مسیح
خود مسیحائی کا دم بھرتی ہے یہ بادِ بہار

آسماں پر دعوتِ حق کیلئے اک جوش ہے
ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اُتار

آرہا ہے اس طرف احرارِ یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مردوں کی ناگہ زندہ وار

کہتے ہیں تثلیث کو اب اہل دانش الوداع
پھر ہوئے ہیں چشمۂ توحید پر از جاں نثار

باغ میں ملّت کے ہے کوئی گل رعنا کھلا
آئی ہے بادِ صبا گلزار سے مستانہ وار

آرہی ہے اب تو خوشبو میرے یوسف کی مجھے
گو کہو دیوانہ میں کرتا ہوں اُس کا انتظار

﴿۱۰۲﴾

ہر طرف ہر ملک میں ہے بت پرستی کا زوال ۔ کچھ نہیں انساں پرستی کو کوئی عزّ و وقار

آسماں سے ہے چلی توحیدِ خالق کی ہوا ۔ دل ہمارے ساتھ ہیں گو مُنہ کریں بک بک ہزار

اسمعوا صوت السّما جاء المسیح جاء المسیح ۔ نیز بشنو از زمیں آمد امامِ کامگار

آسماں بارد نشان الوقت مے گوید زمیں ۔ ایں دو شاہد از پئے من نعرہ زن چُوں بیقرار

اب اِسی گلشن میں لوگو راحت و آرام ہے ۔ وقت ہے جلد آؤ اے آوارگانِ دشتِ خار

اِک زماں کے بعد اب آئی ہے یہ ٹھنڈی ہوا ۔ پھر خدا جانے کہ کب آویں یہ دن اور یہ بہار

اے مکذّب کوئی اس تکذیب کا ہے انتہا ۔ کب تلک تو خوئے شیطاں کو کرے گا اختیار

ملّت احمد کی مالک نے جو ڈالی تھی بِنا ۔ آج پوری ہو رہی ہے اے عزیزانِ دیار

گلشنِ احمد بنا ہے مسکنِ بادِ صبا ۔ جس کی تحریکوں سے سنتا ہے بشر گفتارِ یار

ورنہ وہ ملّت وہ رہ وہ رسم وہ دیں چیز کیا ۔ سایہ افگن جس پہ نورِ حق نہیں خورشید وار

دیکھ کر لوگوں کے کینے دل مرا خوں ہو گیا ۔ قصد کرتے ہیں کہ ہو پامال درِ شاہوار

ہم تو ہر دم چڑھ رہے ہیں اک بلندی کی طرف ۔ وہ بلاتے ہیں کہ ہو جائیں نہاں ہم زیرِ غار

نُورِ دل جاتا رہا اِک رسم دیں کی رَہ گئی ۔ پھر بھی کہتے ہیں کہ کوئی مصلحِ دیں کیا بکار

راگ وہ گاتے ہیں جس کو آسماں گاتا نہیں ۔ وہ ارادے ہیں کہ جو ہیں برخلافِ شہریار

ہائے مارِ آستیں وہ بن گئے دیں کے لئے ۔ وہ تو فربہ ہو گئے پر دیں ہوا زار و نزار

اِن غموں سے دوستو خم ہو گئی میری کمر ۔ میں تو مرجاتا اگر ہوتا نہ فضلِ کردگار

اِس تپش کو میری وہ جانے کہ رکھتا ہے تپش ۔ اِس اَلَم کو میرے وہ سمجھے کہ ہے وہ دِلفگار

کون روتا ہے کہ جس سے آسماں بھی رو پڑا ۔ مہر و ماہ کی آنکھ غم سے ہوگئی تاریک و تار

مفتری کہتے ہوئے ان کو حیا آتی نہیں ۔ کیسے عالم ہیں کہ اُس عالم سے ہیں یہ برکنار

﴿۱۰۳﴾

غیر کیا جانے کہ دلبر سے ہمیں کیا جوڑ ہے
وہ ہمارا ہو گیا اس کے ہوئے ہم جاں نثار

میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں
نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بیشمار

اِک شجر ہوں جس کو داؤدی صفت کے پھل لگے
میں ہوا داؤد اور جالوت ہے میرا شکار

پر مسیحا بن کے میں بھی دیکھتا روئے صلیب
گر نہ ہوتا نام احمد جس پہ میرا سب مدار

دشمنو! ہم اس کی رہ میں مر رہے ہیں ہر گھڑی
کیا کرو گے تم ہماری نیستی کا انتظار

سر سے میرے پاؤں تک وہ یار مجھ میں ہے نہاں
اے مرے بدخواہ کرنا ہوش کر کے مجھ پہ وار

کیا کروں تعریف حُسنِ یار کی اور کیا لکھوں
اک ادا سے ہو گیا میں سیلِ نفسِ دوں سے پار

اس قدر عرفاں بڑھا میرا کہ کافر ہو گیا
آنکھ میں اس کی کہ ہے وہ دور تر از صحنِ یار

اُس رُخِ روشن سے میری آنکھ بھی روشن ہوئی
ہو گئے اسرار اس دلبر کے مجھ پر آشکار

قوم کے لوگو! اِدھر آؤ کہ نکلا آفتاب
وادیٔ ظلمت میں کیا بیٹھے ہو تم لیل و نہار

کیا تماشا ہے کہ میں کافر ہوں تم مومن ہوئے
پھر بھی اس کافر کا حامی ہے وہ مقبولوں کا یار

کیا اچنبھی بات ہے کافر کی کرتا ہے مدد
وہ خدا جو چاہیئے تھا مومنوں کا دوستدار

اہلِ تقویٰ تھا کرم دیں بھی تمہاری آنکھ میں
جس نے ناحق ظلم کی رہ سے کیا تھا مجھ پہ وار

بے معاون مَیں نہ تھا تھی نُصرتِ حق میرے ساتھ
فتح کی دیتی تھی وحیِ حق بشارت بار بار

پر مجھے اُس نے نہ دیکھا آنکھ اُس کی بند تھی
پھر سزا پاکر لگایا سرمۂ دُنبالہ دار

نام بھی کذّاب اس کا دفتروں میں رہ گیا
اب مٹا سکتا نہیں یہ نام تا روزِ شمار

اب کہو کس کی ہوئی نُصرت جنابِ پاک سے
کیوں تمہارا متقی پکڑا گیا ہو کر کے خوار

پھر اِدھر بھی کچھ نظر کرنا خدا کے خوف سے
کیسے میرے یار نے مجھ کو بچایا بار بار

قتل کی ٹھانی شریروں نے چلائے تیرِ مکر
بن گئے شیطاں کے چیلے اور نسلِ ہونہار

﴿۱۰۴﴾

پھر لگایا ناخنوں تک زور بن کر اک گروہ
پر نہ آیا کوئی بھی منصوبہ اُن کو ساز وار

ہم نگہ میں اُن کی دجّال اور بے ایماں ہوئے
آتشِ تکفیر کے اُڑتے رہے پیہم شرار

اب ذرہ سوچو دیانت سے کہ یہ کیا بات ہے
ہاتھ کس کا ہے کہ ردّ کرتا ہے وہ دشمن کا وار

کیوں نہیں تم سوچتے کیسے ہیں یہ پردے پڑے
دل میں اُٹھتا ہے مرے رہ رہ کے اب سَو سَو بخار

یہ اگر انساں کا ہوتا کاروبار اے ناقصاں
ایسے کاذب کے لئے کافی تھا وہ پروردگار

کچھ نہ تھی حاجت تمہاری نے تمہارے مکر کی
خود مجھے نابود کرتا وہ جہاں کا شہریار

پاک و برتر ہے وہ جھوٹوں کا نہیں ہوتا نصیر
ورنہ اُٹھ جائے اماں پھر سچے ہوویں شرمسار

اس قدر نصرت کہاں ہوتی ہے اک کذّاب کی
کیا تمہیں کچھ ڈر نہیں ہے کرتے ہو بڑھ بڑھ کے وار

ہے کوئی کاذب جہاں میں لاؤ لوگو کچھ نظیر
میرے جیسی جس کی تائیدیں ہوئی ہوں بار بار

آفتابِ صُبح نکلا اب بھی سوتے ہیں یہ لوگ
دن سے ہیں بیزار اور راتوں سے وہ کرتے ہیں پیار

روشنی سے بغض اور ظلمت پہ وہ قربان ہیں
ایسے بھی شپّر نہ ہوں گے گرچہ تم ڈھونڈو ہزار

سر پہ اک سورج چمکتا ہے مگر آنکھیں ہیں بند
مرتے ہیں بن آب وہ اور در پہ نہرِ خوشگوار

طرفہ کیفیت ہے اُن لوگوں کی جو منکر ہوئے
یوں تو ہر دم مشغلہ ہے گالیاں لیل و نہار

پر اگر پوچھیں کہ ایسے کاذبوں کے نام لو
جن کی نصرت سالہا سے کر رہا ہو کردگار

مردہ ہو جاتے ہیں اس کا کچھ نہیں دیتے جواب
زرد ہو جاتا ہے منہ جیسے کوئی ہو سوگوار

اُن کی قسمت میں نہیں دیں کے لئے کوئی گھڑی
ہوگئے مفتونِ دنیا دیکھ کر اُس کا سنگار

جی چُرانا راستی سے کیا یہ دیں کا کام ہے
کیا یہی ہے زہد و تقویٰ کیا یہی راہ خیار

کیا قسم کھائی ہے یا کچھ پیچ قسمت میں پڑا
روزِ روشن چھوڑ کر ہیں عاشقِ شب ہائے تار

انبیاء کے طور پر حجت ہوئی اُن پر تمام
اُن کے جو حملے ہیں اُن میں سب نبی ہیں حصہ دار

﴿۱۰۵﴾

میؔری نسبت جو کہیں کیں سے وہ سب پر آتا ہے
چھوڑ دیں گے کیا وہ سب کو کفر کر کے اختیار

مجھ کو کافر کہہ کے اپنے کفر پر کرتے ہیں مہر
یہ تو ہے سب شکل اُن کی ہم تو ہیں آئینہ وار

ساٹھ سے ہیں کچھ برس میرے زیادہ اس گھڑی
سال ہے اب تیسواں دعوے پہ از روئے شمار

تھا برس چالیس کا مَیں اس مسافر خانہ میں
جبکہ میں نے وحیِ ربّانی سے پایا افتخار

اس قدر یہ زندگی کیا افترا میں کٹ گئی
پھر عجب تر یہ کہ نصرت کے ہوئے جاری بحار

ہر قدم میں میرے مولیٰ نے دیئے مجھ کو نشاں
ہر عدو پر حجتِ حق کی پڑی ہے ذوالفقار

نعمتیں وہ دیں مرے مولیٰ نے اپنے فضل سے
جن سے ہیں معنیٔ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ آشکار

سایہ بھی ہو جائے ہے اوقاتِ ظلمت میں جدا
پر رہا وہ ہر اندھیرے میں رفیق و غمگسار

اس قدر نصرت تو کاذب کی نہیں ہوتی کبھی
گر نہیں باور نظیریں اس کی تم لاؤ دو چار

پھر اگر ناچار ہو اس سے کہ دو کوئی نظیر
اُس مہیمن سے ڈرو جو بادشاہ ہر دو دار

یہ کہاں سے سن لیا تم نے کہ تم آزاد ہو
کچھ نہیں تم پر عقوبت گو کرو عصیاں ہزار

نَعْرَۂ اِنَّا ظَلَمْنَا سنتِ ابرار ہے
زہر منہ کی مت دکھاؤ تم نہیں ہو نسلِ مار

جسم کو مَل مَل کے دھونا یہ تو کچھ مشکل نہیں
دل کو جو دھووے وہی ہے پاک نزدِ کردگار

اپنے ایماں کو ذرا پردہ اُٹھا کر دیکھنا
مجھ کو کافر کہتے کہتے خود نہ ہوں از اہلِ نار

گر حیا ہو سوچ کر دیکھیں کہ یہ کیا راز ہے
وہ مری ذلّت کو چاہیں پا رہا ہوں مَیں وقار

کیا بگاڑا اپنے مکروں سے ہمارا آج تک
اژدہا بن بن کے آئے ہوگئے پھر سُوسَمار

اے فقیہو عالمو مجھ کو سمجھ آتا نہیں
یہ نشانِ صدق پاکر پھر یہ کیں اور یہ نقار

صدق کو جب پایا اصحابِ رسول اللہ نے
اُس پہ مال و جان و تن بڑھ بڑھ کے کرتے تھے نثار

پھر عجب یہ علم۔ یہ تنقیدِ آثار و حدیث
دیکھ کر سَو سَو نشاں پھر کر رہے ہو تم فرار

﴿۱۰۶﴾

بحث کرنا تم سے کیا حاصل اگر تم میں نہیں / رُوحِ انصاف و خدا ترسی کہ ہے دیں کا مدار
کیا مجھے تم چھوڑتے ہو جاہِ دنیا کے لئے / جاہِ دنیا کب تلک دُنیا ہے خود ناپائیدار
کون درپردہ مجھے دیتا ہے ہر میدان میں فتح / کون ہے جو تم کو ہر دم کر رہا ہے شرمسار
تم تو کہتے تھے کہ یہ نابود ہو جائے گا جلد / یہ ہمارے ہاتھ کے نیچے ہے اِک اَدنیٰ شکار
بات پھر یہ کیا ہوئی کس نے مری تائید کی / خائب و خاسر رہے تم۔ ہوگیا مَیں کامگار
اِک زمانہ تھا کہ میرا نام بھی مستور تھا / قادیاں بھی تھی نہاں ایسی کہ گویا زیرِ غار
کوئی بھی واقف نہ تھا مجھ سے نہ میرا معتقد / لیکن اب دیکھو کہ چرچا کس قدر ہے ہر کنار
اُس زمانہ میں خدا نے دی تھی شہرت کی خبر / جوکہ اب پوری ہوئی بعد از مرورِ روزگار
کھول کر دیکھو براہیں جوکہ ہے میری کتاب / اُس میں ہے یہ پیشگوئی پڑھ لو اُس کو ایک بار
اب ذرہ سوچو کہ کیا یہ آدمی کا کام ہے / اِس قدر امرِ نہاں پر کس بشر کو اقتدار
قدرتِ رحمان و مکرِ آدمی میں فرق ہے / جو نہ سمجھے وہ غبی از فرق تا پا ہے حمار
سوچ لو اے سوچنے والو کہ اب بھی وقت ہے / راہِ حرماں چھوڑ دو رحمت کے ہو امیدوار
سوچ لو یہ ہاتھ کس کا تھا کہ میرے ساتھ تھا / کس کے فرماں سے میں مقصد پا گیا اور تم ہو خوار
یہ بھی کچھ ایماں ہے یارو ہم کو سمجھائے کوئی / جس کا ہر میداں میں پھل حرماں ہے اور ذلّت کی مار
غل مچاتے ہیں کہ یہ کافر ہے اور دجّال ہے / میں تو خود رکھتا ہوں اُن کے دیں سے اور ایماں سے عار
گر یہی دیں ہے جو ہے اُن کی خصائل سے عیاں / مَیں تو اِک کوڑی کو بھی لیتا نہیں ہوں زینہار
جان و دل سے ہم نثارِ ملّتِ اسلام ہیں / لیک دیں وہ رہ نہیں جس پر چلیں اہلِ نقار
واہ رے جوشِ جہالت خوب دکھلائے ہیں رنگ / جھوٹ کی تائید میں حملے کریں دیوانہ وار
نازمت کر اپنے ایماں پر کہ یہ ایماں نہیں / اس کو ہیرا مت گماں کر ہے یہ سنگِ کوہسار

پیٹنا ہوگا دو ہاتھوں سے کہ ہے ہے مر گئے | جب کہ ایماں کے تمہارے گند ہوں گے آشکار ﴿۱۰۷﴾

ہے یہ گھر گرنے پہ اے مغرور لے جلدی خبر | تا نہ دب جائیں ترے اہل و عیال و رشتہ دار

یہ عجب بدقسمتی ہے کس قدر دعوت ہوئی | پر اُترتا ہی نہیں ہے جامِ غفلت کا خُمار

ہوش میں آتے نہیں سو سو طرح کوشش ہوئی | ایسے کچھ سوئے کہ پھر ہوتے نہیں ہیں ہوشیار

دن بُرے آئے اکٹھے ہوگئے قحط و وبا | اب تلک توبہ نہیں اب دیکھئے انجام کار

ہے غضب کہتے ہیں اب وحیِ خدا مفقود ہے | اب قیامت تک ہے اِس اُمت کا قصوں پر مدار

یہ عقیدہ برخلافِ گفتۂ دادار ہے | پر اُتارے کون برسوں کا گلے سے اپنے ہار

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم | اب بھی اُس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

گوہرِ وحیِ خدا کیوں توڑتا ہے ہوش کر | اِک یہی دیں کے لئے ہے جائے عزّ و افتخار

یہ وہ گُل ہے جس کا ثانی باغ میں کوئی نہیں | یہ وہ خوشبو ہے کہ قرباں اس پہ ہو مشکِ تتار

یہ وہ ہے مفتاح جس سے آسماں کے در کھلیں | یہ وہ آئینہ ہے جس سے دیکھ لیں روئے نگار

بس یہی ہتھیار ہے جس سے ہماری فتح ہے | بس یہی اِک قصر ہے جو عافیت کا ہے حصار

ہے خدا دانی کا آلہ بھی یہی اسلام میں | محض قصوں سے نہ ہو کوئی بشر طوفاں سے پار

ہے یہی وحیِ خدا عرفانِ مولیٰ کا نشاں | جس کو یہ کامل ملے اُس کو ملے وہ دوستدار

واہ رے باغِ محبت موت جس کی رہ گذر | وصلِ یار اُس کا ثمر۔ پر اردگرد اُس کے ہیں خار

ایسے دل پر داغِ لعنت ہے ازل سے تا ابد | جو نہیں اس کی طلب میں بیخود و دیوانہ وار

پر جو دنیا کے بنے کیڑے وہ کیا ڈھونڈیں اُسے | دیں اُسے ملتا ہے جو دیں کیلئے ہو بیقرار

ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج | جس کی فطرت نیک ہے وہ آئے گا انجام کار

یاد وہ دن جب کہ کہتے تھے یہ سب ارکانِ دیں | مہدیٔ موعودِ حق اب جلد ہوگا آشکار

کون تھا جس کی تمنّا یہ نہ تھی اک جوش سے — کون تھا جس کو نہ تھا اُس آنے والے سے پیار

﴾۱۰۸﴿

پھر وہ دن جب آگئے اور چودھویں آئی صدی — سب سے اوّل ہوگئے منکر یہی دیں کے منار

پھر دوبارہ آگئی احبار میں رسمِ یہود — پھر مسیحِ وقت کے دشمن ہوئے یہ جُبّہ دار

تھا نوشتوں میں یہی از ابتدا تا انتہا — پھر مٹے کیونکر کہ ہے تقدیر نَے نقشِ جدار

میں تو آیا اس جہاں میں ابنِ مریم کی طرح — میں نہیں مامور از بہرِ جہاد و کارزار

پر اگر آتا کوئی جیسی انہیں امید تھی — اور کرتا جنگ اور دیتا غنیمت بے شمار

ایسے مہدی کے لئے میداں کھلا تھا قوم میں — پھر تو اس پر جمع ہوتے ایک دم میں صد ہزار

پر یہ تھا رحم خداوندی کہ مَیں ظاہر ہوا — آگ آتی گرنہ میں آتا تو پھر جاتا قرار

آگ بھی پھر آگئی جب دیکھ کر اتنے نشاں — قوم نے مجھ کو کہا کذّاب ہے اور بدشعار

ہے یقیں یہ آگ کچھ مدت تلک جاتی نہیں — ہاں مگر توبہ کریں با صد نیاز و انکسار

یہ نہیں اِک اتفاقی امر تا ہوتا علاج — ہے خدا کے حکم سے یہ سب تباہی اور تبار

وہ خدا جس نے بنایا آدمی اور دیں دیا — وہ نہیں راضی کہ بے دینی ہو ان کا کاروبار

بے خدا بے زہد و تقویٰ بے دیانت بے صفا — بَن ہے یہ دنیائے دوں طاعوں کرے اُس میں شکار

صیدِ طاعوں مت بنو پورے بنو تم متقی — یہ جو ایماں ہے زباں کا۔کچھ نہیں آتا بکار

موت سے گر خود ہو بے ڈر کچھ کرو بچوں پہ رحم — امن کی رہ پر چلو بَن کو کرو مت اختیار

بَن کے رہنے والو تم ہرگز نہیں ہو آدمی — کوئی ہے روبہ کوئی خنزیر اور کوئی ہے مار

ان دلوں کو خود بدل دے اے مرے قادر خدا — تُو تو ربّ العالمیں ہے اور سب کا شہریار

تیرے آگے محو یا اثبات نا ممکن نہیں — جوڑنا یا توڑنا یہ کام تیرے اختیار

ٹوٹے کاموں کو بناوے جب نگاہِ فضل ہو — پھر بنا کر توڑ دے اک دم میں کردے تارتار

تو ہی بگڑی کو بناوے توڑ دے جب بن چکا
تیرے بھیدوں کو نہ پاوے سو کرے کوئی بچار

جبؔ کوئی دل ظلمت عصیاں میں ہووے مبتلا
تیرے بن روشن نہ ہووے گو چڑھے سورج ہزار

﴿۱۰۹﴾

اس جہاں میں خواہشِ آزادگی بے سود ہے
اِک تری قیدِ محبت ہے جو کر دے رستگار

دل جو خالی ہو گدازِ عشق سے وہ دل ہے کیا
دل وہ ہے جس کو نہیں بے دلبرِ یکتا قرار

فقر کی منزل کا ہے اوّل قدم نفیِ وجود
پس کرو اس نفس کو زیر و زبر از بہرِ یار

تلخ ہوتا ہے ثمر جب تک کہ ہو وہ ناتمام
اس طرح ایماں بھی ہے جب تک نہ ہو کامل پیار

تیرے مُنہ کی بھوک نے دل کو کیا زیروزبر
اے مرے فردوسِ اعلیٰ اب گِرا مجھ پر ثمار

اے خدا اے چارہ سازِ درد ہم کو خود بچا
اے مرے زخموں کے مرہم دیکھ میرا دلفگار

باغ میں تیری محبت کے عجب دیکھے ہیں پھل
ملتے ہیں مشکل سے ایسے سیب اور ایسے انار

تیرے بن اے میری جاں یہ زندگی کیا خاک ہے
ایسے جینے سے تو بہتر مر کے ہو جانا غبار

گر نہ ہو تیری عنایت سب عبادت ہیچ ہے
فضل پر تیرے ہے سب جہد و عمل کا انحصار

جن پہ ہے تیری عنایت وہ بدی سے دور ہیں
رہ میں حق کی قوتیں اُن کی چلیں بن کر قطار

چُھٹ گئے شیطاں سے جو تھے تیری اُلفت کے اسیر
جو ہوئے تیرے لئے بے برگ و بَر۔ پائی بہار

سب پیاسوں سے نکوتر تیرے منہ کی ہے پیاس
جس کا دل اس سے ہے بریاں پا گیا وہ آبشار

جس کو تیری دھن لگی آخر وہ تجھ کو جا مِلا
جس کو بے چینی ہے یہ وہ پا گیا آخر قرار

عاشقی کی ہے علامت گریہ و دامانِ دشت
کیا مبارک آنکھ جو تیرے لئے ہو اشکبار

تیری درگہ میں نہیں رہتا کوئی بھی بے نصیب
شرط رہ پر صبر ہے اور ترکِ نامِ اضطرار

میں تو تیرے حکم سے آیا مگر افسوس ہے
چل رہی ہے وہ ہوا جو رخنہ اندازِ بہار

جیفۂ دنیا پہ یکسر گِر گئے دنیا کے لوگ
زندگی کیا خاک اُن کی جو کہ ہیں مُردار خوار

دیں کو دے کر ہاتھ سے دنیا بھی آخر جاتی ہے
کوئی آسودہ نہیں بن عاشق و شیدائے یار

﴿۱۱۰﴾

رنگؔ تقویٰ سے کوئی رنگت نہیں ہے خوب تر
ہے یہی ایماں کا زیور ہے یہی دیں کا سنگار

سو چڑھے سورج نہیں بن رُوئے دلبر روشنی
یہ جہاں بے وصلِ دلبر ہے شب تاریک و تار

اے مرے پیارے جہاں میں تو ہی ہے اک بے نظیر
جو ترے مجنوں حقیقت میں وہی ہیں ہوشیار

اس جہاں کو چھوڑنا ہے تیرے دیوانوں کا کام
نقد پالیتے ہیں وہ اور دوسرے امیدوار

کون ہے جس کے عمل ہوں پاک بے انوارِ عشق
کون کرتا ہے وفا بن اس کے جس کا دِل فگار

غیر ہوکر غیر پر مرنا کسی کو کیا غرض
کون دیوانہ بنے اس راہ میں لیل و نہار

کون چھوڑے خواب شیریں کون چھوڑے اکل وشرب
کون لے خارِ مغیلاں چھوڑ کر پھولوں کے ہار

عشق ہے جس سے ہوں طے یہ سارے جنگل پُرخطر
عشق ہے جو سر جھکاوے زیرِ تیغِ آب دار

پر ہزار افسوس دنیا کی طرف ہیں جھک گئے
وہ جو کہتے تھے کہ ہے یہ خانۂ ناپائدار

جس کو دیکھو آجکل وہ شوخیوں میں طاق ہے
آہ رحلت کر گئے وہ سب جو تھے تقویٰ شعار

ممبروں پر اُن کے سارا گالیوں کا وعظ ہے
مجلسوں میں اُن کی ہردم سبّ و غیبت کاروبار

جس طرف دیکھو یہی دُنیا ہی مقصد ہوگئی
ہر طرف اس کے لئے رغبت دلائیں بار بار

ایک کانٹا بھی اگر دیں کے لئے اُن کو لگے
چیخ کر اس سے وہ بھاگیں شیر سے جیسے حمار

ہر زماں شکوہ زباں پر ہے اگر ناکام ہیں
دیں کی کچھ پروا نہیں دنیا کے غم میں سوگوار

لوگ کچھ باتیں کریں میری تو باتیں اور ہیں
میں فدائے یار ہوں گو تیغ کھینچے صد ہزار

اے مرے پیارے بتا تو کس طرح خوشنود ہو
نیک دن ہوگا وہی جب تجھ پہ ہوویں ہم نثار

جس طرح تو دور ہے لوگوں سے میں بھی دور ہوں
ہے نہیں کوئی بھی جو ہو میرے دل کا راز دار

نیک ظن کرنا طریقِ صالحانِ قوم ہے
لیک سو پردے میں ہوں اُن سے نہیں ہوں آشکار

﴿۱۱۱﴾

بے خبر دونوں ہیں جو کہتے ہیں بد یا نیک مرد ۔ میرے باطن کی نہیں ان کو خبر اک ذرّہ وار

ابنؔ مریم ہوں مگر اُترا نہیں مَیں چرخ سے ۔ نیز مہدی ہوں مگر بے تیغ اور بے کار زار

ملک سے مجھ کو نہیں مطلب نہ جنگوں سے ہے کام ۔ کام میرا ہے دلوں کو فتح کرنا نَے دیار

تاج و تختِ ہند قیصر کو مبارک ہو مدام ۔ اُن کی شاہی میں مَیں پاتا ہوں رفاہِ روزگار

مجھ کو کیا ملکوں سے میرا ملک ہے سب سے جُدا ۔ مجھ کو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوانِ یار

ہم تو بستے ہیں فلک پر اس زمیں کو کیا کریں ۔ آسماں کے رہنے والوں کو زمیں سے کیا نِقار

ملکِ روحانی کی شاہی کی نہیں کوئی نظیر ۔ گو بہت دنیا میں گذرے ہیں امیر و تاجدار

داغِ لعنت ہے طلب کرنا زمیں کا عزّ وجاہ ۔ جس کا جی چاہے کرے اس داغ سے وہ تن فگار

کام کیا عزت سے ہم کو شہرتوں سے کیا غرض ۔ گر وہ ذلّت سے ہو راضی اس پہ سو عزّت نثار

ہم اُسی کے ہوگئے ہیں جو ہمارا ہوگیا ۔ چھوڑ کر دنیاءِ دوں کو ہم نے پایا وہ نگار

دیکھتا ہوں اپنے دل کو عرشِ ربّ العالمیں ۔ قرب اتنا بڑھ گیا جس سے ہے اُترا مجھ میں یار

دوستی بھی ہے عجب جس سے ہوں آخر دوستی ۔ آملی اُلفت سے اُلفت ہو کے دو دل پر سوار

دیکھ لو میل و محبت میں عجب تاثیر ہے ۔ ایک دل کرتا ہے جھک کر دوسرے دل کو شکار

کوئی رہ نزدیک تر راہِ محبت سے نہیں ۔ طے کریں اس راہ سے سالک ہزاروں دشتِ خار

اس کے پانے کا یہی اے دوستو اک راز ہے ۔ کیمیا ہے جس سے ہاتھ آجائے گا زر بے شمار

تیر تاثیرِ محبت کا خطا جاتا نہیں ۔ تیر اندازو! نہ ہونا سست اس میں زینہار

ہے یہی اک آگ تا تم کو بچاوے آگ سے ۔ ہے یہی پانی کہ نکلیں جس سے صدہا آبشار

اِس سے خود آکر ملے گا تم سے وہ یارِ ازل ۔ اس سے تم عرفانِ حق سے پہنو گے پھولوں کے ہار

وہ کتابِ پاک و برتر جس کا فرقاں نام ہے ۔ وہ یہی دیتی ہے طالب کو بشارت بار بار

جن کو ہے انکارِ اس سے سخت ناداں ہیں وہ لوگ
آدمی کیونکر کہیں جب اُن میں ہے حُمقِ حمار

«۱۱۲» کیا یہی اسلام کا ہے دوسرے دینوں پہ فخر
کردیا قصّوں پہ سارا ختم دیں کا کاروبار

مغزِ فرقانِ مطہرّ کیا یہی ہے زُہدِ خشک
کیا یہی چوہا ہے نکلا کھود کر یہ کوہسار

گر یہی اسلام ہے بس ہو گئی اُمّت ہلاک
کس طرح رہ مل سکے جب دیں ہی ہو تاریک و تار

منہ کو اپنے کیوں بگاڑا نااُمیدوں کی طرح
فیض کے در کھل رہے ہیں اپنے دامن کو پسار

کس طرح کے تم بشر ہو دیکھتے ہو صد نشاں
پھر وہی ضدّ و تعصّب اور وہی کین و نقار

بات سب پوری ہوئی پر تم وہی ناقص رہے
باغ میں ہو کر بھی قسمت میں نہیں دیں کے ثمار

دیکھ لو وہ ساری باتیں کیسی پوری ہوگئیں
جن کا ہونا تھا بعید از عقل و فہم و افتکار

اُس زمانہ میں ذرہ سوچو کہ میں کیا چیز تھا
جس زمانہ میں براہیں کا دیا تھا اشتہار

پھر ذرہ سوچو کہ اب چرچا مرا کیسا ہوا
کس طرح سرعت سے شہرت ہوگئی در ہر دیار

جانتا تھا کون کیا عزت تھی پبلک میں مجھے
کس جماعت کی تھی مجھ سے کچھ ارادت یا پیار

تھے رجوعِ خلق کے اسباب مال و علم و حکم
خاندانِ فقر بھی تھا باعثِ عزّ و وقار

لیک ان چاروں سے میں محروم تھا اور بےنصیب
ایک انساں تھا کہ خارج از حساب و از شمار

پھر رکھایا نام کافر ہوگیا مطعونِ خلق
کُفر کے فتووں نے مجھ کو کر دیا بے اعتبار

اس پہ بھی میرے خدا نے یاد کر کے اپنا قول
مرجع عالم بنایا مجھ کو اور دین کا مدار

سارے منصوبے جو تھے میری تباہی کے لئے
کر دیئے اُس نے تبہ جیسے کہ ہو گرد و غبار

سوچ کر دیکھو کہ کیا یہ آدمی کا کام ہے
کوئی بتلائے نظیر اس کی اگر کرنا ہے وار

مکر انساں کو مٹا دیتا ہے انسانِ دِگر
پر خدا کا کام کب بگڑے کسی سے زینہار

مفتری ہوتا ہے آخر اس جہاں میں رُوسیہ
جلد تر ہوتا ہے برہم افترا کا کاروبار

﴿۱۱۳﴾

افترا کی ایسی دُم لمبی نہیں ہوتی کبھی
جو ہو مثلِ مدتِ فخر الرسل فخر الخیار

حسرتوں سے میرا دل پُر ہے کہ کیوں منکر ہو تم
یہ گھٹا اب جھوم جھوم آتی ہے دل پر بار بار

یہ عجب آنکھیں ہیں سورج بھی نظر آتا نہیں
کچھ نہیں چھوڑا حسد نے عقل اور سوچ اور بچار

قوم کی بدقسمتی اِس سرکشی سے کھل گئی
پر وہی ہوتا ہے جو تقدیر سے پایا قرار

قوم میں ایسے بھی پاتا ہوں جو ہیں دُنیا کے کِرم
مقصد اُن کی زیست کا ہے شہوت وخمر و قمار

مکر کے بل چل رہی ہے اُن کی گاڑی روز و شب
نفس و شیطاں نے اُٹھایا ہے انہیں جیسے کہار

دیں کے کاموں میں تو اُن کے لڑکھڑاتے ہیں قدم
لیک دُنیا کے لئے ہیں نوجوان و ہوشیار

حلّتُ و حُرمت کی کچھ پروا نہیں باقی رہی
ٹھونس کر مُردار پیٹوں میں نہیں لیتے ڈکار

لافِ زہد و راستی اور پاپ دل میں ہے بھرا
ہے زباں میں سب شرف اور نیچ دل جیسے چمار

اے عزیزو کب تلک چل سکتی ہے کاغذ کی ناوَ
ایک دن ہے غرق ہونا باد و چشمِ اشکبار

جاودانی زندگی ہے موت کے اندر نہاں
گلشنِ دلبر کی راہ ہے وادیءِ غربت کے خار

اے خدا کمزور ہیں ہم اپنے ہاتھوں سے اُٹھا
ناتواں ہم ہیں ہمارا خود اُٹھالے سارا بار

تیری عظمت کے کرشمے دیکھتا ہوں ہر گھڑی
تیری قدرت دیکھ کر دیکھا جہاں کو مُردہ وار

کام دکھلائے جو تو نے میری نصرت کے لئے
پھرتے ہیں آنکھوں کے آگے ہر زماں وہ کاروبار

کس طرح تو نے سچائی کو مری ثابت کیا
میں ترے قرباں مری جاں تیرے کاموں پر نثار

ہے عجب اک خاصیت تیرے جمال وحسن میں
جس نے اک چمکار سے مجھ کو کیا دیوانہ وار

اے مرے پیارے ضلالت میں پڑی ہے میری قوم
تیری قدرت سے نہیں کچھ دُور گر پائیں سُدھار

مجھ کو کافر کہتے ہیں میں بھی انہیں مومن کہوں
گر نہ ہو پرہیز کرنا جھوٹ سے دیں کا شعار

مجھ پہ اے واعظ نظر کی یار نے تجھ پر نہ کی
حیف اُس ایماں پہ جس سے کفر بہتر لاکھ بار

روضۂ آدم کہ تھا وہ نامکمل اب تلک ‏‏ میرے آنے سے ہوا کامل بجملہ برگ و بار

﴿۱۱۴﴾ وہ خدا جس نے نبی کو تھا زرِ خالص دیا ‏‏ زیورِ دیں کو بناتا ہے وہ اب مثلِ سُنار

وہ دکھاتا ہے کہ دیں میں کچھ نہیں اکراہ وجبر ‏‏ دیں تو خود کھینچے ہے دل مثلِ بُتِ سیمیں عذار

پس یہی ہے رمز جو اُس نے کیا منع از جہاد ‏‏ تا اٹھاوے دیں کی راہ سے جو اُٹھا تھا اِک غبار

تا دکھاوے منکروں کو دیں کی ذاتی خوبیاں ‏‏ جن سے ہوں شرمندہ جو اسلام پر کرتے ہیں وار

کہتے ہیں یورپ کے ناداں یہ نبی کامل نہیں ‏‏ وحشیوں میں دیں کو پھیلانا یہ کیا مشکل تھا کار

پر بنانا آدمی وحشی کو ہے اِک معجزہ ‏‏ معنیٔ رازِ نبوت ہے اسی سے آشکار

نور لائے آسماں سے خود بھی وہ اِک نور تھے ‏‏ قوم وحشی میں اگر پیدا ہوئے کیاجائے عار

روشنی میں مہرِ تاباں کی بھلا کیا فرق ہو ‏‏ گرچہ نکلے روم کی سرحد سے یا از زنگبار

اے مرے پیارو شکیب و صبر کی عادت کرو ‏‏ وہ اگر پھیلائیں بدبو تم بنو مشکِ تتار

نفس کو مارو کہ اس جیسا کوئی دشمن نہیں ‏‏ چپکے چپکے کرتا ہے پیدا وہ سامانِ دمار

جس نے نفسِ دُوں کو ہمت کرکے زیرِ پا کیا ‏‏ چیز کیا ہیں اُس کے آگے رستم و اسفندیار

گالیاں سن کر دُعا دو پا کے دکھ آرام دو ‏‏ کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

تم نہ گھبراؤ اگر وہ گالیاں دیں ہرگھڑی ‏‏ چھوڑ دو اُن کو کہ چھپوائیں وہ ایسے اشتہار

چپ رہو تم دیکھ کر اُن کے رسالوں میں ستم ‏‏ دم نہ مارو گر وہ ماریں اور کردیں حالِ زار

دیکھ کر لوگوں کا جوش و غیظ مت کچھ غم کرو ‏‏ شدتِ گرمی کا ہے محتاج بارانِ بہار

افترا اُن کی نگاہوں میں ہمارا کام ہے ‏‏ یہ خیال اللہ اکبر کس قدر ہے نابکار

خیر خواہی میں جہاں کی خوں کیا ہم نے جگر ‏‏ جنگ بھی تھی صلح کی نیت سے اور کیں سے فرار

پاک دل پر بدگمانی۔ ہے یہ شقوت کا نشاں ‏‏ اب تو آنکھیں بند ہیں دیکھیں گے پھر انجام کار

جب کہ کہتے ہیں کہ کاذب پھولتے پھلتے نہیں | پھر مجھے کہتے ہیں کاذب دیکھ کر میرے ثمار

کیا تمہاری آنکھ سب کچھ دیکھ کر اندھی ہوئی | کچھ تو اُس دن سے ڈرو یارو کہ ہے روزِ شمار ﴾۱۱۵﴿

آنکھ رکھتے ہو ذرہ سوچو کہ یہ کیا راز ہے | کس طرح ممکن کہ وہ قدّوس ہو کاذب کا یار

یہ کرم مجھ پر ہے کیوں کوئی تو اس میں بات ہے | بے سبب ہرگز نہیں یہ کاروبارِ کردگار

مجھ کو خود اُس نے دیا ہے چشمۂ توحید پاک | تا لگاوے از سرِ نو باغِ دیں میں لالہ زار

دوش پر میرے وہ چادر ہے کہ دی اُس یار نے | پھر اگر قدرت ہے اے منکر تو یہ چادر اُتار

خیرگی سے بدگمانی اس قدر اچھی نہیں | اِن دنوں میں جب کہ ہے شورِ قیامت آشکار

ایک طوفاں ہے خدا کے قہر کا اب جوش پر | نوح کی کشتی میں جو بیٹھے وہی ہو رستگار

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے | ہیں درندے ہر طرف مَیں عافیت کا ہوں حصار

پشتیءِ دیوارِ دیں اور مامنِ اسلام ہوں | نارسا ہے دستِ دشمن تا بفرقِ ایں جدار

جاہلوں میں اس قدر کیوں بدگمانی بڑھ گئی | کچھ بُرے آئے ہیں دن یا پڑ گئی لعنت کی مار

کچھ تو سمجھیں بات کو یہ دل میں ارماں ہی رہا | واہ رے شیطاں عجب اُن کو کیا اپنا شکار

اے کہ ہر دم بدگمانی تیرا کاروبار ہے | دوسری قوت کہاں گم ہوگئی اے ہوشیار

میں اگر کاذب ہوں کذّابوں کی دیکھوں گا سزا | پر اگر صادق ہوں پھر کیا عذر ہے روزِ شمار

اس تعصب پر نظر کرنا کہ مَیں اسلام پر | ہوں فدا۔ پھر بھی مجھے کہتے ہیں کافر باربار

مَیں وہ پانی ہوں کہ آیا آسماں سے وقت پر | میں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

ہائے وہ تقویٰ جو کہتے تھے کہاں مخفی ہوئی | ساربانِ نفس دوں نے کس طرف پھیری مہار

کام جو دکھلائے اُس خلّاق نے میرے لئے | کیا وہ کرسکتا ہے جو ہو مفتری شیطاں کا یار

میں نے روتے روتے دامن کر دیا تر درد سے | اب تلک تم میں وہی خشکی رہی باحالِ زار

ہائے یہ کیا ہوگیا عقلوں پہ کیا پتھر پڑے ہوگیا آنکھوں کے آگے اُن کے دن تاریک و تار

یا کسی مخفی گناہ سے شامتِ اعمال ہے جس سے عقلیں ہوگئیں بیکار اور۔اک مُردہ وار

﴿۱۱۶﴾

گردنوں پر اُن کی ہے سب عام لوگوں کا گناہ جن کے وعظوں سے جہاں کے آگیا دل میں غبار

ایسے کچھ سوئے کہ پھر جاگے نہیں ہیں اب تلک ایسے کچھ بھولے کہ پھر نسیاں ہوا گردن کا ہار

نوعِ انساں میں بدی کا تخم بونا ظلم ہے وہ بدی آتی ہے اُس پر جو ہو اُس کا کاشتکار

چھوڑ کر فرقاں کو آثارِ مخالف پر جمے سر پہ مسلم اور بخاری کے دیا ناحق کا بار

جبکہ ہے امکان کذب و کجروی اخبار میں پھر حماقت ہے کہ رکھیں سب انہی پر انحصار

جبکہ ہم نے نورِ حق دیکھا ہے اپنی آنکھ سے جب کہ خود وحیِ خدا نے دی خبر یہ بار بار

پھر یقیں کو چھوڑ کر ہم کیوں گمانوں پر چلیں خود کہو رویت ہے بہتر یا نقولِ پُر غبار

تفرقہ اسلام میں نقلوں کی کثرت سے ہوا جس سے ظاہر ہے کہ راہِ نقل ہے بے اعتبار

نقل کی تھی اک خطا کاری مسیحا کی حیات جس سے دیں نصرانیت کا ہوگیا خدمت گذار

صد ہزاراں آفتیں نازل ہوئیں اسلام پر ہوگئے شیطاں کے چیلے گردنِ دیں پر سوار

موتِ عیسیٰ کی شہادت دی خدا نے صاف صاف پھر احادیثِ مخالف رکھتی ہیں کیا اعتبار

گر گُماں صحت کا ہو پھر قابلِ تاویل ہیں کیا حدیثوں کے لئے فرقاں پہ کرسکتے ہو وار

وہ خدا جس نے نشانوں سے مجھے تمغہ دیا اب بھی وہ تائیدِ فرقاں کر رہا ہے بار بار

سر کو پیٹو! آسماں سے اب کوئی آتا نہیں عمرِ دنیا سے بھی اب ہے آگیا ہفتم ☆ ہزار

☆ کتب سابقہ اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ عمر دنیا کی حضرت آدم علیہ السلام سے سات ہزار برس تک ہے اِسی کی طرف قرآن شریف اس آیت میں اشارہ فرماتا ہے کہ اِنَّ یَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّکَ کَاَلۡفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ [۱] یعنی خدا کا ایک دن تمہارے ہزار برس کے برابر ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے میرے دل پر

[۱] الحج: ۴۸

اُس کے آتے آتے دیں کا ہوگیا قصہ تمام ۔۔۔ کیا وہ تب آئے گا جب دیکھے گا اِس دیں کا مزار

کشتیءِ اسلام بے لطفِ خدا اب غرق ہے ۔۔۔ اے جنوں کچھ کام کر بیکار ہیں عقلوں کے وار

مجھ کو دے اک فوق عادت اے خدا جوش و تپش ۔۔۔ جس سے ہوجاؤں میں غم میں دیں کے اِک دیوانہ وار

وہ لگادے آگ میرے دل میں ملّت کے لئے ۔۔۔ شعلے پہنچیں جس کے ہردم آسماں تک بیشمار

اَے خدا تیرے لئے ہر ذرّہ ہو میرا فدا ۔۔۔ مجھ کو دکھلادے بہارِ دیں کہ مَیں ہوں اشکبار

﴿۱۱۷﴾

خاکساری کو ہماری دیکھ اے دانائے راز ۔۔۔ کام تیرا کام ہے ہم ہوگئے اب بیقرار

اِک کرم کر پھیر دے لوگوں کو فرقاں کی طرف ۔۔۔ نیز دے توفیق تا وہ کچھ کریں سوچ اور بچار

ایک فرقاں ہے جو شک اور ریب سے وہ پاک ہے ۔۔۔ بعد اس کے ظنِّ غالب کو ہیں کرتے اختیار

پھر یہ نقلیں بھی اگر میری طرف سے پیش ہوں ۔۔۔ تنگ ہو جائے مخالف پر مجالِ کار زار

باغ مرجھایا ہوا تھا گر گئے تھے سب ثمر ۔۔۔ میں خدا کا فضل لایا پھر ہوئے پیدا ثمار

مرہمِ عیسیٰ نے دی تھی محض عیسیٰ کو شفا ۔۔۔ میری مرہم سے شفا پائے گا ہر ملک و دیار

جھانکتے تھے نور کو وہ روزنِ دیوار سے ۔۔۔ لیک جب در کھل گئے پھر ہوگئے شپّر شعار

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے ۔۔۔ اب مَیں دیتا ہوں اگر کوئی ملے امیدوار

پر ہوئے دیں کے لئے یہ لوگ مارِ آستیں ۔۔۔ دشمنوں کو خوش کیا اور ہوگیا آزردہ یار

بقیہ حاشیہ

یہ الہام کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک حضرت آدمؑ سے اسی قدر مدت بحساب قمری گذری تھی جو اِس سورۃ کے حروف کی تعداد سے بحساب ابجد معلوم ہوتی ہے۔ اوراس کے رو سے حضرت آدمؑ سے اب ساتواں ہزار بحساب قمری ہے جو دنیا کے خاتمہ پر دلالت کرتا ہے اور یہ حساب جو سورۃ والعصر کے حروف کے اعداد کے نکالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے حساب سے قریباً تمام و کمال ملتا ہے صرف قمری اور شمسی حساب کو ملحوظ رکھ لینا چاہیے۔ اوران کی کتابوں سے پایا جاتا ہے جو مسیح موعود کا چھٹے ہزار میں آنا ضروری ہے اور کئی برس ہوگئے کہ چھٹا ہزار گزر گیا۔ منہ

﴿۱۱۸﴾

غل مچاتے ہیں کہ یہ کافر ہے اور دجّال ہے / پاک کو ناپاک سمجھے ہوگئے مردار خوار

گو وہ کافر کہہ کے ہم سے دُور تر ہیں جا پڑے / اُن کے غم میں ہم تو پھر بھی ہیں حزین و دلفگار

ہم نے یہ مانا کہ اُن کے دل ہیں پتھر ہوگئے / پھر بھی پتھر سے نکل سکتی ہے دینداری کی نار

کیسے ہی وہ سخت دل ہوں ہم نہیں ہیں نا امید / آیتِ لَا تَیْئَسُوْا رکھتی ہے دل کو استوار

پیشہ ہے رونا ہمارا پیشِ ربِّ ذُوالمِنَن / یہ شجر آخر کبھی اس نہر سے لائیں گے بار

جن میں آیا ہے مسیح وقت وہ منکر ہوئے / مرگئے تھے اس تمنا میں خواصِ ہر دیار

مَیں نہیں کہتا کہ میری جاں ہے سب سے پاک تر / میں نہیں کہتا کہ یہ میرے عمل کے ہیں ثمار

میں نہیں رکھتا تھا اس دعوے سے اِک ذرّہ خبر / کھول کر دیکھو براہیں کو کہ تا ہو اعتبار

گر کہے کوئی کہ یہ منصب تھا شایانِ قریش / وہ خدا سے پوچھ لے میرا نہیں یہ کاروبار

مجھ کو بس ہے وہ خدا عہدوں کی کچھ پروا نہیں / ہوسکے تو خود بنو مہدی بحکمِ کردگار

افترا لعنت ہے اور ہر مفتری ملعون ہے / پھر لعیں وہ بھی ہے جو صادق سے رکھتا ہے نقار

تشنہ بیٹھے ہو کنارِ جوئے شیریں حیف ہے / سر زمینِ ہند میں چلتی ہے نہرِ خوشگوار

ان نشانوں☆ کو ذرہ سوچو کہ کس کے کام ہیں / کیا ضرورت ہے کہ دکھلاؤ غضب دیوانہ وار

مفت میں ملزم خدا کے مت بنو اے منکرو / یہ خدا کا ہے نہ ہے یہ مفتری کا کاروبار

☆ اب تک کئی ہزار خدا تعالیٰ کے نشان میرے ہاتھ پر ظاہر ہو چکے ہیں۔ زمین نے بھی میرے لئے نشان دکھلائے اور آسمان نے بھی۔ اور دوستوں میں بھی ظاہر ہوئے اور دشمنوں میں بھی جن کے کئی لاکھ انسان گواہ ہیں۔ اور ان نشانوں کو اگر تفصیلاً جُدا جُدا شمار کیا جائے تو قریباً وہ سارے نشان دس لاکھ تک پہنچتے ہیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِکَ۔ منه

یہ فتوحاتِ نمایاں یہ تواتر سے نشاں ۔۔۔ کیا یہ ممکن ہیں بشر سے کیا یہ مکّاروں کا کار

ایسی سرعت سے یہ شہرت ناگہاں سالوں کے بعد ۔۔۔ کیا نہیں ثابت یہ کرتی صدقِ قولِ کردگار

کچھ تو سوچو ہوش کر کے کیا یہ معمولی ہے بات ۔۔۔ جس کا چرچا کر رہا ہے ہر بشر اور ہر دیار

مٹ گئے حیلے تمہارے ہوگئی حجت تمام ۔۔۔ اب کہو کس پر ہوئی اے منکرو لعنت کی مار

بندۂ درگاہ ہوں اور بندگی سے کام ہے ۔۔۔ کچھ نہیں ہے فتح سے مطلب نہ دل میں خوفِ ہار

مت کرو بک بک بہت ۔ اُس کی دلوں پر ہے نظر ۔۔۔ دیکھتا ہے پاکیءِ دل کو نہ باتوں کی سنوار

کیسے پتھر پڑ گئے ہَے ہَے تمہاری عقل پر ۔۔۔ دیں ہے مُنہ میں گرگ کے۔ تم گرگ کے خود پاسدار

ہر طرف سے پڑ رہے ہیں دینِ احمد پر تبر ۔۔۔ کیا نہیں تم دیکھتے قوموں کو اور اُن کے وہ وار

کون سی آنکھیں جو اس کو دیکھ کر روتی نہیں ۔۔۔ کون سے دل ہیں جو اس غم سے نہیں ہیں بیقرار

کھا رہا ہے دیں طمانچے ہاتھ سے قوموں کے آج ۔۔۔ اِک تزلزل میں پڑا اسلام کا عالی منار

یہ مصیبت کیا نہیں پہنچی خدا کے عرش تک ۔۔۔ کیا یہ شمس الدّیں نہاں ہو جائے گا اب زیرِ غار

جنگ روحانی ہے اب اِس خادم و شیطان کا ۔۔۔ دل گھٹا جاتا ہے یاربّ سخت ہے یہ کارزار

ہر نبیؑ وقت نے اس جنگ کی دی تھی خبر ۔۔۔ کر گئے وہ سب دعائیں بادو چشمِ اشکبار

اے خدا شیطاں پہ مجھ کو فتح دے رحمت کے ساتھ ۔۔۔ وہ اکٹھی کر رہا ہے اپنی فوجیں بے شمار

جنگؔ یہ بڑھ کر ہے جنگِ روس اور جاپان سے ۔۔۔ میں غریب اور ہے مقابل پر حریفِ نامدار ﴾۱۱۹﴿

دل نکل جاتا ہے قابو سے یہ مشکل سوچ کر ۔۔۔ اے مری جاں کی پنہ فوجِ ملائک کو اُتار

بسترِ راحت کہاں ان فکر کے ایّام میں ۔۔۔ غم سے ہر دن ہو رہا ہے بدتراز شب ہائے تار

لشکرِ شیطاں کے نرغے میں جہاں ہے گھِر گیا ۔۔۔ بات مشکل ہوگئی قدرت دکھا اے میرے یار

نسلِ انساں سے مدد اب مانگنا بے کار ہے ۔۔۔ اب ہماری ہے تری درگاہ میں یاربّ پکار

کیوں کریں گے وہ مدد اُن کو مدد سے کیا غرض
ہم تو کافر ہوچکے اُن کی نظر میں بار بار

پر مجھے رہ رہ کے آتا ہے تعجب قوم سے
کیوں نہیں وہ دیکھتے جو ہو رہا ہے آشکار

شکر لِلّٰہ میری بھی آہیں نہیں خالی گئیں
کچھ بنیں طاعوں کی صورت کچھ زلازل کے بخار

اِک[۱] طرف طاعون خونی کھا رہا ہے ملک کو
ہو رہے ہیں صدہزاراں آدمی اس کا شکار

دوسرے[۲] منگل کے دن آیا تھا ایسا زلزلہ
جس سے اِک محشر کا عالم تھا بصد شور وپکار

ایک ہی دم میں ہزاروں اس جہاں سے چل دیئے
جس قدر گھر گر گئے اُن کا کروں کیونکر شمار

یا تو وہ عالی مکاں تھے زینت و زیبِ جلوس
یا ہوئے اِک ڈھیر اینٹوں کے پُر از گرد وغبار

حشر جس کو کہتے ہیں اِک دم میں برپا ہوگیا
ہر طرف میں مرگ کی آواز تھی اور اضطرار

دب گئے نیچے پہاڑوں کے کئی دیہات و شہر
مرگئے لاکھوں بشر اور ہوگئے دُنیا سے پار

اِس نشاں کو دیکھ کر پھر بھی نہیں ہیں نرم دل
پس خدا جانے کہ اب کس حشر کا ہے انتظار

وہ جو کہلاتے تھے صوفی کیں میں سب سے بڑھ گئے
کیا یہی عادت تھی شیخِ غزنوی کی یادگار

کہتے ہیں لوگوں کو ہم بھی زُبدۃُ الاَبرار ہیں
پڑتی ہے ہم پر بھی کچھ کچھ وحیِ رحماں کی پھوار

پر وہی نا فہم ملہم اَوّلُ الاَعدا ہوئے
آگیا چرخِ بریں سے اُن کو تکفیروں کا تار

سب نشاں بیکار اُن کے بُغض کے آگے ہوئے
ہوگیا تیرِ تعصّب ان کے دل میں وار پار

﴿۱۲۰﴾ دیکھتے ہرگز نہیں قُدرت کو اُس ستّار کی
گو سناویں اُن کو وہ اپنی بجاتے ہیں ستار

صوفیا اب ہیچ ہے تیری طرح تیری تراہ
آسماں سے آگئی میری شہادت بار بار

قدرتِ حق ہے کہ تم بھی میرے دشمن ہوگئے
یا محبت کے وہ دن تھے یا ہوا ایسا نقار

دھودیئے دل سے وہ سارے صحبتِ دیریں کے رنگ
پھول بَن کر ایک مدت تک ہوئے آخر کو خار

جس قدر نقدِ تعارف تھا وہ کھو بیٹھے تمام
آہ کیا یہ دل میں گذرا۔ ہوں میں اس سے دلفگار

آسماں پر شور ہے پر کچھ نہیں تم کو خبر
دن تو روشن تھا مگر ہے بڑھ گئی گرد و غبار

اِک نشاں ہے آنے والا آج سے کچھ دن کے بعد
تاریخ امروزہ ۱۵؍اپریل ۱۹۰۵ء
جس سے گردش کھائیں گے دیہات وشہر اور مرغزار

آئے گا قہر خدا سے خلق پر اِک انقلاب
اِک برہنہ سے نہ یہ ہوگا کہ تا باندھے ازار

یک بیک اِک زلزلہ سے سخت جنبش کھائیں گے☆
کیا بشر اور کیا شجر اور کیا حجر اور کیا بحار

اِک جھپک میں یہ زمیں ہو جائے گی زیر و زبر
نالیاں خوں کی چلیں گی جیسے آبِ رودبار

رات جو رکھتے تھے پوشاکیں برنگِ یاسمن
صبح کردے گی انہیں مثلِ درختانِ چنار

☆ خدا تعالیٰ کی وحی میں زلزلہ کا بار بار لفظ ہے۔ اور فرمایا کہ ایسا زلزلہ ہوگا جو نمونہٴ قیامت ہوگا بلکہ قیامت کا زلزلہ اس کو کہنا چاہیئے جس کی طرف سورۃ اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا[1] اشارہ کرتی ہے لیکن میں ابھی تک اس زلزلہ کے لفظ کو قطعی یقین کے ساتھ ظاہر پر جما نہیں سکتا۔ ممکن ہے یہ معمولی زلزلہ نہ ہو بلکہ کوئی اور شدید آفت ہو جو قیامت کا نظارہ دکھادے جس کی نظیر کبھی اس زمانہ نے نہ دیکھی ہو اور جانوں اور عمارتوں پر سخت تباہی آوے۔ ہاں اگر ایسا فوق العادت نشان ظاہر نہ ہو اور لوگ کھلے طور پر اپنی اصلاح بھی نہ کریں تو اس صورت میں مَیں کاذب ٹھہروں گا۔ مگر میں بار بار لکھ چکا ہوں کہ یہ شدید آفت جس کو خدا تعالیٰ نے زلزلہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے صرف اختلافِ مذہب پر کوئی اثر نہیں رکھتی اور نہ ہندو یا عیسائی ہونے کی وجہ سے کسی پر عذاب آ سکتا ہے اور نہ اس وجہ سے آ سکتا ہے کہ کوئی میری بیعت میں داخل نہیں یہ سب لوگ اس تشویش سے محفوظ ہیں۔ ہاں جو شخص خواہ کسی مذہب کا پابند ہو جرائم پیشہ ہونا اپنی عادت رکھے اور فسق و فجور میں غرق ہو اور زانی، خونی، چور، ظالم اور ناحق کے طور پر بداندیش، بدزبان اور بدچلن ہو اس کو اس سے ڈرنا چاہیئے اور اگر توبہ کرے تو اس کو بھی کچھ غم نہیں اور مخلوق کے نیک کردار اور نیک چلن ہونے سے یہ عذاب ٹل سکتا ہے قطعی نہیں ہے۔ منہ

[1] الزلزال:۲

ہوش اُڑ جائیں گے انساں کے پرندوں کے حواس
بھولیں گے نغموں کو اپنے سب کبوتر اور ہزار بُلبل

ہر مسافر پر وہ ساعت سخت ہے اور وہ گھڑی
راہ کو بھولیں گے ہوکر مست و بیخود راہوار

خون سے مردوں کے کوہستان کے آبِ رواں
سرخ ہو جائیں گے جیسے ہو شرابِ انجبار

مضمحل ہو جائیں گے اس خوف سے سب جنّ وانس
زار بھی ہوگا تو ہوگا اُس گھڑی باحالِ زار

اِک نمونہ قہر کا ہوگا وہ ربّانی نشاں
آسماں حملے کرے گا کھینچ کر اپنی کٹار

ہاں نہ کر جلدی سے انکار اے سفیہِ ناشناس
اِس پہ ہے میری سچائی کا سبھی دارومدار

وحیِ حق کی بات ہے ہوکر رہے گی بے خطا
کچھ دنوں کر صبر ہوکر متقی اور بُردبار

یہ گماں مت کر کہ یہ سب بدگمانی ہے معاف
قرض ہے واپس ملے گا تجھ کو یہ سارا اُدھار

﴿۱﴾

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

اے یار ازل بس است روئے تو مرا　　بہتر زِ ہزار خلد کوئے تو مرا
از مصلحتے دگر طرف بینم لیک　　ہر لحظہ نگاہِ ہست سوئے تو مرا
بر عزتِ من اگر کسے حملہ کند　　صبر است طریق ہمچو خوئے تو مرا
من چیستم و چہ عزتم ہست مگر　　جنگ است زِ بہرِ آبروئے تو مرا

ایک صاحب محمد اکرام اللہ نام نے روزانہ پیسہ اخبار مورخہ ۲۲؍مئی ۱۹۰۵ء میں میرے ان اشتہارات کی نسبت جن میں اوّل دفعہ اور دوم دفعہ کے زلزلہ کی نسبت پیشگوئیاں ہیں کچھ اعتراض شائع کئے ہیں اور میرے خیال میں وہ اعتراضات صرف تعصب کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ ناسمجھی اور نہایت محدود واقفیت بھی ان کا موجب ہے۔ قوم کی حالت پر اسی وجہ سے مجھے رونا آتا ہے کہ اعتراض کرنے کے وقت کچھ تدبّر نہیں کرتے اور جنون کی طرح ایک جوش پیدا ہو جاتا ہے یا خودنمائی کی وجہ سے یہ شوق دامن گیر ہوتا ہے کہ کسی طرح معترض بن کر ہمیں بھی اوّل درجہ کے مخالفوں میں جگہ مل جائے اور یا کم سے کم لائق اور اہلِ علم متصور ہوں مگر بجائے لائق کہلانے کے خود اپنے ہاتھ سے اپنی پردہ دری کرتے ہیں۔ اب اہل انصاف اعتراضات کو سنیں اور ان کے جوابات پر غور کر کے دیکھیں کہ کیا ایسے اعتراضات کوئی منصف مزاج جس کو کچھ بھی عقل اور دین سے حصہ ملا ہے کر سکتا ہے۔ افسوس کہ یہ لوگ اوّل خود دھوکا کھاتے ہیں اور پھر لوگوں کو دھوکے میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ اور اس جاہلیت کا سارا باعث وہ جلا ہوا تعصب ہے کہ جو جہنم کی آگ اپنے اندر رکھتا ہے۔

خلاصہ اعتراض اوّل **قولہ**۔ اب ہم مرزا صاحب کے قول سے ثابت کرتے ہیں کہ زلزلہ کی پیشگوئی کوئی قابلِ وقعت چیز نہیں ہے کیونکہ وہ اپنی کتاب ازالہ اوہام میں خود لکھتے ہیں کہ زلزلہ کی پیشگوئی

قابل وقعت چیز نہیں بلکہ مہمل اور نا قابلِ التفات ہے۔ **الجواب**۔ واضح ہو کہ معترض نے اس ﴿۲﴾
جگہ وہ میری عبارت پیش کی ہے کہ جو میں نے انجیل متی کی ایک پیشگوئی پر جو حضرت مسیح کی
طرف منسوب کی جاتی ہے ازالہ اوہام میں لکھی ہے۔ اور اس جگہ کافی ہوگا کہ وہی عبارت زلزلہ
کی نسبت جو انجیل متی میں حضرت مسیح کے نام پر مندرج ہے جس کو میں نے ازالہ اوہام میں نقل
کیا ہے پبلک کے سامنے پیش کر دی جائے اور پھر وہ عبارتیں جو میری پیشگوئیوں میں دونوں
زلزلوں کی نسبت بذریعہ اشتہارات شائع ہو چکی ہیں بالمقابل اس جگہ لکھ دی جائیں تا ناظرین خود
سمجھ لیں کہ کیا ان دونوں پیشگوئیوں کی ایک ہی صورت ہے یا ان میں کچھ فرق بھی ہے اور کیا میری
پیشگوئی میں بھی زلزلہ کی نسبت صرف معمولی الفاظ ہیں جو ہر ایک زلزلہ پر صادق آ سکتے ہیں جیسا
کہ انجیل متی کے الفاظ ہیں یا میری پیشگوئی فوق العادت زلزلہ کی خبر دیتی ہے۔ اور اس جگہ اس
بات کا ذکر کرنا بھی بے موقعہ نہ ہوگا کہ جس سرزمین میں حضرت مسیح تھے یعنی ملک شام میں اُس
ملک کی قدیم سے ایسی صورت ہے کہ ہمیشہ اس میں زلزلے آیا کرتے ہیں جیسا کہ کشمیر میں اور
ہمیشہ طاعون بھی اُس ملک میں آیا کرتی ہے پس اُس ملک کے لئے یہ اعجوبہ نہیں ہے کہ اُس میں
زلزلہ آوے یا طاعون پیدا ہو بلکہ کوئی بڑا زلزلہ آنا بھی عجیب بات نہیں ہے حضرت مسیح کی پیدائش
سے بھی پہلے اس میں زلزلے آ چکے ہیں اور ان کی زندگی میں بھی ہمیشہ سخت اور نرم زلزلے آتے
رہے ہیں۔ پھر معمولی بات کی نسبت پیشگوئی کیا ہوگی؟ مگر ہم آگے چل کر بیان کریں گے کہ یہ
زلزلہ جس کی پیشگوئی میں نے کی تھی اس ملک کے لئے کوئی معمولی بات نہ تھی بلکہ ایک انہونی اور
فوق العادت بات تھی جس کو تمام ملک کے رہنے والوں نے فوق العادت قرار دیا بلکہ نمونہ قیامت
سمجھا اور تمام محقق انگریزوں نے بھی یہی گواہی دی اور تاریخ پنجاب بھی یہی شہادت دیتی ہے اور
نیز پرانی عمارتیں جو قریباً سولہ سو ۱۶۰۰ برس سے محفوظ چلی آئیں بزبان حال یہی شہادت دے رہی ہیں
مگر سب کو معلوم ہے کہ ملک شام میں تو اِس کثرت سے زلزلے آتے ہیں کہ جب وہ پیشگوئی

حضرت مسیح کی لکھی گئی تو غالباً اس وقت بھی کوئی زلزلہ آ رہا ہوگا۔

اب ہم ذیل میں وہ پیشگوئی لکھتے ہیں جو زلزلہ آنے کی نسبت انجیل متی میں لکھی گئی ہے جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے۔قوم قوم پر اور بادشاہت بادشاہت پر چڑھ آوے گی اور کال اور مری پڑے گی اور جگہ جگہ بھونچال آویں گے۔ دیکھو انجیل متی باب ۲۴۔ یہی پیشگوئی ہے جس کی نسبت میں نے ازالہ اوہام میں وہ عبارت لکھی ہے جو معترض نے اخبار مذکور کے صفحہ ۵ پانچ کالم اوّل سطر ۲۶ چھبیس میں درج کی ہے اور وہ یہ ہے۔ کیا یہ بھی کچھ پیشگوئیاں ہیں کہ زلزلے آئیں گے مری پڑے گی لڑائیاں ہوں گی قحط پڑیں گے۔ معترض صاحب میری اس عبارت کو لکھ کر اس سے یہ بات نکالتے ہیں کہ گویا میں نے یہ اقرار کیا ہے کہ زلزلہ کی نسبت پیشگوئی کرنا کوئی قابل وقعت چیز نہیں اور ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اس عبارت سے میرا یہ مدّعا نہیں ہے جو معترض نے سمجھا ہے بلکہ یہ غرض ہے کہ معمولی طور پر ایک بات کو پیش کرنا جس میں کوئی اعجوبہ نہیں اور جس میں کوئی فوق العادت امر نہیں پیشگوئی کے مفہوم میں داخل نہیں ہوسکتا۔ مثلاً اگر کوئی پیشگوئی کرے کہ برسات کے دنوں میں کچھ نہ کچھ بارشیں ہوں گی تو یہ پیشگوئی نہیں کہلا سکتی کیونکہ عادت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ برسات کے مہینوں میں کچھ نہ کچھ بارشیں ہو جایا کرتی ہیں۔ ہاں اگر کوئی یہ پیشگوئی کرے کہ اب کی دفعہ برسات کے دنوں میں اس قدر بارشیں ہوں گی کہ زمین میں سے چشمے جاری ہو جائیں گے اور کوئیں پُر ہو کر نہروں کی طرح بہنے لگیں گے اور گذشتہ سو برس میں ایسی بارش کی کوئی نظیر نہیں ہوگی تو اس کا نام ضرور ایک امر خارق عادت اور پیشگوئی رکھا جائے گا سو اسی اصول کے لحاظ سے میں نے انجیل متی باب ۲۴ کی پیشگوئی پر اعتراض کیا تھا کہ صرف اتنا کہہ دینا کہ زلزلے آئیں گے خاص کر اس ملک میں جس میں ہمیشہ زلزلے آیا کرتے ہیں بلکہ سخت زلزلے بھی آتے ہیں یہ کوئی ایسی خبر نہیں ہے جس کا نام پیشگوئی رکھا جائے یا اس کو ایک امر خارق عادت ٹھہرایا جائے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ کیا اُن ہر سہ اشتہارات میں بھی جو میں نے زلزلہ کی نسبت پیشگوئی

﴿۳﴾

کے طور پر ملک میں شائع کئے ایسی ہی معمولی خبر پائی جاتی ہے جس میں کوئی امر خارق عادت نہیں۔ اگر درحقیقت ایسا ہی ہے تو پھر زلزلہ کی نسبت میری پیشگوئی بھی ایک معمولی بات ہوگی۔ زلزلہ کی نسبت میرے اشتہارات کے الفاظ یہ ہیں۔ یکم مئی ۱۹۰۴ء میں مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ وحی ہوئی تھی جس کو میں نے اخبار الحکم اور البدر میں شائع کرا دیا تھا۔ **عفت الدّیار محلّھا و مقامھا**۔ یعنی اس ملک کا ایک حصہ مٹ جائے گا۔ اس کی وہ عمارتیں جو عارضی سکونت کی جگہ ہیں اور وہ عمارتیں جو مستقل سکونت کی جگہ ہیں دونوں نابود ہو جائیں گی ان کا نام و نشان نہیں رہے گا۔ اور **الدیار** پر جو الف لام ہے وہ دلالت کرتا ہے جو خدا تعالیٰ کے علم میں اس ملک میں سے وہ خاص خاص جگہ ہیں جن پر یہ تباہی آئے گی اور وہ خاص حصہ ملک کے مکانات ہیں جو زمین سے برابر ہو جائیں گے۔ یہ کس قدر فوق العادت پیشگوئی ہے اور کس شد و مد سے اس میں آئندہ واقعہ کا ذکر ہے جس کی سولہ سو (۱۶۰۰) برس تک بھی اس ملک میں نظیر نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ انگریزی اخباروں کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ بڑے بڑے طبقات الارض کے محقق اس ملک کی نسبت یہ فوق العادت واقعہ قرار دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ یورپ کے بڑے بڑے محققوں کی شہادت سے شائع ہو چکا ہے کہ سولہ سو برس تک بھی پنجاب میں اس زلزلہ کی نظیر نہیں پائی جاتی اور تمام اخباریں اس مضمون سے بھری پڑی ہیں کہ یہ زلزلہ نمونہ قیامت تھا۔ پس جبکہ اُس وحی الٰہی میں جو میرے پر ہوئی یہ فوق العادت مضمون ہے کہ اس حادثہ سے عمارتیں نابود ہو جائیں گی اور ایک حصہ اِس ملک کا تباہ ہو جائے گا تو پھر نہایت افسوس ہے کہ ایسی عظیم الشان پیشگوئی کو جو ایک ملک کے تباہ ہونے کی خبر دیتی ہے انجیل کی ایک معمولی خبر کے برابر ٹھہرایا جائے جو زلزلے آئیں گے اور وہ بھی اُس ملک میں جو زلزلوں کا گھر ہے کیا کسی پیشگوئی کے اِس سے زیادہ الفاظ ڈرانے والے ہو سکتے ہیں۔ ہر ایک منصف مزاج خود سوچ لے کہ کیا اس ملک پنجاب کے لئے زلزلہ کی پیشگوئی کے الفاظ اس سے زیادہ فوق العادت ہو سکتے ہیں جو وحی ربّانی **عفت الدّیار محلّھا و مقامھا** میں پائے جاتے ہیں۔ جس کے یہ معنے

﴿۴﴾

ہیں کہ ایک حصہ ملک کا ایسا تباہ ہو جائے گا کہ اس کی عمارتیں سب نابود ہو جائیں گی نہ سرائیں باقی رہیں گی نہ مستقل سکونت کی جگہ۔ اس جگہ ادنیٰ عربی دان بھی الدیار کے الف لام کو ذہن میں رکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ الدیار سے ایک حصہ اس ملک کا مراد ہے اور عفت کے لفظ سے یہی مطلب ہے کہ اس حصہ ملک کے سب مکانات گر جائیں گے نابود ہو جائیں گے ناپدید ہو جائیں گے☆۔ پس کوئی مجھ کو سمجھا وے کہ اس ملک کے لئے ایسا واقعہ پہلے اس سے کب پیش آیا تھا اور نہ ایمانداری سے بعید ہے کہ انسان بے حیا ہو کر جھوٹ بولے اور اس خدا کا خوف نہ کرے جس کا ہاتھ ہر ایک وقت سزا دینے پر قادر ہے۔ اور پھر اشتہار الوصیت میں جو ۲۷ر فروری ۱۹۰۵ء میں زلزلہ سے پہلے شائع کیا گیا تھا یہ عبارت درج ہے۔ اِس وقت جو آدھی رات کے بعد چار بج چکے ہیں بطور کشف میں نے دیکھا ہے کہ دردناک موتوں سے عجیب طور پر شورِ قیامت برپا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی الہام ہوا کہ **موتا موتی لگ رہی ہے** اب سوچو کہ کیا ایک آئندہ واقعہ کی ان الفاظ سے پیشگوئی کرنا کہ وہ نمونہ قیامت ہوگا۔ اور شورِ قیامت اس سے برپا ہوگا وہ پیشگوئی اس پیشگوئی سے مساوی ہو سکتی ہے جو معمولی الفاظ میں کہا جائے جو زلزلے آویں گے۔ خاص کر شام جیسے ملک میں جو اکثر زلزلوں اور طاعون کی جگہ ہے اگر خدا تعالیٰ کا خوف ہو تو خدائے تعالیٰ کی پیشگوئی کے انکار میں اس قدر دلیری کیونکر ہو۔ یہ میرے پر حملہ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ پر حملہ ہے جس کا وہ کلام ہے اور یہ کہنا کہ **عَفَتِ الدِّیار محلّھا و مقامھا** یہ لبید بن ربیعہ کے ایک بیت کا پہلا مصرعہ ہے

﴿۵﴾

☆ اگر کسی کو ان معنوں میں شک ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ کسی مخالف عربی دان کو قسم دے کر پوچھ لے کہ کیا اس الہام عَفَتِ الدّیار میں عمارتوں کا گرنا۔ نابود ہو جانا اور ایسے مکانات کا گرنا جو عارضی آمد و رفت کے لئے مقرر ہوتے ہیں جیسا کہ دھرم سالہ اور کانگڑہ کے پہاڑ کی لاٹاں والی کا مندر یا دائمی بود و باش کے مکانات کا گرنا ثابت نہیں ہوتا؟ ظاہر ہے کہ ایسے کھلے طور پر ثابت ہوتا ہے جس سے آگے توضیح کی ضرورت نہیں۔ منہ

یہ بھی خدا تعالیٰ پر گستاخانہ حملہ ہے وہ ہر ایک شخص کے قول کا وارث ہے لبید ہو یا کوئی اور ہو۔ اُسی کی توفیق سے شعر بھی بنتا ہے۔ پس اگر اس نے ایک شخص کے کلام کو لے کر بطور وحی القا کر دیا تو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ اور اگر یہ اعتراض ہوسکتا ہے تو پھر اس بات کا کیا جواب ہے کہ قرآن شریف میں جو یہ آیت ہے **فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین**۔ یہ بھی دراصل ایک انسان کا کلام تھا۔ یعنی عبداللہ بن ابی سرح کا جو ابتداء میں قرآن شریف کی بعض آیات کا کاتب بھی تھا پھر مرتد ہوگیا وہی کلام اس کا بغیر کمی بیشی کے فرقان مجید میں نازل ہوگیا اور یہ وحی الٰہی کہ **عفت الدیار محلھا و مقامھا** اس کے حروف قرآن شریف کی آیت موصوفہ کے حروف سے بھی زیادہ نہیں ہیں۔ یعنی فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ[1] سے بلکہ اس کے اکیس[۲۱] حرف ہیں مگر آیت قرآنی کے بائیس[۲۲] حرف۔ پھر معترض کا اس وحی الٰہی پر یہ کہاوت سنانا کہ ''کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا۔ بھان متی نے کنبہ جوڑا''☆ اُس کو ذرا سوچنا چاہیے کہ اُس نے درحقیقت قرآن شریف پر حملہ کر کے اپنی عاقبت درست کرلی ہے۔ اور قرآن شریف میں صرف یہی وحی نہیں جو اس بات کا نمونہ ہو جو وہ پہلے انسانی کلام تھا اور پھر اُس سے خدا تعالیٰ کی وحی کا توارد ہوا بلکہ بہت سے ایسے نمونے پیش ہوسکتے ہیں جہاں انسانی کلام سے خدا تعالیٰ کے کلام کا توارد ہوا جیسا کہ قرآن شریف کو بہت جگہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلام سے توارد ہوا ہے جس سے علماء بے خبر نہیں ہیں۔ اور جن کی ایک بڑی فہرست پیش ہوسکتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معترض دراصل قرآن شریف سے منکر ہے ورنہ ایسا گستاخی اور بے ادبی کا کلمہ ہرگز اس کے منہ پر نہ آتا۔ کیا کوئی مومن ایسا اعتراض کسی پر کرسکتا ہے؟ کہ وہ اعتراض بعینہٖ قرآن شریف پر آتا ہو۔ نعوذ باللہ ہرگز نہیں۔

﴿۶﴾

☆ اگرچہ گناہ ہزاروں قسم کے ہوتے ہیں مگر نہایت درجہ کا لعنتی وہ شخص ہے جو خدا تعالیٰ کے پاک کلام پر اعتراض کرے۔ جاہل جلدی سے اور گستاخی سے اور خوش ہو کر خدا تعالیٰ کے کلام پر اعتراض کرتا ہے اور اس قدوس سے لڑتا ہے مگر وہ مرجاتا تو اس سے بہتر تھا۔ منہ

[1] المومنون: ۱۵

پھر معترض کا پیشگوئی عفت الدیار پر ایک یہ بھی اعتراض ہے کہ عفت کا لفظ جو ماضی کا صیغہ ہے اس کا ترجمہ مضارع کے معنوں میں کیا گیا ہے حالانکہ اس کا ترجمہ ماضی کے معنوں میں کرنا چاہئے تھا۔ اس اعتراض کے ساتھ معترض نے بہت شوخی دکھلائی ہے۔ گویا مخالفانہ حملہ میں اس کو بھاری کامیابی ہوئی ہے۔ اب ہم اس کی کس کس دھوکا دہی کو ظاہر کریں جس شخص نے کافیہ یا ہدایت النحو بھی پڑھی ہوگی۔ وہ خوب جانتا ہے کہ ماضی مضارع کے معنوں پر بھی آ جاتی ہے بلکہ ایسے مقامات میں جبکہ آنے والا واقعہ متکلم کی نگاہ میں یقینی الوقوع ہو☆ مضارع کو ماضی کے صیغہ پر لاتے ہیں تا اس امر کا یقینی الوقوع ہونا ظاہر ہو۔ اور قرآن شریف میں اس کی بہت نظیریں ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ [1] اور جیسا کہ فرماتا ہے وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ [2]۔ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ [3] اور جیسا کہ فرماتا ہے وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ [4] اور جیسا کہ فرماتا ہے وَنَادٰى أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ أَصْحٰبَ النَّارِ أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوْا نَعَمْ [5] اور جیسا کہ فرماتا ہے تَبَّتْ يَدَآ أَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ مَآ أَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ [6] اور جیسا کہ فرماتا ہے وَلَوْ تَرٰى إِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ [7] اور جیسا کہ فرماتا ہے وَلَوْ تَرٰى إِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ قَالَ أَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا [8]۔ اب معترض صاحب

﴿۷﴾

☆ مثلاً جس شخص کو بہت سی زہر قاتل دی گئی ہو وہ کہتا ہے کہ میں تو مر گیا۔ اور ظاہر ہے کہ مر گیا ماضی کا صیغہ ہے مضارع کا صیغہ نہیں ہے۔ اس سے مطلب اس کا یہ ہوتا ہے کہ میں مر جاؤں گا۔ اور مثلاً ایک وکیل جس کو ایک قوی اور کھلی کھلی نظیر فیصلہ چیف کورٹ کی اپنے مؤکل کے حق میں مل گئی ہے وہ خوش ہو کر کہتا ہے کہ بس اب ہم نے فتح پالی حالانکہ مقدمہ ابھی زیر تجویز ہے کوئی فیصلہ نہیں لکھا گیا۔ پس مطلب اس کا یہ ہوتا ہے کہ ہم یقیناً فتح پالیں گے اسی لئے وہ مضارع کی جگہ ماضی کا صیغہ استعمال کرتا ہے۔ منہ

[1] یٰسٓ:۵۲ [2] المآئدۃ:۱۱۷ [3] المآئدۃ:۱۲۰ [4] الحجر:۴۸ [5] الاعراف:۴۵
[6] اللّھب:۲-۳ [7] الانعام:۲۸ [8] الانعام:۳۱

فرمادیں کہ کیا یہ قرآنی آیات ماضی کے صیغے ہیں یا مضارع کے اور اگر ماضی کے صیغے ہیں تو ان کے معنے اس جگہ مضارع کے ہیں یا ماضی کے۔ جھوٹ بولنے کی سزا تو اس قدر کافی ہے کہ آپ کا حملہ صرف میرے پر حملہ نہیں بلکہ یہ تو قرآن شریف پر بھی حملہ ہو گیا گویا وہ صرف ونحو جو آپ کو معلوم ہے خدا کو معلوم نہیں۔ اسی وجہ سے خدا نے جابجا غلطیاں کھائیں اور مضارع کی جگہ ماضی کو لکھ دیا۔

پھر اس کے ساتھ آپ کا ایک اور اعتراض بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس پیشگوئی یعنی **عفت الدیار محلھا ومقامھا** میں زلزلہ کا لفظ کہاں ہے۔ افسوس اس معترض کو یہ معلوم نہیں کہ مقصود بالذات تو پیشگوئی کا اسی قدر مفہوم ہے جو الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے غرض تو صرف اتنی ہے کہ ایک حصہ ملک پر بڑی تباہی آئے گی۔ اس جگہ دانا خود سمجھ سکتا ہے کہ مکانات کا تباہ ہونا بذریعہ زلزلہ ہی ہوا کرتا ہے۔ ہاں ممکن ہے کہ یہ عظیم الشان ملک کی تباہی اور شہروں اور مکانات کا نابود ہو جانا کسی اور ذریعہ سے ظہور میں آوے مگر تب بھی بہرحال یہ پیشگوئی سچی ثابت ہوگی۔ اور چونکہ سنّت اللہ کے موافق اس تباہی کو زلزلہ پر دلالتِ التزامی ہے اس لئے اس کا ذکر کرنا ضروری نہ تھا لیکن چونکہ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ بعض کم فہم جن کی فطرت نادانی اور تعصب کی معجون ہے ایسا اعتراض بھی کریں گے اس لئے اُس نے زلزلہ کا لفظ بھی بتصریح لکھ دیا۔ دیکھو پرچہ الحکم مورخہ ۲۴؍دسمبر ۱۹۰۳ء اور اگرچہ یہ پیشگوئی زلزلہ کی پیشگوئی سے الگ کر کے جو اس سے پہلے شائع ہو چکی ہے صرف اس قدر بتاتی ہے کہ اس ملک کے بعض حصے تباہ ہو جائیں گے اور سخت تباہی آئے گی اور عمارات نابود ہو جائیں گی اور بستیاں کالعدم ہو جائیں گی۔ اور یہ نہیں بتلاتی کہ کس خاص ذریعہ سے یہ تباہیاں وقوع میں آئیں گی۔ لیکن جو شخص سوچے گا کہ شہر اور بستیاں کس ذریعہ سے زمین میں دھنسا کرتی ہیں اور یک دفعہ عمارتیں کیونکر گر جاتی ہیں اور اس پیشگوئی کے ساتھ اس پیشگوئی کو بھی پڑھے گا جو اسی پرچہ میں پانچ ۵ ماہ پہلے شائع ہو چکی ہے۔ ﴿۸﴾

جس کے یہ لفظ ہیں کہ زلزلہ کا دھکا وہ ایسا اعتراض کرنے سے حیا کرے گا کہ پیشگوئی میں زلزلہ کا ذکر نہیں۔ ہاں ہم یہ اب بھی کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے کلام میں استعارات بھی ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی [1] لہٰذا ممکن تھا کہ زلزلہ سے مراد اور کوئی عظیم الشان آفت ہوتی جو پورے طور پر زلزلہ کا رنگ اپنے اندر رکھتی۔ مگر ظاہر عبارت بہ نسبت تاویل کے زیادہ حق رکھتی ہے پس دراصل اس پیشگوئی کا حلقہ وسیع تھا لیکن خدا تعالیٰ نے دشمنوں کا منہ کالا کرنے کے لئے ظاہر الفاظ کی رو سے بھی اس کو پورا کر دیا۔ اور ممکن ہے کہ بعد اس کے بعض حصے اس پیشگوئی کے کسی اور رنگ میں بھی ظاہر ہوں لیکن بہرحال وہ امر خارقِ عادت ہوگا جس کی نسبت یہ پیشگوئی ہے چنانچہ یہی زلزلہ جس نے اس قدر پنجاب میں نقصان پہنچایا اس کی نسبت تحقیقات کی رو سے سول ملٹری گزٹ وغیرہ اخبارات میں شائع ہو چکا ہے اور یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ سولہ سو [۱۶۰۰] برس تک اس ملک پنجاب میں ایسا کوئی زلزلہ نہیں آیا۔ پس یہ پیشگوئی بلا شبہ اوّل درجہ کی خارق عادت امر کی خبر دیتی ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس کے بعد بھی کچھ ایسے حوادث مختلف اسبابِ طبعیہ سے ظاہر ہوں جو ایسی تباہیوں کے موجب ہو جائیں جو خارقِ عادت ہوں پس اگر اس پیشگوئی کے کسی حصہ میں زلزلہ کا ذکر بھی نہ ہوتا تب بھی یہ عظیم الشان نشان تھا کیونکہ مقصود تو اس پیشگوئی میں ایک خارقِ عادت تباہی مکانوں اور جگہوں کی ہے جو بے مثل ہے زلزلہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے پس جب کہ یہ شہادت مل چکی کہ سولہ سو برس تک اس تباہی کی ملک پنجاب میں نظیر نہیں پائی جاتی تو یہ پیشگوئی ایک معمولی امر نہ رہا جو صرف انسانی اٹکل سے ہو سکتا ہے پھر جبکہ اسؔ پیشگوئی کے

﴿۹﴾

اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ جو شخص اس جہان میں اندھا ہے وہ دوسرے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا یعنی جس کو خدا کا دیدار اِس جگہ نہیں اُس جگہ بھی نہیں۔ اس آیت کے یہ معنے نہیں ہیں کہ جو بیچارے جسمانی طور پر اس جہان میں اندھے ہیں وہ دوسرے جہان میں بھی اندھے ہی ہوں گے۔ پس یہ استعارہ ہے کہ جاہل کا نام اندھا رکھا گیا۔ منہ

[1] بنی اسرائیل: ۷۳

پہلے حصہ میں جو ۲۴/ دسمبر ۱۹۰۳ء میں اُسی اخبار الحکم میں درج ہوئی ہے صاف اور صریح لفظوں میں زلزلہ کا ذکر بھی شائع ہو چکا ہے تو ایسے معترض کی عقل پر ہنسیں یا رووَیں جو کہتا ہے جو زلزلہ کی کوئی پیشگوئی نہیں کی۔

اب یادرہے کہ وحی الٰہی یعنی **عفت الدیار محلها و مقامها** یہ وہ کلام ہے جو آج سے تیرہ سو[۱۳۰۰] برس پہلے خداتعالیٰ نے **لبید بن ربیعة العامری** کے دل میں ڈالا تھا جو اُس کے اس قصیدہ کا اوّل مصرع ہے جو سبعہ مُعلّقہ کا چوتھا قصیدہ ہے اور لبید نے زمانہ اسلام کا پایا تھا اور مشرف باسلام ہو گیا تھا اور صحابہ **رضی اللّٰہ عنهم** میں داخل تھا اس لئے خداتعالیٰ نے اس کے کلام کو یہ عزت دی کہ جو آخری زمانہ کی نسبت ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی کہ ایسی ایسی تباہیاں ہوں گی جن سے ایک ملک تباہ ہوگا وہ اُسی کے مصرع کے الفاظ میں بطور وحی فرمائی گئی جو اس کے منہ سے نکلی تھی۔ پس یہ تعجب سخت نادانی ہے کہ ایک کلام جو مسلمان کے منہ سے نکلا ہے وہ کیوں وحی الٰہی میں داخل ہوا۔ کیونکہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں وہ کلام جو عبداللہ بن ابی سرح کے منہ سے نکلا تھا یعنی فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ [۱] وہی قرآن شریف میں نازل ہوا جس کی وجہ سے عبداللہ بن ابی سرح مرتد ہو کر مکہ کی طرف بھاگ گیا☆۔ پس جب کہ خداتعالیٰ کے کلام کا ایک مرتد کے کلام سے توارد ہوا تو اس سے کیوں تعجب کرنا چاہیے کہ لبید جیسے صحابی بزرگوار کے کلام سے اس کے کلام کا توارد ہو جائے۔ خداتعالیٰ جیسے ہر ایک چیز کا وارث ہے ہر ایک پاک کلام کا بھی وارث ہے اور ہر ایک پاک کلام اُسی کی توفیق سے مُنہ سے نکلتا ہے۔ پس اگر ایسا کلام بطور وحی نازل ہو جائے تو اس بارے میں وہی شخص شک کرے گا جس کو اسلام میں شک ہو۔ اور لبید کے فضائل میں سے ایک یہ بھی تھا جو اس نے نہ صرف

☆ دیکھو۔ **تفسیر العلامه ابی السعود علٰی حاشیة التفسیر الکبیر** صفحہ ۲۷۶ و ۲۷۷ جلد ۶

[۱] المومنون: ۱۵

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا بلکہ زمانہ ترقیات اسلام کا خوب دیکھا اور ۴۱ ہجری میں ایک سو ستاون ۱۵۷ برس کی عمر پا کر فوت ہوا۔ اِسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلام سے بھی کئی مرتبہ قرآن شریف کا توارد ہوا جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ قال قال عمر وَافَقْتُ رَبِّیْ فِیْ اَرْبَعٍ یعنی چار باتیں جو میرے منہ سے نکلیں وہی خدا تعالیٰ نے فرمائیں اور اگر ہم اس امت مرحومہ کے اولیاء کرام کا ذکر کریں کہ کس قدر دوسروں کے کلام بطور الہام اُن کے دلوں پر القا ہوئے اور بعض کو مثنوی رومی کے اشعار بطور الہام منجانب اللہ دل پر ڈالے گئے تو یہ بیان ایک علیحدہ رسالہ کو چاہتا ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ جس شخص کو ایک ذرا واقفیت بھی اس کوچہ سے ہوگی وہ کبھی اس بات کو مُنہ پر نہیں لائے گا کہ خدا کے کلام کو انسان کے کلام سے توارد نہیں ہوسکتا بلکہ ہر ایک شخص جو کسی قدر علم شریعت سے حصہ رکھتا ہے وہ ایسے کلمہ کو موجبِ کفر سمجھے گا کیونکہ اس عقیدہ سے قرآن شریف سے انکار کرنا لازم آتا ہے۔ اس جگہ ایک اشکال بھی ہے اور ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس اشکال کو بھی حل کر دیں۔ وہ یہ ہے کہ اگر یہ جائز ہے کہ کسی انسان کے کلام سے خدا کے کلام کا توارد ہو تو ایسا ہونا قرآن شریف کے معجزہ ہونے میں قدح پیدا کرتا ہے لیکن جیسا کہ صاحب تفسیر کبیر اور دوسرے مفسروں نے لکھا ہے کوئی جائے اشکال نہیں کیونکہ اس قدر قلیل کلام پر اعجاز کی بنا نہیں ورنہ قرآن شریف کے کلمات بھی وہی ہیں جو اور عربوں کے منہ سے نکلتے تھے اعجازی صورت کے پیدا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ خدا کا کلام کم سے کم اس سورۃ کے برابر ہو جو سب سے چھوٹی سورۃ قرآن شریف میں ہے یا کم سے کم دس آیتیں ہوں کیونکہ اسی قدر کو قرآن شریف نے معجزہ ٹھہرایا ہے۔ مگر مَیں کہتا ہوں کہ اگر کسی شخص کا کلام خدا کے کلام میں بطور وحی کے داخل ہو جائے تو وہ بہرحال اعجاز کا رنگ پکڑ سکتا ہے۔ مثلاً یہی وحی الٰہی یعنی عَفَتِ الدّیار محلّھا و مقامھا جب لبید رضی اللہ عنہ کے مُنہ سے شعر کے طور پر نکلی تو یہ معجزہ نہ تھی۔ لیکن جب وحی کے طور پر ظاہر ہوئی تو اب معجزہ ہوگئی ۔ کیونکہ

﴿۱۰﴾

لبید ایک واقعہ گذشتہ کے حالات پیش کرتا ہے جن کا بیان کرنا انسانی قدرت کے اندر داخل ہے لیکن اب خدا تعالیٰ لبید کے کلام سے اپنی وحی کا توارد کر کے ایک واقعہ عظیمہ آئندہ کی خبر دیتا ہے جو انسانی طاقتوں سے باہر ہے پس وہی کلام جب لبید کی طرف منسوب کیا جائے تو معجزہ نہیں ہے لیکن جب خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے تو بلاشبہ معجزہ ہے۔ آج سے ایک سال پہلے اس بات کو کون جانتا تھا کہ ایک حصہ اس ملک کا زلزلہ شدیدہ کے سبب سے تباہ اور ویران ہو جائے گا یہ کس کو خبر تھی کہ اس قدر شہر اور دیہات یک دفعہ زمین میں دھنس کر تمام عمارتیں نابود ہو جائیں گی اور اُس زمین کی ایسی صورت ہو جائے گی کہ گویا اس میں کبھی کوئی عمارت نہ تھی پس اسی بات کا نام تو معجزہ ہے کہ کوئی ایسی بات ظہور میں آوے جو پہلے اس سے کسی کے خیال وگمان میں نہ تھی اور امکانی طور پر بھی اس کی طرف کسی کا خیال نہ تھا۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اس ملک کے رہنے والوں نے اس زلزلہ شدیدہ کو بڑے تعجب کی نظر سے دیکھا ہے اور اس کو ایک غیر معمولی اور انہونی بات اور نمونہ قیامت قرار دیا ہے اور کیا یہ سچ نہیں ہے کہ محققان یورپ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اس ملک کی تاریخ پر سولہ سو ۱۶۰۰ برس تک نظر ڈال کر ثابت ہوتا ہے کہ پہلے اس سے ایسا خوفناک اور تباہی ڈالنے والا زلزلہ اس ملک میں کبھی نہیں آیا۔ پس جس وحی نے ایک زمانہ دراز پہلے ایسے غیر معمولی واقعہ کی خبر دی کیا وہ خبر معجزہ نہیں ہے؟ کیا وہ انسانی طاقتوں کے اندر داخل ہے☆۔ جس ملک کے لوگوں نے بلکہ ان کے باپ دادوں نے

﴿۱۱﴾

☆ معترض صاحب نے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں پیسہ اخبار میں یہ اعتراض شائع کیا ہے کہ پیشگوئی **عفت الدیار محلها و مقامها** میں زلزلہ کا کہاں ذکر ہے حالانکہ زلزلہ کا ذکر اس پیشگوئی سے پانچ ۵ ماہ پہلے اُسی اخبار میں شائع ہو چکا ہے۔ اور یہ پیشگوئی اسی زلزلہ کی صفات کا بیان ہے۔ ہمارے مخالفین کی یہ دیانت اور امانت اور یہ عقل اور یہ فہم ہے۔ کیا ان لوگوں میں کوئی بھی ایسا انسان نہیں کہ خلوت میں اس شخص کو ملامت کرے اور اس کو گوشمالی کرے کہ ایسا دھوکا پبلک کو کیوں دیا حالانکہ اس کو خوب معلوم تھا کہ پرچہ الحکم ۲۴؍ دسمبر ۱۹۰۳ء میں زلزلہ کی پیشگوئی صاف لفظوں میں موجود ہے جس کے ہیبت ناک نتائج الہام **عفت الدیار** میں ذکر کئے گئے ہیں اور یہ دونوں پیشگوئیاں ان کے ظہور سے ایک سال پہلے شائع کی گئی ہیں بلکہ زلزلہ کی پیشگوئی صریح اور صاف لفظوں میں مواہب الرحمن صفحہ ۸۶ میں بھی موجود ہے جس کو شائع کئے اڑھائی برس ہو چکے ہیں۔ منہ

﴿۱۲﴾

بھی قریباً دو ہزار☆ برس تک ایک واقعہ کو نہ دیکھا ہو نہ سنا ہو اور نہ آں کے خیال وگمان میں ہو کہ ایسا واقعہ ہونے والا ہے یا امکان میں ہے پھر اگر کوئی پیشگوئی ایسے واقعہ کی خبر دے اور وہ واقعہ بعینہٖ ظہور میں آجائے تو وہ خبر نہ صرف معجزہ کہلائے گی بلکہ اوّل درجہ کا معجزہ ہوگا۔

پھر ہم اصل مطلب کی طرف رجوع کر کے لکھتے ہیں کہ معترض صاحب نے ایک عظیم الشان پیشگوئی کی عظمت دُور کرنے کے لئے اور اس کو تمام لوگوں کی نظر میں خفیف ٹھہرانے کیلئے انجیل کی اُس بے معنی پیشگوئی سے اس کو مشابہت دی ہے جس میں محض معمولی الفاظ میں لکھا ہے کہ زلزلے آویں گے۔ لیکن جو شخص ذرا آنکھ کھول کر میرے اشتہارات کی عبارت کو پڑھے گا اس کو افسوس سے کہنا پڑے گا کہ ناحق معترض نے روز روشن پر پردہ ڈالنا چاہا ہے اور ایک بھاری خیانت سے کام لیا ہے۔ اُس نے میرے اشتہارات کو پڑھ لیا ہے اور اس کو خوب علم تھا کہ میری پیشگوئی کے الفاظ جو زلزلہ کی نسبت بیان کئے گئے ہیں وہ انجیل کے الفاظ کی طرح سُست اور معمولی نہیں ہیں تاہم اس نے دانستہ ہٹ دھرمی کو اختیار کر لیا۔ کس کو معلوم نہیں کہ عربی الہام یعنی **عفت الدیار محلھا و مقامھا** ایک ایسی چونکا دینے والی خبر پیشگوئی کے طور پر بیان کرتا ہے جس سے بدنوں پر لرزہ پڑ جائے کیا یہ ایک معمولی بات ہے کہ شہر اور دیہات زمین میں دھنس جائیں گے اور اُردو میں تصریح کی گئی ہے کہ وہ زلزلہ کا دھکا ہوگا۔ دیکھو اخبار الحکم صفحہ ۱۵ کالم ۲ مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۳ء اور پھر ۱۹۰۱ء میں جو رسالہ آمین شائع کیا گیا تھا اس میں لکھا گیا ہے کہ وہ ایسا حادثہ ہوگا کہ اس سے قیامت یاد آجائے گی☆☆ اور الحکم ۲۴ / مارچ ۱۹۰۴ء

☆ اخبار سول ملٹری گزٹ میں یہ امر تحقیقات شدہ شائع کیا گیا ہے کہ ہندوؤں کا مندر جو کانگڑہ میں زلزلہ سے نابود ہو گیا ہے دو ہزار (۲۰۰۰) برس سے یہ مندر چلا آتا تھا۔ پس اگر ایسا زلزلہ پہلے اس سے آیا ہوتا تو یہ عمارتیں پہلے سے ہی نابود ہو جاتیں۔ منه

☆☆ ایسا ہی میری کتاب ''مواہب الرحمٰن'' مطبوعہ ۱۹۰۲ء میں ایک سخت زلزلہ کی خبر ہے جس سے عمارتیں گریں گی اور اس میں نہ صرف عمارتوں کے گرنے کا ذکر ہے بلکہ صاف لفظوں میں زلزلہ کا ذکر ہے۔ دیکھو مواہب الرحمٰن صفحہ ۸۶۔ منه

میں شائع کیا گیا ہے کہ مکذّبوں کو ایک نشان دکھایا جائے گا۔ اور پھر اشتہار الانذار میں لکھا ہے کہ آنے والا زلزلہ قیامت خیز زلزلہ ہوگا۔ پھر النداء میں لکھا ہے کہ آنے والے زلزلہ سے زمین زیروزبر ہو جائے گی۔ پھر اسی میں لکھا ہے کہ یہ عظیم الشان حادثہ محشر کے حادثہ کو یاد دلائے گا۔ اور پھر اسی میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تیرے لئے زمین پر اُتروں گا تا اپنے نشان دکھلاؤں ہم تیرے لئے زلزلہ کا نشان دکھلائیں گے۔ اور وہ عمارتیں جن کو غافل انسان بناتے ہیں یا آئندہ بنائیں گے گرادیں گے اور میں وہ نشان ظاہر کروں گا جس سے زمین کانپ اٹھے گی تب وہ روز دنیا کے لئے ایک ماتم کا دن ہوگا پھر اس اشتہار میں جس کی سرخی ہے ’’زلزلہ کی خبر بارسوم‘‘۔ آنیوالے زلزلہ کی نسبت یہ عبارت لکھی ہے کہ درحقیقت یہ سچ ہے اور بالکل سچ ہے کہ وہ زلزلہ اس ملک پر آنے والا ہے جو پہلے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا۔ اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں گذرا۔ اب ایماناً کہو کہ انجیل میں زلزلہ کے بارے میں اس قسم کی عبارتیں کہاں ہیں اور اگر ہیں تو وہ پیش کرنی چاہئیں ورنہ خدا تعالیٰ سے خوف کر کے اس حق پوشی سے باز آنا چاہئے۔ ﴿۱۳﴾

قولہ۔ ترجمہ میں زلزلہ کا لفظ بھی داخل کر دیا تا کہ جاہل لوگ یہ سمجھیں کہ الہام میں زلزلہ کا لفظ بھی موجود ہے۔

اقول۔ اے اندھے صاحب پیشگوئی کے مجموعی الفاظ یہ ہیں۔ ’’زلزلہ کا دھکّا **عفت الدیار محلھا و مقامھا**‘‘۔ دیکھو اخبار الحکم ۱۹۰۳ء و ۱۹۰۴ء ان دونوں کے معنے یہ ہوئے کہ ایک زلزلہ کا دھکّا لگے گا اور اس دھکّا سے ایک حصہ اس ملک کا تباہ ہو جائے گا۔ اور عمارتیں گر جائیں گی اور نابود ہو جائیں گی۔ اب بتلاؤ کہ کیا ہم نے جاہلوں کو دھوکا دیا ہے☆۔

☆ جیسا کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں میری کتاب مواہب الرحمٰن میں بھی جو ۱۹۰۲ء میں چھپ کر شائع ہوگئی تھی صریح لفظوں میں یہ پیشگوئی ہے اور زلزلہ کا نام لے کر ذکر موجود ہے۔ پھر اس حالت میں جاہل تو وہ لوگ ہیں کہ جو اتنی تصریح اور توضیح کے بعد بھی سمجھتے ہیں کہ زلزلہ کا کہاں ذکر ہے ان کو چاہیے کہ آنکھیں کھول کر اخبار الحکم ۲۴ ر دسمبر ۱۹۰۳ء کو پڑھیں اور رسالہ آمین

یا آپ جاہلوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اور کیا ہم نے جھوٹ بولا ہے یا آپ جھوٹ بولتے ہیں؟ **لعنة اللّٰه علی الکاذبین.** اخبار الحکم موجود ہے۔ اس کے دونوں پرچوں کو دیکھ لو اور یہ اخبار زلزلہ موعودہ سے ایک سال پہلے ملک میں شائع ہو چکی ہے۔ گورنمنٹ میں بھی پہنچ چکی ہے اب بتلاؤ کس تعصب نے آپ کو اس جھوٹ پر آمادہ کیا جو آپ دعویٰ کر بیٹھے جو زلزلہ کا ذکر پیشگوئی میں موجود ہی نہیں ہے۔

قولہ۔ یہ الہام ۳۱؍ مئی ۱۹۰۲ء کے الحکم[۱] کے صفحہ کالم ۴ پر موجود ہے اور اس کے سامنے صاف طور پر جلی قلم سے لکھا ہوا ہے۔ متعلق طاعون۔

اقول۔ اس میں کیا شک ہے کہ یہ زلزلہ بھی طاعون کا ایک ضمیمہ ہے اور اس سے متعلق ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار فرمادیا ہے کہ زلزلہ اور طاعون دونوں تیری تائید کے لئے ہیں پس زلزلہ درحقیقت طاعون سے ایک تعلق رکھتا ہے کیونکہ طاعون بھی میرے لئے خدا تعالیٰ کی ﴿۱۴﴾ طرف سے ایک نشان ہے اور ایسا ہی زلزلہ بھی۔ پس اسی وجہ سے دونوں کو باہم تعلق ہے اور دونوں ایک ہی امر کے مؤیّد ہیں۔ اور اگر یہ وہم دل میں پیدا ہو کہ اس فقرہ سے مراد درحقیقت طاعون ہی ہے تو یہ وہم درحقیقت فاسد ہے کیونکہ جو چیز کسی چیز سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ درحقیقت اس کا عین نہیں ہو سکتی ماسوا اس کے قرینہ قویہ اس جگہ موجود ہے کہ اس فقرہ سے مراد درحقیقت طاعون نہیں ہے یعنی جب کہ پہلے اس سے یہ الہام موجود ہے کہ زلزلہ کا دھکّا تو پھر ذرہ انصاف اور عقل کو دخل دے کر خود سوچ لینا چاہیئے کہ عمارتوں کا گرنا اور بستیوں کا معدوم ہونا کیا یہ طاعون کی صفات میں سے ہو سکتا ہے بلکہ یہ تو زلزلہ کی صفات میں سے ہے اس قدر مُنہ زوری ایک پرہیزگار انسان میں نہیں ہو سکتی کہ جو معنے ایک عبارت کے الفاظ سے پیدا ہو سکتے ہیں

بقیہ حاشیہ: کو پڑھیں جو ۱۹۰۱ء میں شائع ہوا تھا اور پھر مواہب الرحمٰن کے صفحہ ۸۶ کو پڑھیں جو ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی تھی اور پھر اپنی ایمانی حالت پر روویں۔ منہ

[۱] نقل مطابق اصل: درست حوالہ الحکم ۳۱؍ مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۹ کالم نمبر ۴ ہے (ناشر)

اور جو اس کے سیاق اور سباق سے مترشح ہو رہے ہیں اور جو معنے واقعہ کے ظہور سے کھل گئے ہیں اور انسانی کانشنس نے قبول کرلیا ہے کہ جو کچھ ظاہر ہوا ہے وہ وہی ہے جو **عفت الدیار** کے الہام سے نکلتا ہے پھر اس کے انکار پر اصرار کرے اگر فرض بھی کرلیں کہ خود ملہم نے اپنے اجتہاد کی غلطی سے اس حادثہ کو جو **عفت الدیار** کے الہام سے ظاہر ہوتا ہے طاعون ہی سمجھ لیا تھا تو اس کی یہ غلطی کہ قبل از وقوع ہے مخالف کے لئے کوئی حجت نہیں۔ دنیا میں کوئی ایسا نبی یا رسول نہیں گذرا جس نے اپنی کسی پیشگوئی میں اجتہادی غلطی نہ کی ہو تو کیا وہ پیشگوئی آپ کے نزدیک خدا تعالیٰ کا ایک نشان نہ ہوگا اگر یہی کفر دل میں ہے تو دبی زبان سے کیوں کہتے ہو پورے طور پر اسلام پر کیوں حملہ نہیں کرتے کیا کسی ایک نبی کا نام بھی لے سکتے ہو جس نے کبھی اجتہادی طور پر اپنی کسی پیشگوئی کے معنے کرنے میں غلطی نہیں کھائی۔ تو پھر بتلاؤ کہ اگر فرض بھی کرلیں کہ لفظ متعلق کے معنے بعینہٖ طاعون ہے تو کیا یہ حملہ تمام انبیاء پر نہیں۔ **عفت الدیار** کے الہامی فقرہ پر نظر ڈال کر صاف ظاہر ہے کہ اس فقرہ سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسا حادثہ ہوگا کہ ایک حصہ ملک کی عمارتیں اس سے گر جائیں گی۔ اور نابود ہو جائیں گی۔ اور ظاہر ہے کہ طاعون کا عمارتوں پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ پس اگر ایڈیٹر اخبار الحکم نے ایسا لکھ بھی دیا کہ یہ فقرہ طاعون سے متعلق ہے اور تعلّق سے وہ معنے سمجھے جائیں جو معترض نے کئے ہیں تو غایت مافی الباب یہ کہا جائے گا کہ ایڈیٹر الحکم نے ایسا لکھنے میں غلطی کی۔ اور ایسی غلطی خود انبیاء **علیھم السلام** سے پیشگوئیوں کے سمجھنے میں بعض دفعہ ہوتی رہی ہے۔ جیسا کہ **ذھب وھلی** کی حدیث بخاری میں موجود ہے اور اس کے لفظ یہ ہیں۔ **قال ابو موسٰی عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم رئیت فی المنام انّی اھاجر من مکۃ الٰی ارض بھا نخل فذھب وھلی الٰی انھا الیمامۃ او ھجر فاذا ھی المدینۃ یثرب** (بخاری جلد ثانی باب **ھجرۃ النّبی صلّی اللّٰہ علیہ و سلم و اصحابہ الی المدینۃ**☆) یعنی ابوموسیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ

﴿۱۵﴾

☆ بخاری کتاب مناقب الانصار باب ھجرۃ النّبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ۔ (ناشر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے ملّہ سے ایک ایسی زمین کی طرف ہجرت کی ہے جس میں کھجوروں کے درخت ہیں۔ پس میرا خیال اِس طرف گیا کہ وہ زمین یمامہ یا زمین ہجر ہے مگر وہ مدنیہ نکلا یعنی یثرب۔ اب دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کی رؤیا وحی ہے اور جن کا اجتہاد سب اجتہادوں سے اسلم اور اقویٰ اور اصح ہے اپنی رؤیا کی یہ تعبیر کی تھی کہ یمامہ یا ہجر کی طرف ہجرت ہوگی۔ مگر وہ تعبیر صحیح نہ نکلی۔ پس کیا یہ پیشگوئی آپ کے نزدیک پیشگوئی نہیں ہے؟ اور کیا آپ طیار ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایک حملہ کردیں۔ پس جب کہ اجتہادی غلطی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک ہیں تو پھر آپ کا یہ کیا ایمان ہے کہ تعصب کے جوش میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کی بھی کچھ پروا نہیں کرتے اور خدا تعالیٰ سے کچھ شرم نہیں۔ اور پھر سچے منصف بن کر اور خدا ترسی کا دھیان رکھ کر **عفت الدیار** کے الفاظ کی طرف دیکھنا چاہیئے کہ اس کے الفاظ طاعون پر صادق آتے ہیں یا زلزلہ پر۔ کیا یہ ایمانداری ہے کہ جب کہ واقعہ موعودہ کے ظہور نے **عفت الدیار** کے معنوں کو خود کھول دیا پھر بھی اس سے مراد طاعون ہی سمجھیں۔ اس پیشگوئی کے الفاظ صاف طور پر پکار رہے ہیں کہ وہ ایک حادثہ ہے جس سے عمارتیں گر جائیں گی اور ایک حصہ ملک کی بستیوں کا نابود ہو جائے گا۔ اگر آپ عربی نہیں جانتے تو کسی عربی دان سے پوچھ لیں کہ **عفت الدیار محلها و مقامها** کے کیا معنے ہیں اور اگر کسی پر اعتبار نہ ہو تو اس مصرع کے معنے جو شارح نے لکھے ہیں وہ دیکھ لیں اور وہ معنے یہ ہیں اِنْدَرَسَتْ دِیَارُ الْاَحْبَابِ وَانْمَحٰی مَاکَانَ مِنْهَا لِلْحَوْلِ وَمَا کَانَ لِلْاِقَامَةِ (دیکھو معلّقہ چہارم شرح مصرع اوّل) یعنی دوستوں کی بستیاں اور اُن کے گھر نابود ہو گئے اور وہ عمارتیں نابود ہوگئیں جو چند روزہ اقامت کے لئے تھیں جیسے سرائے یا قوموں کی زیارت گاہیں۔ اور وہ عمارتیں بھی نابود ہوگئیں جو مستقل سکونت کی تھیں۔ اب بتلاؤ یہ معنے طاعون پر کیونکر صادق آسکتے ہیں اور طاعون کو عمارتوں کے گرنے سے کیا تعلق ہے۔ ان معنوں میں اور خدا تعالیٰ کی وحی کے معنوں میں صرف ماضی اور

﴿۱۶﴾

مضارع کا فرق ہے یعنی لبید نے اس جگہ ماضی کے معنے ملحوظ رکھے اور خدا تعالیٰ کے کلام میں اس جگہ استقبال کے معنے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ ایک حصہ ملک کی عمارتیں اور بستیاں نابود ہو جائیں گی۔ نہ عارضی سکونتیں باقی رہیں گی نہ مستقل سکونتیں۔ اب بتلاؤ کہ کیا یہ معنے طاعون پر صادق آسکتے ہیں؟ اب ہٹ دھرمی کرنا کیا فائدہ۔ ناحق کی ضد دو ہی قسم کے آدمی کیا کرتے ہیں یا سخت احمق یا سخت بے ایمان اور متعصّب۔ پھر اگر آپ وہی اعتراض پیش کریں جس کا پہلے بھی جواب دیا گیا ہے یعنی یہ کہ یہ ماضی کا صیغہ ہے اور لبید رضی اللہ عنہ نے ماضی کے معنوں پر استعمال کیا ہے تو اس کا جواب پہلے بھی گذر چکا ہے کہ اب یہ کلام لبید کا نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ خدا تعالیٰ نے جا بجا قرآن شریف میں عظیم الشان پیشگوئیوں کو ماضی کے لفظ سے بیان کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَهَبٍ وَّ تَبَّ مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ[1] ☆ اب ذرہ کچھ انصاف کو کام میں لا کر جواب دو کہ اس پیشگوئی کے الفاظ ماضی کے صیغہ میں ہیں یا مضارع کے صیغہ میں۔ عقلمند کے لئے تو یہ ایک سخت ندامت کا موقعہ ہے بلکہ ایسی غلطی مرنے کی جگہ ہو جاتی ہے جب کہ ایک شخص باوجود دعوے علم ایک بدیہی امر کا انکار کرے۔ مگر میں سمجھ نہیں سکتا کہ ان جوابات کے پرکھنے کے بعد آپ کی کیا حالت ہوگی۔ انسان کو ایسا طریق اختیار کرنے سے کیا فائدہ جس سے ایک طرف حق کو ترک کر کے خدا تعالیٰ کو ناراض کرے اور دوسری طرف ناحق پر ضد کر کے شرمندگی اور رُسوائی اُٹھاوے اور خدا تعالیٰ کی کلام میں جو اکثر پیشگوئیوں کو ماضی کے صیغہ میں بیان کیا گیا ہے اس کی اصل فلاسفی یہ ہے کہ ہر ایک واقعہ جو زمین پر ہونے والا ہے وہ پہلے ہی آسمان پر ہو چکتا ہے۔ پس آسمان کے لحاظ سے گویا وہ واقعہ

﴿۱۷﴾

☆ بائبل میں بھی بہت جگہ آئندہ واقعات کو ماضی کے صیغہ میں بیان کیا گیا ہے جیسا کہ یہ فقرہ بابل گر پڑا، گر پڑا۔ دیکھو یسعیاہ باب ۲۱ آیت ۵☆۔ اور جیسا کہ یہ فقرہ۔ ہائے نبو پر کہ وہ ویران ہو گیا۔ قریتیم رُسوا ہوا۔ دیکھو یرمیاہ باب ۴۸۔ آیت ۱۔ منہ

[1] اللّھب: ۲، ۳ ☆ کاتب نے سہواً آیت نمبر ۵ لکھ دیا ہے درست آیت نمبر ۹ ہے۔ (ناشر)

زمانہ ماضی سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی بناء پر یہ امر ہے کہ عام لوگوں کو بھی جو صدہا سچی خوابیں آتی ہیں تو ان خوابوں میں بھی آئندہ ہونے والی بات کو ماضی کے طور پر بتلایا جاتا ہے۔ مثلاً کسی کے گھر میں جو لڑکا پیدا ہوتا ہے تو دکھلایا جاتا ہے کہ لڑکا پیدا ہو گیا یا لڑکی پیدا ہو گئی یا ایسی چیز اس کو مل گئی جس کی تعبیر لڑکا ہے۔ اور پیشگوئیوں کو ماضی کے لفظ پر لانا اور پھر مضارع کے معنوں پر استعمال کرنا نہ صرف قرآن شریف میں ہے بلکہ پہلی کتابوں میں بھی یہ محاورہ شائع متعارف ہے اور ایک بچہ بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اور حدیثوں میں بھی بکثرت یہ محاورہ موجود ہے۔ **عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال، قال النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلم خربت خیبر. انا اذا نزلنا بساحۃ قوم فساء صباح المنذرین** ۔ خیبر پر فتح پانے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ خیبر خراب ہو گیا اور ہم جب کسی قوم کے صحن میں اُتریں پس اس قوم کی نامبارک صبح ہے جو ڈرائی گئی ۔ پس آپ نے اس جگہ ماضی کا صیغہ استعمال کیا۔ اور مقصود یہ تھا کہ آئندہ خراب ہوگا۔

غرض یہ ایک پیشگوئی تھی جو ماضی کے صیغہ میں کی گئی تھی اور دراصل مضارع کے معنے رکھتی تھی یعنی استقبال کے۔ پس اسی طرح یہ بھی ایک پیشگوئی ہے یعنی **عفت الدیار محلھا ومقامھا** جو ماضی کے صیغہ میں ہے اور معنی استقبال کے رکھتی ہے اور جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں **الدیار** سے مراد ایک حصہ ملک کا ہے جیسا کہ الف لام اس پر دلالت کرتا ہے اسی وجہ سے لبید رضی اللہ عنہ نے بھی الدیار سے مراد عام طور پر دیار مراد نہیں لی بلکہ دیارِ احباب مراد لی ہے اور اس جگہ یعنی خدا کی کلام میں جو **عفت الدیار محلھا و مقامھا** ہے محل سے مراد ہندوؤں کی قدیم زیارت گاہیں ہیں یعنی وہ مندر ہیں جو قدیم زمانہ سے دھرم سالہ اور کانگڑہ ﴿۱۸﴾ میں موجود تھے جن کی بنیاد کا زمانہ کم سے کم سولہ سو برس ثابت ہے اور مقام سے مراد وہ عمارتیں ہیں جو دائمی سکونت کے لئے اس نواح میں بنائی گئی تھیں اور خدا تعالیٰ نے اس پیشگوئی میں یہ خبر دی تھی کہ وہ مندر یعنی بُت خانے بھی گر جائیں گے جن کا گرنا اشاعت توحید

کے لئے بطور ارہاص کے ہے۔ اور دوسری عمارتیں بھی گر جائیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا پس جب کہ ظاہر الفاظ کے رو سے پیشگوئی ظہور میں آ گئی تو اب اس سے انکار کرنا جھک مارنا ہے ظاہر الفاظ حق رکھتے ہیں کہ معنی کرنے میں اُن کی رعایت ہو اور **صَرف عن الظاهر** اس وقت سراسر حماقت ہے جب کہ ظاہری صورت میں پیشگوئی کے الفاظ پورے ہو جائیں۔ اگر یہ فقرہ انسان کا افترا ہوتا یعنی یہ فقرہ کہ **عفت الدیار محلها و مقامها** اور اس سے مراد طاعون ہوتی تو ایسا مفتری کبھی یہ فقرہ استعمال نہ کر سکتا کیونکہ اس کو عقل منع کرتی کہ طاعون کی نسبت وہ لفظ استعمال کرے جو طاعون پر صادق نہیں آ سکتے کیونکہ طاعون سے عمارتیں نہیں گرتیں اور اگر اجتہاد کے طور پر قبل از وقت صحیح معنے نہ کئے گئے تو اس کا نام اجتہادی غلطی ہے اور بعد از وقت جب حقیقت کھل گئی تب صحیح معنوں کو نہ ماننا اس کا نام شرارت اور بے ایمانی اور ہٹ دھرمی ہے۔

قولہ۔ ہم تو آپ سے وہ الہام پوچھتے ہیں جس میں آپ نے یہ خبر دی ہو کہ زلزلہ آئے گا لیکن ایسا الہام آپ قیامت تک پیش نہیں کر سکتے۔

اقول۔ میں کہتا ہوں کہ جس قیامت کو آپ دُور سمجھتے تھے وہ قیامت تو آپ پر آ گئی۔ دیکھو اخبار الحکم صفحہ ۱۵ کالم نمبر ۲ مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۳ء جس میں تصریح کر دی گئی ہے کہ زلزلہ کا دھکّا آئے گا اور پھر پانچ[۵] ماہ بعد ۳۱ مئی ۱۹۰۴ء میں اس دھکا کی عظمت اور قوت اس وحی الٰہی میں بیان فرمائی گئی ہے یعنی یہ کہ **عفت الدیار محلها و مقامها** جس کے یہ معنے ہیں کہ وہ ایسا دھکّا ہوگا جس سے اس ملک پنجاب کی ایک حصہ کی بستیاں تباہ ہو جائیں گی۔ اور عمارتوں کا نام ونشان نہیں رہے گا۔ خواہ وہ عارضی سکونتیں تھیں جیسا کہ دھرم سالہ اور کانگڑہ میں ہندوؤں کے پوجا کے مندر تھے اور خواہ مستقل سکونتیں تھیں جیسا کہ دھرم سالہ اور کانگڑہ وغیرہ کی مستقل سکونتوں کی جگہ تھیں۔ اب آپ فرمائیے کہ وہ قیامت جس کو آپ بہت دُور سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ایسا الہام تم قیامت تک پیش

﴿۱۹﴾

نہیں کر سکتے وہ قیامت آپ پر آ گئی یا نہیں؟ ہر یک سمجھ سکتا ہے کہ اُس قیامت نے ضرور آپ کو پکڑ لیا۔ کیونکہ جس زلزلہ کی پیشگوئی سے آپ منکر ہیں اس کا صریح طور پر ذکر ۲۴ر دسمبر ۱۹۰۳ء کے اخبار الحکم کے صفحہ ۱۵ کالم نمبر ۲ میں موجود ہے۔ ذرا آنکھیں کھولو اور پڑھ لو اور کسی چپنی میں پانی ڈال کر ڈوب مرو۔ پس یہی زلزلہ مذکورہ بالا ہے جس کی صفات ظاہر کرنے کے لئے وحی الٰہی **عفت الدیار** پہلی وحی کے بعد نازل ہوئی۔ تو کیا اب تک آپ پر قیامت نہ آئی؟ اگر کہو کہ قیامت کو تو لوگ مر جائیں گے اور میں اب تک زندہ موجود ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت آپ ذلّت کی موت سے مر چکے ہیں اور یہ جسمانی زندگی روحانی موت کے بعد کچھ چیز نہیں۔ کیا وہ شخص بھی زندہ کہلا سکتا ہے جس نے بڑے زور و شور سے یہ دعویٰ کیا تھا کہ پیشگوئی میں ہرگز زلزلہ کا ذکر نہیں اور بڑے گھمنڈ سے اس بات پر اصرار کیا تھا کہ قیامت تک تم ایسی پیشگوئی پیش نہیں کر سکتے جس میں زلزلہ کا ذکر ہو اور پھر اس کو دکھلایا گیا کہ وہ پیشگوئی موجود ہے جس میں صریح الفاظ میں زلزلہ کا ذکر ہے جو **عفت الدیار** کے الہام سے بھی پانچ ماہ پہلے الحکم میں شائع ہو چکی ہے اور الہام **عفت الدیار محلھا و مقامھا** اُسی زلزلہ مذکورہ کی عظمت بیان کرتا ہے کہ وہ ایسا ہوگا اس لئے اس میں دوبارہ زلزلہ کا لفظ لانے کی ضرورت نہ تھی۔

اب بتلاؤ کہ ایسی زندگی بھی کیا خاک زندگی ہے کہ ایک بات کا قیامت تک نہ ہونے کا دعویٰ کیا اور وہ بغل میں سے ہی نکل آئی۔

بمردی کہ تا زیستن مرد را ۔ بہ از زندگانی بترکِ حیا
جہنم کزو داد فرقان خبر ۔ بسوزد درو کاذبِ بدگہر

جو شخص اندھا اور مردہ نہ ہو سمجھ سکتا ہے کہ جس قدر اس پیشگوئی کے لئے صفائی اور قوتِ بیان چاہیئے وہ سب اوّل درجہ پر اس پیشگوئی میں موجود ہے بلکہ اس سے بڑھ کر اور اس سے انکار ایک ایسی ہٹ دھرمی ہے جس سے صریح سمجھا جاتا ہے کہ ایسے شخص کو خدا پر ایمان

ہی نہیں۔ اور یہ کچھ نیا طریق نہیں۔ پہلے زمانوں میں بھی وہ لوگ جن کو حق کو قبول کرنا کسی طرح منظور نہ تھا یہی طریق اختیار کرتے آئے ہیں۔

شاید آپ تعصّب کے جوش سے یہ بھی اعتراض کر دیں کہ خدا تعالیٰ نے زلزلہ کے آنے کی پانچ ماہ پہلے خبر دی جو الحکم ۲۴ ؍دسمبر ۱۹۰۳ء کو شائع ہوئی اور پھر زلزلہ کی شدت کی نشانیاں اور اس کا ہولناک نتیجہ پانچ ماہ بعد بذریعہ اپنی وحی کے بیان کیا۔ یکجا کیوں بیان نہ کیا۔ لیکن اگر آپ ایسا اعتراض کریں تو یہ اعتراض بھی نیا نہیں ہوگا بلکہ یہ وہی اعتراض ہے جو آج سے تیرہ سو برس پہلے ابوجہل ملعون اور ابولہب ملعون نے قرآن شریف پر کر کے کہا تھا۔ لَوۡلَا نُزِّلَ عَلَيۡهِ الۡقُرۡاٰنُ جُمۡلَةً وَّاحِدَةً[1] سو ایسا اعتراض تَشَابَهَتۡ قُلُوۡبُ میں داخل ہوگا جس سے ایک مسلمان کو پرہیز کرنا چاہیئے۔ ﴿۲۰﴾

قولہ۔ آپ نے اس الہام میں یہ بھی نہیں بتایا کہ زلزلہ سے مراد کیا ہے۔

اقول۔ ظاہر وحی الٰہی میں زلزلہ کا لفظ ہے مگر ایسا زلزلہ جو نمونہ قیامت ہوگا بلکہ قیامت کا زلزلہ ہوگا اور یہ کہ اس سے ہزارہا مکان گریں گے کئی بستیاں نابود ہو جائیں گی اور اس کی نظیر پہلے زمانہ میں نہیں پائی جائے گی۔ اور ناگہانی طور پر ہزارہا آدمی مر جائیں گے اور ایسا واقعہ ہوگا جو پہلے کسی آنکھ نے دیکھا نہیں ہوگا۔ پس اس صورت میں مکانوں کا گرنا اور ہزاروں لوگوں کا یک دفعہ مر جانا اور ایک خارق عادت امر ظاہر ہونا اصل مقصود پیشگوئی ہے۔ اور اگرچہ ظاہر الفاظ پیشگوئی سے زلزلہ سے مراد بلاشبہ زلزلہ ہی سمجھا جاتا ہے مگر خدا تعالیٰ کے کلام کے ساتھ ادب اسی بات کو چاہتا ہے کہ ہم اصل مقصود کو جو ایک خارق عادت امر ہے اور معجزہ ہے مدِّ نظر رکھیں اور زلزلہ کی کیفیت میں دخل نہ دیں کہ وہ کس طرح کا ہوگا اور کس رنگ کا ہوگا۔ گو ظاہر الفاظ یہی ظاہر کرتے ہیں کہ وہ زلزلہ ہی ہوگا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ کوئی اور آفت شدید ہو جس کی نظیر پہلے دنیا میں نہیں دیکھی گئی۔ اور زلزلہ کی کیفیت اور خاصیت اپنے اندر رکھتی ہو مثلاً

[1] الفرقان: ۳۳

خسف کی صورت پر ہو اور کوئی زلزلہ محسوس نہ ہو اور زمین تہ و بالا ہو جائے یا کوئی اور خارقِ عادت آفت ظہور پذیر ہو جس کی طرف انسانی علم نے کبھی سبقت نہیں کی۔ پس بہر حال وہ معجزہ ہے۔ ہاں اگر وہ شدید آفت ظاہر نہ ہوئی جو دنیا میں ایک زلزلہ ڈال دے گی جو وحی الٰہی کے ظاہر الفاظ کی رو سے زلزلہ کے رنگ میں ہوگی یا کوئی معمولی امر ظہور میں آیا جس کو دنیا ہمیشہ دیکھتی ہے جو خارق عادت اور غیر معمولی نہیں اور جو سچ مچ قیامت کا نمونہ نہیں اور یا وہ حادثہ میری زندگی میں ظاہر نہ ہوا۔ تو بیشک نقارہ بجا کر میری تکذیب کرو اور مجھے جھوٹا سمجھو۔ غرض تو اس حادثہ عظمیٰ سے یہ ہے جو نمونہ قیامت ہوگا اور دنیا کو ایک آن میں تباہ کر جائے گا۔ اور ہزاروں انسانوں کو ہماری جماعت میں داخل کرے گا۔

قولہ۔ آپ نے موقع دیکھ کر براہین احمدیہ کی عبارتوں کو بھی زلزلہ پر چسپاں کیا۔ حالانکہ ان عبارتوں میں زلزلہ کا ذکر نہیں۔ ﴿۲۱﴾

اقول۔ یہ اسی طرح کا اعتراض ہے جو اس زمانہ میں متعصب پادری قرآن شریف کی اس پیشگوئی پر کرتے ہیں۔ الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ [1] اور کہتے ہیں کہ موقع دیکھ کر یہ پیشگوئی اپنی اٹکل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ بنائی اور رومی سلطنت کے غلبہ کی محض اس خیال سے پیشگوئی کی کہ رومی طاقت دراصل بڑھی ہوئی تھی جنگی سامان پورے تھے۔ فوج تجربہ کار بہادر تھی اور ایرانی سلطنت کی حالت اس کے برعکس تھی اس لئے موجودہ حالات کو دیکھ کر پیشگوئی کر دی۔ پس مجھے تعجب ہے کہ پادریوں کی عادت اور خصلت کہاں سے آپ میں آ گئی۔ ظالم طبع پادری قرآن شریف کی تمام پیشگوئیوں پر یہی اعتراض کرتے ہیں جو آپ نے کیا۔ توبہ کرو ایسا نہ ہو کہ اس مشابہت سے بڑھ کر کوئی اور ترقی کر لو اور اپنے اعتراض کو ذرا آنکھ کھول کر دیکھو کہ براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۵۷ میں یہ پیشگوئی ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنی چمکار دکھاؤں گا اپنی قدرت نمائی سے تجھ کو اٹھاؤں گا۔ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی

[1] الرّوم: ۲ تا ۴

ظاہر کردے گا۔ فلمّا تجلّٰی ربّہ للجبل جعلہ دکّا. قوۃ الرحمن لِعُبَیْدِ اللّٰہِ الصَّمد عربی الہام کا ترجمہ یہ ہے کہ جب خدا پہاڑ پر تجلی کرے گا تو اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔ خدا ایسا کرے گا تا اپنے بندہ کی سچائی ظاہر کرے۔

اب سوچ کر دیکھو کہ میں نے اس میں اپنی طرف سے کیا بنایا۔ اس جگہ خدا تعالیٰ خود ایک چمکار دکھانے کا وعدہ کرتا ہے۔ جیسا کہ کوہ طور پر موسیٰ کے لئے چمکار ظاہر ہوئی اور ایک ایسی قدرت نمائی کا وعدہ کرتا ہے جو خارق عادت اور میری رفعت کا موجب ہوگی۔ اور پھر تیسری دفعہ یہ وعدہ فرماتا ہے کہ خدا بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کردے گا۔ اور پھر آخر میں اس زور آور **حملہ** اور اپنی **چمکار** اور اپنی قدرت نمائی کی شرح کرتا ہے جس کا اوپر ذکر کیا ہے اور فرماتا ہے کہ خدا ایک خاص پہاڑ پر تجلی کرے گا اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ اب اگر آپ کی آنکھ تعصب سے کچھ دیکھ نہیں سکتی تو کسی اور منصف مزاج سے پوچھ لو کہ اس الہامی عبارت میں کسی عظیم الشان نشان کا وعدہ دیا گیا ہے یا خاص ہماری بناوٹ ہے اور اگر وعدہ ہے تو کیا پیشگوئی کے الفاظ سے یہی نکلتا ہے کہ نشان کے طور پر پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے گا یا کچھ اور نکلتا ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ اس وقت ہمارے ذہن کا اس طرف انتقال نہ ہوا کہ درحقیقت پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا یہ ایسی ہی صورت ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن کا اس طرف انتقال نہ ہوا کہ جو ہجرت کی جگہ کشفی طور پر دکھائی گئی کہ وہ مدینہ ہے، یمامہ یا ہجر نہیں ہے۔ اور جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن کا اس طرف انتقال نہ ہوا کہ حدیبیہ والے سفر میں مکہ کے اندر نہیں جاسکیں گے اور نہ طواف خانہ کعبہ کرسکیں گے۔ پس اگر آپ کے ایسے ہی اعتراض ہیں جو اس زمانہ کے نابکار کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں پر کرتے ہیں تو مجھے تو یہ فکر پڑ گئی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ کسی دن آپ اسلام سے ہی ہاتھ دھوئیں۔

﴿۲۲﴾

اب یاد رہے کہ خدا تعالیٰ نے پیشگوئی متذکرہ بالا میں جو براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۵۷ میں

موجود ہے ایک صریح اشارہ کے ساتھ زلزلہ کا ذکر کر دیا ہے کیونکہ آیت فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ[1]
اس موقع کی آیت ہے جب کہ خدا تعالیٰ نے کوہِ طور پر ایک زلزلہ ڈال کر اس کو ٹکڑے ٹکڑے
کر دیا تھا جیسا کہ یہ بیان مفصل توریت میں موجود ہے پس اس صورت میں آپ کی اس
حرکت کا نام تعصب رکھیں یا نادانی رکھیں؟ جو آپ کہتے ہیں کہ ان عبارتوں میں کہیں زلزلہ کا
ذکر نہیں۔ بندۂ خدا اگر زلزلہ کا ذکر نہیں تو تمہیں اس بات سے بھی انکار کرنا چاہیئے کہ کوہِ طور بھی
زلزلہ سے ٹکرے ٹکڑے ہو گیا تھا۔

قولہ۔عفت الدیار کے مصرع کے یہ معنے ہیں کہ زمانہ گذشتہ میں مکان برباد ہو گئے تھے۔

اقول۔الحمدللہ! یہ تو آپ نے مان لیا کہ **عفت الدیار محلها و مقامها** کے یہی معنی ہیں
کہ مکانات گر جانا اور برباد ہو جانا۔ باقی رہا یہ کہ آپ **عفت** کے لفظ کو ماضی کے معنوں تک
محدود رکھتے ہیں۔اس خیال کے رد میں ہم قرآن شریف کے نظائر پیش کر چکے ہیں بلکہ اس کے
لئے تو تمام عرب کے باشندے ہمارے گواہ ہیں۔اب بتلاؤ کیا اب بھی یہ پیشگوئی خارق عادت ﴿۲۳﴾
ہے یا نہیں اگر یہ کہو کہ اس میں کوئی وقت نہیں بتلایا گیا۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن پیشگوئیوں
میں خدا تعالیٰ کو یہ منظور ہوتا ہے کہ ان کا وقت مخفی رکھا جائے اُن میں وہ ہرگز نہیں بتلاتا کہ فلاں
وقت وہ پیشگوئی پوری ہوگی۔پس جب کہ خدا تعالیٰ صاف لفظوں میں فرماتا ہے کہ زلزلہ کی پیشگوئی
ایسے وقت میں ظاہر ہوگی جب کہ کسی کو خبر نہیں ہوگی اور ناگہانی طور پر وہ حادثہ ظہور میں آئے گا۔تو پھر
اس حادثہ کا وقت بتلانا اپنے ہی قول کی مخالفت ہے۔ دیکھو اشتہار النداء صفحہ ۱۴۔اور اگر کہو کہ پھر تعیّن
کے بغیر پیشگوئی میں خصوصیت کیا ہوئی۔یوں تو کبھی کبھی دنیا پر کوئی حادثہ آجاتا ہے۔اس کا جواب
یہ ہے کہ یہ تعیّن کافی ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ میری زندگی میں میری تصدیق کے لئے یہ حادثہ آئے گا
اور اس وقت کے کروڑہا لوگ زندہ ہوں گے جو یہ حادثہ دیکھ لیں گے اور حادثہ ایسا ہوگا کہ اس ملک
میں پہلے زمانوں میں اس کی نظیر نہیں ہوگی۔پس یہ تعیین کافی ہے کہ وہ قیامت خیز زلزلہ میری

[1] الاعراف:۱۴۴

زندگی میں اور اکثر مخالفوں کی زندگی میں آئے گا۔ اور یاد رکھو کہ تمہاری طرح مخالفین مکہ نے بھی **مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ** کہہ کر وقت کی تخصیص چاہی تھی۔ اور ان کو وقت نہیں بتلایا گیا تھا۔

قولہ۔ جو اخبار اسلامی معاملات سے ہمدردی رکھتے ہیں ان کو چاہیئے کہ اس مضمون کو اپنے جرائد میں نقل کر کے لوگوں کو آگاہ کر دیں کہ یہ اشتہار جھوٹے ہیں۔ مرزا نے کوئی پیشگوئی نہیں کی تھی۔

اقول۔ اب اس کا کیا جواب دیا جائے بجز اس کے کہ **لعنة اللّٰہ علی الکاذبین**۔ رہا یہ کہ اخبارات تکذیب کا مضمون چھاپ دیں تو اس کی اُس قادر کو کچھ پروا نہیں جس نے مجھے بھیجا ہے۔ دنیا کے کیڑے آسمانی ارادوں میں کون سا حرج ڈال سکتے ہیں۔ پہلے اس سے ابوجہل **علیہ اللعنة** نے عرب کی تمام قوموں کو اُکسایا تھا کہ یہ شخص (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) جھوٹا دعویٰ کرتا ہے اور جاہل لوگوں کو اپنے ساتھ جمع کر لیا تھا۔ پھر سوچو کہ اس کا انجام کیا ہوا۔ کیا خدا تعالیٰ کا ارادہ اُس کی شرارتوں سے رُک گیا تھا بلکہ اس بدقسمت کا خدا تعالیٰ نے بدر کی لڑائی میں فیصلہ کر دیا اور خدا تعالیٰ کے سچے نبی کا دین تمام دنیا میں پھیل گیا۔ اِسی طرح میں سچ سچ کہتا ہوں کہ کوئی اخبار اس ارادہ کو جو آسمان پر کیا گیا ہے **روک** نہیں سکتا۔ خدا کا غضب انسان کے غضب سے بڑھ کر ہے۔ یہ میرے پر حملہ نہیں بلکہ اس خدا پر حملہ ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ وہ چاہتا ہے کہ زمین کو گناہ سے صاف کرے اور پھر اُن دنوں کو دوبارہ لاوے جو صدق اور راستبازی اور توحید کے دن ہیں۔ مگر وہ دل جو دنیا سے پیار کرتے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ ایسے دن آویں۔ اے نادان کیا تو خدا سے مقابلہ کرے گا۔ کیا تیری طاقت میں ہے کہ تو اُس سے لڑائی کر سکے۔ اگر یہ کاروبار انسان کا ہوتا تو تیرے مقابلہ کی کیا حاجت تھی اس کے تباہ کرنے کے لئے خدا کافی تھا۔ مگر قریباً پچیس[۲۵] برس سے یہ سلسلہ چلا آتا ہے اور ہر روز ترقی پر ہے۔ اور خدا نے اپنے پاک وعدوں کے موافق اس کو فوق العادت ترقی دی ہے اور ضرور ہے کہ قبل اس کے جو یہ دنیا ختم ہو جائے خدا **کامل** درجہ پر اس سلسلہ کو ترقی دے خدا نے میری تصدیق کے لئے ہزار ہا نشان دکھائے جن کے لاکھوں انسان گواہ ہیں۔ زمین

﴿۲۴﴾

سے بھی **نشان** ظاہر ہوئے۔اور آسمان سے بھی اور دوستوں میں بھی اور دشمنوں میں بھی اور کوئی مہینہ شاذ و نادر اس سے خالی جاتا ہوگا کہ کوئی نشان ظاہر نہ ہو۔ اور اب بھی **فوق العادت** نشان کا وعدہ ہے جس کا نام قیامت خیز زلزلہ رکھا گیا ہے جو دنیا کو وہ ہاتھ دکھائے گا جس کو کبھی دنیا نے دیکھا نہیں ہوگا۔ پس اگر خدا کا خوف ہے تو کیوں کچھ عرصہ تک صبر نہیں کیا جاتا۔ یہ زلزلہ محض اس لئے ہوگا کہ تا خدا صادق کے صدق کو ظاہر کرے اور انسانوں کو موقع دے کہ وہ **راستی** کو ایک چمکتے ہوئے نشان کے ساتھ دیکھ لیں اگرچہ اس کے بعد ایمان لانا کچھ بہت قابلِ عزت نہیں ہوگا۔ مگر تاہم قبول کرنے والے اس رحمت سے حصہ لیں گے جو ایمان داروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

قولہ: کیا احمد بیگ کی لڑکی کا قصہ مرزائی الہامات کی رونق کو دُور نہیں کرتا؟

اقول ۔ اے معترض صاحب! کیا پہلے بیہودہ اعتراضات کی ندامت آپ کے لئے کچھ تھوڑی تھی کہ اس لغو اعتراض کی ندامت کا بھی آپ نے حصہ لے لیا۔ اب آپ کان کھول کر سنیئے کہ اس پیشگوئی کے دو حصہ تھے اور دونوں شرطی تھے۔ ایک حصہ شرطی طور پر احمد بیگ کی وفات کے متعلق تھا۔ یعنی اس میں یہ پیشگوئی تھی کہ اگر وہ خدا تعالیٰ کی قرارداد شرطوں کا پابند نہ ہو تو تین برس پورے ہونے سے پہلے ہی فوت ہو جائے گا۔ اور نہ صرف وہی بلکہ اس کے ساتھ اور کئی موتیں اس کے اقارب کی ہوں گی۔ پس چونکہ وہ شوخی کی راہ سے کسی شرط کا پابند نہ ہو سکا اس لئے خدا نے اس کو میعاد پوری ہونے سے پہلے ہی اس جہان سے اُٹھا دیا اور کئی موتیں اور بھی ساتھ ہوئیں۔ مگر دوسرا حصہ پیشگوئی کا جو احمد بیگ کے داماد کی نسبت تھا اُس میں اس وجہ سے تاخیر ڈال دی گئی کہ باقی ماندہ لوگوں نے شرط کے مضمون سے اپنے دلوں میں خوف پیدا کیا اور بہت ڈرے اور یہ بات ہر ایک کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر دو شخص کی موت کی نسبت کوئی پیشگوئی ہو۔ اور ایک اُن میں سے میعاد کے اندر مر جائے تو طبعاً دوسرے کے دل میں خوف پیدا ہو جاتا ہے۔

﴿۲۵﴾

پس یہ تو ضروری امر تھا کہ احمد بیگ کے داماد کا گروہ احمد بیگ کی موت کو دیکھ کر اپنے دلوں میں بہت ڈرتا۔ سو خدا نے اپنے وعدہ کے موافق جب ان لوگوں کا خوف دیکھا تو داماد کی وفات کے متعلق جو پیشگوئی تھی اس میں تاخیر ڈال دی۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسا کہ ڈپٹی عبداللہ آتھم اور پنڈت لیکھرام کی نسبت جو پیشگوئی وفات کی تھی اُس میں ظہور میں آیا۔ کیونکہ ڈپٹی عبداللہ آتھم نے وفات کی پیشگوئی سُن کر بہت خوف ظاہر کیا اس لئے اس کی موت میں تاخیر ڈال دی گئی۔ اور مقرر شدہ دنوں سے کچھ مہینے زیادہ زندہ رہا۔ لیکن لیکھرام نے پیشگوئی کو سن کر بہت شوخی ظاہر کی اور بدگوئی میں حد سے زیادہ بڑھ گیا اس لئے وہ اصلی میعاد سے بھی پہلے ہی اس جہان سے اٹھایا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی پیشگوئیاں جو خدا کے رسول کرتے ہیں جن میں کسی کی موت یا اور بلا کی خبر ہوتی ہے وہ وعید کی پیشگوئیاں کہلاتی ہیں۔ اور سنت اللہ ہے کہ خواہ اُن میں کوئی شرط ہو یا نہ ہو وہ توبہ استغفار سے ٹل سکتی ہیں یا اُن میں تاخیر ڈال دی جاتی ہے جیسا کہ یونس نبی کی پیشگوئی میں وقوع میں آیا۔ اور یونس نبی نے جو اپنی قوم کے لئے چالیس دن تک عذاب آنے کا وعدہ کیا تھا وہ قطعی وعدہ تھا۔ اُس میں ایمان لانے یا ڈرنے کی کوئی شرط نہ تھی۔ مگر باوجود اس کے جب قوم نے تضرع اور زاری اختیار کی تو خدا تعالیٰ نے اس عذاب کو ٹال دیا۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے اتفاق سے یہ تسلیم شدہ عقیدہ ہے کہ ہر ایک بلا جو خدا تعالیٰ کسی بندہ پر نازل کرنا ارادہ کرتا ہے وہ بلا صدقہ اور خیرات اور توبہ اور استغفار اور دعا سے دفع ہوسکتی ہے پس اگر وہ بلا جس کا نازل کرنا ارادہ کیا گیا ہے کسی نبی اور رسول اور مامور من اللہ کو اُس سے اطلاع دی جائے تو وہ وعید کی پیشگوئی کہلاتی ہے۔ اور چونکہ وہ بلا ہے اس لئے خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق توبہ و استغفار اور صدقہ خیرات اور دُعا و تضرّع سے دفع ہوسکتی ہے۔ یا اس میں تاخیر پڑ سکتی ہے۔ اور اگر وہ بلا جو پیشگوئی کے رنگ میں ظاہر کی گئی ہے صدقہ خیرات وغیرہ سے دُور نہ ہو سکے

﴾۲۶﴿

تو خدا تعالیٰ کی تمام کتابیں اس سے باطل ٹھہریں گی۔اور تمام نظام دین کا اس سے درہم برہم ہو جائے گا۔معترض نے اسلام پر یہ سخت حملہ کیا ہے اور نہ صرف اسلام پر بلکہ تمام نبیوں پر یہ حملہ ہے اور اگر عمداً یہ حملہ نہیں کیا تو اسلام اور شریعت سے سخت ناواقفیت اُس کی ثابت ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں سے ایمانداروں کو متنبہ رہنا چاہیئے کہ میرے پر حملہ کرنے سے ان کا ارادہ صرف میرے پر حملہ نہیں ہے بلکہ دین اسلام کی اُن کو کچھ پروا نہیں اور اسلام کے وہ چھپے دشمن ہیں۔خدا تعالیٰ اپنے دین کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔

اس ناسمجھ کو یہ بھی تو خبر نہیں کہ جیسے خدا تعالیٰ نے اپنے اخلاق میں یہ داخل رکھا ہے کہ وہ وعید کی پیشگوئی کو توبہ واستغفار اور دُعا اور صدقہ سے ٹال دیتا ہے اسی طرح انسان کو بھی اُس نے یہی اخلاق سکھائے ہیں جیسا کہ قرآن شریف اور حدیث سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت جو منافقین نے محض خباثت سے خلاف واقعہ تہمت لگائی تھی اس تذکرہ میں بعض سادہ لوح صحابہ بھی شریک ہو گئے تھے۔ایک صحابی ایسے تھے کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر سے دووقتہ روٹی کھاتے تھے۔حضرت ابوبکرؓ نے ان کی اس خطا پر قسم کھائی تھی اور وعید کے طور پر عہد کر لیا تھا کہ میں اس بے جا حرکت کی سزا میں اس کو کبھی روٹی نہ دوں گا۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی تھی وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[1] تب حضرت ابوبکر نے اپنے اس عہد کو توڑ دیا اور بدستور روٹی لگا دی۔اسی بناء پر اسلامی اخلاق میں یہ داخل ہے کہ اگر وعید کے طور پر کوئی عہد کیا جائے تو اُس کا توڑنا حُسنِ اخلاق میں داخل ہے۔مثلاً اگر کوئی اپنے خدمتگار کی نسبت قسم کھائے کہ میں اس کو ضرور پچاس جوتے ماروں گا تو اس کی توبہ اور تضرع پر معاف کرنا سنت اسلام ہے تا **تخلق با خلاق اللّٰہ** ہو جائے مگر وعدہ کا تخلف جائز نہیں ترکِ وعدہ پر باز پُرس ہوگی مگر ترکِ وعید پر نہیں۔

﴿۲۷﴾

قولہ: اور پیشگوئیوں کا حال اس سے بھی زیادہ ابتر ہے۔

[1] النّور: ۲۳

اقول ۔اے متعصب نادان! تجھے کب اتفاق ہوا ہے کہ تو میری پیشگوئیوں کو غور سے دیکھتا اور اُن سب پر اطلاع پاتا۔اور تجھے کب اتفاق ہوا کہ میری صحبت میں رہتا اور میرے نشانوں کو بچشم خود دیکھتا۔ میں تجھے کس سے مشابہت دوں۔تو اُس اندھے سے مشابہ ہے جو سورج کے وجود سے انکار کرتا ہے اور اپنی نابینائی کی طرف نہیں دیکھتا۔ ہر ایک واقف حال سمجھ سکتا ہے کہ کیا میری پیشگوئیوں کا حال ابتر ہے یا تیرے ایمان کا ہی حال ابتر ہے۔ عقلمندوں کے لئے تیرے اعتراضات کا یہی نمونہ کافی ہے کہ جو بات تمام انبیاء کے نزدیک مسلّم ہے اور تمام فرقہ ہائے اسلام کے نزدیک مسلّم ہے وہی بات تیرے نزدیک جائے اعتراض ہے۔ ہائے افسوس کیا یہی لوگ اسلام کے لیڈر بننا چاہتے ہیں جن کو خدا کی تعلیم اور اسلام کے عقیدہ کی بھی خبر نہیں **اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا اِلَیْہ راجِعُوْن۔**

اے ظالم معترض کیا اسی سرمایہ پر قلم اٹھایا تھا؟ گو تعصب کا جوش تھا مگر اپنی جہالت کو دکھلانا کیا ضرور تھا۔ ہر ایک بات سراسر جھوٹ ہر ایک شبہ محض شیطانی وسوسہ۔اس علم اور واقفیت کے ساتھ تیرے دل میں کیوں گدگدی اُٹھی کہ خدا تعالیٰ کی پاک وحی پر اعتراض کرے اگر تم خاموش رہتے تو بہتر تھا۔ ناحق گناہ خریدا اور زبان کے ذریعہ سے اپنی پوشیدہ نادانی پر سب کو مطلع کر دیا اور پبلک میں اپنی رُسوائی کرائی اور اپنی حالت پر **شیخ سعدی** علیہ الرحمۃ کی وہ مثل صادق کر لی جو بوستان میں ہے اور وہ یہ ہے:-

یکے نیک خلق و خَلَق پوش بود   کہ در مصر یک چند خاموش بود
جہانے برو بود از صدق جمع   چو پروانہ ہا وقتِ شب گرد شمع
شبے در دِل خویش اندیشہ کرد   کہ پوشیدہ زیر زبان است مَرد
اگر ماند فطنت نہان در سرم   چہ دانند مردم کہ دانش وَرم
سخن گفت و دشمن بدانست و دوست   کہ در مصر ناداں تر از وے ہموست

﴿۲۸﴾

حضورش پریشاں شدد کارزشت سفر کرد و بر طاقِ مسجد نوشت
در آئینہ گر روئے خود دیدے بہ بیدانشی پردہ ندریدے

اب میں محمد اکرام اللہ خان صاحب شاہجہان پوری کے ان اعتراضات کا جواب لکھ چکا جو روزانہ پیسہ اخبار مؤرخہ ۲۲ مئی ۱۹۰۵ء کے صفحہ ۵ میں چھپے ہیں۔ لیکن بعد اس کے میرے دوست مولوی عبد الکریم صاحب کے نام ایک صاحب نے جنہوں نے اپنا نام اپنے خط میں ظاہر نہیں کیا ایک خط بھیجا ہے اور اس میں خدا تعالیٰ کا واسطہ ڈال کر چند اعتراضات کا جواب مانگا ہے جو انہیں پیشگوئیوں کے متعلق ہیں۔ اگرچہ ان اعتراضات کا جواب کافی طور پر اسی حصہ براہین میں آ چکا ہے لیکن چونکہ خدا تعالیٰ کا واسطہ دے کر معترض صاحب کی درخواست ہے اس لئے ہم تکرار کلام کی کچھ پروا نہ رکھ کر محض لِلّٰہ صاحب موصوف کے اعتراضات کا جواب برعایت اختصار ذیل میں دیتے ہیں۔

قولہ: عفت الدیار محلّھا و مقامھا کا فقرہ جسے جناب مقدس مرزا صاحب اپنا الہام و وحی فرما رہے ہیں ایک پرانے شاعر کا مصرع ہے۔ کیا کسی نبی کو کبھی ایسی وحی ہوئی جس کے الفاظ حرفاً حرفاً وہی ہوں جو اس نبی سے پہلے کسی آدمی کی زبان سے نکل چکے ہوں۔ اگر آپ یہ ثابت کر سکیں تو دوسرا اعتراض یہ ہوگا کہ اس صورت میں خدا کے قول اور بندہ کے قول میں فرق کیا ہوگا۔

اقول ۔ اس بارہ میں ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ اور نبیوں کو تلاش کرنا کچھ ضروری نہیں خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض ایسے فقرے وحی الٰہی کے نازل ہو چکے ہیں جو پہلے وہ کسی آدمی کے منہ سے نکلے تھے۔ جیسا کہ یہ فقرہ وحی فرقانی یعنی فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ[1] ۔ یہ فقرہ پہلے عبد اللہ بن ابی سرح کی زبان سے نکلا تھا۔ اور وہی فقرہ وحی قرآنی میں نازل ہوا۔ دیکھو تفسیر کبیر

﴿۲۹﴾

الجزء السادس صفحہ ۲۷۶ مطبوعہ مصر۔ اصل عبارت یہ ہے۔ روی الکلبی عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنھما.

[1] المؤمنون: ۱۵

ان عبداللّٰہ بن سعد بن ابی سرح کان یکتب ھذہ الاٰیات لرسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فلما انتھی الٰی قولہ تعالٰی خلقًا اٰخر عجب من ذالک فقال فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین . فقال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم اُکتب فھٰکذا نزلت، فشکّ عبد اللّٰہ وقال ان کان محمد صادقًا فیما یقول فانہ یوحٰی اِلیَّ کما یوحٰی الیہ وان کان کاذبًا فلا خیر فی دینہ فھرب الٰی مکّۃ فقیل انہ مات علی الکفر وقیل انہ اسلم یوم الفتح ۔ترجمہ یہ ہے کہ کلبی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ ابن ابی سرح قرآن شریف کی آیات لکھا کرتا تھا۔یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روبرو جیسی آیت نازل ہوتی تھی اُس سے لکھواتے تھے۔پس جب وہ آیت لکھوائی گئی جو خلقاً اٰخر تک ختم ہوتی ہے تو عبداللہ اس آیت سے تعجب میں پڑ گیا۔اورعبداللہ نے کہا فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی لکھ لے کیونکہ خدا نے بھی یہی فقرہ جو تیرے منہ سے نکلا ہے یعنی فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین نازل کر دیا ہے۔پس عبداللہ شک میں پڑ گیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو میری زبان کا کلمہ ہے وہی خدا کا کلمہ ہوگیا۔اوراُس نے کہا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے میں صادق ہے تو مجھے بھی وہی وحی ہوتی ہے جو اُسے ہوتی ہے اور اگر کاذب ہے تو اس کے دین میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔پھر وہ مکّہ کی طرف بھاگ گیا۔پس ایک روایت یہ ہے کہ وہ کفر پر مر گیا اور ایک یہ بھی روایت ہے کہ وہ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوگیا۔

اب دیکھو عبداللہ ابن ابی سرح کے کلام سے خدا تعالیٰ کے کلام کا توارد ہوا یعنی عبداللہ کے مُنہ سے بھی یہ فقرہ نکلا تھا فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین اورخدا تعالیٰ کی وحی میں بھی یہی آیا۔اوراگر کہو کہ پھر خدا تعالیٰ کے کلام اورانسان کے کلام میں مابہ الامتیاز کیا ہوا؟ تو اوّل تو ہم اس کا یہی جواب دیتے ہیں کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے آپ قرآن شریف میں فرمایا ہے

﴿۳۰﴾

مابہ الامتیاز قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کلام جو غیر کا کلام کہلاتا ہے قرآنی سورتوں میں سے کسی سورت کے برابر ہو۔ کیونکہ اعجاز کیلئے اسی قدر معتبر سمجھا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ [1] یہ نہیں فرمایا کہ فَأْتُوْا بِآيَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ یا فَأْتُوْا بِكَلِمَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ اور درحقیقت یہ سچ ہے کہ خدا کے کلمات علیحدہ علیحدہ تو وہی کلمات ہیں جو کفار کی زبان پر بھی جاری تھے۔ پھر رنگینی عبارت اور نظم کلام اور دیگر لوازم کے لحاظ سے وہی کلمات بحیثیت مجموعی ایک معجزہ کے رنگ میں ہوگئے اور جو معجزہ خدا تعالیٰ کے افعال میں پایا جاتا ہے اس کی بھی یہی شان ہے یعنی وہ بھی اپنی حیثیت مجموعی سے معجزہ بنتا ہے جیسا کہ کلام اپنی حیثیت مجموعی سے معجزہ بنتا ہے۔ ہاں خدا تعالیٰ کے منہ سے جو چھوٹے چھوٹے فقرے نکلتے ہیں وہ اپنے مطالب عالیہ کے لحاظ سے جو اُن کے اندر ہوتے ہیں انسانی فقرات سے امتیاز کلّی رکھتے ہیں۔ یہ امر دیگر ہے کہ انسان ان کے پوشیدہ حقائق معارف تک نہ پہنچے مگر ضرور ان کے اندر انوارِ مخفیہ ہوتے ہیں جو ان کلمات کی رُوح ہوتے ہیں۔ جیسا کہ یہی کلمہ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ [2] اپنی گذشتہ آیات کے ساتھ تعلق کی وجہ سے ایک امتیازی رنگ اپنے اندر رکھتا ہے۔ یعنی اس قسم کی روحانی فلاسفی اس کے اندر بھری ہوئی ہے کہ وہ بجائے خود ایک معجزہ ہے جس کی نظیر انسانی کلام میں نہیں ملتی۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس سورۃ کے ابتدا میں جو سورۃ المؤمنون ہے جس میں یہ آیت فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ہے اس بات کو بیان فرمایا ہے کہ کیونکر انسان مراتب سِتّہ کو طے کر کے جو اس کی تکمیل کے لئے ضروری ہیں اپنے کمال روحانی اور جسمانی کو پہنچتا ہے۔ سو خدا نے دونوں قسم کی ترقیات کو چھ۶ چھ مرتبہ پر تقسیم کیا ہے اور مرتبہ ششم کو کمال ترقی کا مرتبہ قرار دیا ہے اور یہ مطابقت روحانی اور جسمانی وجود کی ترقیات کی ایسے خارقِ عادت طور پر دکھلائی ہے کہ جب سے انسان پیدا ہوا ہے کبھی کسی انسان کے ذہن نے اس نکتہ معرفت کی طرف سبقت نہیں کی۔ اور اگر کوئی دعوے کرے کہ سبقت کی ہے تو

[1] البقرۃ:۲۴ [2] المؤمنون:۱۵

یہ بارِ ثبوت اُس کی گردن پر ہوگا کہ یہ پاک فلاسفی کسی انسان کی کتاب میں سے دکھلاوے اور یہ یادر ہے کہ وہ ایسا ہرگز ثابت نہیں کر سکے گا۔ پس بدیہی طور پر یہ معجزہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے وہ عمیق مناسبت جو روحانی اور جسمانی وجود کی اُن ترقیات میں ہے جو وجود کامل کے مرتبہ تک پیش آتی ہیں ان آیات مبارکہ میں ظاہر کر دی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ظاہری اور باطنی صنعت ایک ہی ہاتھ سے ظہور پذیر ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔

﴿۳۱﴾

بعض نادانوں نے یہ بھی اعتراض کیا تھا کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے نطفہ کی حالت سے لے کر اخیر تک جسمانی وجود کا قرآن شریف میں نقشہ کھینچا ہے یہ نقشہ اس زمانہ کی جدید تحقیقات طبی کی رُو سے صحیح نہیں ہے۔ لیکن اُن کی حماقت ہے کہ ان آیات کے معنی انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ گویا خدا تعالیٰ رحم کے اندر انسانی وجود کو اس طرح بناتا ہے کہ پہلے بکلّی ایک عضو سے فراغت کر لیتا ہے پھر دوسرا بناتا ہے۔ یہ آیات الٰہیہ کا منشا نہیں ہے بلکہ جیسا کہ ہم نے بچشم خود ملاحظہ کر لیا ہے اور مُضغہ سے لے کر ہر ایک حالت کے بچے کو دیکھ لیا ہے۔ خالق حقیقی رحم کے اندر تمام اعضاء اندرونی و بیرونی کو ایک ہی زمانہ میں بناتا ہے یعنی ایک ہی وقت میں سب بنتے ہیں تاخیر تقدیم نہیں۔ البتہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلے تمام وجود انسان کا ایک جما ہوا خون ہوتا ہے اور پھر سارے کا سارا ایک ہی وقت میں مُضغہ بن جاتا ہے اور پھر ایک ہی وقت میں کچھ حصہ اس کا اپنے اپنے موقعہ پر ہڈیاں بن جاتا ہے اور پھر ایک ہی وقت میں اس تمام مجموعہ پر ایک زائد گوشت چڑھ جاتا ہے جو تمام بدن کی کھال کہلاتی ہے جس سے خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔ اور اس مرتبہ پر جسمانی بناوٹ تمام ہو جاتی ہے اور پھر جان پڑ جاتی ہے۔ یہ وہ تمام حالتیں ہیں جو ہم نے بچشم خود دیکھ لی ہیں۔

اب ہم روحانی مراتب ستّہ کا ذیل میں ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (۱) قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (۲) وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (۳) وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ [1]

[1] المؤمنون: ۲ تا ۵

(۴) وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ (۵) وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (۶) وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ[1] اور ان کے مقابل جسمانی ترقیات کے مراتب بھی چھ قرار دیئے ہیں جیسا کہ وہ ان آیات کے بعد فرماتا ہے:۔ (۱) ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ (۲) ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً (۳) فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً (۴) فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا (۵) فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا (۶) ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ[2]

﴿۳۲﴾

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں ظاہر ہے کہ پہلا مرتبہ روحانی ترقی کا یہ ہے جو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے یعنی قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ یعنی وہ مومن نجات پا گئے جو اپنی نماز اور یاد الٰہی میں خشوع اور فروتنی اختیار کرتے ہیں اور رقّت اور گدازش سے ذکر الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس کے مقابل پر پہلا مرتبہ جسمانی نشوونما کا جو اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے یہ ہے یعنی ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ یعنی پھر ہم نے انسان کو نطفہ بنایا اور وہ نطفہ ایک محفوظ جگہ میں رکھا۔ سو خدا تعالیٰ نے آدم کی پیدائش کے بعد پہلا مرتبہ انسانی وجود کا جسمانی رنگ میں نطفہ کو قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ نطفہ ایک ایسا تخم ہے جو اجمالی طور پر مجموعہ ان تمام قویٰ اور صفات اور اعضاء اندرونی اور بیرونی اور تمام نقش و نگار کا ہوتا ہے جو پانچویں درجہ پر مفصل طور پر ظاہر ہو جاتے ہیں اور چھٹے درجہ پر اتم اور اکمل طور پر اُن کا ظہور☆ ہوتا ہے اور باایں ہمہ نطفہ باقی تمام درجات سے زیادہ تر معرضِ خطر میں ہے۔ کیونکہ ابھی

☆ درجات سے مراد وہ درجے ہیں جو ابھی ذکر کئے گئے ہیں۔ پانچواں درجہ وہ ہے جب قدرت صانع مطلق سے انسانی قالب تمام وکمال رحم میں تیار ہو جاتا ہے۔ اور ہڈیوں پر ایک خوشنما گوشت چڑھ جاتا ہے۔ اور چھٹا درجہ وہ ہے جب اس قالب میں جان پڑ جاتی ہے۔ اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے انسان کے روحانی وجود کا پہلا مرتبہ حالتِ خشوع اور عجز و نیاز اور سوز و گداز ہے اور درحقیقت وہ بھی اجمالی طور پر مجموعہ اُن تمام امور کا ہے جو بعد میں کھلے طور پر انسان کے روحانی وجود میں نمایاں ہوتے ہیں۔ منہ

[1] المؤمنون: ۶ تا ۱۰ [2] المؤمنون: ۱۴، ۱۵

وہ اُس تخم کی طرح ہے جس نے ہنوز زمین سے کوئی تعلق نہیں پکڑا۔ اور ابھی وہ رحم کی کشش سے بہرہ ور نہیں ہوا ممکن ہے کہ وہ اندام نہانی میں پڑ کر ضائع ہو جائے جیسا کہ تخم بعض اوقات پتھریلی زمین پر پڑ کر ضائع ہو جاتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ وہ نطفہ بذاتہا ناقص ہو یعنی اپنے اندر ہی کچھ نقص رکھتا ہو اور قابل نشوونما نہ ہو۔ اور یہ استعداد اُس میں نہ ہو کہ رحم اس کو اپنی طرف جذب کر لے اور صرف ایک مُردہ کی طرح ہو جس میں کچھ حرکت نہ ہو۔ جیسا کہ ایک بوسیدہ تخم زمین میں بویا جائے۔ اور گو زمین عمدہ ہو مگر تاہم تخم بوجہ اپنے ذاتی نقص کے قابلِ نشوونما نہیں ہوتا اور ممکن ہے کہ بعض اور عوارض کی وجہ سے جن کی تفصیل کی ضرورت نہیں نطفہ رحم میں تعلق پذیر نہ ہو سکے اور رحم اس کو اپنی کشش سے محروم رکھے۔ جیسا کہ تخم بعض اوقات پیروں کے نیچے کچلا جاتا ہے یا پرندے اس کو چُگ جاتے ہیں یا کسی اور حادثہ سے تلف ہو جاتا ہے۔ ﴿۳۳﴾

یہی صفات مومن کے روحانی وجود کے اوّل مرتبہ کے ہیں اور اوّل مرتبہ مومن کے روحانی وجود کا وہ خشوع اور رقت اور سوز و گداز کی حالت ہے جو نماز اور یاد الٰہی میں مومن کو میسر آتی ہے یعنی گدازش اور رقت اور فروتنی اور عجز و نیاز اور روح کا انکسار اور ایک تڑپ اور قلق اور تپش اپنے اندر پیدا کرنا۔ اور ایک خوف کی حالت اپنے پر وارد کر کے خدائے عزّ وجل کی طرف دل کو جھکانا جیسا کہ اِس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۔ یعنی وہ مومن مراد پا گئے جو اپنی نماز میں اور ہر ایک طور کی یادِ الٰہی میں فروتنی اور عجز و نیاز اختیار کرتے ہیں۔ اور رقت اور سوز و گداز اور قلق اور کرب اور دلی جوش سے اپنے ربّ کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں۔ یہ خشوع کی حالت جس کی تعریف کا اوپر اشارہ کیا گیا ہے روحانی وجود کی طیّاری کے لئے پہلا مرتبہ ہے یا یوں کہو کہ وہ پہلا تخم ہے جو عبودیت کی زمین میں بویا جاتا ہے اور وہ اجمالی طور پر ان تمام قویٰ اور صفات اور اعضاء اور تمام نقش و نگار اور حسن و جمال اور خط و خال اور شمائل روحانیہ پر مشتمل ہے۔

جو پانچویں اور چھٹے درجہ میں انسانِ کامل کیلئے نمودار طور پر ظاہر ہوتے اور اپنے دلکش پیرایہ میں تجلی فرماتے ہیں☆ اور چونکہ وہ نطفہ کی طرح روحانی وجود کا پہلا مرتبہ ہے اس لئے وہ آیت قرآنی میں نطفہ کی طرح پہلے مرتبہ پر رکھا گیا ہے اور نطفہ کے مقابل پر دکھلایا گیا ہے تا وہ لوگ جو قرآن شریف میں غور کرتے ہیں سمجھ لیں کہ نماز میں خشوع کی حالت روحانی وجود کے لئے ایک نطفہ ہے اور نطفہ کی طرح روحانی طور پر انسان کامل کے تمام قویٰ اور صفات اور تمام نقش و نگار اس میں مخفی ہیں۔ اور جیسا کہ نطفہ اُس وقت تک معرضِ خطر میں ہے جب تک کہ رحم سے تعلق نہ پکڑے۔ ایسا ہی روحانی وجود کی یہ ابتدائی حالت یعنی خشوع کی حالت اُس وقت تک خطرہ سے خالی نہیں جب تک کہ رحیم خدا سے تعلق نہ پکڑ لے۔ یاد رہے کہ جب خدا تعالیٰ کا فیضان بغیر توسط کسی عمل کے ہو تو وہ رحمانیت کی صفت سے ہوتا ہے جیسا کہ جو کچھ خدا نے زمین و آسمان وغیرہ انسان کے لئے بنائے یا خود انسان کو بنایا یہ سب فیضِ رحمانیت سے ظہور میں آیا لیکن جب کوئی فیض کسی عمل اور عبادت اور مجاہدہ اور ریاضت کے عوض میں ہو وہ رحیمیت کا فیض کہلاتا ہے۔ یہی سنت اللہ بنی آدم کے لئے جاری ہے پس جب کہ انسان نماز اور یاد الٰہی میں خشوع کی حالت اختیار کرتا ہے تب اپنے تئیں رحیمیت کے فیضان کے لئے مستعد بناتا ہے۔ سو نطفہ میں اور روحانی وجود کے پہلے مرتبہ میں جو حالت خشوع ہے صرف فرق یہ ہے کہ نطفہ رحم کی کشش کا محتاج ہوتا ہے اور یہ رحیم کی کشش کی طرف احتیاج رکھتا ہے اور جیسا کہ نطفہ کے لئے ممکن ہے کہ وہ رحم کی کشش سے پہلے ہی ضائع ہو جائے۔

﴿۳۴﴾

☆ پانچواں درجہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں وہ ہے جو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے یعنی وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ [1]۔ اور چھٹا درجہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں وہ ہے جو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے یعنی وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ [2]۔ اور یہ پانچواں درجہ جسمانی درجات کے پنجم درجہ کے مقابل پر ہوتا ہے جس کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے یعنی فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا [3] اور چھٹا درجہ جسمانی درجات کے ششم درجہ کے مقابل پر پڑا ہے جس کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ [4]۔ منہ

[1] المؤمنون: ۹ [2] المؤمنون: ۱۰ [3]، [4] المؤمنون: ۱۵

ایسا ہی رُوحانی وجود کے پہلے مرتبہ کے لئے یعنی حالت خشوع کے لئے ممکن ہے کہ وہ رحیم کی کشش اور تعلق سے پہلے ہی برباد ہو جائے۔ جیسا کہ بہت سے لوگ ابتدائی حالت میں اپنی نمازوں میں روتے اور وجد کرتے اور نعرے مارتے اور خدا کی محبت میں طرح طرح کی دیوانگی ظاہر کرتے ہیں اور طرح طرح کی عاشقانہ حالت دکھلاتے ہیں اور چونکہ اس ذات ذوالفضل سے جس کا نام رحیم ہے کوئی تعلق پیدا نہیں ہوتا اور نہ اُس کی خاص تجلّی کے جذبہ سے اُس کی طرف کھینچے جاتے ہیں اس لئے ان کا وہ تمام سوز و گداز اور تمام وہ حالتِ خشوع بے بنیاد ہوتی ہے اور بسا اوقات ان کا قدم پھسل جاتا ہے یہاں تک کہ پہلی حالت سے بھی بدتر حالت میں جا پڑتے ہیں۔ پس یہ عجیب دلچسپ مطابقت ہے کہ جیسا کہ نطفہ جسمانی وجود کا اوّل مرتبہ ہے اور جب تک رحم کی کشش اُس کی دستگیری نہ کرے وہ کچھ چیز ہی نہیں ایسا ہی حالتِ خشوع روحانی وجود کا اوّل مرتبہ ہے اور جب تک رحیم خدا کی کشش اُسکی دستگیری نہ کرے وہ حالتِ خشوع کچھ بھی چیز نہیں۔ اِسی لئے ہزارہا ایسے لوگوں کو پاؤ گے کہ اپنی عمر کے کسی حصہ میں یادِ الٰہی اور نماز میں حالت خشوع سے لذّت اٹھاتے اور وجد کرتے اور روتے تھے اور پھر کسی ایسی لعنت نے اُن کو پکڑ لیا کہ یک مرتبہ نفسانی امور کی طرف گر گئے اور دنیا اور دنیا کی خواہشوں کے جذبات سے وہ تمام حالت کھو بیٹھے۔ یہ نہایت خوف کا مقام ہے کہ اکثر وہ حالتِ خشوع رحیمیت کے تعلق سے پہلے ہی ضائع ہو جاتی ہے اور قبل اس کے کہ رحیم خدا کی کشش اس میں کچھ کام کرے وہ حالت برباد اور نابود ہو جاتی ہے اور ایسی صورت میں وہ حالت جو روحانی وجود کا پہلا مرتبہ ہے اس نطفہ سے مشابہت رکھتی ہے کہ جو رحِم سے تعلق پکڑنے سے پہلے ہی ضائع ہو جاتا ہے۔ غرض روحانی وجود کا پہلا مرتبہ جو حالتِ خشوع ہے اور جسمانی وجود کا پہلا مرتبہ جو نطفہ ہے باہم اس بات میں تشابہ رکھتے ہیں کہ جسمانی وجود کا پہلا مرتبہ یعنی نطفہ بغیر کششِ رحم کے ہیچ ہے اور روحانی وجود کا پہلا مرتبہ یعنی حالتِ خشوع بغیر جذبِ رحیم کے ہیچ اور جیسا کہ دنیا میں ہزارہا نطفے تباہ ہوتے ہیں

﴿۳۵﴾

اور نطفہ ہونے کی حالت میں ہی ضائع ہو جاتے ہیں اور رحم سے تعلق نہیں پکڑتے۔ ایسا ہی دنیا میں ہزارہا خشوع کی حالتیں ایسی ہیں کہ رحیم خدا سے تعلق نہیں پکڑتیں اور ضائع جاتی ہیں۔ ہزارہا جاہل اپنے چندروزہ خشوع اور وجد اور گریہ وزاری پر خوش ہو کر خیال کرتے ہیں کہ ہم ولی ہو گئے غوث ہو گئے قطب ہو گئے اور ابدال میں داخل ہو گئے اور خدا رسیدہ ہو گئے حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں ہنوز ایک نطفہ ہے۔ ابھی تو نام خدا ہے غنچہ صبا تو چھو بھی نہیں گئی ہے۔ افسوس کہ انہیں خام خیالیوں سے ایک دنیا ہلاک ہو گئی۔ اور یاد رہے کہ یہ روحانی حالت کا پہلا مرتبہ جو حالتِ خشوع ہے طرح طرح کے اسباب سے ضائع ہو سکتا ہے جیسا کہ نطفہ جو جسمانی حالت کا پہلا مرتبہ ہے انواع اقسام کے حوادث سے تلف ہو سکتا ہے منجملہ ان کے ذاتی نقص بھی ہے۔ مثلاً اس خشوع میں کوئی مشرکانہ ملونی ہے یا کسی بدعت کی آمیزش ہے یا اور لغویات کا ساتھ اشتراک ہے۔ مثلاً نفسانی خواہشیں اور نفسانی ناپاک جذبات بجائے خود زور مار رہے ہیں یا سفلی تعلقات نے دل کو پکڑ رکھا ہے یا جیفۂ دنیا کی لغو خواہشوں نے زیر کر دیا ہے پس ان تمام ناپاک عوارض کے ساتھ حالت خشوع اس لائق نہیں ٹھہرتی کہ رحیم خدا اس سے تعلق پکڑ جائے جیسا کہ اس نطفہ سے رحم تعلق نہیں پکڑ سکتا جو اپنے اندر کسی قسم کا نقص رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو جوگیوں کی حالت خشوع اور عیسائی پادریوں کی حالت انکسار ان کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی اور گو وہ سوز و گداز میں اس قدر ترقی کریں کہ اپنے جسم کو بھی ساتھ ہی استخوان بے پوست کر دیں تب بھی رحیم خدا اُن سے تعلق نہیں کرتا کیونکہ اُن کی حالت خشوع میں ایک ذاتی نقص ہے اور ایسا ہی وہ بدعتی فقیر اسلام کے جو قرآن شریف کی پیروی چھوڑ کر ہزاروں بدعات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بھنگ چرس اور شراب پینے سے بھی شرم نہیں کرتے اور دوسرے فسق و فجور بھی اُن کے لئے شیر مادر ہوتے ہیں چونکہ وہ ایسی حالت رکھتے ہیں کہ رحیم خدا سے اور اُس کے تعلق سے کچھ مناسبت نہیں رکھتے بلکہ رحیم خدا کے نزدیک وہ تمام حالتیں

﴿۳۶﴾

مکروہ ہیں اس لئے وہ باوجود اپنے طور کے وجد اور رقص اور اشعار خوانی اور سرود وغیرہ کے رحیم خدا کے تعلق سے سخت بے نصیب ہوتے ہیں اور اُس نطفہ کی طرح ہوتے ہیں جو آتشک کی بیماری یا جذام کے عارضہ سے جل جائے اور اس قابل نہ رہے کہ رحم اس سے تعلق پکڑ سکے پس رحم اور رحیم کا تعلق یا عدم تعلق ایک ہی بنا پر ہے صرف روحانی اور جسمانی عوارض کا فرق ہے۔ اور جیسا کہ نطفہ بعض اپنے ذاتی عوارض کی رُو سے اس لائق نہیں رہتا کہ رحم اس سے تعلق پکڑ سکے اور اس کو اپنی طرف کھینچ سکے ایسا ہی حالت خشوع جو نطفہ کے درجہ پر ہے بعض اپنے عوارض ذاتیہ کی وجہ سے جیسے تکبر اور عُجب اور ریا یا اور کسی قسم کی ضلالت کی وجہ سے یا شرک سے اس لائق نہیں رہتی کہ رحیم خدا اس سے تعلق پکڑ سکے پس نطفہ کی طرح تمام فضیلت روحانی وجود کے اوّل مرتبہ کی جو حالت خشوع ہے رحیم خدا کے ساتھ حقیقی تعلق پیدا کرنے سے وابستہ ہے جیسا کہ تمام فضیلت نطفہ کی رحم کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے وابستہ ہے پس اگر اس حالت خشوع کو اس رحیم خدا کے ساتھ حقیقی تعلق نہیں اور نہ حقیقی تعلق پیدا ہو سکتا ہے تو وہ حالت اُس گندے نطفہ کی طرح ہے جس کو رحم کے ساتھ حقیقی تعلق پیدا نہیں ہو سکتا اور یاد رکھنا چاہیئے کہ نماز اور یاد الٰہی میں جو کبھی انسان کو حالتِ خشوع میسر آتی ہے اور وجد اور ذوق پیدا ہو جاتا ہے یا لذّت محسوس ہوتی ہے یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس انسان کو رحیم خدا سے حقیقی تعلق ہے جیسا کہ اگر نطفہ اندام نہانی کے اندر داخل ہو جائے اور لذّت بھی محسوس ہو تو اس سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ اُس نطفہ کو رحم سے تعلق ہو گیا ہے بلکہ تعلق کے لئے علیحدہ آثار اور علامات ہیں۔ پس یاد الٰہی میں ذوق شوق جس کو دوسرے لفظوں میں حالتِ خشوع کہتے ہیں نطفہ کی اُس حالت سے مشابہ ہے جب وہ ایک صورتِ انزال پکڑ کر اندام نہانی کے اندر گر جاتا ہے اور اِس میں کیا شک ہے کہ وہ جسمانی عالم میں ایک کمال لذّت کا وقت ہوتا ہے لیکن تاہم فقط اُس قطرہ منی کا اندر گرنا اس بات کو مستلزم نہیں

﴿۴۷﴾

کہ رِحم سے اُس نطفہ کا تعلق بھی ہو جائے اور وہ رحم کی طرف کھینچا جائے۔ پس ایسا ہی روحانی ذوق شوق اور حالتِ خشوع اس بات کو مستلزم نہیں کہ رحیم خدا سے ایسے شخص کا تعلق ہو جائے اور اس کی طرف کھینچا جائے۔ بلکہ جیسا کہ نطفہ کبھی حرامکاری کے طور پر کسی رنڈی کے اندام نہانی میں پڑتا ہے تو اس میں بھی وہی لذّت نطفہ ڈالنے والے کو حاصل ہوتی ہے جیسا کہ اپنی بیوی کے ساتھ۔ پس ایسا ہی بُت پرستوں اور مخلوق پرستوں کا خشوع وخضوع اور حالتِ ذوق اور شوق رنڈی بازوں سے مشابہ ہے یعنی خشوع اور خضوع مشرکوں اور اُن لوگوں کا جو محض اغراض دنیویہ کی بنا پر خدا تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اس نطفہ سے مشابہت رکھتا ہے جو حرامکار عورتوں کے اندام نہانی میں جا کر باعثِ لذّت ہوتا ہے۔ بہر حال جیسا کہ نطفہ میں تعلق پکڑنے کی استعداد ہے حالتِ خشوع میں بھی تعلق پکڑنے کی استعداد ہے مگر صرف حالتِ خشوع اور رِقّت اور سوز اس بات پر دلیل نہیں ہے کہ وہ تعلق ہو بھی گیا ہے جیسا کہ نطفہ کی صورت میں جو اس روحانی صورت کے مقابل پر ہی مشاہدہ ظاہر کر رہا ہے اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے صحبت کرے اور منی عورت کے اندام نہانی میں داخل ہو جائے اور اس کو اس فعل سے کمال لذّت حاصل ہو تو یہ لذّت اس بات پر دلالت نہیں کرے گی کہ حمل ضرور ہو گیا ہے۔ پس ایسا ہی خشوع اور سوز وگداز کی حالت گو وہ کیسی ہی لذّت اور سرور کے ساتھ ہو خدا سے تعلق پکڑنے کے لئے کوئی لازمی علامت نہیں ہے☆۔ یعنی کسی شخص میں نماز اور یاد الٰہی کی حالت میں خشوع اور سوز وگداز اور گریہ وزاری پیدا ہونا لازمی طور پر اس بات کو

☆ ابتدائی حالت میں خشوع اور رِقّت کے ساتھ ہر طرح کے لغو کام جمع ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ بچہ میں رونے کی عادت بہت ہوتی ہے اور بات بات میں ڈر جاتا اور خشوع اور انکسار اختیار کرتا ہے مگر با ایں ہمہ بچپن کے زمانہ میں طبعاً انسان بہت سے لغویات میں مبتلا ہوتا ہے اور سب سے پہلے لغو باتوں اور لغو کاموں کی طرف ہی رغبت کرتا ہے اور اکثر لغو حرکات اور لغو طور پر کودنا اور اچھلنا ہی اس کو پسند آتا ہے جس میں بسا اوقات اپنے جسم کو بھی کوئی صدمہ پہنچا دیتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ انسان کی زندگی کی راہ میں فطرتاً پہلے لغویات ہی آتے ہیں اور بغیر اس مرتبہ کے طے کرنے کے دوسرے مرتبہ تک وہ پہنچ ہی نہیں سکتا۔ پس طبعاً پہلا زینہ بلوغ کا بچپن کے لغویات سے پرہیز کرنا ہے سو اس سے ثابت ہے کہ سب سے پہلا تعلق انسانی سرشت کو لغویات سے ہی ہوتا ہے۔ منہ

﴿۳۸﴾

مستلزم نہیں کہ اس شخص کو خدا سے تعلق بھی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ سب حالات کسی شخص میں موجود ہوں مگر ابھی اس کو خدا تعالیٰ سے تعلق نہ ہو۔ جیسا کہ مشاہدہ صریحہ اس بات پر گواہ ہے کہ بہت سے لوگ پند و نصیحت کی مجلسوں اور وعظ و تذکیر کی محفلوں یا نماز اور یاد الٰہی کی حالت میں خوب روتے اور وجد کرتے اور نعرے مارتے اور سوز و گداز ظاہر کرتے ہیں اور آنسو اُن کے رخساروں پر پانی کی طرح رواں ہو جاتے ہیں بلکہ بعض کا رونا تو مُنہ پر رکھا ہوا ہوتا ہے۔ ایک بات سنی اور رو دیا۔ مگر تاہم لغویات سے وہ کنارہ کش نہیں ہوتے اور بہت سے لغو کام اور لغو باتیں اور لغو سیر و تماشے اُن کے گلے کا ہار ہو جاتے ہیں۔ جن سے سمجھا جاتا ہے کہ کچھ بھی اُن کو خدا تعالیٰ سے تعلق نہیں اور نہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کچھ اُن کے دلوں میں ہے۔ پس یہ عجیب تماشا ہے کہ ایسے گندے نفسوں کے ساتھ بھی خشوع اور سوز و گداز کی حالت جمع ہو جاتی ہے۔ اور یہ عبرت کا مقام ہے اور اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مجرد خشوع اور گریہ وزاری کہ جو بغیر ترک لغویات ہو کچھ فخر کرنے کی جگہ نہیں اور نہ یہ قرب الٰہی اور تعلق باللہ کی کوئی علامت ہے۔ بہت سے ایسے فقیر مَیں نے بچشم خود دیکھے ہیں اور ایسا ہی بعض دوسرے لوگ بھی دیکھنے میں آئے ہیں کہ کسی دردناک شعر کے پڑھنے یا دردناک نظارہ دیکھنے یا دردناک قصہ کے سننے سے اس جلدی سے ان کے آنسو گرنے شروع ہو جاتے ہیں جیسا کہ بعض بادل اس قدر جلدی سے اپنے موٹے موٹے قطرے برساتے ہیں کہ باہر سونے والوں کو رات کے وقت فرصت نہیں دیتے کہ اپنا بستر بغیر تر ہونے کے اندر لے جاسکیں لیکن مَیں اپنی ذاتی شہادت سے گواہی دیتا ہوں کہ اکثر ایسے شخص میں نے بڑے مکّار بلکہ دنیاداروں سے آگے بڑھے ہوئے پائے ہیں اور بعض کو میں نے ایسے خبیث طبع اور بد دیانت اور ہر پہلو سے بدمعاش پایا ہے کہ مجھے اُن کی گریہ وزاری کی عادت اور خشوع و خضوع کی خصلت دیکھ کر اس بات سے کراہت آتی ہے کہ کسی مجلس میں ایسی رقت اور سوز و گداز ظاہر کروں۔ ہاں کسی زمانہ میں خصوصیت کے ساتھ یہ نیک بندوں کی علامت تھی مگر اب تو اکثر یہ پیرایہ مکّاروں اور فریب دہ لوگوں کا ہو گیا ہے

﴿۳۹﴾ سبز کپڑے۔ بال سر کے لمبے۔ ہاتھ میں تسبیح۔ آنکھوں سے دمبدم آنسو جاری۔ لبوں میں کچھ حرکت گویا ہر وقت ذکر الٰہی زبان پر جاری ہے۔ اور ساتھ اس کے بدعت کی پابندی۔ یہ علامتیں اپنے فقر کی ظاہر کرتے ہیں۔ مگر دلِ مجذوم محبتِ الٰہی سے محروم۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ راستباز لوگ میری اس تحریر سے مستثنیٰ ہیں جن کی ہر ایک بات بطور جوش اور حال کے ہوتی ہے نہ بطور تکلّف اور قال کے، بہرحال یہ تو ثابت ہے کہ گریہ وزاری اور خشوع اور خضوع نیک بندوں کے لئے کوئی مخصوص علامت نہیں بلکہ یہ بھی انسان کے اندر ایک قوت ہے جو محل اور بے محل دونوں صورتوں میں حرکت کرتی ہے۔ انسان بعض اوقات ایک فرضی قصہ پڑھتا ہے اور جانتا ہے کہ یہ فرضی اور ایک ناول کی قسم ہے مگر تاہم جب اس کے ایک دردناک موقعہ پر پہنچتا ہے تو اس کا دل اپنے قابو سے نکل جاتا ہے اور بے اختیار آنسو جاری ہوتے ہیں جو تھمتے نہیں۔ ایسے دردناک قصے یہاں تک مؤثر پائے گئے ہیں کہ بعض وقت خود ایک انسان ایک پُرسوز قصہ بیان کرنا شروع کرتا ہے اور جب بیان کرتے کرتے اس کے ایک پُر درد موقعہ پر پہنچتا ہے تو آپ ہی چشم پُرآب ہو جاتا ہے اور اس کی آواز بھی ایک رونے والے شخص کے رنگ میں ہو جاتی ہے آخر اس کا رونا اچھل پڑتا ہے اور جو رونے کے اندر ایک قسم کی سرور اور لذّت ہے وہ اس کو حاصل ہو جاتی ہے اور اس کو خوب معلوم ہوتا ہے کہ جس بنا پر وہ روتا ہے وہ بنا ہی غلط اور ایک فرضی قصہ ہے۔ پس کیوں اور کیا وجہ کہ ایسا ہوتا ہے اس کی یہی وجہ ہے کہ سوز و گداز اور گریہ وزاری کی قوت جو انسان کے اندر موجود ہے اُس کو ایک واقعہ کے صحیح یا غلط ہونے سے کچھ کام نہیں بلکہ جب اس کے لئے ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں جو اس قوت کو حرکت دینے کے قابل ہوتے ہیں تو خواہ نخواہ وہ رقّت حرکت میں آ جاتی ہے اور ایک قسم کا سرور اور لذّت ایسے انسان کو پہنچ جاتا ہے گو وہ مومن ہو یا کافر۔ اسی وجہ سے غیر مشروع مجالس میں بھی جو طرح طرح کی بدعات پر مشتمل ہوتی ہیں بے قید لوگ جو فقیروں کے لباس میں اپنے تئیں ظاہر کرتے ہیں مختلف قسم کی کافیوں اور

شعروں کے سننے اور سُرود کی تاثیر سے رقص اور وجد اور گریہ وزاری شروع کر دیتے ہیں اور اپنے رنگ میں لذّت اُٹھاتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ ہم خدا کو مل گئے ہیں۔ مگر یہ لذّت اُس لذّت سے مشابہ ہے جو ایک زانی کو حرامکار عورت سے ہوتی ہے۔

﴿۴۰﴾ اور پھر ایک اور مشابہت خشوع اور نطفہ میں ہے اور وہ یہ کہ جب ایک شخص کا نطفہ اس کی بیوی یا کسی اور عورت کے اندر داخل ہوتا ہے تو اس نطفہ کا اندام نہانی کے اندر داخل ہونا اور انزال کی صورت پکڑ کر رواں ہو جانا بعینہٖ رونے کی صورت پر ہوتا ہے جیسا کہ خشوع کی حالت کا نتیجہ بھی رونا ہی ہوتا ہے اور جیسے بے اختیار نطفہ اُچھل کر صورت انزال اختیار کرتا ہے۔ یہی صورت کمال خشوع کے وقت میں رونے کی ہوتی ہے کہ رونا آنکھوں سے اُچھلتا ہے اور جیسی انزال کی لذّت کبھی حلال طور پر ہوتی ہے جب کہ اپنی بیوی سے انسان صحبت کرتا ہے اور کبھی حرام طور پر جب کہ انسان کسی حرام کار عورت سے صحبت کرتا ہے۔ یہی صورت خشوع اور سوز و گداز اور گریہ وزاری کی ہے یعنی کبھی خشوع اور سوز و گداز محض خدائے واحد لاشریک کے لئے ہوتا ہے جس کے ساتھ کسی بدعت اور شرک کا رنگ نہیں ہوتا۔ پس وہ لذّت سوز و گداز کی ایک لذّت حلال ہوتی ہے مگر کبھی خشوع اور سوز و گداز اور اسکی لذّت بدعات کی آمیزش سے یا مخلوق کی پرستش اور بتوں اور دیویوں کی پوجا میں بھی حاصل ہوتی ہے مگر وہ لذّت حرامکاری کے جماع سے مشابہ ہوتی ہے۔ غرض مجرد خشوع اور سوز و گداز اور گریہ وزاری اور اس کی لذّتیں تعلق باللہ کو مستلزم نہیں بلکہ جیسا کہ بہت سے ایسے نطفے ہیں جو ضائع جاتے ہیں اور رحم اُن کو قبول نہیں کرتا۔ ایسا ہی بہت سے خشوع اور تضرع اور زاری ہیں جو محض آنکھوں کو کھونا ہے اور رحیم خدا ان کو قبول نہیں کرتا۔ غرض حالتِ خشوع کو جو روحانی وجود کا پہلا مرتبہ ہے نطفہ ہونے کی حالت سے جو جسمانی وجود کا پہلا مرتبہ ہے ایک کھلی کھلی مشابہت ہے جس کو ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں اور یہ مشابہت کوئی معمولی امر نہیں ہے بلکہ صانع قدیم جلّ شانہٗ کے خاص ارادہ سے ان دونوں میں اکمل اور اتم مشابہت ہے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی کتاب میں بھی لکھا گیا ہے کہ

دوسرے جہان میں بھی یہ دونوں لذّتیں ہوں گی۔ مگر مشابہت میں اس قدر ترقی کر جائیں گی کہ ایک ہی ہو جائیں گی یعنی اُس جہان میں جو ایک شخص اپنی بیوی سے محبت اور اختلاط کرے گا وہ اس بات میں فرق نہیں کر سکے گا کہ وہ اپنی بیوی سے محبت اور اختلاط کرتا ہے یا محبت الٰہیہ کے دریائے بے پایاں میں غرق ہے اور واصلانِ حضرتِ عزت پر اِسی جہان میں یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے جو اہلِ دنیا اور محجوبوں کے لئے ایک امر فوق الفہم ہے۔ ﴿۴۱﴾

اب ہم یہ تو بیان کر چکے کہ روحانی وجود کا پہلا مرتبہ جو حالتِ خشوع ہے جسمانی وجود کے پہلے مرتبہ سے جو نطفہ ہے مشابہت تام رکھتا ہے۔ اس کے بعد یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ روحانی وجود کا دوسرا مرتبہ بھی جسمانی وجود کے دوسرے مرتبہ سے مشابہ اور مماثل ہے۔ اِس کی تفصیل یہ ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ رُوحانی وجود کا دوسرا مرتبہ وہ ہے جو اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا گیا ہے یعنی وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ [1] یعنی مومن وہ ہیں جو لغو باتوں اور لغو کاموں اور لغو حرکتوں اور لغو مجلسوں اور لغو صحبتوں اور لغو تعلقات سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے مقابل پر جسمانی وجود کا دوسرا مرتبہ وہ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے کلام عزیز میں عَلَقَه کے نام سے موسوم فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً [2] یعنی پھر ہم نے نطفہ کو عَلَقَه بنایا۔ یعنی ہم نے اُس کو لغو طور پر ضائع ہونے سے بچا کر رحم کی تاثیر اور تعلق سے عَلَقَه بنا دیا۔ اس سے پہلے وہ معرض خطر میں تھا اور کچھ معلوم نہ تھا کہ وہ انسانی وجود بنے یا ضائع جائے۔ لیکن وہ رحم کے تعلق کے بعد ضائع ہونے سے محفوظ ہو گیا اور اس میں ایک تغیر پیدا ہو گیا جو پہلے نہ تھا۔ یعنی وہ ایک جمے ہوئے خون کی صورت میں ہو گیا۔ اور قوام بھی غلیظ ہو گیا اور رحم سے اس کا ایک علاقہ ہو گیا اس لئے اس کا نام عَلَقَه رکھا گیا اور ایسی عورت حاملہ کہلانے کی مستحق ہو گئی۔ اور بوجہ اس علاقہ کے رحم اس کا سرپرست بن گیا اور اس کے زیرسایہ نطفہ کا نشوونما ہونے لگا۔ مگر اس حالت میں نطفہ نے کچھ زیادہ پاکیزگی حاصل نہیں کی۔

[1] المؤمنون : ۴ [2] المؤمنون : ۱۵

صرف ایک خون جما ہوا بن گیا اور رحم کے تعلق کی وجہ سے ضائع ہونے سے بچ گیا اور جس طرح اور صورتوں میں ایک نطفہ لغو طور پر پھیلتا اور بیہودہ طور پر اندر سے بہ نکلتا اور کپڑوں کو پلید کرتا تھا اب اس تعلق کی وجہ سے بیکار جانے سے محفوظ رہ گیا۔ لیکن ہنوز وہ ایک جما ہوا خون تھا جس نے ابھی نجاست خفیفہ کی آلودگی سے پاکی حاصل نہیں کی تھی۔ اگر رحم سے یہ تعلق اس کا پیدا نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ اندام نہانی میں داخل ہو کر بھی رحم میں قرار نہ پا سکتا اور باہر کی طرف بہ جاتا۔ مگر رحم کی قوت مدبّرہ نے اپنے خاص جذب سے اُس کو تھام لیا اور پھر ایک جمے ہوئے خون کی شکل پر بنا دیا۔ تب جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اس تعلق کی وجہ سے **علقہ** کہلایا اور اس سے پہلے رحم نے اُس پر کوئی اپنا خاص اثر ظاہر نہیں کیا تھا اور اسی اثر نے اس کو ضائع ہونے سے روکا اور اسی اثر سے نطفہ کی طرح اُس میں رقّت بھی باقی نہ رہی یعنی اس کا قوام رکیک اور پتلا نہ رہا بلکہ کسی قدر گاڑھا ہو گیا۔ ﴿۴۲﴾

اور اس **علقہ** کے مقابل پر جو جسمانی وجود کا دوسرا مرتبہ ہے روحانی وجود کا دوسرا مرتبہ وہ ہے جس کا ابھی ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں جس کی طرف قرآن شریف کی یہ آیت اشارہ کرتی ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ یعنی رہائی یافتہ مومن وہ لوگ ہیں جو لغو کاموں اور لغو باتوں اور لغو حرکتوں اور لغو مجلسوں اور لغو صحبتوں سے اور لغو تعلقات سے اور لغو جوشوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور ایمان ان کا اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اس قدر کنارہ کشی اُن پر سہل ہو جاتی ہے کیونکہ بوجہ ترقیٔ ایمان کے کسی قدر تعلق اُن کا خدائے رحیم سے ہو جاتا ہے جیسا کہ **علقہ** ہونے کی حالت میں جب نطفہ کا تعلق کسی قدر رحم سے ہو جاتا ہے تو وہ لغو طور پر گر جانے یا بہ جانے یا اور طور پر ضائع ہو جانے سے امن میں آجاتا ہے **اِلَّا ماشاء الله**۔ سو روحانی وجود کے اس مرتبہ دوم میں خدائے رحیم سے تعلق بعینہٖ اُس تعلق سے مشابہ ہوتا ہے جو جسمانی وجود کے دوسرے مرتبہ پر **علقہ** کو

رحم سے تعلق ہو جاتا ہے اور جیسا کہ قبل ظہور دوسرے مرتبہ وجود روحانی کے لغو تعلقات اور لغو شغلوں سے رہائی پانا غیر ممکن ہوتا ہے اور صرف وجود روحانی کا پہلا مرتبہ یعنی خشوع اور عجز و نیاز کی حالت اکثر برباد بھی چلی جاتی ہے اور انجام بد ہوتا ہے۔ ایسا ہی نطفہ بھی جو جسمانی وجود کا پہلا مرتبہ ہے علقہ بننے کی حالت سے پہلے بسا اوقات صدہا مرتبہ لغو طور پر ضائع ہو جاتا ہے پھر جب ارادہ الٰہی اس بات کے متعلق ہوتا ہے کہ لغو طور پر ضائع ہونے سے اس کو بچائے تو اُس کے امر اور اذن سے وہی نطفہ رحم میں علقہ بن جاتا ہے تب وہ وجود جسمانی کا دوسرا مرتبہ کہلاتا ہے غرض دوسرا مرتبہ روحانی وجود کا جو تمام لغو باتوں اور تمام کاموں سے پرہیز کرنا اور لغو باتوں اور لغو تعلقات اور لغو جوشوں سے کنارہ کش ہونا ہے یہ **مرتبہ** بھی اسی وقت میسّر آتا ہے کہ جب خدائے رحیم سے انسان کا **تعلق** پیدا ہو جائے۔ کیونکہ یہ تعلق میں ہی طاقت اور قوت ہے کہ دوسرے تعلق کو توڑتا ہے اور ضائع ہونے سے بچاتا ہے اور گو انسان کو اپنی نماز میں حالت خشوع میسر آ جائے جو روحانی وجود کا پہلا مرتبہ ہے پھر بھی وہ خشوع لغو باتوں اور لغو کاموں اور لغو جوشوں سے روک نہیں سکتا۔ جب تک کہ **خدا** سے وہ **تعلق** نہ ہو جو روحانی وجود کے **دوسرے مرتبہ** پر ہوتا ہے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ گو ایک انسان اپنی بیوی سے ہر روز کئی دفعہ صحبت کرے تاہم وہ نطفہ ضائع ہونے سے رُک نہیں سکتا جب تک کہ رحم سے اس کا تعلق پیدا نہ ہو جائے۔ ﴿۴۳﴾

پس خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ اس کے یہی معنے ہیں کہ مومن وہی ہیں جو لغو تعلقات سے اپنے تئیں الگ کرتے ہیں اور لغو تعلقات سے اپنے تئیں الگ کرنا خدا تعالیٰ کے تعلق کا موجب ہے☆۔ گویا لغو باتوں سے دل کو

☆ لغو تعلقات سے الگ ہونا خدا تعالیٰ کے تعلق کا اس لئے موجب ہے کہ خدا تعالیٰ نے انہیں آیات میں اَفْلَحَ کے لفظ کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ جو شخص خدا کی طلب میں کوئی کام

چھڑانا خدا سے دل کو لگا لینا ہے کیونکہ انسان تعبّد ابدی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور طبعی طور پر اس کے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت موجود ہے پس اسی وجہ سے انسان کی روح کو خدا تعالیٰ سے ایک تعلق ازلی ہے۔ جیسا کہ آیت اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى [1] سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ تعلق جو انسان کو رحیمیّت کے پرتوہ کے نیچے آکر یعنی عبادات کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ سے حاصل ہوتا ہے جس تعلق کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ خدا پر ایمان لا کر ہر ایک لغو بات اور لغو کام اور لغو مجلس اور لغو حرکت اور لغو تعلق اور لغو جوش سے کنارہ کشی کی جائے۔ وہ اُسی ازلی تعلق کو مُکمن قوت سے حیّزِ فعل میں لانا ہے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں انسان کے روحانی وجود کا پہلا مرتبہ جو نماز اور یادِ الٰہی میں حالتِ خشوع اور رقّت اور سوز و گداز ہے یہ مرتبہ اپنی ذات میں صرف اطلاق کی حیثیت رکھتا ہے یعنی نفس خشوع کے لئے یہ لازمی امر نہیں ہے کہ ترکِ لغویات بھی ساتھ ہی ہو یا اس سے بڑھ کر کوئی اخلاقِ فاضلہ اور عاداتِ مہذبہ ساتھ ہوں بلکہ ممکن ہے کہ جو شخص نماز میں خشوع اور رقّت و سوز اور گریہ و زاری اختیار کرتا ہے خواہ اس قدر کہ دوسرے پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے ہنوز لغو باتوں اور لغو کاموں اور لغو حرکتوں اور لغو مجلسوں اور لغو تعلقوں اور لغو نفسانی جوشوں سے اس کا دل پاک نہ ہو یعنی ممکن ہے کہ ہنوز معاصی سے اس کو رُستگاری نہ ہو کیونکہ خشوع کی حالت کا

﴿۴۴﴾

بقیہ حاشیہ

کرے گا وہ بقدر محنت کشی اور بقدر اپنی سعی کے خدا کو پائے گا۔ اور اس سے تعلق پیدا کر لے گا۔ پس جو شخص خدا کا تعلق حاصل کرنے کے لئے لغو کام چھوڑتا ہے اس کو اس وعدہ کے موافق جو لفظ افلح میں ہے ایک خفیف سا تعلق خدا تعالیٰ سے ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جو اس نے کام کیا ہے وہ بھی بڑا بھاری کام نہیں صرف ایک خفیف تعلق کو جو اس کو لغویات سے تھا چھوڑ دیا ہے اور یاد رہے کہ جیسا کہ لفظ افلح اول آیت میں موجود ہے یعنی اس آیت میں کہ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ [2] یہی لفظ عطف کے طور پر تمام آئندہ آیتوں سے وعدہ کے طور پر متعلق ہے۔ پس یہ آیت کہ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ [3] یہی معنی رکھتی ہے کہ قد أفلح المؤمنون الذين هم عن اللغو معرضون اور افلاح یعنی افلح کا لفظ ہر یک مرتبہ ایمان پر ایک خاص معنی رکھتا ہے اور ایک خاص تعلّق کا وعدہ دیتا ہے۔ منہ

[1] الاعراف: ۱۷۳ [2] المؤمنون: ۲، ۳ [3] المؤمنون: ۴

کبھی کبھی دل پر وارد ہونا یا نماز میں ذوق اور سرور حاصل ہونا یہ اور چیز ہے اور طہارتِ نفس اور چیز۔ اور گو کسی سالک کا خشوع اور عجز و نیاز اور سوز و گداز بدعت اور شرک کی آمیزش سے پاک بھی ہو تاہم ایسا آدمی جس کا وجود روحانی ابھی مرتبہ دوم تک نہیں پہنچا ابھی صرف قبلۂ روحانی کا قصد کر رہا ہے اور راہ میں سرگردان ہے اور ہنوز اُس کی راہ میں طرح طرح کے دشت و بیابان اور خارستان اور کوہستان اور بحرِ عظیم پُر طوفان اور درندگان دشمن ایمان و دشمن جان قدم قدم پر بیٹھے ہیں تا وقتیکہ وجود روحانی کے دوسرے مرتبہ تک نہ پہنچ جائے۔

یاد رہے کہ خشوع اور عجز و نیاز کی حالت کو یہ بات ہرگز لازم نہیں ہے کہ خدا سے سچا تعلق ہو جائے بلکہ بسا اوقات شریر لوگوں کو بھی کوئی نمونہ قہر الٰہی دیکھ کر خشوع پیدا ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ سے ان کو کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا اور نہ لغو کاموں سے ابھی رہائی ہوتی ہے۔ مثلاً وہ زلزلہ جو چار اپریل ۱۹۰۵ء کو آیا تھا اُس کے آنے کے وقت لاکھوں دلوں میں ایسا خشوع اور سوز و گداز ہوا تھا کہ بجز خدا کے نام لینے اور رونے کے اور کوئی کام نہ تھا یہاں تک کہ دہریوں کو بھی اپنا دہریہ پن بھول گیا تھا۔ اور پھر جب وہ وقت جاتا رہا اور زمین ٹھہر گئی تو حالتِ خشوع نابود ہو گئی یہاں تک کہ میں نے سنا ہے کہ بعض دہریوں نے جو اس وقت خدا کے قائل ہو گئے تھے بڑی بے حیائی اور دلیری سے کہا کہ ہمیں غلطی لگ گئی تھی کہ ہم زلزلہ کے رعب میں آ گئے ورنہ خدا نہیں ہے۔ غرض جیسا کہ ہم بار بار لکھ چکے ہیں خشوع کی حالت کے ساتھ بہت گند جمع ہو سکتے ہیں البتہ وہ تمام آئندہ کمالات کے لئے تخم کی طرح ہے مگر اسی حالت کو کمال سمجھنا اپنے نفس کو دھوکہ دینا ہے۔ بلکہ بعد اس کے ایک اور مرتبہ ہے جس کی تلاش مومن کو کرنی چاہئے اور کبھی آرام نہیں لینا چاہئے اور سست نہیں ہونا چاہئے جب تک وہ رتبہ حاصل نہ ہو جائے اور وہ وہی مرتبہ ہے جس کو کلامِ الٰہی نے ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ[1] یعنی مومن صرف وہی لوگ نہیں ہیں جو نماز میں خشوع اختیار کرتے اور سوز و گداز ظاہر کرتے ہیں بلکہ ان سے

[1] المؤمنون: ۴

﴿۴۵﴾ بڑھ کر وہ مومن ہیں کہ جو باوجود خشوع اور سوز وگداز کے تمام لغو باتوں اور لغو کاموں اور لغو تعلقوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور اپنی خشوع کی حالت کو بیہودہ کاموں اور لغو باتوں کے ساتھ ملا کر ضائع اور برباد ہونے نہیں دیتے اور طبعاً تمام لغویات سے علیحدگی اختیار کرتے ہیں اور بیہودہ باتوں اور بیہودہ کاموں سے ایک کراہت اُن کے دلوں میں پیدا ہو جاتی ہے اور یہ اس بات پر دلیل ہوتی ہے کہ ان کو خدا تعالیٰ سے کچھ تعلق ہو گیا ہے کیونکہ ایک طرف سے انسان تب ہی منہ پھیرتا ہے جب دوسری طرف اس کا تعلق ہو جاتا ہے۔ پس دنیا کی لغو باتوں اور لغو کاموں اور لغو سیر وتماشا اور لغو صحبتوں سے واقعی طور پر اُسی وقت انسان کا دل ٹھنڈا ہوتا ہے جب دل کا خدائے رحیم سے تعلق ہو جائے اور دل پر اس کی عظمت اور ہیبت غالب آجائے۔ ایسا ہی نطفہ بھی اسی وقت لغو طور پر ضائع ہو جانے سے محفوظ ہوتا ہے جب رحم سے اس کا تعلق ہو جائے اور رحم کا اثر اس پر غالب آجائے اور اس تعلق کے وقت نطفہ کا نام علقہ ہو جاتا ہے۔ پس اسی طرح روحانی وجود کا دوسرا مرتبہ بھی جو مومن کا مُعرض عن اللغو ہونا ہے روحانی طور پر علقہ ہے کیونکہ اسی مرتبہ پر مومن کے دل پر ہیبت اور عظمت الٰہی وارد ہو کر اس کو لغو باتوں اور لغو کاموں سے چھڑاتی ہے اور ہیبت اور عظمتِ الٰہی سے متاثر ہو کر ہمیشہ کے لئے لغو باتوں اور لغو کاموں کو چھوڑ دینا یہی وہ حالت ہے جس کو دوسرے لفظوں میں تعلق باللہ کہتے ہیں لیکن یہ تعلق جو صرف لغویات کے ترک کرنے کی وجہ سے خدا تعالیٰ سے ہوتا ہے یہ ایک خفیف تعلق ہے کیونکہ اس مرتبہ پر مومن صرف لغویات سے تعلق توڑتا ہے لیکن نفس کی ضروری چیزوں سے اور ایسی باتوں سے جن پر معیشت کی آسودگی کا حصہ ہے ابھی اس کے دل کا تعلق ہوتا ہے اس لئے ہنوز ایک حصہ پلیدی کا اس کے اندر رہتا ہے۔ اِسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے وجودِ روحانی کے اس مرتبہ کو علقہ سے مشابہت دی ہے اور علقہ خون جما ہوا ہوتا ہے جس میں بباعث خون ہونے کے ایک حصہ پلیدی کا باقی ہوتا ہے اور اس مرتبہ میں یہ نقص اس لئے رہ جاتا ہے کہ ایسے لوگ پورے طور پر خدا تعالیٰ سے ڈرتے نہیں اور

پورے طور پر ان کے دلوں میں حضرت عزّت جلّ شانہٗ کی عظمت اور ہیبت نہیں بیٹھی اس لئے صرف نکمی اور لغو باتوں کے چھوڑنے پر قادر ہو سکتے ہیں نہ اور باتوں پر۔ پس ناچار اس قدر پلیدی اُن کے نفوسِ ناقصہ میں رہ جاتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے ایک خفیف سا تعلق پیدا کر کے لغویات سے تو کنارہ کش ہو جاتے ہیں لیکن وہ ان کاموں کو چھوڑ نہیں سکتے جن کا چھوڑنا نفس پر بہت بھاری ہے یعنی وہ خدا تعالیٰ کے لئے ان چیزوں کو چھوڑ نہیں سکتے جو نفسانی لذّات کے لئے لوازم ضروریہ ہیں اِس بیان سے ظاہر ہے کہ محض لغویات سے منہ پھیرنا ایسا امر نہیں ہے جو بہت قابلِ تحسین ہو بلکہ یہ مومن کی ایک ادنیٰ حالت ہے ہاں خشوع کی حالت سے ایک درجہ ترقی پر ہے۔ ﴿۴۶﴾

اور جسمانی وجود کے تیسرے درجہ کے مقابل پر روحانی وجود کا تیسرا درجہ واقع ہوا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جسمانی وجود کا تیسرا مرتبہ یہ ہے جو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً [1] یعنی پھر بعد اس کے ہم نے علقہ کو بوٹی بنایا۔ یہ وہ مرتبہ ہے جس میں وجود جسمانی انسان کا ناپاکی سے باہر آتا ہے اور پہلے سے اس میں کسی قدر شدت اور صلابت بھی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ نطفہ اور خون جما ہوا جو علقہ ہے وہ دونوں ایک نجاستِ خفیفہ اپنے اندر رکھتے ہیں اور اپنے قوام کے رو سے بھی بہ نسبت مضغہ کے نرم اور رقیق ہیں مگر مضغہ جو ایک گوشت کا ٹکڑہ ہوتا ہے پاک حالت اپنے اندر پیدا کرتا ہے اور بہ نسبت نطفہ اور علقہ کے قوام میں بھی ایک حد تک سختی پیدا کر لیتا ہے۔ یہی حالت روحانی وجود کے تیسرے درجہ کی ہے اور روحانی وجود کا تیسرا درجہ وہ ہے جو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ [2] اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ وہ مومن کہ جو پہلی دو حالتوں سے بڑھ کر قدم رکھتا ہے وہ صرف بیہودہ اور لغو باتوں سے ہی کنارہ کش نہیں ہوتا بلکہ بخل کی پلیدی کو دُور کرنے کے لئے جو طبعاً ہر ایک انسان کے اندر ہوتی ہے زکوٰۃ بھی دیتا ہے یعنی خدا کی راہ میں ایک حصہ اپنے مال کا خرچ کرتا ہے۔ زکوٰۃ کا نام اسی لئے زکوٰۃ ہے کہ انسان اس کی بجا آوری سے یعنی اپنے مال کو جو اس کو بہت پیارا ہے لِلّٰہ دینے سے بخل کی پلیدی سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور جب بخل کی پلیدی جس سے انسان طبعاً بہت تعلق رکھتا ہے انسان کے اندر سے نکل جاتی ہے تو وہ کسی حد تک پاک بن کر

[1] المؤمنون : ۱۵ [2] المؤمنون:۵

﴿۴۷﴾ خدا سے جو اپنی ذات میں پاک ہے ایک مناسبت پیدا کر لیتا ہے ؂

کوئی اُس پاک سے جو دل لگاوے کرے پاک آپ کو تب اُس کو پاوے

اور یہ مرتبہ پہلی دو حالتوں میں پایا نہیں جاتا۔ کیونکہ صرف خشوع اور عجز و نیاز یا صرف لغو باتوں کو ترک کرنا ایسے انسان سے بھی ہو سکتا ہے جس میں ہنوز بخل کی پلیدی موجود ہے لیکن جب انسان خدا تعالیٰ کے لئے اپنے اس مال عزیز کو ترک کرتا ہے جس پر اس کی زندگی کا مدار اور معیشت کا انحصار ہے اور جو محنت اور تکلیف اور عرقریزی سے کمایا گیا ہے تب بخل کی پلیدی اس کے اندر سے نکل جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی ایمان میں بھی ایک شدت اور صلابت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ دونوں حالتیں مذکورہ بالا جو پہلے اس سے ہوتی ہیں اُن میں یہ پاکیزگی حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایک چھپی ہوئی پلیدی ان کے اندر رہتی ہے۔ اس میں حکمت یہی ہے کہ لغویات سے منہ پھیرنے میں صرف ترکِ شر ہے اور شر بھی ایسی جس کی زندگی اور بقا کے لئے کچھ ضرورت نہیں اور نفس پر اس کے ترک کرنے میں کوئی مشکل نہیں لیکن اپنا محنت سے کمایا ہوا مال محض خدا کی خوشنودی کے لئے دینا یہ کسبِ خیر ہے جس سے وہ نفس کی ناپاکی جو سب ناپاکیوں سے بدتر ہے یعنی بخل دُور ہوتا ہے لہٰذا یہ ایمانی حالت کا تیسرا درجہ ہے جو پہلے دو درجوں سے اشرف اور افضل ہے اور اس کے مقابل پر جسمانی وجود کے تیار ہونے میں مضغہ کا درجہ ہے جو پہلے دو درجوں نطفہ اور علقہ سے فضیلت میں بڑھ کر ہے اور پاکی میں خصوصیت رکھتا ہے کیونکہ نطفہ اور علقہ دونوں نجاست خفیفہ سے ملوث ہیں مگر مضغہ پاک حالت میں ہے اور جس طرح رحم میں مضغہ کو بہ نسبت نطفہ اور علقہ کے ایک ترقی یافتہ حالت اور پاکیزگی پیدا ہو جاتی ہے اور بہ نسبت نطفہ اور علقہ کے رحم سے اس کا تعلق بھی زیادہ ہو جاتا ہے اور شدت اور صلابت بھی زیادہ ہو جاتی ہے یہی حالت وجود روحانی کی مرتبہ سوم کی ہے جس کی تعریف خدا تعالیٰ نے یہ فرمائی ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ[1] یعنی مومن وہ ہیں جو اپنے نفس کو بخل سے پاک

[1] المؤمنون: ۵

کرنے کے لئے اپنا عزیز مال خدا کی راہ میں دیتے ہیں اور اس فعل کو وہ آپ اپنی مرضی سے اختیار کرتے ہیں۔ پس وجود رُوحانی کی اس مرتبہ سوم میں وہی تین[۳] خوبیاں پائی جاتی ہیں جو وجود جسمانی کے مرتبہ سوم میں یعنی مضغہ ہونے کی حالت میں پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ حالت جو بخل سے پاک ہونے کے لئے اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرنا اور اپنی محنت سے حاصل کردہ سرمایہ محض لِلّٰہ دوسرے کو دینا بہ نسبت اس حالت کے جو محض لغو باتوں اور لغو کاموں سے پرہیز کرنا ہے ایک ترقی یافتہ حالت ہے اور اس میں صریح اور بدیہی طور پر بخل کی پلیدی سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور خدائے رحیم سے تعلق بڑھتا ہے کیونکہ اپنے مال عزیز کو خدا کے لئے چھوڑنا بہ نسبت لغو باتوں کے چھوڑنے کے زیادہ تر نفس پر بھاری ہے اس لئے اس زیادہ تکلیف اٹھانے کے کام سے خدا سے تعلق بھی زیادہ ہو جاتا ہے اور بباعث ایک مشقت کا کام بجالانے کے ایمانی شدت اور صلابت بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

﴿۴۸﴾

اب اس کے بعد روحانی وجود کا چوتھا درجہ وہ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ذکر فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ[۱] یعنی تیسرے درجہ سے بڑھ کر مومن وہ ہیں جو اپنے تئیں نفسانی جذبات اور شہوات ممنوعہ سے بچاتے ہیں۔ یہ درجہ تیسرے درجہ سے اس لئے بڑھ کر ہے کہ تیسرے درجہ کا مومن تو صرف مال کو جو اُس کے نفس کو نہایت پیارا اور عزیز ہے خدا تعالیٰ کی راہ میں دیتا ہے لیکن چوتھے درجہ کا مومن وہ چیز خدا تعالیٰ کی راہ میں نثار کرتا ہے جو مال سے بھی زیادہ پیاری اور محبوب ہے یعنی شہوات نفسانیہ۔ کیونکہ انسان کو اپنی شہواتِ نفسانیہ سے اس قدر محبت ہے کہ وہ اپنی شہوات کے پورا کرنے کے لئے اپنے مال عزیز کو پانی کی طرح خرچ کرتا ہے اور ہزار ہا روپیہ شہوات کے پورا کرنے کے لئے برباد کر دیتا ہے اور شہوات کے حاصل کرنے کے لئے مال کو کچھ بھی چیز نہیں سمجھتا۔ جیسا کہ دیکھا جاتا ہے ایسے نجس طبع اور بخیل لوگ جو ایک محتاج بھوکے اور ننگے کو بباعث سخت بخل کے ایک پیسہ بھی دے نہیں سکتے شہوات نفسانیہ کے جوش میں بازاری عورتوں کو ہزار ہا روپیہ

[۱] المؤمنون: ۶

دے کر اپنا گھر ویران کر لیتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ سیلاب شہوت ایسا تُند اور تیز ہے کہ بخل جیسی نجاست کو بھی بہالے جاتا ہے۔ اس لئے یہ بدیہی امر ہے کہ بہ نسبت اس قوت ایمانی کے جس کے ذریعہ سے بخل دور ہوتا ہے اور انسان اپنا عزیز مال خدا کے لئے دیتا ہے یہ قوتِ ایمانی جس کے ذریعہ سے انسان شہواتِ نفسانیہ کے طوفان سے بچتا ہے نہایت زبردست اور شیطان کا مقابلہ کرنے میں نہایت سخت اور نہایت دیرپا ہے کیونکہ اس کا کام یہ ہے کہ نفسِ امّارہ جیسے پرانے اژدہا کو اپنے پیروں کے نیچے کچل ڈالتی ہے۔ اور بخل تو شہوات نفسانیہ کے پورا کرنے کے جوش میں اور نیز ریا اور نمود کے وقتوں میں بھی دُور ہو سکتا ہے مگر یہ طوفان جو نفسانی شہوات کے غلبہ سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ نہایت سخت اور دیرپا طوفان ہے جو کسی طرح بجز رحم خداوندی کے دور ہو ہی نہیں سکتا اور جس طرح جسمانی وجود کے تمام اعضاء میں سے ہڈی نہایت سخت ہے اور اس کی عمر بھی بہت لمبی ہے اسی طرح اس طوفان کے دور کرنے والی قوتِ ایمانی نہایت سخت اور عمر بھی لمبی رکھتی ہے تا ایسے دشمن کا دیر تک مقابلہ کر کے پامال کر سکے اور وہ بھی خدا تعالیٰ کے رحم سے کیونکہ شہواتِ نفسانیہ کا طوفان ایک ایسا ہولناک اور پُر آشوب طوفان ہے کہ بجز خاص رحم حضرت احدیت کے فرو نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے حضرت **یوسف** کو کہنا پڑا

﴿۴۹﴾

وَمَاۤ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ [1] یعنی میں اپنے نفس کو بَری نہیں کرتا نفس نہایت درجہ بدی کا حکم دینے والا ہے اور اس کے حملہ سے مخلصی غیر ممکن ہے مگر یہ کہ خود خدا تعالیٰ رحم فرماوے۔ اس آیت میں جیسا کہ فقرہ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ہے طوفان نوح کے ذکر کے وقت بھی اسی کے مشابہ الفاظ ہیں کیونکہ وہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا عَاصِمَ الۡیَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ [2] پس یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ طوفان شہواتِ نفسانیہ اپنی عظمت اور ہیبت میں نوح کے طوفان سے مشابہ ہے۔

[1] یوسف: ۵۴ [2] ھود: ۴۴

اور اس درجہ روحانی کے مقابل پر جو وجودِ روحانی کا چوتھا[۴] درجہ ہے جسمانی وجود کا درجہ چہارم ہے جس کے بارے میں قرآن شریف میں یہ آیت ہے فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا[۱] یعنی پھر ہم نے مُضغہ سے ہڈیاں بنائیں۔ اور ظاہر ہے کہ ہڈیوں میں بہ نسبت مضغہ یعنی بوٹی کے زیادہ صلابت اور سختی پیدا ہو جاتی ہے اور نیز ہڈی بہ نسبت مضغہ کے بہت دیرپا ہے اور ہزاروں برس تک اس کا نشان رہ سکتا ہے پس وجود روحانی کے درجہ چہارم اور وجود جسمانی کے درجہ چہارم میں مشابہت ظاہر ہے کیونکہ وجود روحانی کے درجہ چہارم میں بہ نسبت وجود روحانی کے درجہ سوم کے ایمانی شدّت اور صلابت زیادہ ہے اور خدائے رحیم سے تعلق بھی زیادہ۔ ایسا ہی وجود جسمانی کے درجہ چہارم میں جو استخوان کا پیدا ہونا ہے بہ نسبت درجہ سوم وجود جسمانی کے جو محض مضغہ یعنی بوٹی ہے جسمانی طور پر شدت اور صلابت زیادہ ہے اور رحم سے تعلق بھی زیادہ۔ ﴿۵۰﴾

پھر چہارم درجہ کے بعد پانچواں[۵] درجہ وجود روحانی کا وہ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ذکر فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ[۲] یعنی پانچویں درجہ کے مومن جو چوتھے درجہ سے بڑھ گئے ہیں وہ ہیں جو صرف اپنے نفس میں یہی کمال نہیں رکھتے جو نفسِ امّارہ کی شہوات پر غالب آ گئے ہیں اور اس کے جذبات پر اُن کو فتح عظیم حاصل ہو گئی ہے بلکہ وہ حتی الوسع خدا اور اس کی مخلوق کی تمام امانتوں اور تمام عہدوں کے ہر ایک پہلو کا لحاظ رکھ کر تقویٰ کی باریک راہوں پر قدم مارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جہاں تک طاقت ہے اس راہ پر چلتے ہیں۔ خدا کے عہدوں سے مراد وہ ایمانی عہد ہیں جو بیعت اور ایمان لانے کے وقت مومن سے لئے جاتے ہیں جیسے شرک نہ کرنا خونِ ناحق نہ کرنا وغیرہ۔

لفظ رَاعُوْنَ جو اس آیت میں آیا ہے جس کے معنے ہیں رعایت رکھنے والے۔ یہ لفظ عرب کے محاورہ کے موافق اُس جگہ بولا جاتا ہے جہاں کوئی شخص اپنی قوت اور طاقت کے مطابق

[۱] المؤمنون : ۱۵ [۲] المؤمنون:۹

کسی امر کی باریک راہ پر چلنا اختیار کرتا ہے اور اس امر کے تمام دقائق بجالانا چاہتا ہے اور کوئی پہلو اس کا چھوڑنا نہیں چاہتا۔ پس اس آیت کا حاصل مطلب یہ ہوا کہ وہ مومن جو وجودِ روحانی کے پنجم درجہ پر ہیں حتی الوسع اپنی موجودہ طاقت کے موافق تقویٰ کی باریک راہوں پر قدم مارتے ہیں اور کوئی پہلو تقویٰ کا جو امانتوں یا عہد کے متعلق ہے خالی چھوڑنا نہیں چاہتے اور سب کی رعایت رکھنا اُن کا ملحوظِ نظر ہوتا ہے اور اس بات پر خوش نہیں ہوتے کہ موٹے طور پر اپنے تئیں امین اور صادق العہد قرار دے دیں بلکہ ڈرتے رہتے ہیں کہ در پردہ اُن سے کوئی خیانت ظہور پذیر نہ ہو۔ پس طاقت کے موافق اپنے تمام معاملات میں توجہ سے غور کرتے رہتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ اندرونی طور پر اُن میں کوئی نقص اور خرابی ہو اور اسی رعایت کا نام دوسرے لفظوں میں تقویٰ ہے۔

﴿۵۱﴾ خلاصہ مطلب یہ کہ وہ مومن جو وجود رُوحانی میں پنجم درجہ پر ہیں وہ اپنے معاملات میں خواہ خدا کے ساتھ ہیں خواہ مخلوق کے ساتھ بے قید اور خلیع الرسن نہیں ہوتے بلکہ اس خوف سے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک کسی اعتراض کے نیچے نہ آجاویں اپنی امانتوں اور عہدوں میں دُور دُور کا خیال رکھ لیتے ہیں اور ہمیشہ اپنی امانتوں اور عہدوں کی پڑتال کرتے رہتے ہیں اور تقویٰ کی دُوربین سے اس کی اندرونی کیفیت کو دیکھتے رہتے ہیں تا ایسا نہ ہو کہ در پردہ اُن کی امانتوں اور عہدوں میں کچھ فتور ہو اور جو امانتیں خدا تعالیٰ کی اُن کے پاس ہیں جیسے تمام قویٰ اور تمام اعضاء اور جان اور مال اور عزت وغیرہ ان کو حتی الوسع اپنی پابندی تقویٰ بہت احتیاط سے اپنے اپنے محل پر استعمال کرتے رہتے ہیں اور جو عہد ایمان لانے کے وقت خدا تعالیٰ سے کیا ہے کمال صدق سے حتی المقدور اس کے پورا کرنے کے لئے کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ایسا ہی جو امانتیں مخلوق کی اُن کے پاس ہوں یا ایسی چیزیں جو امانتوں کے حکم میں ہوں اُن سب میں تا بمقدور تقویٰ کی پابندی سے کاربند ہوتے ہیں۔ اگر کوئی تنازع واقع ہو تو تقویٰ کو مدّنظر رکھ کر اس کا فیصلہ کرتے ہیں گو اس فیصلہ میں نقصان اٹھالیں۔ یہ درجہ چوتھے درجہ سے اس لئے بڑھ کر ہے

کہ اس میں حتی الوسع تمام اعمال میں تقویٰ کی باریک راہوں سے کام لینا پڑتا ہے اور حتی الوسع جمیع امور میں ہر ایک قدم تقویٰ کی رعایت سے اٹھانا پڑتا ہے مگر چوتھا درجہ صرف ایک ہی موٹی بات ہے اور وہ یہ کہ زنا سے اور بدکاریوں سے پرہیز کرنا اور ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ زنا ایک بہت بے حیائی کا کام ہے اور اس کا مرتکب شہواتِ نفس سے اندھا ہو کر ایسا ناپاک کام کرتا ہے جو انسانی نسل کے حلال سِلسلہ میں حرام کو ملا دیتا ہے اور تضیع نسل کا موجب ہوتا ہے۔ اِسی وجہ سے شریعت نے اس کو ایسا بھاری گناہ قرار دیا ہے کہ اِسی دنیا میں ایسے انسان کے لئے حدِ شرعی مقرر ہے۔ پس ظاہر ہے کہ مومن کی تکمیل کے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ وہ زنا سے پرہیز کرے کیونکہ زنا نہایت درجہ مفسد طبع اور بے حیا انسانوں کا کام ہے اور یہ ایک ایسا موٹا گناہ ہے جو جاہل سے جاہل اس کو بُرا سمجھتا ہے اور اس پر بجز کسی بے ایمان کے کوئی بھی دلیری نہیں کر سکتا۔ پس اِس کا ترک کرنا ایک معمولی شرافت ہے کوئی بڑے کمال کی بات نہیں لیکن انسان کی تمام روحانی خوبصورتی تقویٰ کی تمام باریک راہوں پر قدم مارنا ہے۔☆ تقویٰ کی باریک راہیں رُوحانی خوبصورتی کے لطیف نقوش اور خوشنما خط و خال ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی امانتوں اور ایمانی عہدوں کی حتی الوسع رعایت کرنا اور سر سے پیر تک جتنے قویٰ اور اعضاء ہیں

☆ ایمان کے لئے خشوع کی حالت مثل بیج کے ہے اور پھر لغو باتوں کے چھوڑنے سے ایمان اپنا نرم نرم سبزہ نکالتا ہے اور پھر اپنا مال بطور زکوٰۃ دینے سے ایمانی درخت کی ٹہنیاں نکل آتی ہیں جو اس کو کسی قدر مضبوط کرتی ہیں اور پھر شہواتِ نفسانیہ کا مقابلہ کرنے سے ان ٹہنیوں میں خوب مضبوطی اور سختی پیدا ہو جاتی ہے اور پھر اپنے عہد اور امانتوں کی تمام شاخوں کی محافظت کرنے سے درخت ایمان کا اپنے مضبوط تنہ پر کھڑا ہو جاتا ہے اور پھر پھل لانے کے وقت ایک اور طاقت کا فیضان اس پر ہوتا ہے کیونکہ اس طاقت سے پہلے نہ درخت کو پھل لگ سکتا ہے نہ پھول۔ وہی طاقت روحانی پیدائش کے مرتبہ ششم میں خلق آخر کہلاتی ہے اور اسی مرتبہ ششم پر انسانی کمالات کے پھل اور پھول ظاہر ہونے شروع ہوتے ہیں اور انسانی درخت کی روحانی شاخیں نہ صرف مکمل ہو جاتی ہیں بلکہ اپنے پھل بھی دیتی ہیں۔ منه

ایمانی عہدوں سے مراد وہ عہد ہیں جو انسان بیعت اور ایمان لانے کے وقت ان کا اقرار کرتا ہے جیسے یہ کہ وہ خون نہیں کرے گا۔ چوری نہیں کرے گا۔ جھوٹی گواہی نہیں دے گا۔ خدا سے کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گا اور اسلام اور پیروی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مرے گا۔ منه

جن میں ظاہری طور پر آنکھیں اور کان اور ہاتھ اور پیر اور دوسرے اعضاء ہیں اور باطنی طور پر دل اور دوسری قوتیں اور اخلاق ہیں۔ ان کو جہاں تک طاقت ہو ٹھیک ٹھیک محلِ ضرورت پر استعمال کرنا اور ناجائز مواضع سے روکنا اور ان کے پوشیدہ حملوں سے متنبہ رہنا اور اسی کے مقابل پر حقوق عباد کا بھی لحاظ رکھنا یہ وہ طریق ہے جو انسان کی تمام روحانی خوبصورتی اس سے وابستہ ہے اور خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں تقویٰ کو لباس کے نام سے موسوم کیا ہے۔ چنانچہ لِبَاسُ التَّقْوٰى قرآن شریف کا لفظ ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روحانی خوبصورتی اور روحانی زینت تقوٰی سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اور تقویٰ یہ ہے کہ انسان خدا کی تمام امانتوں اور ایمانی عہد اور ایسا ہی مخلوق کی تمام امانتوں اور عہد کی حتی الوسع رعایت رکھے یعنی ان کے دقیق در دقیق پہلوؤں پر تا بمقدور کاربند ہو جائے۔

یہ تو وجودِ روحانی کا پانچواں درجہ ہے اور اس کے مقابل پر جسمانی وجود کا پانچواں[۵] درجہ وہ ہے جس کا اس آیت کریمہ میں ذکر ہے فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا[۱] یعنی پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت مڑھ دیا اور جسمانی بناوٹ کی کسی قدر خوبصورتی دکھلا دی۔ یہ عجیب مطابقت ہے کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے ایک جگہ روحانی طور پر تقویٰ کو لباس قرار دیا ہے ایسا ہی كَسَوْنَا کا لفظ جو کسوت سے نکلا ہے وہ بھی بتلا رہا ہے کہ جو گوشت ہڈیوں پر مڑھا جاتا ہے وہ بھی ایک لباس ہے جو ہڈیوں پر پہنایا جاتا ہے۔ پس یہ دونوں لفظ دلالت کر رہے ہیں کہ جیسی خوبصورتی کا لباس تقویٰ پہناتی ہے ایسا ہی وہ کسوت جو ہڈیوں پر چڑھائی جاتی ہے ہڈیوں کے لئے ایک خوبصورتی کا پیرایہ بخشتی ہے۔ وہاں لباس کا لفظ ہے اور یہاں کسوت کا اور دونوں کے معنے ایک ہیں اور نص قرآنی بآواز بلند پکار رہی ہے کہ دونوں کا مقصد خوبصورتی ہے اور جیسا کہ انسان کی رُوح پر سے اگر تقویٰ کا لباس اتار دیا جائے تو روحانی بدشکلی اس کی ظاہر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر وہ گوشت و پوست جو حکیم مطلق نے انسان کی ہڈیوں پر مڑھا ہے اگر ہڈیوں پر سے اتار دیا جائے تو انسان کی جسمانی شکل

﴿۵۳﴾

[۱] المؤمنون : ۱۵

نہایت مکروہ نکل آتی ہے مگر اس درجہ پنجم میں خواہ درجہ پنجم وجود جسمانی کا ہے اور خواہ درجہ پنجم وجود روحانی کا ہے کامل خوبصورتی پیدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ ابھی رُوح کا اُس پر فیضان نہیں ہوا۔ یہ امر مشہود ومحسوس ہے کہ ایک انسان گو کیسا ہی خوبصورت ہو جب وہ مرجاتا ہے اور اُس کی رُوح اس کے اندر سے نکل جاتی ہے تو ساتھ ہی اس حُسن میں بھی فرق آجاتا ہے جو اُس کو قدرتِ قادر نے عطا کیا تھا۔ حالانکہ تمام اعضاء اور تمام نقوش موجود ہوتے ہیں مگر صرف ایک رُوح کے نکلنے سے انسانی قالب کا گھر ایک ویران اور سُنسان سا معلوم ہوتا ہے اور آب وتاب کا نشان نہیں رہتا۔ یہی حالت رُوحانی وجود کے پانچویں درجہ کی ہے کیونکہ یہ امر بھی مشہود ومحسوس ہے کہ جب تک کسی مومن میں خدا تعالیٰ کی طرف سے اُس رُوح کا فیضان نہ ہو جو وجود رُوحانی کے چھٹے درجہ پر ملتی ہے اور ایک فوق العادت طاقت اور زندگی بخشتی ہے تب تک خدا کی امانتوں کے ادا کرنے اور اُن کے ٹھیک طور پر استعمال کرنے اور صدق کے ساتھ اس کا ایمانی عہد پورا کرنے اور ایسا ہی مخلوق کے حقوق اور عہدوں کے ادا کرنے میں وہ آب وتاب تقویٰ پیدا نہیں ہوتی جس کا حُسن اور خوبی دلوں کو اپنی طرف کھینچے اور جس کی ہر ایک ادا فوق العادت اور اعجاز کے رنگ میں معلوم ہو بلکہ قبل اس رُوح کے تقویٰ کے ساتھ تکلّف اور بناوٹ کی ایک ملونی رہتی ہے کیونکہ اس میں وہ رُوح نہیں ہوتی جو حُسنِ روحانی کی آب وتاب دکھلا سکے اور یہ سچ اور بالکل سچ ہے کہ ایسے مومن کا قدم جو ابھی اس رُوح سے خالی ہے پورے طور پر نیکی پر قائم نہیں رہ سکتا بلکہ جیسا کہ ایک ہَوا کے دھکّا سے مُردہ کا کوئی عضو حرکت کرسکتا ہے اور جب ہوا دُور ہو جائے تو پھر مُردہ اپنی حالت پر آجاتا ہے ایسا ہی وجود رُوحانی کے پنجم درجہ کی حالت ہوتی ہے کیونکہ صرف عارضی طور پر خدا تعالیٰ کی نسیمِ رحمت اس کو نیک کاموں کی طرف جنبش دیتی رہتی ہے اور اس طرح تقویٰ کے کام اُس سے صادر ہوتے ہیں۔ لیکن ابھی نیکی کی رُوح اس کے اندر آباد نہیں ہوتی اس لئے وہ حسنِ معاملہ اس میں پیدا نہیں ہوتا جو اس رُوح کے داخل ہونے کے بعد اپنا جلوہ دکھلاتا ہے۔ ﴿۵۴﴾

غرض پنجم مرتبہ وجود روحانی کا گو ایک ناقص مرتبہ حُسن تقویٰ کا حاصل کر لیتا ہے مگر کمال اس حُسن کا وجودِ روحانی کے درجہ ششم پر ہی ظاہر ہوتا ہے جب کہ خدا تعالیٰ کی اپنی محبتِ ذاتیہ روحانی وجود کے لئے ایک رُوح کی طرح ہو کر انسان کے دل پر نازل ہوتی اور تمام نقصانوں کا تدارک کرتی ہے اور انسان محض اپنی قوتوں کے ساتھ کبھی کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ رُوح خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل نہ ہو۔ جیسا کہ حافظ شیرازی نے فرمایا ہے

ما بدان منزلِ عالی نتوانیم رسید ہاں مگر لطف تو چوں پیش نہد گامے چند

پھر درجہ پنجم کے بعد چھٹا درجہ وجود روحانی کا وہ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اِس آیت کریمہ میں ذکر فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ [1] یعنی چھٹے درجہ کے مومن جو پانچویں درجہ سے بڑھ گئے ہیں وہ ہیں جو اپنی نمازوں پر آپ محافظ اور نگہبان ہیں یعنی وہ کسی دوسرے کی تذکیر اور یاد دہانی کے محتاج نہیں رہے بلکہ کچھ ایسا تعلّق ان کو خدا سے پیدا ہو گیا ہے اور خدا کی یاد کچھ اس قسم کی محبوب طبع اور مدارِ آرام اور مدارِ زندگی ان کے لئے ہو گئی ہے کہ وہ ہر وقت اس کی نگہبانی میں لگے رہتے ہیں اور ہر دم ان کا یادِ الٰہی میں گذرتا ہے اور نہیں چاہتے کہ ایک دم بھی خدا کے ذکر سے الگ ہوں۔

اب ظاہر ہے کہ انسان اسی چیز کی محافظت اور نگہبانی میں تمام تر کوشش کر کے ہر دم لگا رہتا ہے جس کے گم ہونے میں اپنی ہلاکت اور تباہی دیکھتا ہے جیسا کہ ایک مسافر جو ایک بیابان بے آب و دانہ میں سفر کر رہا ہے جس کے صدہا کوس تک پانی اور روٹی ملنے کی کوئی امید نہیں وہ اپنے پانی اور روٹی کی جو ساتھ رکھتا ہے بہت محافظت کرتا ہے اور اپنی جان کے برابر اس کو سمجھتا ہے کیونکہ وہ یقین رکھتا ہے کہ اس کے ضائع ہونے میں اس کی موت ہے۔ پس وہ لوگ جو اُس مسافر کی طرح اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں اور گو مال کا نقصان ہو یا عزت کا نقصان ہو یا نماز کی وجہ سے کوئی ناراض ہو جائے نماز کو نہیں چھوڑتے اور اس کے ضائع ہونے کے اندیشہ میں سخت بے تاب ہوتے اور پیچ و تاب کھاتے گویا مر ہی جاتے ہیں اور نہیں چاہتے

[1] المؤمنون : ۱۰

﴿۵۵﴾ کہ ایک دم بھی یادِ الٰہی سے الگ ہوں۔ وہ درحقیقت نماز اور یاد الٰہی کو اپنی ایک ضروری غذا سمجھتے ہیں جس پر ان کی زندگی کا مدار ہے اور یہ حالت اس وقت پیدا ہوتی ہے کہ جب خدا تعالیٰ اُن سے محبت کرتا ہے اوراس کی محبتِ ذاتیہ کا ایک افروختہ شعلہ جس کو روحانی وجود کے لئے ایک رُوح کہنا چاہیئے اُن کے دل پر نازل ہوتا ہے اوران کو حیاتِ ثانی بخش دیتا ہے اور وہ رُوح ان کے تمام وجود روحانی کو روشنی اور زندگی بخشتی ہے۔ تب وہ نہ کسی تکلّف اور بناوٹ سے خدا کی یاد میں لگے رہتے ہیں بلکہ وہ خدا جس نے جسمانی طور پر انسان کی زندگی روٹی اور پانی پر موقوف رکھی ہے وہ ان کی رُوحانی زندگی کو جس سے وہ پیار کرتے ہیں اپنی یاد کی غذا سے وابستہ کر دیتا ہے۔ اس لئے وہ اس روٹی اور پانی کو جسمانی روٹی اور پانی سے زیادہ چاہتے ہیں۔ اوراس کے ضائع ہونے سے ڈرتے ہیں اور یہ اس رُوح کا اثر ہوتا ہے جو ایک شعلہ کی طرح اُن میں ڈالی جاتی ہے۔ جس سے عشقِ الٰہی کی کامل مستی اُن میں پیدا ہو جاتی ہے اس لئے وہ یاد الٰہی سے ایک دم الگ ہونا نہیں چاہتے۔ وہ اس کے لئے دکھ اُٹھاتے اور مصائب دیکھتے ہیں مگر اس سے ایک لحظہ بھی جدا ہونا نہیں چاہتے اور پاس انفاس کرتے ہیں۔ اور اپنی نمازوں کے محافظ اور نگہبان رہتے ہیں۔ اور یہ اَمر اُن کے لئے طبعی ہے کیونکہ درحقیقت خدا نے اپنی محبت سے بھری ہوئی یاد کو جس کو دوسرے لفظوں میں نماز کہتے ہیں ان کے لئے ایک ضروری غذا مقرر کر دیا ہے اور اپنی محبتِ ذاتیہ سے اُن پر تجلّی فرما کر یاد الٰہی کی ایک دلکش لذّت ان کو عطا کی ہے۔ پس اس وجہ سے یاد الٰہی جان کی طرح بلکہ جان سے بڑھ کر ان کو عزیز ہو گئی ہے اور خدا کی ذاتی محبت ایک نئی رُوح ہے جو شعلہ کی طرح ان کے دلوں پر پڑتی ہے اوران کی نماز اور یادِ الٰہی کو ایک غذا کی طرح ان کے لئے بنا دیتی ہے۔ پس وہ یقین رکھتے ہیں کہ اُن کی زندگی روٹی اور پانی سے نہیں بلکہ نماز اور یاد الٰہی سے جیتے ہیں۔

غرض محبت سے بھری ہوئی یاد الٰہی جس کا نام نماز ہے وہ درحقیقت ان کی غذا ہو جاتی ہے جس کے بغیر وہ جی ہی نہیں سکتے اور جس کی محافظت اور نگہبانی بعینہٖ اس مسافر کی طرح وہ کرتے

رہتے ہیں جو ایک دشت بے آب و دانہ میں اپنی چند روٹیوں کی محافظت کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں اور اپنے کسی قدر پانی کو جان کے ساتھ رکھتا ہے جو اس کی مشک میں ہے۔ واہب مطلق نے انسان کی روحانی ترقیات کے لئے یہ بھی ایک مرتبہ رکھا ہوا ہے جو محبت ذاتی اور عشق کے غلبہ اور استیلا کا آخری مرتبہ ہے اور درحقیقت اس مرتبہ پر انسان کے لئے محبت سے بھری ہوئی یاد الٰہی جس کا شرعی اصطلاح میں نماز نام ہے غذا کے قائم مقام ہو جاتی ہے بلکہ وہ بار بار جسمانی رُوح کو بھی اس غذا پر فدا کرنا چاہتا ہے وہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا جیسا کہ مچھلی بغیر پانی کے زندہ نہیں رہ سکتی اور خدا سے علیحدہ ایک دم بھی بسر کرنا اپنی موت سمجھتا ہے۔ اور اس کی رُوح آستانہ الٰہی پر ہر وقت سجدہ میں رہتی ہے اور تمام آرام اُس کا خدا ہی میں ہو جاتا ہے اور اس کو یقین ہوتا ہے کہ مَیں اگر ایک طرفۃ العین بھی یاد الٰہی سے الگ ہوا تو بس میں مرا۔ اور جس طرح روٹی سے جسم میں تازگی اور آنکھ اور کان وغیرہ اعضاء کی قوتوں میں توانائی آ جاتی ہے۔ اِسی طرح اس مرتبہ پر یاد الٰہی جو عشق اور محبت کے جوش سے ہوتی ہے مومن کی روحانی قوتوں کو ترقی دیتی ہے یعنی آنکھ میں قوتِ کشف نہایت صاف اور لطیف طور پر پیدا ہو جاتی ہے اور کان خدا تعالیٰ کے کلام کو سُنتے ہیں اور زبان پر وہ کلام نہایت لذیذ اور اجلٰی اور اصفٰی طور پر جاری ہو جاتا ہے اور رؤیاءِ صادقہ بکثرت ہوتے ہیں۔☆

﴿۵۶﴾

☆ بہت سے نادان اس وہم میں گرفتار ہیں کہ ہمیں بھی بعض اوقات سچی خواب آ جاتی ہے یا سچا الہام ہو جاتا ہے تو ہم میں اور ایسے اعلیٰ مرتبہ کے لوگوں میں فرق کیا ہوا اور ان عالی مرتبہ لوگوں کی کیا خصوصیت باقی رہی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قدر طاقت خواب دیکھنے یا الہام کی اس غرض سے عام لوگوں کی فطرت میں رکھی گئی ہے کہ تا ان کے پاس بھی ان باریک باتوں کا کسی قدر نمونہ ہو جو اس جہان سے وراء الوراء باتیں ہیں۔ اور اس طرح پر وہ اپنے پاس ایک نمونہ دیکھ کر دولتِ قبول سے محروم نہ رہیں اور ان پر اتمام حجت ہو جائے۔ ورنہ اگر انسانوں کی یہ حالت ہوتی کہ وحی اور رؤیا صادقہ کی حقیقت سے وہ بالکل بے خبر ہوتے تو بجز انکار کے کیا کر سکتے تھے اور اس حالت میں کسی قدر معذور تھے۔ پھر جبکہ باوجود موجود ہونے اس نمونے کے زمانہ حال کے فلسفی اب تک وحی اور رؤیا صادقہ کا انکار

حاشیہ

جو فلق صبح کی طرح ظہور میں آجاتے ہیں اور بباعث علاقہ صافیہ محبت جو حضرت عزت سے ہوتا ہے مبشر خوابوں سے بہت سا حصہ اُن کو ملتا ہے۔ یہی وہ مرتبہ ہے جس مرتبہ پر مومن کو محسوس ہوتا ہے کہ خدا کی محبت اس کے لئے روٹی اور پانی کا کام دیتی ہے۔ یہ نئی پیدائش اس وقت ہوتی ہے جب پہلے روحانی قالب تمام تیار ہو چکتا ہے۔ اور پھر وہ رُوح جو محبتِ ذاتیہ الٰہیہ کا ایک شعلہ ہے ایسی مومن کے دل پر آ پڑتا ہے اور یک دفعہ طاقت بالانشیمن بشریت سے بلند تر اُس کو لے جاتی ہے۔ اور یہ مرتبہ وہ ہے جس کو روحانی طور پر **خَلقِ آخر** کہتے ہیں۔ اس مرتبہ پر خدا تعالیٰ اپنی ذاتی محبت کا ایک افروختہ شعلہ جس کو دوسرے لفظوں میں روح کہتے ہیں مومن کے دل پر نازل کرتا ہے اور اس سے تمام تاریکیوں اور آلائشوں اور کمزوریوں کو دُور کر دیتا ہے۔ اور اس رُوح کے پھونکنے کے ساتھ ہی وہ حُسن جو ادنیٰ مرتبہ پر تھا کمال کو پہنچ جاتا ہے اور ایک روحانی آب و تاب پیدا ہو جاتی ہے اور گندی زندگی کی کبودگی بکلّی دُور ہو جاتی ہے اور مومن اپنے اندر محسوس کر لیتا ہے کہ ایک نئی رُوح اس کے اندر داخل ہو گئی ہے جو پہلے نہیں تھی۔ اُس رُوح کے ملنے سے ایک عجیب سکینت اور اطمینان مومن کو حاصل ہو جاتی ہے اور محبتِ ذاتیہ ایک فوّارہ کی طرح جوش مارتی اور عبودیت کے پودہ کی آبپاشی کرتی ہے اور وہ آگ جو پہلے ایک معمولی گرمی کی حد تک تھی اس درجہ پر وہ تمام و کمال افروختہ ہو جاتی ہے اور انسانی وجود کے تمام خس و خاشاک کو جلا کر الوہیت کا قبضہ اس پر کر دیتی ہے۔ اور وہ آگ تمام اعضاء پر احاطہ کر لیتی ہے۔ تب اُس لوہے کی مانند جو نہایت درجہ آگ میں

﴿۵۷﴾

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳

کرتے ہیں تو اس وقت عام لوگوں کا کیا حال ہوتا جب کہ ان کے پاس کوئی بھی نمونہ نہ ہوتا۔ اور یہ خیال کہ ہمیں بھی بعض اوقات سچی خوابیں آجاتی ہیں یا کوئی سچے الہام ہو جاتے ہیں اس سے رسولوں اور نبیوں کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ ایسے لوگوں کے رؤیا اور الہام شکوک اور شبہات کے دُخان سے خالی نہیں ہوتے اور با ایں ہمہ مقدار میں بھی کم ہوتے ہیں۔ پس جیسا کہ ایک مفلس ایک پیسہ کے ساتھ ایک بادشاہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہیں کہہ سکتا کہ میرے پاس بھی مال ہے اور اس کے پاس بھی ایسا ہی یہ مقابلہ بھی ہیچ اور سراسر حماقت ہے۔ منہ

تپایا جائے یہاں تک کہ سُرخ ہو جائے اور آگ کے رنگ پر ہو جائے۔ اس مومن سے اُلوہیت کے آثار اور افعال ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ لوہا بھی اس درجہ پر آگ کے آثار اور افعال ظاہر کرتا ہے مگر یہ نہیں کہ وہ مومن خدا ہو گیا ہے بلکہ محبتِ الٰہیہ کا کچھ ایسا ہی خاصہ ہے جو اپنے رنگ میں ظاہر وجود کو لے آتی ہے اور باطن میں عبودیت اور اس کا ضعف موجود ہوتا ہے۔ اس درجہ پر مومن کی روٹی خدا ہوتا ہے جس کے کھانے پر اس کی زندگی موقوف ہے اور مومن کا پانی بھی خدا ہوتا ہے جس کے پینے سے وہ موت سے بچ جاتا ہے۔ اور اس کی ٹھنڈی ہوا بھی خدا ہی ہوتا ہے جس سے اس کے دل کو راحت پہنچتی ہے۔ اور اس مقام پر استعارہ کے رنگ میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ خدا اس مرتبہ کے مومن کے اندر داخل ہوتا اور اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کرتا اور اس کے دل کو اپنا تخت گاہ بنا لیتا ہے۔ تب وہ اپنی رُوح سے نہیں بلکہ خدا کی رُوح سے دیکھتا اور خدا کی رُوح سے سُنتا اور خدا کی رُوح سے بولتا اور خدا کی رُوح سے چلتا اور خدا کی رُوح سے دشمنوں پر حملہ کرتا ہے کیونکہ وہ اس مرتبہ پر نیستی اور استہلاک کے مقام میں ہوتا ہے اور خدا کی رُوح اس پر اپنی محبتِ ذاتیہ کے ساتھ تجلّی فرما کر حیاتِ ثانی اس کو بخشتی ہے۔ پس اس وقت روحانی طور پر اس پر یہ آیت صادق آتی ہے۔ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ [1]۔ ﴿۵۸﴾

یہ تو وجود روحانی کا مرتبہ ششم ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اور اس کے مقابل پر جسمانی پیدائش کا مرتبہ ششم ہے اور اس جسمانی مرتبہ کے لئے بھی وہی آیت ہے جو روحانی مرتبہ کے لئے اوپر ذکر ہو چکی ہے یعنی ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب ہم ایک پیدائش کو طیار کر چکے تو بعد اس کے ہم نے ایک اور پیدائش سے انسان کو پیدا کیا۔ اَور کے لفظ سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ وہ ایسی فوق الفہم پیدائش ہے جس کا سمجھنا انسان کی عقل سے بالاتر ہے اور اُس کے فہم سے بہت دُور یعنی رُوح جو قالب کی

[1] المؤمنون : ۱۵

طیاری کے بعد جسم میں ڈالی جاتی ہے وہ ہم نے انسان میں روحانی اور جسمانی دونوں طور پر ڈال دی جو مجہول الکنہ ہے اور جس کی نسبت تمام فلسفی اور اس مادی دنیا کے تمام مقلّد حیران ہیں کہ وہ کیا چیز ہے۔ اور جب کہ حقیقت تک اُن کو راہ نہ ملی تو اپنی اٹکل سے ہر ایک نے تُکیں لگائیں۔ کسی نے روح کے وجود سے ہی انکار کیا۔ اور کسی نے اس کو قدیم اور غیر مخلوق سمجھا۔ پس اللہ تعالیٰ اس جگہ فرماتا ہے کہ ''روح'' بھی خدا کی پیدائش ہے مگر دنیا کے فہم سے بالاتر ہے اور جیسا کہ اس دنیا کے فلاسفر اس رُوح سے بے خبر ہیں جو وجود جسمانی کے چھٹے مرتبہ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے جسم پر فائض ہوتی ہے ویسا ہی وہ لوگ اس رُوح سے بھی بے علم رہے کہ جو وجود رُوحانی کے چھٹے مرتبہ پر مومن صادق کو خدا تعالیٰ سے ملتی ہے اور اس بارے میں بھی مختلف راہیں اختیار کیں۔ بہتوں نے ایسے لوگوں کی پوجا شروع کر دی جن کو وہ رُوح بھی دی گئی تھی اور ان کو قدیم اور غیر مخلوق اور خدا سمجھ لیا اور بہتوں نے اس سے انکار کر دیا کہ اس مرتبہ کے لوگ بھی ہوتے ہیں اور ایسی رُوح بھی انسان کو ملتی ہے۔

﴿۵۹﴾ لیکن اس بات کو بہت جلد ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ جب کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور خدا نے زمین کے تمام پرند و چرند پر اس کو بزرگی دے کر اور سب پر حکومت بخش کر اور عقل و فہم عنایت فرما کر اور اپنی معرفت کی ایک پیاس لگا کر اپنے ان تمام افعال سے جتلا دیا ہے کہ انسان خدا کی محبت اور عشق کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو پھر اس سے کیوں انکار کیا جائے کہ انسان محبتِ ذاتیہ کے مقام تک پہنچ کر اس درجہ تک پہنچ جائے کہ اس کی محبت پر خدا کی محبت ایک رُوح کی طرح وارد ہو کر تمام کمزوریاں اس کی دُور کر دے۔ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وجود رُوحانی کے ششم مرتبہ کے بارے میں فرمایا ہے۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ[1] ایسا ہی دائمی حضور اور سوز و گداز اور عبودیت انسان سے سرزد ہو اور اس طرح پر وہ اپنے وجود کی علّتِ غائی کو پورا کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ[2] یعنی مَیں نے پرستش کے لئے ہی

[1] المؤمنون: ۱۰ [2] الذّٰریٰت: ۵۷

جنّ و اِنس کو پیدا کیا ہے۔ ہاں یہ پرستش اور حضرت عزّت کے سامنے دائمی حضور کے ساتھ کھڑا ہونا بجز محبتِ ذاتیہ کے ممکن نہیں۔ اور محبت سے مراد یک طرفہ محبت نہیں بلکہ خالق اور مخلوق کی دونوں محبتیں مراد ہیں تا بجلی کی آگ کی طرح جو مرنے والے انسان پر گرتی ہے اور جو اُس وقت اس انسان کے اندر سے نکلتی ہے بشریت کی کمزوریوں کو جلا دیں اور دونوں مل کر تمام رُوحانی وجود پر قبضہ کر لیں۔

یہی وہ کامل صورت ہے جس میں انسان ان امانتوں اور عہد کو جن کا ذکر وجود روحانی کے مرتبہ پنجم میں تحریر ہے کامل طور پر اپنے اپنے موقع پر ادا کر سکتا ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ مرتبہ پنجم میں انسان صرف تقویٰ کے لحاظ سے خدا اور مخلوق کی امانتوں اور عہد کا لحاظ رکھتا ہے اور اس مرتبہ پر محبت ذاتی کے تقاضا سے جو خدا کے ساتھ اس کو ہو گئی ہے جس کی وجہ سے خدا کی مخلوق کی محبت بھی اُس میں جوش زن ہو گئی ہے اور اس رُوح کے تقاضا سے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس پر نازل ہوتی ہے ان تمام حقوق کو طبعًا بوجہ احسن ادا کرتا ہے اور اس صورت میں وہ حسن باطنی جو حسنِ ظاہری کے مقابل پر ہے بوجہ احسن اس کو نصیب ہو جاتا ہے کیونکہ وجود رُوحانی کے مرتبہ ﴿۶۰﴾ پنجم میں تو ابھی وہ رُوح انسان میں داخل نہیں ہوئی تھی جو محبتِ ذاتیہ سے پیدا ہوتی ہے اس لئے جلوۂ حُسن بھی ابھی کمال پر نہیں تھا مگر رُوح کے داخل ہونے کے بعد وہ حسن کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مُردہ خوبصورت اور زندہ خوبصورت یکساں آب و تاب نہیں رکھتے۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں انسان کی پیدائش میں دو قسم کے حُسن ہیں۔ ایک حُسنِ معاملہ اور وہ یہ کہ انسان خدا تعالیٰ کی تمام امانتوں اور عہد کے ادا کرنے میں یہ رعایت رکھے کہ کوئی امر حتی الوسع اُن کے متعلق فوت نہ ہو۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ کے کلام میں رَاعُــون کا لفظ اِسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ایسا ہی لازم ہے کہ انسان مخلوق کی امانتوں اور عہد کی نسبت بھی یہی لحاظ رکھے یعنی حقوق اللہ اور حقوق عباد میں تقویٰ سے کام لے۔ یہ حُسنِ معاملہ ہے یا یُوں کہو کہ روحانی خوبصورتی ہے جو درجہ پنجم وجود روحانی میں نمایاں ہوتی ہے مگر

ہنوز پورے طور پر چمکتی نہیں اور وجودرُوحانی کے درجہ ششم میں بوجہ کامل ہونے پیدائش اور رُوح کے داخل ہو جانے کے یہ خوبصورتی اپنی تمام آب وتاب دکھلا دیتی ہے۔اور یادرہے کہ مرتبہ ششم وجودروحانی میں رُوح سے مراد وہ محبتِ ذاتیہ الٰہیہ ہے جو انسان کی محبتِ ذاتیہ پر ایک شعلہ کی طرح پڑتی اور تمام اندرونی تاریکی دُور کرتی اور روحانی زندگی بخشتی ہے اور اس کے لوازم میں سے رُوح القدس کی تائید بھی کامل طور پر ہے۔

دوسرا[۲] حُسن انسان کی پیدائش میں حُسنِ بشرہ ہے۔اور یہ دونوں حُسن اگرچہ رُوحانی اور جسمانی پیدائش درجہ پنجم میں نمودار ہو جاتے ہیں لیکن آب وتاب اُن کی فیضانِ رُوح کے بعد ظاہر ہوتی ہے اور جیسا کہ جسمانی وجود کی رُوح جسمانی قالب طیار ہونے کے بعد جسم میں داخل ہوتی ہے ایسا ہی روحانی وجود کی رُوح روحانی قالب طیار ہونے کے بعد انسان کے رُوحانی وجود میں داخل ہوتی ہے۔یعنی اُس وقت جب کہ انسان شریعت کا تمام جُوا اپنی گردن پر لے لیتا ہے اور مشقت اور مجاہدہ کے ساتھ تمام حدودِ الٰہیہ کے قبول کرنے کے لئے طیار ہوتا ہے اور ورزش شریعت اور بجا آوری احکامِ کتاب اللہ سے اس لائق ہو جاتا ہے کہ خُدا کی روحانیت اس کی طرف توجہ فرماوے اور سب سے زیادہ یہ کہ اپنی محبتِ ذاتیہ سے اپنے تئیں خدا تعالیٰ کی محبتِ ذاتیہ کا مستحق ٹھہرا لیتا ہے جو برف کی طرح سفید اور شہد کی طرح شیریں ہے۔اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں وجودرُوحانی خشوع کی حالت سے شروع ہوتا ہے اور روحانی نشوونما کے چھٹے[۶] مرتبہ پر یعنی اس مرتبہ پر کہ جب کہ رُوحانی قالب کے کامل ہونے کے بعد محبتِ ذاتیہ الٰہیہ کا شعلہ انسان کے دل پر ایک رُوح کی طرح پڑتا ہے اور دائمی حضور کی حالت اس کو بخش دیتا ہے کمال کو پہنچتا ہے اور تبھی روحانی حُسن اپنا پورا جلوہ دکھاتا ہے۔لیکن یہ حُسن جو روحانی حُسن ہے جس کو حُسنِ معاملہ کے ساتھ موسوم کر سکتے ہیں یہ وہ حُسن ہے جو اپنی قوی کششوں کے ساتھ حُسنِ بشرہ سے بہت بڑھ کر ہے۔ کیونکہ حُسنِ بشرہ صرف ایک یا دو شخص کے فانی عشق کا موجب ہو گا جو جلد

﴿۶۱﴾

زوال پذیر ہو جائے گا اور اس کی کشش نہایت کمزور ہوگی۔ لیکن وہ روحانی حُسن جس کو حُسنِ معاملہ سے موسوم کیا گیا ہے وہ اپنی کششوں میں ایسا سخت اور زبردست ہے کہ ایک دنیا کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور زمین و آسمان کا ذرّہ ذرّہ اس کی طرف کھنچا جاتا ہے اور قبولیت دُعا کی بھی درحقیقت فلاسفی یہی ہے کہ جب ایسا رُوحانی حُسن والا انسان جس میں محبتِ الٰہیہ کی رُوح داخل ہو جاتی ہے جب کسی غیر ممکن اور نہایت مشکل امر کے لئے دُعا کرتا ہے اور اُس دُعا پر پورا پورا زور دیتا ہے تو چونکہ وہ اپنی ذات میں حُسنِ رُوحانی رکھتا ہے اس لئے خدا تعالیٰ کے امر اور اذن سے اس عالم کا ذرّہ ذرّہ اس کی طرف کھینچا جاتا ہے۔ پس ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں جو اس کی کامیابی کے لئے کافی ہوں۔ تجربہ اور خدا تعالیٰ کی پاک کتاب سے ثابت ہے کہ دنیا کے ہر ایک ذرّہ کو طبعاً ایسے شخص کے ساتھ ایک عشق ہوتا ہے اور اُس کی دُعائیں اُن تمام ذرّات کو ایسا اپنی طرف کھینچتی ہیں جیسا کہ آہن رُبا لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ پس غیر معمولی باتیں جن کا ذکر کسی علمِ طبعی اور فلسفہ میں نہیں اس کشش کے باعث ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اور وہ کشش طبعی ہوتی ہے۔ جب سے کہ صانع مطلق نے عالمِ اجسام کو ذرّات سے ترکیب دی ہے ہر ایک ذرّے میں وہ کشش رکھی ہے اور ہر ایک ذرّہ رُوحانی حُسن کا عاشق صادق ہے اور ایسا ہی ہر ایک سعید رُوح بھی۔ کیونکہ وہ حُسن تجلّی گاہِ حق ہے۔ وہی حُسن تھا جس کے لئے فرمایا گیا اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ [1] اور اب بھی بہتیرے ابلیس ہیں جو اِس حُسن کو شناخت نہیں کرتے مگر وہ حسن بڑے بڑے کام دکھلا تا رہا ہے۔ ﴿۶۲﴾
نوح میں وہی حُسن تھا جس کی پاس خاطر حضرت عزت جلّ شانہٗ کو منظور ہوئی اور تمام منکروں کو پانی کے عذاب سے ہلاک کیا گیا۔ پھر اس کے بعد موسیٰ بھی وہی حُسن رُوحانی لے کر آیا جس نے چند روز تکلیفیں اٹھا کر آخر فرعون کا بیڑا غرق کیا۔ پھر سب کے بعد سیّد الانبیاء و خیر الوریٰ مولانا و سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم الشان روحانی حُسن لے کر آئے جس کی تعریف میں یہی آیت کریمہ کافی ہے۔ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى [2] یعنی وہ

[1] البقرۃ: ۳۵ [2] النجم: ۹، ۱۰

نبی جنابِ الٰہی سے بہت نزدیک چلا گیا۔ اور پھر مخلوق کی طرف جُھکا اور اس طرح پر دونوں حقوں کو جو حق اللہ اور حق العباد ہے ادا کر دیا۔ اور دونوں قسم کا حُسن رُوحانی ظاہر کیا۔ اور دونوں قوسوں میں وتر کی طرح ہو گیا۔ یعنی دونوں قوسوں میں جو ایک درمیانی خط کی طرح ہو اور اس طرح اس کا وجود واقع ہوا جیسے یہ۔

مخلوق	خالق
قوس	قوس

درمیانی خط آنحضرتؐ
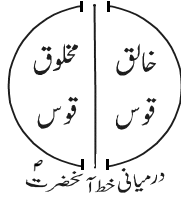
اس حُسن کو ناپاک طبع اور اندھے لوگوں نے نہ دیکھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ[1] یعنی تیری طرف وہ دیکھتے ہیں مگر تو انہیں دکھائی نہیں دیتا۔ آخر وہ سب اندھے ہلاک ہو گئے۔

اس جگہ بعض جاہل کہتے ہیں کہ کیوں کامل لوگوں کی بعض دُعائیں منظور نہیں ہوتیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اُن کی تجلّی حُسن کو خدا تعالیٰ نے اپنے اختیار میں رکھا ہوا ہے۔ پس جس جگہ یہ تجلّی عظیم ظاہر ہو جاتی ہے اور کسی معاملہ میں اُن کا حُسن جوش میں آتا ہے اور اپنی چمک دکھلاتا ہے تب اس چمک کی طرف ذرّاتِ عالم کھنچے جاتے ہیں اور غیر ممکن باتیں وقوع میں آتی ہیں جن کو دوسرے لفظوں میں معجزہ کہتے ہیں۔ مگر یہ جوشِ روحانی ہمیشہ اور ہر جگہ ظہور میں نہیں آتا اور تحریکات خارجیہ کا محتاج ہوتا ہے۔ یہ اس لئے کہ جیسا کہ خدائے کریم بے نیاز ہے اس نے اپنے برگزیدوں میں بھی بے نیازی کی صفت رکھ دی ہے۔ سو وہ خدا کی طرح سخت بے نیاز ہوتے ہیں اور جب تک کوئی پوری خاکساری اور اخلاص کے ساتھ اُن کے رحم کے لئے ایک تحریک پیدا نہ کرے وہ قوت اُن کی جوش نہیں مارتی اور عجیب تر یہ کہ وہ لوگ تمام دنیا سے زیادہ تر رحم کی قوت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ مگر اُس کی تحریک اُن کے اختیار میں نہیں ہوتی گو وہ بارہا چاہتے بھی ہیں کہ وہ قوت ظہور میں آوے مگر بجز ارادہ الٰہیہ کے ظاہر نہیں ہوتی۔ بالخصوص وہ منکروں اور منافقوں اور

﴿۶۳﴾

[1] الاعراف: ۱۹۹

سُست اعتقاد لوگوں کی کچھ بھی پروا نہیں رکھتے اور ایک مرے ہوئے کیڑے کی طرح اُن کو سمجھتے ہیں اور وہ بے نیازی ان کی ایک ایسی شان رکھتی ہے جیسا کہ ایک معشوق نہایت خوبصورت برقع میں اپنا چہرہ چھپائے رکھے۔ اور اِسی بے نیازی کا ایک شعبہ یہ ہے کہ جب کوئی شریر انسان اُن پر بدظنی کرے تو بسا اوقات بے نیازی کے جوش سے اُس بدظنی کو اور بھی بڑھا دیتے ہیں۔ کیونکہ تخلّق باخلاق اللّٰہ رکھتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا[1] جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ کوئی معجزہ اُن سے ظاہر ہو تو اُن کے دلوں میں ایک جوش پیدا کر دیتا ہے اور ایک امر کے حصول کے لئے سخت کرب اور قلق اُن کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے تب وہ بے نیازی کا برقع اپنے مُنہ پر سے اُتار لیتے ہیں اور وہ حُسن اُن کا جو بجز خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں دیکھتا وہ آسمان کے فرشتوں پر اور ذرّہ ذرّہ پر نمودار ہو جاتا ہے۔ اور اُن کا مُنہ پر سے برقع اٹھانا یہ ہے کہ وہ اپنے کامل صدق اور صفا کے ساتھ اور اِس رُوحانی حُسن کے ساتھ جس کی وجہ سے وہ خدا کے محبوب ہو گئے ہیں اس خدا کی طرف ایک ایسا خارق عادت رجوع کرتے ہیں اور ایک ایسے اقبال علی اللہ کی اُن میں حالت پیدا ہو جاتی ہے جو خدا تعالیٰ کی فوق العادت رحمت کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور ساتھ ہی ذرّہ ذرّہ اس عالم کا کھنچا چلا آتا ہے۔ اور اُن کی عاشقانہ حرارت کی گرمی آسمان پر جمع ہوتی اور بادلوں کی طرح فرشتوں کو بھی اپنا چہرہ دکھا دیتی ہے اور اُن کی دردیں جو رعد کی خاصیت اپنے اندر رکھتی ہیں ایک سخت شور ملاءِ اعلیٰ میں ڈال دیتی ہیں تب خدا تعالیٰ کی قدرت سے وہ بادل پیدا ہو جاتے ہیں جن سے رحمتِ الٰہی کا وہ مینہ برستا ہے جس کی وہ خواہش کرتے ہیں۔ اُن کی روحانیت جب اپنے پورے سوز و گداز کے ساتھ کسی عقدہ کشائی کے لئے توجہ کرتی ہے تو وہ خدا تعالیٰ کی توجہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ کیونکہ وہ لوگ بباعث اس کے جو خدا سے ذاتی محبت رکھتے ہیں محبوبانِ الٰہی میں داخل ہوتے ہیں۔ تب ہر ایک چیز جو خدا تعالیٰ کے

[1] البقرۃ:۱۱

زیرِ حکم ہے۔ اُن کی مدد کے لئے جوش مارتی ہے ☆ اور رحمتِ الٰہی محض اُن کی مراد پوری کرنے کے لئے ایک خلق جدید کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ اور وہ امور ظاہر ہوتے ہیں جو اہل دنیا کی نظر میں غیر ممکن معلوم ہوتے ہیں اور جن سے سفلی علوم محض نا آشنا ہیں۔ ایسے لوگوں کو خدا تو نہیں کہہ سکتے مگر قرب اور علاقہ محبت اُن کا کچھ ایسا صدق اور صفا کے ساتھ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے گویا خدا اُن میں اُتر آتا ہے۔ اور آدم کی طرح خدائی رُوح اُن میں پُھونکی جاتی ہے مگر یہ نہیں کہ وہ خدا ہیں لیکن درمیان میں کچھ ایسا تعلق ہے جیسا کہ لوہے کو جب کہ سخت طور پر آگ سے افروختہ ہو جائے اور آگ کا رنگ اُس میں پیدا ہو جائے آگ سے تعلق ہوتا ہے۔ اس صورت میں تمام چیزیں جو خدا تعالیٰ کے زیرِ حکم ہیں اُن کے زیرِ حکم ہو جاتی ہیں۔ اور آسمان کے ستارے اور سورج اور چاند سے لے کر زمین کے سمندروں اور ہوا اور آگ تک اُن کی آواز کو سُنتے اور ان کو شناخت کرتے اور اُن کی خدمت میں لگے رہتے ہیں اور ہر ایک چیز طبعاً اُن سے پیار کرتی ہے اور عاشقِ صادق کی طرح اُن کی طرف کھنچی جاتی ہے۔ بجز شریر انسانوں کے جو شیطان کا اوتار ہیں۔ عشق مجازی تو ایک منحوس عشق ہے کہ ایک طرف پیدا ہوتا اور ایک طرف مر جاتا ہے۔ اور نیز اس کی بنا اُس حُسن پر ہے جو قابلِ زوال ہے۔ اور نیز اُس حُسن کے اثر کے نیچے آنے والے بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ مگر یہ کیا حیرت انگیز نظارہ ہے کہ وہ حسن روحانی جو حُسن معاملہ اور صدق وصفا اور محبتِ الٰہیہ کی تجلّی کے بعد انسان میں پیدا ہوتا ہے اس میں ایک عالمگیر کشش پائی جاتی ہے وہ مستعد دلوں کو اس طرح اپنی طرف کھینچ لیتا ہے کہ جیسے شہد چیونٹیوں کو۔ اور نہ صرف انسان بلکہ عالم کا ذرّہ ذرّہ اس کی کشش سے متاثر ہوتا ہے۔ صادق المحبت انسان جو سچی محبت خدا تعالیٰ سے رکھتا ہے وہ وہ یوسف ہے جس کے لئے ذرّہ ذرّہ اس عالم کا زلیخا صفت ہے۔ اور ابھی حسن اُس کا اس عالم میں ظاہر نہیں کیونکہ یہ عالم اس کی برداشت نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ

﴿۶۴﴾

☆ کافر اور دشمن بھی ایک قسم کی ان کی مدد کرتے ہیں کہ ایذاء اور ظلم کے ساتھ ان کے دل کو دکھ دیتے اور ان کی روحانیت کو جوش میں لاتے ہیں۔ تا دل مرد خدا نامد بدرد ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد۔ **منہ**

اپنی پاک کتاب میں جو فرقان مجید ہے فرماتا ہے کہ مومنوں کا نور اُن کے چہروں پر دوڑتا ہے۔ اور مومن اس حُسن سے شناخت کیا جاتا ہے جس کا نام دوسرے لفظوں میں نور ہے۔

اور مجھے ایک دفعہ عالمِ کشف میں پنجابی زبان میں اِسی علامت کے بارہ میں یہ موزوں فقرہ سُنایا گیا۔ **''عِشق الٰہی وَسّے مُنہ پر ولیاں ایہہ نشانی''** مومن کا نور جس کا قرآن شریف میں ذکر کیا گیا ہے وہ وہی روحانی حُسن و جمال ہے جو مومن کو وجود رُوحانی کے مرتبہ ششم پر کامل طور پر عطا کیا جاتا ہے۔ جسمانی حُسن کا ایک شخص یا دو شخص خریدار ہوتے ہیں مگر یہ عجیب حُسن ہے جس کے خریدار کروڑ ہا رُوحیں ہو جاتی ہیں۔ اِسی روحانی حُسن کی بنا پر بعض نے **سید عبدالقادر جیلانی** رضی اللہ عنہ ☆ کی نعت میں یہ شعر کہے ہیں اور اُن کو ایک نہایت درجہ حسین اور خوبصورت قرار دیا ہے اور وہ اشعار یہ ہیں ؎

﴿۶۵﴾

آن تُرکِ عجم چون زِ مئےِ عشق طرب کرد
غارت گرئے کوفہ و بغداد و حلب کرد
صد لالہ رُخ بود بصد حُسنِ شگفتہ
نازان ہمہ را زِیر قدم کرد عجب کرد

☆ فطرتاً بعض طبائع کو بعض طبائع سے مناسبت ہوتی ہے۔ اسی طرح میری روح اور سید عبدالقادر کی روح کو خمیر فطرت سے باہم ایک مناسبت ہے جس پر کشوفِ صحیحہ صریحہ سے مجھ کو اطلاع ملی ہے۔ اس بات پر تیئیس (۳۰) برس کے قریب زمانہ گزر گیا ہے کہ جب ایک رات مجھے خدا نے اطلاع دی کہ اُس نے مجھے اپنے لئے اختیار کر لیا ہے۔ تب یہ عجیب اتفاق ہوا کہ اُسی رات ایک بڑھیا کو خواب آئی جس کی عمر قریباً اسّی (۸۰) برس کی تھی اور اُس نے صبح مجھ کو آ کر کہا کہ میں نے رات سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا ہے اور ساتھ ان کے ایک اور بزرگ تھے اور دونوں سبز پوش تھے اور رات کے پچھلے حصہ کا وقت تھا۔ دوسرا بزرگ عمر میں اُن سے کچھ چھوٹا تھا۔ پہلے انہوں نے ہماری جامع مسجد میں نماز پڑھی اور پھر مسجد کے باہر کے صحن میں نکل آئے اور میں اُن کے پاس کھڑی تھی اتنے میں مشرق کی طرف سے ایک چمکتا ہوا ستارہ نکلا تب اس ستارہ کو دیکھ کر سید عبدالقادر بہت خوش ہوئے اور ستارہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا السلام علیکم اور ایسا ہی ان کے رفیق نے السلام علیکم کہا۔ اور وہ ستارہ میں تھا۔ **المؤمن یَریٰ و یُریٰ لہ۔ منہ**

اور شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے بھی اس بارہ میں ایک شعر کہا ہے جو حُسنِ روحانی پر بہت منطبق ہوتا ہے اور وہ یہ ہے

صورت گر دیبائے چیں روصورتِ زیباش بین
یا صورتے برکش چنیں یا توبہ کن صورت گری

اب یہ بھی یاد رہے کہ بندہ تو حُسنِ معاملہ دکھلا کر اپنے صدق سے بھری ہوئی محبت ظاہر کرتا ہے مگر خدا تعالیٰ اس کے مقابلہ پر حد ہی کر دیتا ہے اس کی تیز رفتار کے مقابل پر برق کی طرح اس کی طرف دوڑتا چلا آتا ہے اور زمین و آسمان سے اس کے لئے نشان ظاہر کرتا ہے اور اس کے دوستوں کا دوست اور اس کے دشمنوں کا دشمن بن جاتا ہے اور اگر پچاس کروڑ انسان بھی اُس کی مخالفت پر کھڑا ہو تو ان کو ایسا ذلیل اور بے دست و پا کر دیتا ہے جیسا کہ ایک مرا ہوا کیڑا۔ اور محض ایک شخص کی خاطر کے لئے ایک دنیا کو ہلاک کر دیتا ہے اور اپنی زمین و آسمان کو اس کے خادم بنا دیتا ہے اور اس کے کلام میں برکت ڈال دیتا ہے اور اس کے تمام درو دیوار پر نور کی بارش کرتا ہے اور اُس کی پوشاک اور اُس کی خوراک میں اور اس مٹی میں بھی جس پر اس کا قدم پڑتا ہے ایک برکت رکھ دیتا ہے اور اس کو نامراد ہلاک نہیں کرتا۔ اور ہر ایک اعتراض جو اس پر ہو اُس کا آپ جواب دیتا ہے۔ وہ اُس کی آنکھیں ہو جاتا ہے جن سے وہ دیکھتا ہے اور اُس کے کان ہو جاتا ہے جن سے وہ سنتا ہے اور اُس کی زبان ہو جاتا ہے جس سے وہ بولتا ہے اور اُس کے پاؤں ہو جاتا ہے جن سے وہ چلتا ہے اور اُس کے ہاتھ ہو جاتا ہے جن سے وہ دشمنوں پر حملہ کرتا ہے۔ وہ اُس کے دشمنوں کے مقابل پر آپ نکلتا ہے اور شریروں پر جو اُس کو دُکھ دیتے ہیں آپ تلوار کھینچتا ہے۔ ہر میدان میں اس کو فتح دیتا ہے اور اپنی ﴿۶۶﴾ قضاء و قدر کے پوشیدہ راز اس کو بتلاتا ہے۔ غرض پہلا خریدار اس کے رُوحانی حُسن و جمال کا جو حُسنِ معاملہ اور محبتِ ذاتیہ کے بعد پیدا ہوتا ہے خدا ہی ہے۔ پس کیا ہی بدقسمت وہ لوگ ہیں جو ایسا زمانہ پاویں اور ایسا سورج اُن پر طلوع کرے اور وہ تاریکی میں بیٹھے رہیں۔

بعض نادان یہ اعتراض بار بار پیش کرتے ہیں کہ محبوبانِ الٰہی کی یہ علامت ہے کہ ہر ایک

دُعا اُن کی سُنی جاتی ہے۔اور جس میں یہ علامت نہیں پائی جاتی وہ محبوبانِ الٰہی میں سے نہیں ہے☆۔مگر افسوس کہ یہ لوگ مُنہ سے تو ایک بات نکال لیتے ہیں مگر اعتراض کرنے کے وقت یہ نہیں سوچتے کہ ایسے جاہلانہ اعتراض خدا تعالیٰ کے تمام نبیوں اور رسولوں پر وارد ہوتے ہیں۔مثلاً ہر ایک نبی کی یہ مراد تھی کہ تمام کفّار ان کے زمانہ کے جوان کی مخالفت پر کھڑے تھے مسلمان ہو جائیں۔مگر یہ مراد اُن کی پوری نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ [1] یعنی ’’کیا تو اِس غم سے اپنے تئیں ہلاک کر دے گا کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے۔‘‘

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے ایمان لانے کے لئے اس قدر جانکاہی اور سوز وگداز سے دُعا کرتے تھے کہ اندیشہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس غم سے خود ہلاک نہ ہو جاویں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے لئے اس قدر غم نہ کر اور اس قدر اپنے دل کو دردوں کا نشانہ مت بنا کیونکہ یہ لوگ ایمان لانے سے لاپرواہیں اور ان کے اغراض اور مقاصد اَور ہیں۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ اے نبی (علیہ السلام)! جس قدر تو عقد ہمت اور کامل توجہ اور سوز وگداز اور اپنی رُوح کو مشقت میں ڈالنے سے ان لوگوں کی ہدایت کے لئے دُعا کرتا ہے تیری دعاؤں کے پُر تاثیر ہونے میں کچھ کمی نہیں ہے لیکن شرط قبولیت دُعا یہ ہے کہ جس کے حق میں دعا کی جاتی ہے سخت متعصب اور لاپرواا اور گندی فطرت کا انسان نہ ہو ورنہ دُعا قبول نہیں ہوگی اور جہاں تک مجھے خدا تعالیٰ نے دعاؤں کے بارے میں علم دیا ہے وہ یہ ہے کہ دُعا کے قبول ہونے کے لئے تین شرطیں ہیں۔ ﴿۶۷﴾

☆ یاد رہے کہ مومن کے ساتھ خدا تعالیٰ دوستانہ معاملہ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ کبھی تو وہ مومن کے ارادہ کو پورا کرے اور کبھی مومن اس کے ارادہ پر راضی ہو جائے۔ پس ایک جگہ تو مومن کو مخاطب کر کے فرماتا ہے اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ [2] یعنی دعا کرو کہ میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔اس جگہ تو مومن کی خواہش پوری کرنا چاہتا ہے۔اور دوسری جگہ اپنی خواہش مومن سے منوانا چاہتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ [3] افسوس کہ نادان آدمی صرف ایک پہلو کو دیکھتا ہے اور دونوں پہلوؤں پر نظر نہیں ڈالتا۔منہ

[1] الشعراء:۴ [2] المؤمن:۶۱ [3] البقرة:۱۵۶،۱۵۷

اوّل۔ دُعا کرنے والا کامل درجہ پر متقی ہو کیونکہ خدا تعالیٰ کا مقبول وہی بندہ ہوتا ہے جس کا شعار تقویٰ ہو اور جس نے تقویٰ کی باریک راہوں کو مضبوط پکڑا ہو اور جو امین اور متقی اور صادق العہد ہونے کی وجہ سے منظورِ نظرِ الٰہی ہو۔ اور محبتِ ذاتیہ الٰہیہ سے معمور اور پُر ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اس کی عقدِ ہمت اور توجہ اس قدر ہو کہ گویا ایک شخص کے زندہ کرنے کے لئے ہلاک ہو جائے اور ایک شخص کو قبر سے باہر نکالنے کے لئے آپ گور میں داخل ہو۔ اس میں راز یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو اپنے مقبول بندے اس سے زیادہ پیارے ہوتے ہیں جیسا کہ ایک خوبصورت بچہ جو ایک ہی ہو اس کی ماں کو پیارا ہوتا ہے۔ پس جب کہ خدائے کریم و رحیم دیکھتا ہے کہ ایک مقبول محبوب اُس کا ایک شخص کی جان بچانے کے لئے روحانی مشقتوں اور تضرعات اور مجاہدات کی وجہ سے اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ قریب ہے کہ اُس کی جان نکل جائے تو اُس کو علاقۂ محبت کی وجہ سے ناگوار گذرتا ہے کہ اسی حال میں اُس کو ہلاک کر دے۔ تب اس کے لئے اس دوسرے شخص کا گناہ بخش دیتا ہے جس کے لئے وہ پکڑا گیا تھا پس اگر وہ کسی مہلک بیماری میں گرفتار ہے یا اور کسی بلا میں اسیر و لاچار ہے تو اپنی قدرت سے ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جس سے رہائی ہو جائے اور بسا اوقات اُس کا ارادہ ایک شخص کے قطعی طور پر ہلاک کرنے یا برباد کرنے پر قرار یافتہ ہوتا ہے لیکن جب ایک مصیبت زدہ کی خوش قسمتی سے ایسا شخص پُر درد تضرعات کے ساتھ درمیان میں آ پڑتا ہے جس کو حضرت عزت میں وجاہت ہے تو وہ مِثل مقدمہ جو سزا دینے کے لئے مکمل اور مرتب ہو چکی ہے چاک کرنی پڑتی ہے کیونکہ اب بات اغیار سے یار کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور یہ کیونکر ہو سکے کہ خدا اپنے سچے دوستوں کو عذاب دے۔

۳۔ **تیسری شرط استجابتِ دُعا** کے لئے ایک ایسی شرط ہے جو تمام شرطوں سے مشکل تر ہے کیونکہ اس کا پورا کرنا خدا کے مقبول بندوں کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اُس شخص کے ہاتھ میں ہے جو دعا کرانا چاہتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نہایت صدق اور کامل اعتقاد اور کامل یقین اور کامل ارادت اور کامل غلامی کے ساتھ دُعا کا خواہاں ہو اور یہ دل میں فیصلہ کر لے کہ اگر دُعا

﴿۶۸﴾

قبول بھی نہ ہوتا ہم اس کے اعتقاد اور ارادت میں فرق نہیں آئے گا۔ اور دُعا کرانا آزمائش کے طور پر نہ ہو بلکہ سچے اعتقاد کے طور پر ہو اور نہایت نیازمندی سے اس کے دروازے پر گرے اور جہاں تک اس کے لئے ممکن ہے مال سے خدمت سے ہر ایک طور کی اطاعت سے ایسا قرب پیدا کرے کہ اس کے دل کے اندر داخل ہو جائے اور باایں ہمہ نہایت درجہ پر نیک ظن ہو اور اُس کو نہایت درجہ کا متقی سمجھے اور اس کی مقدس شان کے برخلاف ایک خیال بھی دل میں لانا کفر خیال کرے اور اس قسم کی طرح طرح کی جاں نثاری دکھلا کر سچے اعتقاد کو اُس پر ثابت اور روشن کر دے اور اس کی مثل دنیا میں کسی کو بھی نہ سمجھے اور جان سے مال سے آبرو سے اُس پر فدا ہو جائے۔ اور کوئی کلمہ کسر شان کا کسی پہلو سے اس کی نسبت زبان پر نہ لائے اور نہ دل میں۔ اور اس بات کو اس کی نظر میں بپایۂ ثبوت پہنچا دے کہ درحقیقت وہ ایسا ہی معتقد اور مرید ہے اور باایں ہمہ صبر سے انتظار کرے اور اگر پچاس دفعہ بھی اپنے کام میں نامراد رہے پھر بھی اعتقاد اور یقین میں سُست نہ ہو۔ کیونکہ یہ قوم سخت نازک دل ہوتی ہے اور اُن کی فراست چہرہ کو دیکھ کر پہچان سکتی ہے کہ یہ شخص کس درجہ کا اخلاص رکھتا ہے اور یہ قوم باوجود نرم دل ہونے کے نہایت بے نیاز ہوتی ہے۔ اُن کے دل خدا نے ایسے بے نیاز پیدا کئے ہیں کہ متکبّر اور خودغرض اور منافق طبع انسان کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ اس قوم سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو اس قدر غلامانہ اطاعت اُن کی اختیار کرتے ہیں کہ گویا مر ہی جاتے ہیں۔ مگر وہ شخص جو قدم قدم پر بدظنی کرتا ہے اور دل میں کوئی اعتراض رکھتا ہے اور پوری محبت اور ارادت نہیں رکھتا وہ بجائے فائدہ کے ہلاک ہوتا ہے۔

اب ہم اس تقریر کے بعد کہتے ہیں کہ یہ جو اللہ تعالیٰ نے مومن کے وجود روحانی کے مراتب سِتّہ بیان کر کے ان کے مقابل پر وجودِ جسمانی کے مراتبِ سِتّہ دکھلائے ہیں یہ ایک **علمی معجزہ** ہے اور جس قدر کتابیں دنیا میں کُتب سماوی کہلاتی ہیں یا جن حکیموں نے نفس اور الٰہیات کے بارے میں تحریریں کی ہیں اور یا جن لوگوں نے صوفیوں کی طرز پر معارف ﴿۶۹﴾

کی باتیں لکھی ہیں کسی کا ذہن ان میں سے اس بات کی طرف سبقت نہیں لے گیا کہ یہ مقابلہ جسمانی اور روحانی وجود کا دکھلاتا۔ اگر کوئی شخص میرے اس دعوے سے منکر ہو اور اس کا گمان ہو کہ یہ مقابلہ روحانی اور جسمانی کسی اَور نے بھی دکھلایا ہے تو اس پر واجب ہے کہ اس علمی معجزہ کی نظیر کسی اَور کتاب میں سے پیش کر کے دکھلاوے۔ اور مَیں نے تو توریت اور انجیل اور ہندوؤں کے وید کو بھی دیکھا ہے۔ مگر مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اِس قسم کا علمی معجزہ میں نے بجز قرآن شریف کے کسی کتاب میں نہ پایا۔ اور صرف اِسی معجزہ پر حصر نہیں بلکہ تمام قرآن شریف ایسے ہی علمی معجزات سے پُر ہے جن پر ایک عقل مند نظر ڈال کر سمجھ سکتا ہے کہ یہ اُسی خدائے قادرِ مطلق کا کلام ہے جس کی قدرتیں زمین و آسمان کی مصنوعات میں ظاہر ہیں۔ وہی خدا جو اپنی باتوں اور کاموں میں بے مثل و مانند ہے پھر جب ہم ایک طرف ایسے ایسے معجزات قرآن شریف میں پاتے ہیں اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمیّت کو دیکھتے ہیں اور اس بات کو اپنے تصور میں لاتے ہیں کہ آپ نے ایک حرف بھی کسی اُستاد سے نہیں پڑھا تھا اور نہ آپ نے طبعی اور فلسفہ سے کچھ حاصل کیا تھا بلکہ آپ ایک ایسی قوم میں پیدا ہوئے تھے کہ جو سب کی سب اُمی اور ناخواندہ تھی اور ایک وحشیانہ زندگی رکھتی تھی اور با ایں ہمہ آپ نے والدین کی تربیت کا زمانہ بھی نہیں پایا تھا۔ تو ان سب باتوں کو مجموعی نظر کے ساتھ دیکھنے سے قرآن شریف کے منجانب اللہ ہونے پر ایک ایسی چمکتی ہوئی بصیرت ہمیں ملتی ہے اور اس کا علمی معجزہ ہونا ایسے یقین کے ساتھ ہمارے دل میں بھر جاتا ہے کہ گویا ہم اس کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کو دیکھ لیتے ہیں۔ غرض جب کہ بدیہی طور پر ثابت ہے کہ سورۃ المؤمنون کی یہ تمام آیات جو ابتدائے سورۃ سے لے کر آیت فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ[1] تک ہیں علمی معجزہ ہیں۔ پس اس میں کیا شک ہے کہ آیت فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ علمی معجزہ کی ایک جزو ہے اور بباعث معجزہ کے جزو ہونے کے معجزہ میں داخل ہے اور یہی ثابت کرنا تھا۔

اَور یاد رہے کہ یہ علمی معجزہ مذکورہ بالا ایک ایسی صاف اور کھلی کھلی اور روشن اور بدیہی ﴿۷۰﴾

[1] المؤمنون: ۱۵

سچائی ہے کہ اب خدا تعالیٰ کی کلام کی رہبری اور یاددہانی کے بعد عقل بھی اپنے معقولی علوم میں بہت فخر کے ساتھ اس کو داخل کرنے کے لئے طیار ہے۔

کیونکہ عند العقل یہ بات ظاہر ہے کہ سب سے پہلے جو ایک سعید الفطرت آدمی کے نفس کو خدا تعالیٰ کی طرف اس کی طلب میں ایک حرکت پیدا ہوتی ہے۔ وہ خشوع اور انکسار ہے اور خشوع سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے لئے فروتنی اور تواضع اور تضرع کی حالت اختیار کی جائے اور جو اس کے مقابل پر اخلاقِ ردّیہ ہیں جیسے تکبّر اور عُجب اور ریا اور لاپروائی اور بے نیازی ان سب کو خدا تعالیٰ کے خوف سے چھوڑ دیا جائے اور یہ بات بدیہی ہے کہ جب تک انسان اپنے اخلاق ردّیہ کو نہیں چھوڑتا اس وقت تک اُن اخلاق کے مقابل پر جو اخلاق فاضلہ ہیں جو خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں اُن کو قبول نہیں کرسکتا کیونکہ دو ضدّیں ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ اِسی کی طرف اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اشارہ فرماتا ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ کی ابتدا میں اس نے فرمایا۔ **هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ**[1] یعنی قرآن شریف ان لوگوں کے لئے ہدایت ہے جو متقی ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو تکبّر نہیں کرتے اور خشوع اور انکسار سے خدا تعالیٰ کے کلام میں غور کرتے ہیں وہی ہیں جو آخر کو ہدایت پاتے ہیں۔ اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ ان آیات میں چھ[۶] جگہ اَفلَحَ کا لفظ ہے۔ پہلی آیت میں صریح طور پر جیسا کہ فرمایا ہے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ[2] اور بعد کی آیتوں میں عطف کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور اَفلَح کے لُغت میں یہ معنے ہیں اُصِیْرَ اِلَی الفَلَاحِ یعنی فوز مرام کی طرف پھیرا گیا اور حرکت دیا گیا۔ پس ان معنوں کی رُو سے مومن کا نماز میں خشوع اختیار کرنا فوزِ مرام کے لئے پہلی حرکت ہے جس کے ساتھ تکبّر اور عُجب وغیرہ چھوڑنا پڑتا ہے۔ اور اس میں فوزِ مرام یہ ہے کہ انسان کا نفس خشوع کی سیرت اختیار کرکے خدائے تعالیٰ سے تعلق پکڑنے کے لئے مستعد اور طیار ہوجاتا ہے۔

دوسرا کام مومن کا یعنی وہ کام جس سے دوسرے مرتبہ تک قوّتِ ایمانی پہنچتی ہے اور ﴿۱۷۱﴾

[1] البقرۃ:۳ [2] المؤمنون:۲،۳

پہلے کی نسبت ایمان کچھ قوی ہو جاتا ہے عقلِ سلیم کے نزدیک یہ ہے کہ مومن اپنے دل کو جو خشوع کے مرتبہ تک پہنچ چکا ہے لغو خیالات اور لغو شغلوں سے پاک کرے کیونکہ جب تک مومن یہ ادنیٰ قوت حاصل نہ کرلے کہ خدا کے لئے لغو باتوں اور لغو کاموں کو ترک کر سکے جو کچھ بھی مشکل نہیں اور صرف گناہ بےلذّت ہے اُس وقت تک یہ طمع خام ہے کہ مومن ایسے کاموں سے دست بردار ہو سکے جن سے دست بردار ہونا نفس پر بہت بھاری ہے اور جن کے ارتکاب میں نفس کو کوئی فائدہ یا لذّت ہے۔ پس اِس سے ثابت ہے کہ پہلے درجہ کے بعد کہ ترکِ تکبّر ہے دوسرا درجہ ترکِ لغویات ہے۔ اور اس درجہ پر وعدہ جو لفظ اَفۡلَحَ سے کیا گیا ہے یعنی فوزِ مرام اس طرح پر پورا ہوتا ہے کہ مومن کا تعلق جب لغو کاموں اور لغو شغلوں سے ٹوٹ جاتا ہے تو ایک خفیف سا تعلق خدا تعالیٰ سے اس کو ہو جاتا ہے اور قوت ایمانی بھی پہلے سے زیادہ بڑھ جاتی ہے اور خفیف تعلق اس لئے ہم نے کہا کہ لغویات سے تعلق بھی خفیف ہی ہوتا ہے پس خفیف تعلق چھوڑنے سے خفیف تعلق ہی ملتا ہے۔

پھر تیسرا کام مومن کا جس سے تیسرے درجے تک قوتِ ایمانی پہنچ جاتی ہے عقل سلیم کے نزدیک یہ ہے کہ وہ صرف لغو کاموں اور لغو باتوں کو ہی خدا تعالیٰ کے لئے نہیں چھوڑتا بلکہ اپنا عزیز مال بھی خدا تعالیٰ کے لئے چھوڑتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ لغو کاموں کے چھوڑنے کی نسبت مال کا چھوڑنا نفس پر زیادہ بھاری ہے کیونکہ وہ محنت سے کمایا ہوا اور ایک کارآمد چیز ہوتی ہے۔ جس پر خوش زندگی اور آرام کا مدار ہے اس لئے مال کا خدا کے لئے چھوڑنا بہ نسبت لغو کاموں کے چھوڑنے کے قوتِ ایمانی کو زیادہ چاہتا ہے اور لفظ اَفۡلَحَ کا جو آیات میں وعدہ ہے اس کے اس جگہ یہ معنی ہوں گے کہ دوسرے درجہ کی نسبت اس مرتبہ میں قوت ایمانی اور تعلق بھی خدا تعالیٰ سے زیادہ ہو جاتی ہے اور نفس کی پاکیزگی اس سے پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ اپنے ہاتھ سے اپنا محنت سے کمایا ہوا مال محض خدا کے خوف سے نکالنا بجز نفس کی پاکیزگی کے ممکن نہیں۔

پھر چوتھا کام مومن کا جس سے چوتھے درجہ تک قوت ایمانی پہنچ جاتی ہے عقلِ سلیم کے ﴿۷۲﴾

نزدیک یہ ہے کہ وہ صرف مال کو خدا تعالیٰ کی راہ میں ترک نہیں کرتا بلکہ وہ چیز جس سے وہ مال سے بھی بڑھ کر پیار کرتا ہے یعنی شہوات نفسانیہ اُن کا وہ حصہ جو حرام کے طور پر ہے چھوڑ دیتا ہے ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہر ایک انسان اپنی شہواتِ نفسانیہ کو طبعاً مال سے عزیز تر سمجھتا ہے اور مال کو ان کی راہ میں فدا کرتا ہے۔ پس بلا شبہ مال کے چھوڑنے سے خدا کے لئے شہوات کو چھوڑنا بہت بھاری ہے اور لفظ اَفْلَحَ جو اس آیت سے بھی تعلق رکھتا ہے اُس کے اِس جگہ یہ معنی ہیں کہ جیسے شہواتِ نفسانیہ سے انسان کو طبعاً شدید تعلق ہوتا ہے ایسا ہی ان کے چھوڑنے کے بعد وہی شدید تعلق خدا تعالیٰ سے ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جو شخص کوئی چیز خدا تعالیٰ کی راہ میں کھوتا ہے اُس سے بہتر پا لیتا ہے۔ ؎

لُطفِ او ترک طالبان نہ کند کس بہ کارِ رہش زیان نہ کند

ہر کہ آن راہ جُست یافتہ است تافت آن رو کہ سر نتافتہ است

پھر پانچواں کام مومن کا جس سے پانچویں درجہ تک قوتِ ایمانی پہنچ جاتی ہے عند العقل یہ ہے کہ صرف ترک شہواتِ نفس ہی نہ کرے بلکہ خدا کی راہ میں خود نفس کو ہی ترک کر دے اور اس کے فدا کرنے پر طیار رہے۔ یعنی نفس جو خدا کی امانت ہے اسی مالک کو واپس دیدے اور نفس سے صرف اس قدر تعلق رکھے جیسا کہ ایک امانت سے تعلق ہوتا ہے اور دقائق تقویٰ ایسے طور پر پوری کرے کہ گویا اپنے نفس☆ اور مال اور تمام چیزوں کو خدا کی راہ میں وقف کر چکا ہے۔ اِسی طرف یہ آیت اشارہ فرماتی ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ [۱] پس جبکہ انسان کے جان و مال اور تمام قسم کے آرام خدا کی امانت ہے جس کو واپس دینا امین ہونے کے لئے شرط ہے لہٰذا ترکِ نفس وغیرہ کے یہی معنے ہیں کہ یہ امانت خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کر کے اس طور سے

☆ جیسا کہ نفس خدا تعالیٰ کی امانت ہے ایسا ہی مال بھی خدا تعالیٰ کی امانت ہے۔ پس جو شخص صرف اپنے مال میں سے زکوٰۃ دیتا ہے وہ مال کو اپنا مال سمجھتا ہے مگر جو شخص مال کو خدا تعالیٰ کی امانت سمجھتا ہے وہ اپنے تمام مال کو خدا تعالیٰ کا مال جانتا ہے اور ہر ایک وقت خدا کی راہ میں دیتا ہے گو کوئی زکوٰۃ اس پر واجب نہ ہو۔ منہ

[۱] المومنون: ۹

یہ قربانی ادا کر دے اور دوسرے یہ کہ جو خدا تعالیٰ کے ساتھ ایمان کے وقت اس کا عہد تھا اور جو عہد اور امانتیں مخلوق کی اس کی گردن پر ہیں اُن سب کو ایسے طور سے تقویٰ کی رعایت سے بجا لاوے کہ وہ بھی ایک سچی قربانی ہو جاوے کیونکہ دقائقِ تقویٰ کو انتہا تک پہنچانا یہ بھی ایک قسم کی موت ہے۔ اور لفظ اَفْلَحَ کا جو اس آیت سے بھی تعلق رکھتا ہے اِس کے اس جگہ یہ معنے ہیں کہ جب اس درجہ کا مومن خدا تعالیٰ کی راہ میں بذلِ نفس کرتا ہے اور تمام دقائقِ تقویٰ بجا لاتا ہے۔ تب حضرتِ احدیت سے انوارِ الٰہیہ اُس کے وجود پر محیط ہو کر روحانی خوبصورتی اُس کو بخشتے ہیں جیسے کہ گوشت ہڈیوں پر چڑھ کر ان کو خوبصورت بنا دیتا ہے اور جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں اِن دونوں حالتوں کا نام خدا تعالیٰ نے لباس ہی رکھا ہے۔ تقویٰ کا نام بھی لباس ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لِبَاسُ التَّقْوٰى[1] اور جو گوشت ہڈیوں پر چڑھتا ہے وہ بھی لباس ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا[2] کیونکہ کَسَوْتُ جس سے کَسَوْنَا کا لفظ نکلا ہے لباس کو ہی کہتے ہیں۔ ﴿۷۳﴾

اب یاد رہے کہ منتہا سلوک کا پنجم درجہ ہے۔ اور جب پنجم درجہ کی حالت اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے تو اس کے بعد چھٹا درجہ ہے جو محض ایک موہبت کے طور پر ہے اور جو بغیر کسب اور کوشش کے مومن کو عطا ہوتا ہے اور کسب کا اس میں ذرّہ دخل نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ جیسے مومن خدا کی راہ میں اپنی رُوح کھوتا ہے ایک رُوح اس کو عطا کی جاتی ہے۔ کیونکہ ابتدا سے یہ وعدہ ہے کہ جو کوئی خدا تعالیٰ کی راہ میں کچھ کھوئے گا وہ اُسے پائے گا۔ اس لئے رُوح کو کھونے والے رُوح کو پاتے ہیں۔ پس چونکہ مومن اپنی محبتِ ذاتیہ سے خدا کی راہ میں اپنی جان وقف کرتا ہے اس لئے خدا کی محبت ذاتیہ کی رُوح کو پاتا ہے جس کے ساتھ رُوح القدس شامل ہوتا ہے۔ خدا کی محبتِ ذاتیہ ایک رُوح ہے اور رُوح کا کام مومن کے اندر کرتی ہے اس لئے وہ خود رُوح ہے اور رُوح القدس اس سے جُدا نہیں۔ کیونکہ اس محبت اور رُوح القدس میں کبھی انفکاک ہو ہی نہیں سکتا۔ اِسی وجہ سے ہم نے اکثر جگہ صرف محبتِ ذاتیہ الٰہیہ کا ذکر کیا ہے اور رُوح القدس کا نام نہیں لیا کیونکہ ان کا باہم تلازم ہے اور جب رُوح

[1] الاعراف: ۲۷ [2] المؤمنون: ۱۵

کسی مومن پر نازل ہوتی ہے تو تمام بوجھ عبادات کا اس کے سر پر سے ساقط ہو جاتا ہے اور اُس میں ایک ایسی قوت اور لذت آ جاتی ہے جو وہ قوت تکلّف سے نہیں بلکہ طبعی جوش سے یادِ الٰہی اُس سے کراتی ہے اور عاشقانہ جوش اُس کو بخشتی ہے۔ پس ایسا مومن جبرائیل علیہ السلام کی طرح ہر وقت آستانہ الٰہی کے آگے حاضر رہتا ہے اور حضرت عزت کی دائمی ہمسائیگی اس کے نصیب ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اِس درجہ کے بارے میں فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ[1] یعنی مومن کامل وہ لوگ ہیں کہ ایسا دائمی حضور اُن کو میسّر آتا ہے کہ ہمیشہ وہ اپنی نماز کے آپ نگہبان رہتے ہیں۔ یہ اس حالت کی طرف اشارہ ہے کہ اس درجہ کا مومن اپنی رُوحانی بقا کے لئے نماز کو ایک ضروری چیز سمجھتا ہے اور اس کو اپنی غذا قرار دیتا ہے جس کے بغیر وہ جی ہی نہیں سکتا۔ یہ درجہ بغیر اس رُوح کے حاصل نہیں ہوسکتا جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مومن پر نازل ہوتی ہے کیونکہ جب کہ مومن خدا تعالیٰ کے لئے اپنی جان کو ترک کر دیتا ہے تو ایک دوسری جان پانے کا مستحق ہوتا ہے۔ ﴿۷۴﴾

اِس تمام تقریر سے ثابت ہے کہ یہ مراتبِ سِتّہ عقلِ سلیم کے نزدیک اُس مومن کی راہ میں پڑے ہیں جو اپنے وجود روحانی کو کمال تک پہنچانا چاہتا ہے اور ہر ایک انسان تھوڑے سے غور کے ساتھ سمجھ سکتا ہے کہ ضرور مومن پر اس کے سلوک کے وقت چھ۶ حالتیں آتی ہیں۔ وجہ یہ کہ جب تک انسان خدا تعالیٰ سے کامل تعلّق نہیں پکڑتا تب تک اُس کا نفس ناقص پانچ خراب حالتوں سے پیار کرتا ہے اور ہر ایک حالت کا پیار دُور کرنے کے لئے ایک ایسے سبب کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اس پیار پر غالب آ جائے۔ اور نیا پیار پہلے پیار کا علاقہ توڑ دے۔

چنانچہ پہلی حالت جس سے وہ پیار کرتا ہے یہ ہے کہ وہ ایک غفلت میں پڑا ہوتا ہے اور اس کو بالکل خدا تعالیٰ سے بُعد اور دُوری ہوتی ہے اور نفس ایک کفر کے رنگ میں ہوتا ہے اور غفلت کے پردے تکبّر اور لاپروائی اور سنگدلی کی طرف اس کو کھینچتے ہیں اور خشوع اور خضوع اور تواضع اور فروتنی اور انکسار کا نام ونشان اس میں نہیں ہوتا اور اسی اپنی حالت سے وہ محبت کرتا ہے اور

[1] المؤمنون: ۱۰

اس کو اپنے لئے بہتر سمجھتا ہے اور پھر جب عنایتِ الٰہیہ اس کی اصلاح کی طرف توجہ کرتی ہے تو کسی واقعہ کے پیدا ہونے سے یا کسی آفت کے نازل ہونے سے خدا تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت اور جبروت کا اس کے دل پر اثر پڑتا ہے اور اس اثر سے اُس پر ایک حالت خشوع پیدا ہو جاتی ہے جو اُس کے تکبّر اور گردن کشی اور غفلت کی عادت کو کالعدم کر دیتی ہے اور اس سے علاقہ محبت توڑ دیتی ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو ہر وقت دنیا میں مشاہدہ میں آتی رہتی ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ جب ہیبتِ الٰہی کا تازیانہ کسی خوفناک لباس میں نازل ہوتا ہے تو بڑے بڑے شریروں کی گردن جُھکا دیتا ہے اور خوابِ غفلت سے جگا کر خشوع اور خضوع کی حالت بنا دیتا ہے یہ وہ پہلا مرتبہ رجوع الی اللہ کا ہے جو عظمت اور ہیبت الٰہی کے مشاہدہ کے بعد یا کسی اور طور سے ایک سعید الفطرت کو حاصل ہو جاتا ہے اور گو وہ پہلے اپنی غافلانہ اور بے قید زندگی سے محبت ہی رکھتا تھا۔ مگر جب مخالف اثر اُس پہلے اثر سے قوی تر پیدا ہوتا ہے تو اس حالت کو بہرحال چھوڑنا پڑتا ہے۔

«۷۵»

پھر اس کے بعد دوسری حالت یہ ہے کہ ایسے مومن کو خدا تعالیٰ کی طرف کچھ رجوع تو ہو جاتا ہے مگر اس رجوع کے ساتھ لغو باتوں اور لغو کاموں اور لغو شغلوں کی پلیدی لگی رہتی ہے جس سے وہ اُنس اور محبت رکھتا ہے۔ ہاں کبھی نماز میں خشوع کے حالات بھی اس سے ظہور میں آتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف لغو حرکات بھی اس کے لازمِ حال رہتی ہیں اور لغو تعلقات اور لغو مجلسیں اور لغو ہنسی ٹھٹھا اس کے گلے کا ہار رہتا ہے۔ گویا وہ دو رنگ رکھتا ہے کبھی کچھ کبھی کچھ ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر مے کنند چوں بخلوت مے روند آں کارِ دیگر مے کنند

پھر جب عنایتِ الٰہیہ اس کو ضائع کرنا نہیں چاہتی تو پھر ایک اَور جلوہ عظمت اور ہیبت اور جبروتِ الٰہی کا اُس کے دل پر نازل ہوتا ہے جو پہلے جلوہ سے زیادہ تیز ہوتا ہے اور قوّتِ ایمانی اُس سے تیز ہو جاتی ہے اور ایک آگ کی طرح مومن کے دل پر پڑ کر تمام خیالات لغو اس کے ایک دم میں بھسم کر دیتی ہے۔ اور یہ جلوہ عظمت اور جبروتِ الٰہی کا اس قدر حضرتِ عزت کی محبت

اُس کے دل میں پیدا کرتا ہے کہ لغو کاموں اور لغو شغلوں کی محبت پر غالب آ جاتا ہے اور ان کو دفع اور دُور کر کے اُن کی جگہ لے لیتا ہے۔ اور تمام بیہودہ شغلوں سے دل کو سرد کر دیتا ہے تب لغو کاموں سے دل کو ایک کراہت پیدا ہو جاتی ہے۔

﴿۷۶﴾ پھر لغو شغلوں اور لغو کاموں کے دُور ہونے کے بعد ایک تیسری[۳] خراب حالت مومن میں باقی رہ جاتی ہے جس سے وہ دوسری حالت کی نسبت بہت محبت رکھتا ہے یعنی طبعاً مال کی محبت اس کے دل میں ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنی زندگی اور آرام کا مدار مال کو ہی سمجھتا ہے اور نیز اس کے حاصل ہونے کا ذریعہ صرف اپنی محنت اور مشقت خیال کرتا ہے۔ پس اس وجہ سے اس پر خدا تعالیٰ کی راہ میں مال کا چھوڑنا بہت بھاری اور تلخ ہوتا ہے۔

پھر جب عنایتِ الٰہیہ اس ورطۂ عظیمہ سے اُس کو نکالنا چاہتی ہے تو رازقیتِ الٰہیہ کا علم اُس کو عطا کیا جاتا ہے اور توکّل کا بیج اُس میں بویا جاتا ہے اور ساتھ اس کے ہیبتِ الٰہیہ بھی کام کرتی ہے اور دونوں تجلّیات جمالی اور جلالی اُس کے دل کو اپنے قابو میں لے آتی ہیں۔ تب مال کی محبت بھی دل میں سے بھاگ جاتی ہے اور مال دینے والے کی محبت کا تخم دل میں بویا جاتا ہے اور ایمان قوی کیا جاتا ہے۔ اور یہ قوتِ ایمانی درجہ سوم کی قوت سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ کیونکہ اس جگہ مومن صرف لغو باتوں کو ہی ترک نہیں کرتا بلکہ اُس مال کو ترک کرتا ہے جس پر اپنی خوش زندگی کا سارا مدار سمجھتا ہے۔ اور اگر اس کے ایمان کو قوّتِ توکّل عطا نہ کی جاتی اور رازقِ حقیقی کی طرف آنکھ کا دروازہ نہ کھولا جاتا تو ہرگز ممکن نہ تھا کہ بخل کی بیماری دُور ہو سکتی۔ پس یہ قوتِ ایمانی نہ صرف لغو کاموں سے چھڑاتی ہے بلکہ خدا تعالیٰ کے رازق ہونے پر ایک قوی ایمان پیدا کر دیتی ہے۔ اور نورِ توکّل دل میں ڈال دیتی ہے۔ تب مال جو ایک پارۂ جگر سمجھا جاتا ہے بہت آسانی اور شرح صدر سے مومن اس کو خدا تعالیٰ کی راہ میں دیتا ہے اور وہ ضعف جو بخل کی حالت میں نومیدی سے پیدا ہوتا ہے۔ اب خدا تعالیٰ پر بہت سی امیدیں ہو کر وہ تمام ضعف جاتا رہتا ہے۔ اور مال دینے والے کی محبت مال کی محبت سے زیادہ ہو جاتی ہے۔

پھر بعد اس کے چوتھی حالت ہے جس سے نفسِ امّارہ بہت ہی پیار کرتا ہے اور جو تیسری حالت سے بدتر ہے کیونکہ تیسری حالت میں تو صرف مال کا اپنے ہاتھ سے چھوڑنا ہے۔ مگر چوتھی حالت میں نفس امّارہ کی شہواتِ محرّمہ کو چھوڑنا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مال کا چھوڑنا بہ نسبت شہوات کے چھوڑنے کے انسان پر طبعاً سہل ہوتا ہے۔ اس لئے یہ حالت بہ نسبت حالات گذشتہ کے بہت شدید اور خطرناک ہے اور فطرتاً انسان کو شہوات نفسانیہ کا تعلق بہ نسبت مال کے تعلق کے بہت پیارا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مال کو جو اُس کے نزدیک مدارِ آسائش ہے بڑی خوشی سے شہوات نفسانیہ کی راہ میں فدا کر دیتا ہے۔ اور اس حالت کے خوفناک جوش کی شہادت میں یہ آیت کافی ہے۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ[1] یعنی یہ ایسا مُنہ زور جوش ہے جو اِس کا فرو ہونا کسی برہانِ قوی کا محتاج ہے۔ پس ظاہر ہے کہ درجہ چہارم پر قوّتِ ایمانی بہ نسبت درجہ سوم کے بہت قوی اور زبردست ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت اور جبروت کا مشاہدہ بھی پہلے کی نسبت اُس میں زیادہ ہوتا ہے اور نہ صرف اس قدر بلکہ یہ بھی اس میں نہایت ضروری ہے کہ جس لذّت ممنوعہ کو دُور کیا گیا ہے اس کے عوض میں روحانی طور پر کوئی لذّت بھی حاصل ہو۔ اور جیسا کہ بخل کے دُور کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کی رازقیت پر قوی ایمان درکار ہے۔ اور خالی جیب ہونے کی حالت میں ایک قوی توکّل کی ضرورت ہے تا بخل بھی دُور ہو اور غیبی فتوح پر اُمید بھی پیدا ہو جائے۔ ایسا ہی شہوات ناپاک نفسانیہ کے دُور کرنے کے لئے اور آتشِ شہوت سے مخلصی پانے کے لئے اس آگ کے وجود پر قوی ایمان ضروری ہے جو جسم اور رُوح دونوں کو عذاب شدید میں ڈالتی ہے اور نیز ساتھ اس کے اُس رُوحانی لذّت کی ضرورت ہے جو ان کثیف لذّتوں سے بے نیاز اور مستغنی کر دیتی ہے۔ جو شخص شہوات نفسانیہ محرّمہ کے پنجہ میں اسیر ہے وہ ایک اژدہا کے مُنہ میں ہے جو نہایت خطرناک زہر رکھتا ہے۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ جیسا کہ لغو حرکات کی بیماری سے بخل کی بیماری بڑھ کر ہے اِسی طرح بخل کی بیماری کے مقابل پر شہوات نفسانیہ محرّمہ کے پنجہ میں اسیر ہونا سب بلاؤں سے زیادہ

﴿۷۷﴾

[1] یوسف: ۲۵

بلا ہے جو خدائے تعالیٰ کے ایک خاص رحم کی محتاج ہے اور جب خدا تعالیٰ کسی کو اس بلا سے نجات دینا چاہتا ہے تو اپنی عظمت اور ہیبت اور جبروت کی ایسی تجلّی اس پر کرتا ہے جس سے شہواتِ نفسانیہ محرّمہ پارہ پارہ ہو جاتی ہیں اور پھر جمالی رنگ میں اپنی لطیف محبت کا ذوق اس کے دل میں ڈالتا ہے اور جس طرح شیر خوار بچہ دودھ چھوڑنے کے بعد صرف ایک رات تلخی میں گذارتا ہے بعد اس کے اس دودھ کو ایسا فراموش کر دیتا ہے کہ چھاتیوں کے سامنے بھی اگر اس کے مُنہ کو رکھا جائے تب بھی دودھ پینے سے نفرت کرتا ہے۔ یہی نفرت شہواتِ محرّمہ نفسانیہ سے اُس راستباز کو ہو جاتی ہے جس کو نفسانی دودھ چھڑا کر ایک روحانی غذا اس کے عوض میں دی جاتی ہے۔ ﴿۷۸﴾

پھر چوتھی حالت کے بعد پانچویں حالت ہے جس کے مفاسد سے نہایت سخت اور شدید محبت نفسِ امّارہ کو ہے۔ کیونکہ اس مرتبہ پر صرف ایک لڑائی باقی رہ جاتی ہے اور وہ وقت قریب آ جاتا ہے کہ حضرت عزّت جلّ شانہٗ کے فرشتے اس وجود کی تمام آبادی کو فتح کر لیں اور اُس پر اپنا پورا تصرّف اور دخل کر لیں اور تمام نفسانی سلسلہ کو درہم برہم کر دیں۔ اور نفسانی قویٰ کے قریہ کو ویران کر دیں۔ اور اس کے نمبرداروں کو ذلیل اور پست کر کے دکھلا دیں اور پہلی سلطنت پر ایک تباہی ڈال دیں۔ اور انقلاب سلطنت پر ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ [1] اور یہ مومن کے لئے ایک آخری امتحان اور آخری جنگ ہے جس پر اُس کے تمام مراتب سلوک ختم ہو جاتے ہیں اور اس کا سلسلہ ترقیات جو کسب اور کوشش سے ہے انتہا تک پہنچ جاتا ہے۔ اور انسانی کوششیں اپنے اخیر نقطہ تک منزل طے کر لیتی ہیں۔ پھر بعد اس کے صرف موہبت اور فضل کا کام باقی رہ جاتا ہے جو خلق آخر کے متعلق ہے۔ اور یہ پانچویں[۵] حالت چوتھی[۴] حالت سے مشکل تر ہے کیونکہ چوتھی حالت میں تو صرف مومن کا کام یہ ہے کہ شہوات محرّمہ نفسانیہ کو ترک کرے مگر پانچویں حالت میں مومن کا کام یہ ہے کہ نفس کو بھی ترک کر دے اور اس کو خدا تعالیٰ کی امانت سمجھ کر خدا تعالیٰ کی طرف واپس کرے اور خدا کے کاموں میں اپنے نفس کو وقف کر کے

[1] النّمل: ۳۵

اس سے خدمت لے اور خدا کی راہ میں بذل نفس کرنے کا ارادہ رکھے اور اپنے نفس کی نفی وجود کے لئے کوشش کرے۔ کیونکہ جب تک نفس کا وجود باقی ہے گناہ کرنے کے لئے جذبات بھی باقی ہیں جو تقویٰ کے برخلاف ہیں۔ اور نیز جب تک وجود نفس باقی ہے ممکن نہیں کہ انسان تقویٰ کی باریک راہوں پر قدم مار سکے یا پورے طور پر خدا کی امانتوں اور عہدوں یا مخلوق کی امانتوں اور عہدوں کو ادا کر سکے۔ لیکن جیسا کہ بخل بغیر توکّل اور خدا کی رازقیت پر ایمان لانے کے ترک نہیں ہوسکتا اور شہوات نفسانیہ محرّمہ بغیر استیلاء ہیبت اور عظمتِ الٰہی اور لذاتِ روحانیہ کے چھوٹ نہیں سکتیں ایسا ہی یہ مرتبہ عظمیٰ کہ ترکِ نفس کر کے تمام امانتیں خدا تعالیٰ کی اس کو واپس دی جائیں کبھی حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ ایک تیز آندھی عشقِ الٰہی کی چل کر کسی کو اس کی راہ میں دیوانہ نہ بنا دے۔ یہ تو درحقیقت عشقِ الٰہی کے مستوں اور دیوانوں کے کام ہیں دنیا کے عقلمندوں کے کام نہیں ؎ «۷۹»

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

اسی کی طرف اللہ تعالیٰ اشارہ فرماتا ہے۔ اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَہَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡہَا وَحَمَلَہَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَہُوۡلًا[1] ہم نے اپنی امانت کو جو امانت کی طرح واپس دینی چاہیئے تمام زمین و آسمان کی مخلوق پر پیش کیا۔ پس سب نے اُس امانت کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈرے کہ امانت کے لینے سے کوئی خرابی پیدا نہ ہو مگر انسان نے اس امانت کو اپنے سر پر اٹھا لیا کیونکہ وہ ظلوم اور جہول تھا۔ یہ دونوں لفظ انسان کے لئے محل مدح میں ہیں نہ محل مذمت میں اور ان کے معنے یہ ہیں کہ انسان کی فطرت میں ایک صفت تھی کہ وہ خدا کے لئے اپنے نفس پر ظلم اور سختی کر سکتا تھا۔ اور ایسا خدا تعالیٰ کی طرف جُھک سکتا تھا کہ اپنے نفس کو فراموش کر دے اس لئے اُس نے منظور کیا کہ اپنے تمام وجود کو امانت کی طرح پاوے اور پھر خدا کی راہ میں خرچ کر دے۔

اور اس پانچویں مرتبہ کے لئے یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ لِاَمٰنٰتِہِمۡ وَعَہۡدِہِمۡ رٰعُوۡنَ[2] یعنی مومن وہ ہیں جو اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت رکھتے ہیں یعنی ادائے امانت

[1] الاحزاب:۷۳ [2] المؤمنون:۹

اور ایفائے عہد کے بارے میں کوئی دقیقہ تقویٰ اور احتیاط کا باقی نہیں چھوڑتے ۔ یہ اس امانت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کا نفس اور اس کے تمام قویٰ اور آنکھ کی بینائی اور کانوں کی شنوائی اور زبان کی گویائی اور ہاتھوں پَیروں کی قوّت یہ سب خدا تعالیٰ کی امانتیں ہیں جو اُس نے دی ہیں اور جس وقت وہ چاہے اپنی امانتوں کو واپس لے سکتا ہے۔ پس ان تمام امانتوں کا رعایت رکھنا یہ ہے کہ باریک در باریک تقویٰ کی پابندی سے خدا تعالیٰ کی خدمت میں نفس اور اُس کے تمام قویٰ اور جسم اور اس کے تمام قویٰ اور جوارح کو لگایا جائے اِس طرح پر کہ گویا یہ تمام چیزیں اُس کی نہیں بلکہ خدا کی ہو جائیں اور اُس کی مرضی سے نہیں بلکہ خدا کی مرضی کے موافق ان تمام قویٰ اور اعضاء کا حرکت اور سکون ہو اور اس کا ارادہ کچھ بھی نہ رہے بلکہ خدا کا ارادہ اُن میں کام کرے اور خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں اس کا نفس ایسا ہو جیسا کہ مُردہ زندہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اور یہ خود رائی سے بے دخل ہو اور خدا تعالیٰ کا پورا تصرّف اس کے وجود پر ہو جائے یہاں تک کہ اُسی سے دیکھے اور اُسی سے سُنے اور اُسی سے بولے اور اُسی سے حرکت یا سکون کرے اور نفس کی دقیق در دقیق آلائشیں جو کسی خوردبین سے بھی نظر نہیں آسکتیں دُور ہو کر فقط رُوح رہ جائے۔ غرض مہیمنت خدا کی اس پر احاطہ کر لے اور اپنے وجود سے اس کو کھو دے اور اُس کی حکومت اپنے وجود پر کچھ نہ رہے اور سب حکومت خدا کی ہو جائے اور نفسانی جوش سب مفقود ہو جائیں اور الوہیت کے ارادے اُس کے وجود میں جوش زن ہو جائیں۔ پہلی حکومت بالکل اُٹھ جائے اور دوسری حکومت دل میں قائم ہو اور نفسانیت کا گھر ویران ہو اور اُس جگہ پر حضرت عزّت کے خیمے لگائے جائیں اور ہیبت اور جبروت الٰہی تمام اُن پودوں کو جن کی آب پاشی گندے چشمۂ نفس سے ہوتی تھی اس پلید جگہ سے اکھیڑ کر رضا جوئی حضرتِ عزّت کی پاک زمین میں لگا دئے جائیں اور تمام آرزوئیں اور تمام ارادے اور تمام خواہشیں خدا میں ہو جائیں اور نفسِ امّارہ کی تمام عمارتیں منہدم کر کے خاک میں ملا دی جائیں اور ایک ایسا پاک محل تقدس اور تطہّر کا دل میں طیار کیا جاوے جس میں حضرت عزّت نازل ہو سکے اور اس کی رُوح اس میں آباد ہو سکے

﴿۸۰﴾

اس قدر تکمیل کے بعد کہا جائے گا کہ وہ امانتیں جو منعم حقیقی نے انسان کو دی تھیں وہ واپس کی گئیں۔ تب ایسے شخص پر یہ آیت صادق آئے گی وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ [1] اس درجہ پر صرف ایک قالب تیار ہوتا ہے اور تجلّی الٰہی کی رُوح جس سے مراد محبتِ ذاتیہ حضرت عزّت ہے بعد اس کے مع رُوح القدس ایسے مومن کے اندر داخل ہوتی اور نئی حیات اُس کو بخشتی ہے اور ایک نئی قوت اس کو عطا کی جاتی ہے اور اگرچہ یہ سب کچھ رُوح کے اثر سے ہی ہوتا ہے لیکن ہنوز رُوح مومن سے صرف ایک تعلّق رکھتی ہے اور ابھی مومن کے دل کے اندر آباد نہیں ہوتی۔ ﴿۸۱﴾

پھر بعد اس کے وجود رُوحانی کا مرتبہ ششم ہے یہ وہی مرتبہ ہے جس میں مومن کی محبتِ ذاتیہ اپنے کمال کو پہنچ کر اللہ جلّ شانہٗ کی محبتِ ذاتیہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے تب خدا تعالیٰ کی وہ محبت ذاتی مومن کے اندر داخل ہوتی ہے اور اس پر احاطہ کرتی ہے جس سے ایک نئی اور فوق العادت طاقت مومن کو ملتی ہے اور وہ ایمانی طاقت ایمان میں ایک ایسی زندگی پیدا کرتی ہے جیسے ایک قالبِ بے جان میں رُوح داخل ہو جاتی ہے بلکہ وہ مومن میں داخل ہو کر درحقیقت ایک رُوح کا کام کرتی ہے۔ تمام قویٰ میں اس سے ایک نُور پیدا ہوتا ہے۔ اور رُوح القدس کی تائید ایسے مومن کے شامل حال ہوتی ہے کہ وہ باتیں اور وہ علوم جو انسانی طاقت سے برتر ہیں وہ اس درجہ کے مومن پر کھولے جاتے ہیں اور اس درجہ کا مومن ایمانی ترقیات کے تمام مراتب طے کر کے ان ظلّی کمالات کی وجہ سے جو حضرت عزت کے کمالات سے اُس کو ملتے ہیں آسمان پر خلیفۃ اللہ کا لقب پاتا ہے کیونکہ جیسا کہ ایک شخص جب آئینہ کے مقابل پر کھڑا ہوتا ہے تو تمام نقوش اس کے مُنہ کے نہایت صفائی سے آئینہ میں منعکس ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی اس درجہ کا مومن جو نہ صرف ترکِ نفس کرتا ہے بلکہ نفیٔ وجود اور ترکِ نفس کے کام کو اس درجہ کے کمال تک پہنچاتا ہے کہ اس کے وجود میں سے کچھ بھی نہیں رہتا اور صرف آئینہ کے رنگ میں ہو جاتا ہے۔ تب ذاتِ الٰہی کے تمام نقوش اور تمام

[1] المؤمنون: ۹

اخلاق اس میں مندرج ہو جاتے ہیں اور جیسا کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ آئینہ جو ایک سامنے کھڑے ہونے والے مُنہ کے تمام نقوش اپنے اندر لے کر اس مُنہ کا خلیفہ ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مومن بھی ظلّی طور پر اخلاق اور صفاتِ الٰہیہ کو اپنے اندر لے کر خلافت کا درجہ اپنے اندر حاصل کرتا ہے اور ظلّی طور پر الٰہی صورت کا مظہر ہو جاتا ہے اور جیسا کہ خدا غیب الغیب ہے اور اپنی ذات میں وراء الوراء ہے ایسا ہی یہ مومن کامل اپنی ذات میں غیب الغیب اور وراء الوراء ہوتا ہے۔ دنیا اس کی حقیقت تک پہنچ نہیں سکتی۔ کیونکہ وہ دنیا کے دائرہ سے بہت ہی دُور چلا جاتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ خدا جو غیر متبدل اور حیّ و قیّوم ہے وہ مومن کامل کی اُس پاک تبدیلی کے بعد جب کہ مومن خدا کے لئے اپنا وجود بالکل کھو دیتا ہے اور ایک نیا چولا پاک تبدیلی کا پہن کر اُس میں سے اپنا سر نکالتا ہے۔ تب خدا بھی اس کے لئے اپنی ذات میں ایک تبدیلی کرتا ہے مگر یہ نہیں کہ خدا کی ازلی ابدی صفات میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے۔ نہیں بلکہ وہ قدیم سے اور ازل سے غیر متبدل ہے۔ لیکن یہ صرف مومن کامل کے لئے جلوۂ قدرت ہوتا ہے اور ایک تبدیلی جس کی ہم کُنہ نہیں سمجھ سکتے مومن کی تبدیلی کے ساتھ خدا میں بھی ظہور میں آ جاتی ہے مگر اس طرح پر کہ اُس کی غیر متبدل ذات پر کوئی گرد و غبار حدوث کا نہیں بیٹھتا۔ وہ اسی طرح غیر متبدل ہوتا ہے جس طرح وہ قدیم سے ہے لیکن یہ تبدیلی جو مومن کی تبدیلی کے وقت ہوتی ہے یہ اس قسم کی ہے جیسا کہ لکھا ہے کہ جب مومن خدائے تعالیٰ کی طرف حرکت کرتا ہے تو خدا اس کی نسبت تیز حرکت کے ساتھ اُس کی طرف آتا ہے اور ظاہر ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ تبدیلیوں سے پاک ہے ایسا ہی وہ حرکتوں سے بھی پاک ہے۔ لیکن یہ تمام الفاظ استعارہ کے رنگ میں بولے جاتے ہیں اور بولنے کی اس لئے ضرورت پڑتی ہے کہ تجربہ شہادت دیتا ہے کہ جیسے ایک مومن خدائے تعالیٰ کی راہ میں نیستی اور فنا اور اِستہلاک کر کے اپنے تئیں ایک نیا وجود بناتا ہے اس کی ان تبدیلیوں کے مقابل پر خدا بھی اس کے لئے ایک نیا ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ وہ معاملات کرتا ہے جو دوسرے کے ساتھ کبھی نہیں کرتا۔ اور اس کو اپنے ملکوت اور اسرار کا وہ سَیر

﴿۸۲﴾

کراتا ہے جو دوسرے کو ہرگز نہیں دکھلاتا۔ اور اس کے لئے وہ کام اپنے ظاہر کرتا ہے جو دوسروں کے لئے ایسے کام کبھی ظاہر نہیں کرتا۔ اور اس قدر اس کی نصرت اور مدد کرتا ہے کہ لوگوں کو تعجب میں ڈالتا ہے۔ اس کے لئے خوارق دکھلاتا ہے اور معجزات ظاہر کرتا اور ہر ایک پہلو سے اس کو غالب کر دیتا ہے اور اس کی ذات میں ایک قوتِ کشش رکھ دیتا ہے جس سے ایک جہان اُس کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے اور وہی باقی رہ جاتے ہیں جن پر شقاوتِ ازلی غالب ہے۔

﴿۸۳﴾ پس اِن تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ مومن کامل کی پاک تبدیلی کے ساتھ خدا تعالیٰ بھی ایک نئی صورت کی تجلّی سے اُس پر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اُس نے انسان کو اپنے لئے پیدا کیا ہے کیونکہ جب انسان خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا شروع کرے تو اُسی دن سے بلکہ اُسی گھڑی سے بلکہ اُسی دم سے خدا تعالیٰ کا رجوع اُس کی طرف شروع ہو جاتا ہے۔ اور وہ اُس کا متولّی اور متکفّل اور حامی اور ناصر بن جاتا ہے۔ اور اگر ایک طرف تمام دنیا ہو اور ایک طرف مومنِ کامل تو آخر غلبہ اُسی کو ہوتا ہے کیونکہ خدا اپنی محبت میں صادق ہے اور اپنے وعدوں میں پورا۔ وہ اس کو جو درحقیقت اُس کا ہو جاتا ہے ہرگز ضائع نہیں کرتا۔ ایسا مومن آگ میں ڈالا جاتا ہے اور گلزار میں سے نکلتا ہے۔ وہ ایک گرداب میں دھکیل دیا جاتا ہے اور ایک خوشنما باغ میں سے نمودار ہو جاتا ہے۔ دشمن اس کے لئے بہت منصوبے کرتے اور اس کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن خدا ان کے تمام مکروں اور منصوبوں کو پاش پاش کر دیتا ہے کیونکہ وہ اس کے ہر قدم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لئے آخر اُس کی ذلّت چاہنے والے ذلّت کی مار سے مرتے ہیں اور نامرادی اُن کا انجام ہوتا ہے۔ لیکن وہ جو اپنے تمام دل اور تمام جان اور تمام ہمّت کے ساتھ خدا کا ہو گیا ہے وہ نامراد ہرگز نہیں مرتا اور اُس کی عمر میں برکت دی جاتی ہے اور ضرور ہے کہ وہ جیتا رہے جب تک اپنے کاموں کو پورا کر لے۔ تمام برکتیں اخلاص میں ہیں اور تمام اخلاص خدا کی رضا جوئی میں اور تمام خدا کی رضا جوئی اپنی رضا کے چھوڑنے میں۔ یہی موت ہے جس کے بعد زندگی ہے مبارک وہ جو اس زندگی میں سے حصّہ لے۔

اب واضح ہو کہ جہاں تک ہم نے سورۃ المؤمنون کی آیات ممدوحہ بالا کے معجزہ ہونے کی نسبت لکھنا تھا وہ سب ہم لکھ چکے اور بخوبی ثابت کر چکے کہ سورۃ موصوفہ کی ابتدا میں مومن کے وجود رُوحانی کے چھ۶ مراتب قرار دیئے ہیں اور مرتبہ ششم خلق آخر کا رکھا ہے۔ یہی مراتبِ ستّہ سورۃ موصوفہ بالا میں جسمانی پیدائش کے بارہ میں بعد ذکر پیدائش روحانی بیان فرمائے گئے ہیں۔ اور یہ ایک علمی اعجاز ہے۔ اور یہ علمی نکتہ قرآن شریف سے پہلے کسی کتاب میں مذکور نہیں ہے۔ پس ان آیات کا آخری حصہ یعنی فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ[1] بلاشبہ ایک علمی معجزہ کی جڑ ہے کیونکہ وہ ایک اعجازی موقعہ پر چسپاں کیا گیا ہے۔ اور انسان کے لئے یہ بات ممکن نہیں کہ اپنے بیان میں ایسی اعجازی صورت پیدا کرے اور پھر اس پر آیت فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ چسپاں کرے۔ اور اگر کوئی کہے کہ اِس پر کیا دلیل ہے کہ آیات مذکورہ بالا میں جو مقابلہ انسان کے مراتب پیدائش روحانی اور پیدائش جسمانی میں دکھلایا گیا ہے وہ علمی معجزہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ معجزہ اس کو کہتے ہیں کہ کوئی انسان اس کے مثل بنانے پر قادر نہ ہو سکے یا گذشتہ زمانہ میں قادر نہ ہو سکا ہو اور نہ بعد میں قادر ہونے کا ثبوت ہو۔ پس ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ یہ بیان انسانی پیدائش کی دقیق فلاسفی کا جو قرآن شریف میں مندرج ہے یہ ایک ایسا بے مثل و مانند بیان ہے کہ اس کی نظیر پہلے اس سے کسی کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ نہ اس زمانہ میں ہم نے سُنا کہ کسی ایسے شخص کو جو قرآن شریف کا علم نہیں رکھتا اس فلاسفی کے بیان کرنے میں قرآن شریف سے توارد ہوا ہو۔ اور جب کہ قرآن شریف اپنے جمیع معارف اور نشانوں اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور یہ آیات قرآن شریف کا ایک حصّہ ہیں جو دعویٰ اعجاز میں داخل ہے پس اس کا بے مثل و مانند ثابت ہونا باوجود دعویٰ اعجاز اور طلبِ مقابلہ کے بلاشبہ معجزہ ہے۔ اور معترض کے بقیہ اعتراضات کا جواب ذیل میں لکھا جاتا ہے۔

﴿۸۴﴾

قولہ۔ عفت الدیار محلها و مقامها ایک پُرانے شاعر کا مصرع ہے۔ کیا کسی

[1] المؤمنون: ۱۵

نبی کو کبھی ایسی وحی ہوئی جس کے الفاظ حرفاً حرفاً وہی ہوں جو اس نبی سے پہلے کسی آدمی کی زبان سے نکل چکے ہوں۔

اقول ۔جیسا کہ مَیں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں ایسی وحی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تھی ۔یعنی **فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین** ۔ یہ وہ فقرہ ہے جو عبداللہ ابن ابی سرح کے مُنہ سے نکلا تھا اور بعینہٖ یہی وحی الٰہی ہوئی تھی ۔ اور اسی ابتلا سے عبداللہ بدقسمت مرتد ہو گیا تھا۔ پس ایسا اعتراض عبداللہ مرتد کے خیالات کی پیروی ہے جس سے پرہیز کرنا چاہیئے تھا۔ اور یہ فقرہ یعنی **عفت الدیار محلّھا و مقامھا** یہ لبید رضی اللہ عنہ جو صحابی تھے اُن کے شعر کا پہلا مصرع ہے۔ پورا شعر یہ ہے ؎

عفت الدیار محلّھا و مقامھا　　بِمنًی تأبّد غولھا فرجامھا

﴿۸۵﴾

اِس کے یہ معنے ہیں کہ میرے پیاروں کے گھر منہدم ہو گئے ۔اُن عمارتوں کا نام ونشان نہ رہا جو عارضی سکونت کی عمارتیں تھیں اور نہ وہ عمارتیں رہیں جو مستقل سکونت کی عمارتیں تھیں ۔ دونوں قسم کی عمارتیں نابود ہو گئیں اور وہ عمارتیں منٰی میں واقع تھیں جو نجد کی زمین میں ہے۔ منٰی دو ہیں ۔ ایک منٰی مکّہ اور ایک منٰی نجد ۔ اس جگہ منٰی نجد مراد ہے ۔ اور پھر شاعر کہتا ہے کہ اُس سَرزمین کے دو شہر جن میں سے ایک کا نام غَول تھا اور دوسرے کا نام رَجام تھا یہ ایسے منہدم ہو کر نابود ہو گئے اور زمین سے ہموار ہو گئے کہ اب اِن شہروں کی جگہ ایک جنگل پڑا ہے جہاں وحشی جانور ہرن وغیرہ رہتے ہیں ۔ یہ معنی اس عربی لفظ کے ہیں یعنی تَأَبَّدَ کے جو شعر میں موجود ہے تَأَبَّدَ کا لفظ اَوَابِد سے لیا گیا ہے اور اَوَابِد جنگلی جانوروں ہرن وغیرہ کو کہتے ہیں ۔ اور اَوَابِد کا لفظ اَبَد سے لیا گیا ہے ۔ اس کے معنے ہیں ہمیشہ جینے والے ۔ چونکہ ہرن وغیرہ اکثر اپنی موت سے نہیں مرتے بلکہ شکار کئے جاتے ہیں اور دوسرے کے ذریعہ سے ان کی موت آتی ہے اس لئے ان کا نام اوابد رکھا گیا۔

قولہ ۔ اگر انسان کے قول سے خدا کا بھی توارد ہو سکتا ہے تو خدا کے قول اور

بندے کے قول میں فرق کیا ہوا؟

اقول۔ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ قرآن شریف ان معنوں سے معجزہ ہے کہ کسی انسان کی عبارت کو قرآن شریف کی ایک لمبی عبارت کے ساتھ جو دس آیت سے کم نہ ہو توارد نہیں ہوسکتا اور اس قدر عبارت قرآن شریف کی اس درجہ فصاحت بلاغت اور دیگر معارف اور حقائق اپنے اندر رکھتی ہے جو انسانی طاقتیں اس کی مثل پیش نہیں کر سکتیں اس لئے عبارتِ قرآنی اِس شرط کے ساتھ کہ دس آیت کی مقدار سے کم نہ ہو معجزہ ہے۔جیسا کہ قرآن شریف میں اس کی تصریح موجود ہے۔مگر ایک فقرہ جو زیادہ سے زیادہ ایک آیت یا دو آیت کے برابر ہو اس قدر فقرہ میں انسان کے کلام کا خدا کے کلام سے بظاہر توارد ہوسکتا ہے مگر پھر بھی اندرونی طور پر خدا کی کلام میں بعض پوشیدہ معارف اور ایک قسم کا نور رہتا ہے اور نیز معجزہ میں سے ایک حصہ اس میں مخفی ہوتا ہے۔جیسا کہ انسان اور ہرن میں ما بہ الامتیاز مجموعی حالت پر نظر ڈال کر ظاہر ہے لیکن تاہم ہرن کی آنکھ انسان کی آنکھ سے مشابہ ہے مگر پھر بھی انسان کی آنکھ میں بعض وہ قوتیں ہیں جو ہرن کی آنکھ میں ہرگز نہیں۔ ﴿۸۶﴾

قولہ۔جب **عفت الدیار محلّھا و مقامھا** کا الہام شائع ہوا تب اُس کے ذیل میں لکھا گیا تھا کہ متعلق طاعون۔لیکن اب بتایا جاتا ہے کہ زلزلہ کے متعلق ہے۔

اقول۔**عفت الدیار** کے عذاب کا طاعون سے تعلق رکھنا اس کو عین طاعون نہیں بنا سکتا ماسوا اس کے یہ قول کہ **عفت الدیار** کے فقرہ کو طاعون سے تعلّق ہے یہ انسان کی عبارت ہے۔اعتراض تب ہوسکتا کہ خدا تعالیٰ کی وحی میں یہ لفظ ہوتا۔خدا تعالیٰ کی وحی تو صاف کہتی ہے کہ یہ زلزلہ کے متعلق ہے۔دیکھو وہ الہام جو اُسی اخبار الحکم میں دسمبر ۱۹۰۳ء کے اخیر میں شائع ہوا جس کی یہ عبارت ہے کہ ’’**زلزلہ کا دھکّا**‘‘۔پھر پانچ ماہ بعد اسی پہلے الہام کی اسی اخبار کے پرچہ ۳۱؍مئی ۱۹۰۴ء میں دوسرے الہام نے یہ تصریح کی کہ **عفت الدیار محلھا و مقامھا**۔افسوس یہ کیسا زمانہ آگیا کہ دو جگہ ایک ہی اخبار میں خدا کا کلام موجود ہے

اور ایک کلام دوسرے کی تشریح کرتا ہے۔ اس کی طرف کوئی نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا اور انسانی الفاظ کو پیش کرتے ہیں جس کی غلطی کا الہام الٰہی ذمہ وار نہیں۔ مسلمانوں کی اولاد کہلا کر اس قدر تعصّب۔ خدا جانے اس کا وبال آئندہ کیا ہوگا۔

ماسوا اس کے ہمیں اس بات سے انکار نہیں ہے کہ پیش از وقت کسی پیشگوئی کی پوری حقیقت نہیں کھلتی اور ممکن ہے کہ انسانی تشریح میں غلطی بھی ہو جائے اسی لئے کوئی نبی دُنیا میں ایسا نہیں گذرا جس نے اپنی کسی پیشگوئی کے معنے کرنے میں کبھی غلطی نہ کھائی ہو لیکن اگر قبل از وقت اجتہادی طور پر کوئی نبی اپنی پیشگوئی کے معنے کرنے میں کسی طور کی غلطی کھاوے تو اس پیشگوئی کی شان اور عزّت میں فرق نہیں آئے گا۔ کیونکہ ربّانی پیشگوئی ایک خارق عادت اور انسانی نظر سے بلند اور انسانی خیالات سے برتر ہے۔ کیا آپ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ فرق آجاتا ہے اگر یہی حال ہے تو مَیں ایک لمبی فہرست ایسی پیشگوئیوں کی آپ کو دے سکتا ہوں جن کے سمجھنے میں اولوالعزم نبیوں نے غلطی کھائی تھی۔ مگر مَیں یقین رکھتا ہوں کہ آپ بعد اس کے ایسا اعتراض ہرگز نہیں کریں گے اور متنبہ ہو جائیں گے کہ یہ اعتراض کہاں تک پہنچتا ہے صاف ظاہر ہے کہ جب پیشگوئی ظہور میں آجائے اور اپنے ظہور سے اپنے معنے آپ کھول دے اور اُن معنوں کو پیشگوئی کے الفاظ کے آگے رکھ کر بدیہی طور پر معلوم ہو کہ وہی سچے ہیں تو پھر ان میں نکتہ چینی کرنا ایمانداری نہیں ہے۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ الہام مذکورہ بالا کے یہی معنے ہیں کہ ایک حصۂ ملک کی عمارتیں گر جائیں گی۔ پس اس صورت میں یہ الہام اپنے ظاہری معنوں کے رُو سے طاعون پر کیونکر صادق آسکتا ہے۔ اور جس حالت میں ایک حادثہ سے عمارتیں گِر گئیں تو وہی حادثہ مصداق اس پیشگوئی کا ہوگا۔ کیا طاعون میں بھی عمارتیں گِرا کرتی ہیں۔ پھر ماسوا اس کے اس پیشگوئی سے پہلے الہام میں جو صرف پانچ ماہ پہلے اسی اخبار میں شائع ہو چکا تھا صاف طور پر زلزلہ کا لفظ موجود ہے اور الہامی لفظ یہ ہیں کہ ’’زلزلہ کا دھکّا‘‘۔ پس اس میں کیا شک ہے کہ اُسی اخبار میں ایک آنے والے زلزلہ کی خبر دی گئی ہے۔

﴿۸۷﴾

اب آپ خود منصف ہو کر سوچ لیں کہ الہام **عفت الدیار محلّھا و مقامھا** اپنے لفظی معنوں کے رُو سے اس زلزلہ کی پیشگوئی پر چسپاں ہوتا ہے جو پہلے اس سے ذکر بھی کیا گیا یا طاعون پر ماسوا اِس کے زلزلہ کی پیشگوئی کا اس فقرہ سے یعنی **عفت الدیار** کی پیشگوئی سے جیسا کہ معنوں کی رُو سے تعلق ہے ایسا ہی قُرب زمانی کی رُو سے بھی تعلق ہے اور وہ یہ کہ **عفت الدیار** کے الہام سے پانچ ماہ پہلے صریح الفاظ میں زلزلہ کا الہام ہو چکا ہے اور دونوں پیشگوئیاں ایک دوسرے کے بعد شائع ہو چکی ہیں۔ یعنی پہلے ’’زلزلہ کا دھکّا‘‘ اور پھر **عفت الدیار محلّھا و مقامھا** اور ان دونوں کے اندر طاعون کا کوئی ذکر نہیں۔

قولہ۔ اگر الہام **عفت الدیار** الخ کی نسبت قطعی طور پر علم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ زلزلہ کے متعلق ہے تو پھر ایسے الہام سے فائدہ کیا ہوا۔

﴿۸۸﴾

اقول۔ افسوس آپ کو سنّت اللہ کی کچھ بھی خبر نہیں۔ نبی کے لئے کسی پیشگوئی کے کسی خاص پہلو کا قطعی علم ہونا کہ ضرور اِسی پہلو پر ظاہر ہوگی ضروری نہیں پیشگوئی میں اس بات کا ہونا تو ضروری ہے کہ اس کا مفہوم خارق عادت ہو اور انسانی قوت یا مکروفریب اس کا مقابلہ نہ کر سکے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ایک پہلو سے اس پیشگوئی کی حقیقت ظاہر کی جائے۔ توریت میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایک ضروری پیشگوئی محض گول مول ہے کہ **ایک نبی موسیٰ کی مانند بنی اسرائیل میں سے اُن کے بھائیوں میں سے آئے گا**۔☆ اور کہیں کھول کر نہ بتلایا کہ بنی اسماعیل میں سے آئے گا۔ اور اس کا یہ نام اور اس کے باپ کا یہ نام ہوگا۔ اور مکّہ میں پیدا ہوگا اور اتنی مدت بعد آئے گا۔ اس لئے یہود کو اس پیشگوئی سے کچھ بھی فائدہ نہ ہوا۔ اور اسی غلطی سے لاکھوں یہود جہنم میں جا پڑے حالانکہ قرآن شریف نے اسی پیشگوئی کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا ہے۔ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا شَاھِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا[1] اور یہود کہتے ہیں کہ

☆ توریت میں بعض جگہ بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ وہ تم میں سے ہی آئے گا۔ منہ

[1] المزمل: ۱۶

مثیل موسیٰ یسوعا نبی تھا جو موسیٰ کے فوت ہونے کے بعد اس کا جانشین ہوا۔ اور عیسائی کہتے ہیں کہ مثیل موسیٰ عیسیٰ ہے کیونکہ وہ بھی موسیٰ کی طرح منجّی ہو کر آیا ہے۔ اب بتلاؤ کہ توریت کی ایسی پیشگوئی کا جس نے کوئی صاف فیصلہ نہ کیا، کیا فائدہ ہوا؟ جس نبی علیہ السلام کی نسبت پیشگوئی تھی نہ یہود اس کو شناخت کر سکے نہ عیسائی اور دونوں گروہ سعادت قبول سے محروم رہے مگر وہ وحی الٰہی جو میرے پر نازل ہوئی یعنی **عفت الدیار محلّھا و مقامھا** یہ جیسا کہ تمہارا خیال ہے مبہم نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے اسی اخبار میں یہ الہام موجود ہے کہ ’’زلزلہ کا دھکّا‘‘۔ پھر بعد اس کے یہ دوسری وحی کہ **عفت الدیار محلّھا و مقامھا** اسی زلزلہ کی صفات بیان کرتی ہے جس کا پہلے اسی اخبار میں ذکر ہو چکا ہے۔ اور یہ پیشگوئی طاعون پر کسی طرح صادق نہیں آ سکتی۔ اور یہ دونوں وحی ایک ہی اخبار میں صرف پانچ ماہ کے فاصلہ کے ساتھ موجود ہیں یعنی الحکم میں۔ اب بتلاؤ کہ کیا یہ ہٹ دھرمی ﴿۸۹﴾ ہے یا نہیں کہ ایسی عظیم الشان پیشگوئی کو جو دو مرتبہ ایک ہی اخبار میں صریح زلزلہ کا نام اور اس کے صفات بیان کر کے اس عظیم الشان حادثہ کی خبر دیتی ہے نکمی اور لغو قرار دی جائے اور اگر یہی بات ہے تو پھر آپ کا اسلام پر قائم رہنا ہی مشکل ہے معتبر تفسیروں میں لکھا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ [1] تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ یہ پیشگوئی کس موقعہ کے متعلق ہے۔ اور پھر جب بدر کی لڑائی میں فتح عظیم ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اب معلوم ہوا کہ اسی فتح عظیم کی یہ پیشگوئی خبر دیتی تھی اور ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو ایک خوشۂ انگور دیا گیا کہ یہ ابوجہل کے لئے ہے اور مَیں حیران تھا کہ ابوجہل کا ایسا خبیث مادہ ہے کہ وہ بہشت میں داخل ہونے کے لائق نہیں۔ اور کچھ بھی اس کے معنی سمجھ نہ آئے۔ آخر وہ پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ ابوجہل کا بیٹا عکرمہ مسلمان ہو گیا اور ایک مرتبہ آپ نے ایک وحی الٰہی کے مطابق مدینہ سے مکہ کی طرف ایک طول طویل سفر کیا۔ اور وحی الٰہی میں یہ بشارت دی گئی تھی کہ مکّہ کے

[1] القمر: ۴۶

اندر داخل ہوں گے اور خانہ کعبہ کا طواف کریں گے۔ اور وقت نہیں بتایا گیا تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اجتہاد کی بناء پر اُس سفر کی تکلیف اٹھائی۔ اور وہ اجتہاد صحیح نہ نکلا اور مکّہ میں داخل نہ ہو سکے سو اس جگہ پیشگوئی کے سمجھنے میں غلطی ہوئی جس سے بعض صحابہ ابتلا میں پڑ گئے۔

ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا نے خبر دی تھی کہ تو بادشاہ ہوگا۔ انہوں نے اِس وحی الٰہی سے دنیا کی بادشاہی سمجھ لی۔ اور اسی بنا پر حضرت عیسیٰ نے اپنے حواریوں کو حکم دیا کہ اپنے کپڑے بیچ کر ہتھیار خرید لو مگر آخر معلوم ہوا کہ یہ حضرت عیسیٰ کی غلط فہمی تھی اور بادشاہت سے مراد آسمانی بادشاہت تھی نہ زمین کی بادشاہت۔ اصل بات یہ ہے کہ پیغمبر بھی بشر ہی ہوتا ہے اور اس کے لئے یہ نقص کی بات نہیں کہ کسی اپنے اجتہاد میں غلطی کھاوے۔ ہاں وہ غلطی پر قائم نہیں رکھا جا سکتا اور کسی وقت اپنی غلطی پر ضرور متنبہ کیا جاتا ہے۔ اور نبی کی پیشگوئی کو ہمیشہ اس کے خارق عادت مفہوم کی رُو سے دیکھنا چاہیئے اور اگر کسی خاص پہلو پر پیشگوئی کا ظہور نہ ہو اور کسی دوسرے پہلو پر ظاہر ہو جائے اور اصل امر جو اس پیشگوئی کا خارق عادت ہونا ہے وہ دوسرے پہلو میں بھی پایا جائے۔ اور واقعہ کے ظہور کے بعد ہر ایک عقلمند کو سمجھ آ جائے کہ یہی صحیح معنے پیشگوئی کے ہیں جو واقعہ نے اپنے ظہور سے آپ کھول دیئے ہیں تو اس پیشگوئی کی عظمت اور وقعت میں کچھ بھی فرق نہیں آتا۔ اور اس پر ناحق نکتہ چینی کرنا شرارت اور بے ایمانی اور ہٹ دھرمی ہوتی ہے۔ ﴿۹۰﴾

قولہ۔ ایک گول بات کہہ دینی کہ کوئی آفت آنے والی ہے لیکن اس کی کیفیت نہ بتانی کہ کیا آفت ہے اور کب آنے والی ہے پیشگوئی نہیں بلکہ تمسخر ہے اور ہر ایک شخص ایسا کہہ سکتا ہے۔

اقول۔ بجز اس کے کیا کہیں کہ **لعنة اللّٰہ علی الکاذبین**۔ ایسے مخالف کو چاہیئے کہ اتنا ہی کہہ دے کہ ایسی آفت نہیں آئے گی۔ اور پھر آپ خود سوچ لیں کہ یہ پیشگوئی گول مول کیسے ہوئی۔ جب کہ صریح اس میں زلزلہ کا نام بھی موجود ہے اور یہ بھی موجود ہے کہ اُس میں

ایک حصہ ملک کا نابود ہو جائے گا۔ اور یہ بھی موجود ہے کہ وہ میری زندگی میں آئے گا۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی پیشگوئی ہے کہ وہ ان کے لئے نمونہ قیامت ہوگا جن پر یہ زلزلہ آئے گا۔ اور اگر یہ گول مول ہے تو پھر کھلی کھلی پیشگوئی کس کو کہتے ہیں؟ اور یہ کہنا کہ اُس میں وقت نہیں بتایا گیا یہ صرف آپ اسلام پر نہیں بلکہ تمام آسمانی کتابوں پر حملہ کرتے ہیں۔ قرآن شریف میں اکثر ایسی ہی پیشگوئیاں ہیں جن میں کوئی وقت نہیں بتایا گیا۔ توریت میں بخت نصر اور طیطوس رومی کی نسبت جو پیشگوئی تھی اس میں کونسا وقت بتایا گیا تھا۔ ایسا ہی توریت میں جو مثیلِ موسیٰ کے آنے کی نسبت پیشگوئی تھی اُس میں کس وقت کی قید لگائی گئی تھی۔ اور انجیل کی پیشگوئیاں جو زلزلوں اور لڑائیوں کے بارہ میں ہیں کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اُن میں کسی وقت کا پتہ دیا گیا ہے۔ اور پھر وہ پیشگوئی جو مسیح موعود کے آنے کے بارہ میں ہے جس میں آپ لوگ حضرت عیسیٰ بن مریم کو دوبارہ زمین پر لانا چاہتے ہیں اس میں کس وقت کی خدا تعالیٰ نے آپ لوگوں کو خبر دے رکھی ہے تا دور سے آنے والے کے لئے چند قدم استقبال کی نیت سے آپ آگے قدم اٹھاویں اور اگر زیادہ نہیں تو کُرّہ زمہریر تک ہی پیشوائی کریں اور لحاف وغیرہ ساتھ لے لیں۔ کاش آپ لوگوں نے سوچا ہوتا کہ ایسے اعتراض صرف میرے پر نہیں یہ تو سب اعتراض آپ کے اسلام پر اور نعوذ باللہ قرآن شریف پر پڑتے ہیں بلکہ یہ تو تمام انبیاء گذشتہ پر حملہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب ایک پیشگوئی فی نفسہٖ خارق عادت ہو یا کسی ایسے غیب پر مشتمل ہو جس کا علم انسانی طاقت سے بالاتر ہے۔ اور پیشگوئی میں صاف طور پر یہ دعویٰ ہو کہ ایسا واقعہ اس ملک میں صدہا سال تک کبھی ظہور میں نہیں آیا۔ اور در اصل ظہور میں نہ آیا ہو اور پھر وہ واقعہ اپنے دعوے کے موافق ظہور میں آ جائے تو پھر ایسی خارق عادت پیشگوئی پر اعتراض کرنا بے ایمانوں کا کام ہے جن کو خدا کی اور سچائی کی پروا نہیں اور ایسے بدقسمت ہمیشہ شقاوتِ قلبی کی وجہ سے ہر ایک نبی پر اعتراض کرتے رہے ہیں۔ بھلا آپ ہی بتلاویں کہ اِس زلزلہ کی نسبت جس مدّ و شدّ سے پیشگوئی میں

﴿۹۱﴾

خبر دی گئی ہے۔ کیا آپ دو ہزار برس تک اس ملک میں اس کی کوئی نظیر پیش کر سکتے ہیں؟ اور یاد رہے کہ یہ صرف ایک پیشگوئی نہیں بلکہ بار بار میری معرفت میرے خدا نے براہین احمدیہ حصص سابقین میں اس کی خبر دی ہے۔ مواہب الرحمٰن میں اس کی خبر موجود ہے۔ رسالہ آمین میں اس کی خبر موجود ہے اور اخبار الحکم کے کئی پرچوں میں مختلف الہامات میں اس کی خبر موجود ہے۔ پھر بھی آپ کے نزدیک یہ پیشگوئی گول مول ہے۔ اب اس کا کیا علاج **اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ**۔ جن بے جا حملوں کا اسلام پر کرنا غیر مذاہب والوں کا کام تھا اب خود مسلمان وہ حملے کرتے ہیں۔ اگر حمایتِ دین نصیب نہیں تھی تو کم سے کم سوچ کر حملہ کرتے مفت کی رُوسیاہی اور آخر حملہ میں جھوٹے نکلنا کیا یہ دین داری ہے؟ ع

یکے بر سر شاخ وبُن مے بُرید

اگر اسلامی نور دل میں ہوتا تو خود بخود سمجھ جاتے بلکہ دوسروں کو جواب دیتے۔

قولہ۔ جناب مقدّس مرزا صاحب نے دوبارہ زلزلہ آنے کی خبر دی ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ مجھے علم نہیں دیا گیا کہ وہ کوئی زلزلہ ہے یا کوئی اور شدید آفت ہے۔ اور مجھے علم نہیں دیا گیا کہ ایسا حادثہ کب ہوگا۔

﴿۹۲﴾

اقولؔ۔ میری اس تقریر پر کوئی اعتراض عائد نہیں ہوسکتا کیونکہ قرآن شریف میں جو عربوں کے لئے ایک عذاب کا وعدہ دیا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کی کوئی تصریح نہیں کی کہ کس طرح کا عذاب ہوگا اور کِس قسم کا ہوگا صرف یہ فرمایا ہے کہ خدا قادر ہے کہ وہ عذاب آسمان سے نازل کرے یا زمین سے بھیجے یا کافروں کو مسلمانوں کی تلوار کا مزہ چکھادے۔ اب ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اقرار کرتے ہیں کہ مجھے علم نہیں دیا گیا کہ وہ کس قسم کا عذاب ہوگا۔ اور جب پُوچھا گیا کہ وہ عذاب کب آئے گا تو آپ نے کوئی تاریخ نہ بتلائی۔ جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ [1]

[1] الملک: ۲۶، ۲۷

یعنی کافر پوچھتے ہیں کہ یہ دعویٰ پورا کب ہوگا اگر تم سچے ہو تو تاریخ عذاب بتاؤ۔ ان کو کہہ دے مجھے کوئی تاریخ معلوم نہیں یہ علم خدا کو ہے۔ مَیں تو صرف ڈرانے والا ہوں۔ اور پھر کافروں نے مکرّرًا عذاب کی تاریخ پوچھی تو یہ جواب ملا۔ وَاِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ[1] یعنی ان کو کہہ دے کہ مَیں نہیں جانتا کہ عذاب قریب ہے یا دُور ہے۔ اب اے سُننے والو! یاد رکھو کہ یہ بات سچ ہے اور بالکل سچ ہے اور اس کے ماننے کے بغیر چارہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کی پیشگوئیاں کبھی ظاہر پر پوری ہوتی ہیں اور کبھی استعارہ کے رنگ میں۔ پس کسی نبی یا رسول کو یہ حوصلہ نہیں کہ ہر جگہ اور ہر پیشگوئی میں یہ دعویٰ کر دے کہ اس طور پر یہ پیشگوئی پوری ہوگی۔ ہاں البتہ جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں اس امر کا دعویٰ کرنا نبی کا حق ہے کہ وہ پیشگوئی جس کو وہ بیان کرتا ہے خارق عادت ہے یا انسانی علم سے وراء الوراء ہے۔ اگر پنجاب میں ہر صدی میں بھی ایسا زلزلہ آجایا کرتا جیسا کہ ۴؍اپریل ۱۹۰۵ء کو آیا تو اس صورت میں بھی یہ پیشگوئی کچھ بھی چیز نہ ہوتی۔ کیونکہ تمام لوگ اس بات کے کہنے کا حق رکھتے تھے کہ ہمیشہ پنجاب میں ایسے زلزلے آتے ہیں یہ کوئی اَنہونی بات نہیں ہے۔ لیکن جب کہ گذشتہ زلزلہ اس خارق عادت طور سے ظاہر ہوا جس خارق عادت طور سے پیشگوئی نے بیان کیا تھا تو پھر سب اعتراض فضول ہو گئے۔ ایسا ہی آئندہ زلزلہ کی نسبت جو پیشگوئی کی گئی ہے وہ کوئی معمولی پیشگوئی نہیں اگر وہ آخر کو معمولی بات نکلی یا میری زندگی میں اُس کا ظہور نہ ہوا تو مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں مجھے خدا تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ وہ آفت جس کا نام اس نے زلزلہ رکھا ہے نمونۂ قیامت ہوگا اور پہلے سے بڑھ کر اس کا ظہور ہوگا۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ اِس آئندہ کی پیشگوئی میں بھی پہلی پیشگوئی کی طرح بار بار زلزلہ کا لفظ ہی آیا ہے اور کوئی لفظ نہیں آیا۔ اور ظاہری معنوں کا بہ نسبت تاویلی معنوں کے زیادہ حق ہے لیکن جیسا کہ تمام انبیاء ادبِ ربوبیّت اور ادب وسعتِ علم باری ملحوظ رکھتے رہے ہیں اُس اَدب کے لحاظ سے اور سنّت اللہ کو مدّنظر رکھ کر یہ

﴿۹۳﴾

[1] الانبیآء: ۱۱۰

کہنا پڑتا ہے کہ اگرچہ بظاہر لفظ زلزلہ کا آیا ہے مگر ممکن ہے کہ وہ کوئی اور آفت ہو جو زلزلہ کا رنگ اپنے اندر رکھتی ہو مگر نہایت شدید آفت ہو جو پہلے سے بھی زیادہ تباہی ڈالنے والی ہو جس کا سخت اثر مکانات پر بھی پڑے☆۔ اور یہ پیشگوئی تاریخ اور وقت نہ لکھنے سے باطل نہیں ہوسکتی کیونکہ اس کے ساتھ اس قدر اور تصریحات ہیں جو تاریخ اور وقت لکھنے سے مُستغنی کرتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ زلزلہ تیری ہی زندگی میں آئے گا اور اس زلزلے کے آنے سے تیرے لئے فتح نمایاں ہوگی اور ایک مخلوق کثیر تیری جماعت میں داخل ہو جائے گی۔ اور تیرے لئے وہ آسمانی نشان ہوگا۔ تیری تائید کے لئے خدا خود اُترے گا اور اپنے عجائب کام دکھلائے گا جو کبھی دنیا نے نہیں دیکھے۔ اور دور دور سے لوگ آئیں گے اور تیری جماعت میں داخل ہوں گے۔ اور وہ زلزلہ پہلے زلزلہ سے بڑھ کر ہوگا اور اس میں قیامت کے آثار ظاہر ہوں گے اور دنیا میں ایک انقلاب پیدا کرے گا۔ اور خدا فرماتا ہے کہ مَیں اُس وقت آؤں گا کہ جب دل سخت ہو جائیں گے اور زلزلہ آنے کے خیال سے لوگ اطمینان حاصل کر لیں گے۔ اور خدا فرماتا ہے کہ مَیں مخفی طور پر آؤں گا اور مَیں ایسے وقت میں آؤں گا کہ کسی کو بھی اطلاع نہیں ہوگی۔ یعنی لوگ اپنے دنیا کے کاروبار میں سرگرمی اور اطمینان سے مشغول ہوں گے کہ یکدفعہ وہ آفت نازل ہو جائے گی اور اس سے پہلے لوگ تسلّی کر بیٹھے ہوں گے کہ زلزلہ نہیں آئے گا اور اپنے تئیں بے خطر اور امن میں سمجھ لیا ہوگا تب یکدفعہ یہ آفت

☆ مسیح موعود کے بارے میں جو یہودیوں کو پیشگوئی کے طور پر خبر دی گئی تھی کہ وہ نہیں آئے گا جب تک کہ الیاس نبی دوبارہ آسمان سے نازل نہ ہولے۔ لیکن آسمان سے تو کوئی نازل نہ ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعویٰ کر دیا کہ وہ مسیح موعود مَیں ہوں اور الیاس نبی سے مراد یحییٰ نبی ہے جو مجھ سے پہلے آچکا۔ پس الیاس نبی کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی جس کے یہود منتظر تھے اور اب تک منتظر ہیں حضرت یحییٰ کے ظہور سے بطور استعارہ پوری ہوگئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ پیشگوئیوں میں کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ صَرف عَنِ الظَّاھر کر کے استعارہ کے رنگ میں اپنے وعدہ کو پورا کر دیتا ہے۔ منہ

اُن کے سروں پر ٹوٹے گی۔ مگر خدا فرماتا ہے کہ وہ بہار کے دن ہوں گے۔ آفتاب بہار کی صبح میں نمودار ہوگا اور خزاں کی شام میں غروب کرے گا۔ تب کئی گھروں میں ماتم پڑے گا کیونکہ انہوں نے وقت کو شناخت نہ کیا۔ علم غیب تک کسی نجومی اور کسی طبقات الارض کے علم کے مدعی کو رسائی نہیں اور کسی کو معلوم نہیں کہ کل کیا ہوگا مگر خدا جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا ہے وہ اپنی مخلوقات کی تہ سے واقف ہے۔

﴿۹۴﴾

قولہ ۔ جس حالت میں قرآن شریف میں دونوں زلزلوں کی خبر ہے پھر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ شاید وہ زلزلہ ہے یا کوئی اور آفت ہے۔

اقول ۔ مَیں نے تو بار بار کہہ دیا کہ ظاہر الفاظ قرآن شریف کے اور اس وحیِ الٰہی کے جو مجھ پر ہوئی زلزلہ کی ہی خبر دیتے ہیں لیکن سنّت اللہ ہمیں مجبور کرتی ہے کہ تاویلی احتمال بھی پیشِ نظر رہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ایک قوم کے لئے ایک جگہ فرماتا ہے۔ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا[1] یعنی اُن پر سخت زلزلہ آیا حالانکہ اُن پر کوئی زلزلہ نہیں آیا تھا۔ پس دوسری آفت کا نام اس جگہ زلزلہ رکھا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى[2] یعنی جو شخص اِس دنیا میں اندھا ہوگا وہ دوسرے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا یہ بھی ایک پیشگوئی ہے مگر اس کے وہ معنے نہیں ہیں جو ظاہر الفاظ سے سمجھے جاتے ہیں۔ وسعتِ علم الٰہی پر ایمان رکھنا اور اپنے علم کو اس کے برابر نہ ٹھہرانا انبیاء اور رسولوں کی صفت ہے۔ قرآن شریف میں بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں پر فتح پانے کا وعدہ دیا گیا تھا۔ مگر جب بدر کی لڑائی شروع ہوئی جو اسلام کی پہلی لڑائی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رونا اور دُعا کرنا شروع کیا اور دُعا کرتے کرتے یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلے **اَللّٰھم اِن اھلکتَ ھٰذہ العِصابۃ فَلن تُعبد فِی الاَرضِ اَبَدًا** یعنی اے میرے خدا! اگر آج تو نے اس جماعت کو (جو صرف تین سو تیرہ آدمی تھے) ہلاک کر دیا تو پھر قیامت تک کوئی تیری بندگی

[1] الاحزاب :۱۲ [2] بنی اسرآئیل :۷۳

نہیں کرے گا۔ اِن الفاظ کو جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے سُنا تو عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس قدر بے قرار کیوں ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے تو آپ کو پختہ وعدہ دے رکھا ہے کہ مَیں فتح دوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سچ ہے مگر اُس کی بے نیازی پر میری نظر ہے۔ یعنی کسی وعدہ کا پورا کرنا خدا تعالیٰ پر حق واجب نہیں ہے۔ اب سمجھنا چاہیئے کہ جب کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طریقِ ادب ربوبیت کو اس حد تک ملحوظ رکھا تو پھر اس مسلّم عقیدہ جمیع انبیاء علیہم السلام سے کیوں مُنہ پھیر لیا جائے کہ کبھی خدا تعالیٰ کی پیشگوئی ظاہر الفاظ پر پوری ہوتی ہے اور کبھی بطریق استعارہ اور مجاز پوری ہو جاتی ہے۔ اور اس عقیدہ کا مقابلہ نادانی ہے۔ اور یہ کہنا کہ جس پیشگوئی کے نہ ظاہر الفاظ پر بھروسہ ہے اور نہ اس کا وقت بتایا گیا وہ پیشگوئی کیسے ہوئی؟ یہ سفلی زندگی کا خیال ہے اور اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایسے شخص کو سنّت اللہ کی کچھ بھی خبر نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جب ایک پیشگوئی کوئی عظمت اور قوت اور خارق عادت خبر اپنے اندر رکھتی ہو اور خدا کا ہاتھ صریح طور پر اس میں وقتِ ظہور نظر آ جائے تو خود دل اس کو قبول کر لیتے ہیں اور کوئی شخص تاریخ وغیرہ کا ذکر نہیں کرتا۔ دراصل یہ جھگڑا اور یہ اعتراض قبل از وقت ہے۔ وہ وقت تو آنے دو بعد میں اعتراض کرنا۔ قبل از وقت واویلا اچھا نہیں ظہور کے وقت پیشگوئی خود بتا دے گی کہ وہ معمولی بات ہے یا غیر معمولی۔

﴿۹۵﴾

قولہ ۔ جب کہ بقول آپ کے قرآن شریف میں بھی ۲ دو زلزلوں کی خبر ہے تو اب تو آنے والی آفت کے زلزلہ ہونے میں شک کی جگہ نہ رہی۔

اقول ۔ قرآن شریف میں یہ آیت ہے۔ یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ [1] یعنی اس دن زمین ایک سخت اضطرابی حرکت کرے گی اور زمین میں ایک سخت اور شدید اضطراب پیدا ہوگا اور اس کے بعد ایک اور اضطراب زمین میں پیدا ہوگا جو پہلے کے بعد ظہور میں آئے گا۔ اِن آیتوں کے ظاہر الفاظ میں زلزلہ کا کوئی ذکر نہیں کیونکہ لُغت میں رجفان اضطراب شدید کو کہتے ہیں۔ چنانچہ بولا جاتا ہے رَجَفَ الشَّیْءُ یعنی اِضْطَرَبَ اِضْطِرَابًا شَدِیْدًا

[1] النازعات: ۷،۶

مگر چونکہ زمین کا اضطراب اکثر کرکے زلزلہ سے ہی ہوتا ہے اس لئے ہم نے اس جگہ ظن غالب کے طور پر زلزلہ کے معنے کئے ہیں۔ ورنہ ممکن ہے کہ یہ اضطراب کسی اور حادثہ کی وجہ سے ہو زلزلہ کی وجہ سے نہ ہو یا اس اضطراب سے کوئی اور آفت مراد ہو۔ پس اس جگہ بھی وہی بات قائم رہی جو پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔ یعنی یہ آیت بھی زلزلہ پر **قطعیة الدّلالت** نہیں۔ اگرچہ ظن غالب یہی ہے کہ اس جگہ **تَرجف الرَّاجفة** سے زلزلہ ہی مراد ہے۔ **واللّٰہ اعلم**۔ ہم نے کب اور کس وقت اپنی پیشگوئیوں کے الفاظ کے یہ معنے کئے ہیں کہ ان سے مراد زلزلہ نہیں ہے بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ اکثر اور اغلب طور پر زلزلہ کے لفظ سے مراد زلزلہ ہی ہے مگر ممکن ہے کہ قدیم سنّت اللہ کے موافق ان الفاظ سے کوئی اور ایسی شدید اور خارق عادت اور سخت تباہی ڈالنے والی آفت مراد ہو جو زلزلہ کا رنگ اور خاصیّت اپنے اندر رکھتی ہو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے کلام میں استعارات بھی اکثر پائے جاتے ہیں جن سے اہلِ علم کو انکار نہیں مگر ظاہر الفاظ کا سب سے پہلا حق ہے۔ اور ظاہر الفاظ ان پیشگوئیوں کے زلزلہ پر ہی دلالت کرتے ہیں۔ ﴿۹۶﴾

معترض صاحب نے یہ بار بار سوال کیا ہے کہ پیشگوئی کرنے والے نے نہ زلزلہ کے لفظ کو قطعی طور پر زلزلہ ہی قرار دیا ہے اور نہ وقت بتایا ہے پھر اس صورت میں یہ پیشگوئی کیا ہوئی؟ یوں تو قیامت تک کوئی نہ کوئی حادثہ آ جائے گا اور سہل ہوگا کہ اسی کو اپنی پیشگوئی قرار دے دیں۔

تعجب کہ ہم بار بار کہے جاتے ہیں کہ ظن غالب کے طور پر زلزلہ سے مراد ہماری پیشگوئیوں میں زلزلہ ہی ہے اور اگر وہ نہ ہو تو ایسی خارق عادت آفت مراد ہے جو زلزلہ سے شدید مناسبت رکھتی ہو اور پورے طور پر زلزلہ کا رنگ اس کے اندر موجود ہو پھر بھی معترض صاحب کی اس قدر الفاظ سے تسلّی نہیں ہوتی۔ مجھے معلوم نہیں کہ ایسے توہمات کے ساتھ ان کی اسلام پر کیونکر تسلّی ہو گئی ہے۔ ہر ایک کو معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی پیشگوئیوں کے

بارے میں اس قدر کافی سمجھا گیا ہے کہ وہ خارق عادت اور انسانی طاقتوں سے بالاتر ہوں یا یہ کہ کسی ایسے غیب پر مشتمل ہوں جو انسانی پیش بینی سے بلند تر ہو۔ جب ایک پیشگوئی خارق عادت کے طور پر بیان کی جائے جس کے بیان کرنے کے وقت کسی عقل اور فہم کو یہ خیال نہ ہو کہ ایسا امر ہونے والا ہے اور صریح وہ ایک غیر معمولی بات ہو جس کی گذشتہ صدہا سال میں کوئی نظیر نہ پائی جائے اور نہ آئندہ اس کے ظہور کے لئے آثار ظاہر ہوں اور وہ پیشگوئی سچی نکلے تو عقلِ سلیم حکم دیتی ہے کہ ایسی پیشگوئی ضرور منجانب اللہ سمجھی جائے گی ورنہ تمام نبیوں کی پیشگوئیوں سے انکار کرنا پڑے گا۔ اب ذرہ کان کھول کر سُن لو کہ آئندہ زلزلہ کی نسبت جو میری پیشگوئی ہے اُس کو ایسا خیال کرنا کہ اُس کے ظہور کی کوئی بھی حد مقرر نہیں کی گئی یہ خیال سراسر غلط ہے کہ جو محض قلّتِ تدبّر اور کثرتِ تعصّب اور جلد بازی سے پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ بار بار وحیِ الٰہی نے مجھے اطلاع دی ہے کہ وہ پیشگوئی میری زندگی میں اور میرے ہی ملک میں اور میرے ہی فائدہ کے لئے ظہور میں آئے گی۔ اور اگر وہ صرف معمولی بات ہو جس کی نظیریں آگے پیچھے صدہا موجود ہوں اور اگر کوئی ایسا خارق عادت امر نہ ہو جو قیامت کے آثار ظاہر کرے تو پھر مَیں خود اقرار کرتا ہوں کہ اس کو پیشگوئی مت سمجھو۔ اس کو بقول اپنے تمسخر ہی سمجھ لو۔ اب میری عمر ستّر[۷۰] برس کے قریب ہے اور تیس[۳۰] برس کی مدت گذر گئی کہ خدا تعالیٰ نے مجھے صریح لفظوں میں اطلاع دی تھی کہ تیری عمر اسّی[۸۰] برس کی ہوگی اور یا یہ کہ پانچ[۵] چھ[۶] سال زیادہ یا پانچ[۵] چھ[۶] سال کم۔ پس اس صورت میں اگر خدا تعالیٰ نے اس آفت شدیدہ کے ظہور میں بہت ہی تاخیر ڈال دی تو زیادہ سے زیادہ سولہ[۱۶] سال ہیں اس سے زیادہ نہیں کیونکہ ضرور ہے کہ یہ حادثہ میری زندگی میں ظہور میں آجائے۔☆

﴿۹۷﴾

☆ خدا تعالیٰ کا الہام ایک یہ بھی ہے۔ ’’پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی‘‘۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زلزلہ موعودہ کے وقت بہار کے دن ہوں گے۔ اور جیسا کہ بعض الہامات سے سمجھا جاتا ہے غالباً وہ صبح کا وقت ہوگا یا اس کے قریب اور غالباً وہ وقت نزدیک ہے جب کہ وہ پیشگوئی ظہور میں آجائے اور ممکن ہے کہ خدا اس میں کچھ تاخیر ڈال دے۔ منہ

لیکن پیشگوئی کا مطلب یہ نہیں کہ پورے سولہ[۱۶] سال تک ظہور اس پیشگوئی کا معرض التوا میں رہے گا بلکہ ممکن ہے کہ آج سے ایک دو سال تک یا اس سے بھی پہلے یہ پیشگوئی ظہور میں آجائے۔ اور نہ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ میری عمر اسّی[۸۰] سال سے ضرور زیادہ ہو جائے گی بلکہ اس بارے میں جو فقرہ وحی الٰہی میں درج ہے اس میں مخفی طور پر ایک امید دلائی گئی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو اسّی[۸۰] برس سے بھی عمر کچھ زیادہ ہو سکتی ہے اور جو ظاہر الفاظ وحی کے وعدہ کے متعلق ہیں وہ تو چوہتر[۷۴] اور چھیاسی[۸۶] کے اندر اندر عمر کی تعیین کرتے ہیں۔ بہرحال یہ میرے پر تہمت ہے کہ مَیں نے اس پیشگوئی کے زمانہ کی کوئی بھی تعیین نہیں کی۔ اور خدا تعالیٰ بار بار اپنی وحی میں فرما رہا ہے کہ ہم تیرے لئے یہ نشان دکھلائیں گے۔ اور ان کو کہہ دے کہ یہ نشان میری سچائی کا گواہ ہوگا۔ مَیں تیرے لئے اُتروں گا اور تیرے لئے اپنے نشان دکھلاؤں گا۔ مَیں اُس وقت تیرے پاس اپنی فوجیں لے کر آؤں گا جب کہ کسی کو خبر نہیں ہوگی اور اس وقت کو کوئی نہیں جانتا مگر خدا۔ اور جیسا کہ موسیٰ کے زمانہ میں ہوا کہ فرعون اور ہامان اُس وقت تک دھوکا میں رہے جب تک کہ رود نیل کے طوفان نے ان کو پکڑا ایسا ہی اب بھی ہوگا۔ اور پھر فرمایا کہ تو میری آنکھوں کے سامنے کشتی طیار کر اور ظالم لوگوں کی سفارش مت کر۔ اور اُن کا شفیع مت بَن کہ مَیں اُن سب کو غرق کروں گا۔ ایسا ہی اور صریح الہاماتِ الٰہی ہیں اور سب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ پیشگوئی میری زندگی میں اور میرے ہی زمانہ میں ظہور میں آئے گی اور اس کی یہ حدّ ہے جو معیّن اور مقرر ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتی۔ مگر نہیں معلوم کہ وہ مہینوں کے بعد ظہور میں آئے گی یا ہفتوں کے بعد یا برسوں کے بعد۔ بہرحال وہ سولہ[۱۶] سال سے تجاوز نہیں کرے گی۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسا کہ استنباط آیاتِ قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا کی عمر حضرت آدم سے لے کر سات[۷۰۰۰] ہزار سال ہے۔ اور اس میں سے ہمارے زمانہ تک چھ ہزار[۶۰۰۰] برس گذر چکے ہیں۔ جیسا کہ اعداد سورۃ والعصر سے معلوم ہوتا ہے۔ اور بموجب حساب قمری کے اب ہم ساتویں ہزار میں ہیں۔ اور

﴿۹۸﴾

جو مسیح موعود چھٹے ہزار کے اخیر پر قائم ہونا تھا وہ قائم ہو چکا ہے۔☆ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ قیامت کی گھڑی معلوم نہیں اس کے یہ معنے نہیں کہ خدا نے قیامت کے بارے میں انسان کو کوئی اجمالی علم بھی نہیں دیا ورنہ قیامت کے علامات بھی بیان کرنا ایک لغو کام ہو جاتا ہے کیونکہ جس چیز کو خدا تعالیٰ اس طرح پر مخفی رکھنا چاہتا ہے اُس کے علامات بیان کرنے کی بھی کیا ضرورت ہے۔ بلکہ ایسی آیات سے مطلب یہ ہے کہ قیامت کی خاص گھڑی تو کسی کو معلوم نہیں مگر خدا نے حمل کے دنوں کی طرح انسانوں کو اس قدر علم دے دیا ہے کہ ساتویں ہزار کے گذرنے تک اِس زمین کے باشندوں پر قیامت آجائے گی۔ اِس کی ایسی ہی مثال ہے

﴿۹۹﴾

☆ خدا نے آدم کو چھٹے دن بروز جمعہ بوقت عصر پیدا کیا۔ توریت اور قرآن اور احادیث سے یہی ثابت ہے اور خدا نے انسانوں کے لئے سات دن مقرر کئے ہیں۔ اور اِن دنوں کے مقابل پر خدا کا ہر ایک دن ہزار سال کا ہے اور اس کی رو سے استنباط کیا گیا ہے کہ آدم سے عمر دنیا کی سات ہزار سال ہے اور چھٹا ہزار جو چھٹے دن کے مقابل پر ہے وہ آدمِ ثانی کے ظہور کا دن ہے۔ یعنی مقدر یوں ہے کہ چھٹے ہزار کے اندر دینداری کی روح دنیا سے مفقود ہو جائے گی اور لوگ سخت غافل اور بے دین ہو جائیں گے۔ تب انسان کے روحانی سلسلہ کو قائم کرنے کے لئے مسیح موعود آئے گا۔ اور وہ پہلے آدم کی طرح ہزار ششم کے اخیر میں جو خدا کا چھٹا دن ہے ظاہر ہوگا۔ چنانچہ وہ ظاہر ہو چکا اور وہ وہی ہے جو اس وقت اس تحریر کی رو سے تبلیغ حق کر رہا ہے۔ میرا نام آدم رکھنے سے اس جگہ یہ مقصود ہے کہ نوع انسان کا فرد کامل آدم سے ہی شروع ہوا اور آدم سے ہی ختم ہوا۔ کیونکہ اس عالم کی وضع دَوری ہے اور دائرہ کا کمال اسی میں ہے کہ جس نقطہ سے شروع ہوا ہے اُسی نقطہ پر ختم ہو جائے۔ پس خاتم الخلفاء کا آدم نام رکھنا ضروری تھا اور اسی وجہ سے جیسا کہ آدم توام پیدا ہوا تھا میری پیدائش بھی توام ہے اور جس طرح آدم جمعہ کے روز پیدا ہوا تھا میں بھی جمعہ کے دن ہی پیدا ہوا تھا اور جس طرح آدم کی نسبت فرشتوں نے اعتراض کیا میری نسبت بھی وہ وحی الٰہی نازل ہوئی جو یہ ہے۔ **قالوا ا تجعل فیھا من یفسد فیھا. قال انی اعلم ما لا تعلمون۔** اور جس طرح آدم کے لئے سجدہ کا حکم ہوا۔ میری نسبت بھی وحی الٰہی میں یہ پیشگوئی ہے۔ **یَخِرُّون علی الاذقان سُجَّدًا ربّنا اغْفِر لنا اِنّا کُنّا خاطئین. منه**

کہ ہر ایک انسان کا بچہ جو پیٹ میں ہو نو۹ ماہ دس۱۰ دن تک ضرور پیدا ہو جاتا ہے لیکن تاہم اُس کے پیدا ہونے کی گھڑی خاص معلوم نہیں۔ اِسی طرح قیامت بھی سات ہزار برس تک آجائے گی۔ مگر اُس کے آنے کی گھڑی خاص معلوم نہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ سات ہزار پورا ہونے کے بعد دو۲ تین۳ صدیاں بطور کسور کے زیادہ ہو جائیں جو شمار میں نہیں آسکتیں۔

اور معترض کا یہ دوسرا اعتراض کہ یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ درحقیقت زلزلہ ہے۔ یہ اعتراض بھی قلّتِ فہم سے ناشی ہوا ہے کیونکہ ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ ظاہر الفاظ وحی سے زلزلہ ہی معلوم ہوتا ہے اور اَغلب اکثر یہی ہے کہ وہ زلزلہ ہے اور پہلا زلزلہ اس پر شہادت بھی دیتا ہے اور قرآن شریف کی یہ آیت بھی اس کی مؤید ہے کہ یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ[1]☆۔ مگر تاہم خدا تعالیٰ کی کتابیں بھی اِس طرف ہمیں توجہ دلاتی ہیں کہ کبھی ایسی پیشگوئیاں استعارہ کے طور پر بھی پوری ہوتی ہیں مگر خارق عادت ہونے کا رنگ اور غیر معمولی حادثہ ہونے کا رنگ اُن میں باقی رہتا ہے اور ہماری رائے تو یہی ہے کہ سَو۱۰۰ میں سے نوّے۹۰ وجوہ تو یہی بتلاتی ہیں کہ حقیقت میں وہ زلزلہ ہے نہ اور کچھ۔ کیونکہ اس میں زمین کی جنبش اور عمارتوں کے منہدم ہونے کا بھی ذکر ہے یہ تو ہمارا اجتہاد ہے اور بعد اس کے خدا تعالیٰ کے اسرار مخفی کو خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے اور ممکن ہے کہ آگے چل کر وہ اس سے زیادہ ہم پر کھول دے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور آپ کا یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰ نے اپنی پیشگوئیوں میں جن زلزلوں کا ذکر کیا تھا اُن کی انہوں نے کوئی تاویل نہیں کی اس لئے وہ پیشگوئیاں ایک تعیّن اپنے اندر رکھتی ہیں۔ یہ آپ کا عجیب قول ہے اور عجیب رائے۔ ظاہر ہے کہ ان پیشگوئیوں میں حضرت عیسیٰ نے کسی ہولناک اور مہلک اور خارق عادت زلزلہ کا ذکر نہیں کیا۔ جس ملک میں حضرت عیسیٰ

☆ اُس دن زمین سخت حرکت اضطرابی کرے گی۔ اور اس کے بعد ایک اور حرکت اضطرابی ہوگی یعنی قیامت کے نزدیک دو۲ سخت زلزلے آئیں گے۔ پہلے کے بعد دوسرا زلزلہ آئے گا۔ منہ

[1] النازعات: ۷، ۸

﴿۱۰۰﴾

رہتے تھے اس ملک میں تو شاذ و نادر کوئی ایسا سال گذرتا ہوگا کہ زلزلہ نہ آتا ہو۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ اس ملک میں ہمیشہ زلزلے آتے رہے ہیں اور سخت زلزلے بھی آتے رہے ہیں حضرت عیسیٰ نے اپنی زندگی میں جب وہ اُس ملک میں تھے اور ابھی کشمیر کی طرف سفر نہیں کیا تھا☆ کئی زلزلے خود دیکھے ہوں گے۔ پس مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ ان معمولی حوادث کا نام پیشگوئی کیوں رکھا جائے۔ پس جس تمسخر کو آپ نے میری پیشگوئیوں میں تلاش کرنا چاہا اور نامراد رہے اگر آپ حضرت عیسیٰ کی ان پیشگوئیوں میں تلاش کرتے تو بغیر کسی محنت کے فی الفور آپ کو مِل جاتا۔ اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ نے زلزلہ کا نام زلزلہ ہی رکھا کوئی تاویل نہیں کی۔ کیا آپ مجھے حضرت عیسیٰ کا کوئی ایسا فقرہ دکھلا سکتے ہیں جس میں لکھا ہو کہ اِن پیشگوئیوں میں زلزلے سے مراد درحقیقت زلزلہ ہے کوئی استعارہ نہیں۔ اور بغیر حضرت عیسیٰ کی

☆ حاشیہ: ہم ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کا زندہ آسمان پر جانا محض گپ ہے بلکہ وہ صلیب سے بچ کر پوشیدہ طور پر ایران اور افغانستان کا سیر کرتے ہوئے کشمیر میں پہنچے اور ایک لمبی عمر وہاں بسر کی۔ آخر فوت ہو کر سری نگر محلّہ خانیار میں مدفون ہوئے اور اب تک آپ کی وہیں قبر ہے۔ یُزَارُ وَ یُتَبَرَّکُ بِہٖ اور صلیب پر آپ فوت نہیں ہوئے۔ کچھ زخم بدن پر آئے تھے جن کا مرہم عیسیٰ کے ساتھ علاج کیا گیا تھا۔ اور اس مرہم کا نام اسی وجہ سے مرہم عیسیٰ رکھا گیا۔ ۞ منہ

۞ جس طرح ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُحد کی لڑائی میں مجروح ہوئے تھے اور کئی زخم تلواروں کے پیشانی مبارک پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آئے تھے اور سر تا پا خون سے آلودہ ہو گئے تھے اسی طرح بلکہ اس سے بہت کم حضرت عیسیٰ کو صلیب پر زخم آئے تھے پھر نہ معلوم نادان لوگوں کو حضرت عیسیٰ سے کیسی مشرکانہ محبت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم تو قبول کر لیتے ہیں مگر حضرت عیسیٰ کا مجروح اور زخمی ہونا ان کی شان سے بلند تر سمجھتے ہیں اور شور ڈالتے ہیں کہ ان کی نسبت ایسا کیوں کہتے ہو اور ان کو تمام دنیا سے الگ ایک خصوصیت دینا چاہتے ہیں۔ وہی آسمان پر چڑھ کر پھر زمین پر اترنے والے۔ وہی اس قدر لمبی عمر پانے والے۔ مگر خدا نے ان کو پیدائش میں بھی اکیلا نہیں رکھا بلکہ کئی حقیقی بھائی اور کئی حقیقی بہنیں ان کی ایک ہی ماں سے تھیں۔ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف اکیلے تھے۔ نہ کوئی دوسرا بھائی تھا نہ بہن۔ منہ

سند کے صرف آپ کا قول کیونکر قبول کیا جائے کیونکہ حضرت عیسیٰ کی پیشگوئیوں پر نظر ڈال کر ثابت ہو چکا ہے کہ وہ سب کی سب استعارہ کے رنگ میں ہیں جیسا کہ حضرت عیسیٰ نے دعویٰ کیا تھا کہ میں یہود کا بادشاہ ہوں اور اس دعویٰ پر روم کی گورنمنٹ میں مُخبری ہوئی کہ یہود تو سلطنت رومیہ کے ماتحت ہیں مگر یہ شخص دعویٰ کرتا ہے کہ یہود میری رعایا ہیں اور مَیں ان کا بادشاہ ہوں۔ اس پر جب گورنمنٹ رومی نے جواب طلب کیا تو آپ نے فرمایا کہ میری بادشاہی اس جہان کی نہیں بلکہ بادشاہی سے مراد آسمان کی بادشاہت ہے۔ اب دیکھئے کہ ابتدا میں خود حضرت عیسیٰ کا خیال تھا کہ مجھے زمین کی بادشاہت ملے گی اور اسی خیال پر ہتھیار بھی خریدے گئے تھے مگر آخر کار وہ آسمان کی بادشاہت نکلی۔ پس کیا بعید ہے کہ زلزلہ سے مراد بھی اُن کی کوئی آسمانی امر ہی ہو۔ ورنہ زمین شام میں تو ہمیشہ زلزلے آتے ہی ہیں ایسی زمین کے متعلق زلزلہ کی پیشگوئی کرنا ایک مخالف کی نظر میں تمسخر کی جگہ ہے۔ ایسا ہی حضرت عیسیٰ نے فرمایا تھا کہ میرے بارہ ۱۲ حواری بارہ ۱۲ تختوں پر بہشت میں بیٹھیں گے۔ یہ پیشگوئی بھی انجیل میں موجود ہے مگر ایک اُن حواریوں میں سے یعنی یہودا اسکریوطی مرتد ہو کر مر گیا۔ اب بتلاؤ بارہ ۱۲ تختوں کی پیشگوئی کس طرح صحیح ہو سکتی ہے اگر کوئی جوڑ توڑ آپ کر سکتے ہیں تو ہمیں بھی سمجھا دیں ہم ممنون ہوں گے یہاں تو کسی استعارہ کی بھی کچھ پیش نہیں جاتی۔ ایسا ہی حضرت عیسیٰ نے فرمایا تھا کہ اس زمانہ کے لوگ ابھی گذر نہیں جائیں گے کہ میں واپس آؤں گا۔ پس جو لوگ ان کو آسمان پر چڑھائے بیٹھے ہیں کیا نصاریٰ اور کیا مسلمان۔ اس بات کا جواب اُن کے ذمہ ہے کہ اُنیس ۱۹ صدیاں تو گذر گئیں مگر ابھی تک حضرت عیسیٰ واپس نہیں آئے اور اُنیس ۱۹ صدیوں تک جو لوگ عمریں پوری کر چکے تھے وہ سب خاک میں مل گئے لیکن اب تک کسی نے حضرت عیسیٰ کو آسمان سے اُترتے نہ دیکھا۔ پھر وہ وعدہ کہاں گیا کہ اس زمانہ کے لوگ ابھی زندہ ہوں گے کہ مَیں واپس آجاؤں گا۔ غرض ایسی پیشگوئیوں پر جس نے ناز کرنا ہے بیشک کرے ہم تو قرآن شریف

﴿۱۰۱﴾

کے فرمودہ کے مطابق حضرت عیسیٰ کو سچا نبی مانتے ہیں ورنہ اس انجیل کی رُو سے (جو موجود ہے) اُن کی نبوت کی بھی خیر نہیں۔ عیسائی تو ان کی خدائی کو روتے ہیں مگر ہمیں ان کی نبوت ہی ثابت کرنا بجز ذریعہ قرآن شریف کے ایک غیر ممکن امر معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ عیسائی صاحبوں نے انجیل کی کچھ ایسی ہڈی پسلی توڑی ہے کہ اب اُس کی بُری بھلی بات کا کچھ بھی اعتماد نہیں رہا لیکن تحریف کے قبول کرنے کے بعد بھی حضرت عیسیٰ کی زلزلہ والی پیشگوئی مسلمانوں کے نزدیک سرے سے قابلِ اعتماد نہیں۔ کیونکہ قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ کی اس پیشگوئی کا کچھ بھی ذکر نہیں۔ پس کیونکر اور کس ذریعہ سے اس کو صحیح مان لیا جائے۔ افسوس کہ جس قدر آپ نے میری پیشگوئیوں کے ردّ میں ہاتھ پَیر مارے ہیں اور خدا ترسی کو چھوڑ کر ناخنوں تک کوشش کی ہے کہ کسی طرح پبلک کی نظر میں اِن پیشگوئیوں کو آپ خفیف ثابت کر دیں یہ گناہِ بے لذّت آپ نے مُفت میں خرید لیا اگر دلائل کے توڑنے میں کچھ کامیابی ہوتی تو اور نہیں تو عیسائیوں کی نظر میں ہی آپ قابلِ تحسین ٹھہرتے۔ خاموشی میں بھی ایک سعادت تھی زبان کھول کر کیا لیا اور آپ نے میرے پر یہ حملہ نہیں کیا ہے بلکہ اُس خدا پر حملہ کیا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ افسوس کہ صرف سخت دلی اور شہرت کی خواہش نے اکثر لوگوں کو میرے مخالف کھڑا کیا ہے ورنہ میرے دعویٰ اور میرے دلائل کا سمجھنا کچھ مشکل نہ تھا۔ ہزارہا نشان اب تک ظاہر ہو چکے اور زمین و آسمان نے بھی گواہی دی۔ مگر جن کے دلوں پر مُہریں ہیں وہ مخالفت سے باز نہ آئے۔ انہوں نے خدا سے ایک عذاب مانگا ہے جو وقت پر آئے گا۔ وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کا مقابلہ کر رہے ہیں اگر وہ اس سے پہلے مرجاتے تو اُن کے لئے بہتر تھا مگر تعصب اور خود بینی کی شراب نے ان کو مست کر رکھا ہے اور وہ دن آتے ہیں کہ خدا اُن کو ہوش میں لائے گا۔ ﴿۱۰۲﴾

اب ہم چند شبہات مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی کو جو انہوں نے پرچہ پیسہ اخبار ۱۹؍جون ۱۹۰۵ء میں چھپوائے ہیں اس جگہ رفع دفع کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

قولہ ۔وہ لکھتا ہے (یعنی یہ عاجز) کہ مَیں نے براہین احمدیہ میں اس زلزلہ کی خبر دی تھی اور لکھا تھا کہ پہاڑ پھٹ جائیں گے۔ یہ ایسا جھوٹ ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔

اقول ۔کیا آپ کو اس بات میں کچھ شک ہے کہ براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۱۶ میں یہ عبارت موجود ہے **فلمّا تجلّٰی ربّہ للجبل جعلہ دکًّا. واللّٰہ موھن کید الکافرین ولنجعلہٗ اٰیۃً للناس و رحمۃً منّا و کان اَمْرًا مَّقْضِیًّا** یعنی جب اس عاجز کا ربّ ایک پہاڑ مخصوص پر تجلّی کرے گا تو اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ اور خدا منکروں کے مکر کو سُست کر دے گا اور ہم پہاڑ کے اس واقعہ کو لوگوں کے لئے ایک نشان بنائیں گے اور مومنوں کے لئے یہ رحمت کا موجب ہوگا اور یہ امر ابتداء سے فیصلہ شدہ تھا یعنی پہلے نبیوں نے خبر دی تھی کہ مسیح موعود کے وقت میں ایسے ہولناک زلزلے آئیں گے۔ ایسا ہی پھر مَیں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کو اس بات میں کچھ شک ہے کہ براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۷ میں اسی واقعہ کے متعلق یہ دوسری وحی الٰہی ہے **فلمّا تجلّٰی ربّہٗ للجبل جعلہٗ دکًّا. قوۃ الرحمٰن لعُبید اللّٰہ الصمد**۔ (ترجمہ) جب اس کا (یعنی اس عاجز کا) ربّ پہاڑ پر تجلّی کرے گا تو اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا یہ خدا کی قوت سے ہوگا اپنے بندہ کی تائید میں یعنی اس کی سچائی ظاہر کرنے کے لئے۔

اب جب کہ یہ دونوں عبارتیں براہین احمدیہ میں موجود ہیں اور اُن میں صریح لفظوں میں یہ وعدہ بھی ہے کہ خدا نشان دکھائے گا اور نُصرت اور تائید کرے گا۔ پھر اس بارے میں جو کچھ اشتہار میں لکھا گیا سفید جھوٹ کیونکر ہو گیا۔ کیا پہاڑ کے پھٹ جانے کو زلزلہ پر دلالت التزامی نہیں؟ اور کیا صاف طرح پر اس جگہ یہ وعدہ نہیں کہ ہم پہاڑ کے پھٹ جانے کو اپنے اس بندہ کے لئے نشان بنائیں گے اور یہ واقعہ تائید اور نصرتِ الٰہی پر دلالت کرے گا اور کیا تصریح کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی اور الفاظ ہو سکتے ہیں جو صفحہ ۵۱۶ میں فرمایا گیا **ولنجعلہ اٰیۃ للنّاس** یعنی ہم پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کا واقعہ لوگوں کے لئے ایک نشان بنائیں گے۔ ایسا ہی اس سے بڑھ کر اور کیا تصریح ہو سکتی ہے جو براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۵۷ میں کی گئی ہے

﴿۱۰۳﴾

کیونکہ پہلے پہاڑ کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا وعدہ کیا اور پھر فرمایا **قوّۃ الرحمٰن لِعُبَید اللّٰہ الصمد**۔ یعنی یہ خدا کی قوّت سے ہوگا۔ اُس کے بندہ کی تائید اور نُصرت کے لئے جس شخص نے اب بھی باوجود اِن تصریحات کے ایسی واضح پیشگوئی کو سفید جھوٹ سمجھا ہے اس کی نسبت بجز اس کے کیا کہیں کہ خود اُس کی آنکھیں سفید ہوگئی ہیں کہ روز روشن کو وہ رات خیال کرتا ہے۔ علاوہ اس کے جس موقعہ پر قرآن شریف میں یہ آیت ہے وہ موقعہ بھی تو زلزلہ پر ہی دلالت کرتا ہے کیونکہ اب تک توریت سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کہ حضرت موسیٰ کو کرشمہٴ قدرت دکھلانے کے لئے پہاڑ پھٹا تھا اس وقت بھی زلزلہ ہی آیا تھا۔ اس قدر شہادتوں کے بعد بھی اگر کوئی نہیں مانتا تو دوؔ حال سے خالی نہیں۔ یا تو اس کے حواس میں خلل ہے اور آنکھ کی بینائی میں قصور اور یا سخت تعصّب کے پردہ نے اس کو اس توفیق سے محروم کر دیا ہے کہ وہ نُور کو دیکھ کر پھر اس کو قبول کر سکے۔ ماسوائے اس کے ہر ایک عقلمند جانتا ہے کہ پہاڑ کا پھٹ جانا بھی مستلزم زلزلہ ہے اور اس واقعہ کو زلزلہ پر قطعی اور ضروری دلالت ہے تو پھر کیونکر مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ زلزلہ کا اس جگہ کچھ بھی ذکر نہیں۔ کیا پہاڑ زلزلہ کے بغیر بھی پھٹا کرتے ہیں؟ مولوی صاحب کی عقل پر یہ کیسے پتھر پڑ گئے کہ کھلی کھلی بات اُن کو سمجھ نہیں آتی۔ ستّرؔ برس تک پہنچ کر پھر طفولیّت کی سادہ لوحی ظاہر ہونے لگی۔ پھر ساتھ اس کے جب کہ یہ بھی موجود ہے کہ اس واقعہ کو ہم نشان بنائیں گے اور اس مامور کی اس سے تائید اور نصرت کریں گے تو بجز ایسے شخص کے کہ اس کے دل پر شقاوت کا زنگ جم گیا ہو۔ کون اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ یہ پہاڑ کا پھٹنا جس کا براہین احمدیہ میں ذکر ہے کوئی ایسا واقعہ ہے جس کو خدا اپنے مامور کے لئے نشان بنائے گا۔ جیسا کہ اُسی جگہ بطور وعدہ اُس نے فرمایا ہے **ولنجعلہ اٰیَۃً لّلنّاس**۔ یعنی ہم اس کو لوگوں کے لئے نشان بنائیں گے۔ ﴿۱۰۴﴾

قولہ۔ گورنمنٹ اور پبلک براہین احمدیہ کے صفحات مذکورہ کو ملاحظہ کریں کیا یہ عبارت کہیں پائی جاتی ہے۔ اس دھوکا بازی اور جعلسازی کی کوئی انتہا نہیں۔

۱ قول ۔اِس دلیری اور شوخی اور مُنہ زوری کے مقابل پر ہم بجز اس کے کیا لکھ سکتے ہیں کہ **لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین** ۔ بندۂ خدا آخر کبھی مرنا ہے۔ کبھی تو اُس گھڑی کا خیال کرو جب جان کندن کا غرغرہ شروع ہوگا۔ کیا یہ دونوں عربی عبارتیں جن کا مَیں نے اپنے اشتہار میں حوالہ دیا ہے براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۱۶ اور ۵۵۷ میں موجود نہیں ہیں اِس قدر جھوٹ اور یہ عمر۔ براہین احمدیہ دنیا میں پھیل چکی ہے صرف آپ کی بغل میں نہیں۔ پھر اس شوخی اور شرارت سے فائدہ کیا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ ان آیتوں میں پہاڑ پھٹ جانے کا ذکر ہے؟ کیا یہ سچ نہیں کہ اسی الہام میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم پہاڑ کا پھٹ جانا لوگوں کے لئے نشان بنائیں گے اور بعض کے لئے یہ نشان رحمت کا موجب ہوگا اور کیا یہ سچ نہیں کہ ان الہامات میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ نشان اپنے بندہ کی تائید اور نصرت کے لئے ظاہر کریں گے؟ اور کیا یہ سچ نہیں کہ جو الہام صفحہ ۵۵۷ براہین احمدیہ میں عربی میں ہے اس کے سر پر اردو میں یہ الہام ہے۔ **دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔**☆ کیا ان تمام عبارتوں کو یکجائی نظر سے دیکھنے سے ثابت نہیں ہوتا کہ پہاڑ کا پھٹنا جو براہین احمدیہ میں لکھا گیا ہے اس کے ساتھ ہی کتاب موصوف میں یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ یہ ایک پیشگوئی ہے۔ ہاں

☆ خدا تعالیٰ کی پہلی کتابوں میں بعض پیشگوئیاں اسی پیشگوئی کے ہم معنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت ہیں جن میں لکھا ہے کہ یہودی ان کو قبول نہیں کریں گے۔ جیسا کہ انجیل میں بھی انہیں پیشگوئیوں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونہ کا سرا ہوا۔ یعنی اسرائیلی نبیوں کا خاتم الانبیاء ہوا۔ سو انہیں پیشگوئی کے مطابق یہ پیشگوئی ہے۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ لوگوں نے تو اُس کو قبول نہ کیا مگر میں قبول کروں گا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دوں گا۔ سو ضروری ہے کہ یہ دنیا ختم نہ ہو جب تک یہ تمام باتیں ظہور میں آ جائیں۔ اور جیسا کہ انجیل میں ہے کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونہ کا سرا ہوا۔ اِسی طرح خدا نے مجھے فرمایا کہ وہ تو تجھے رد کرتے ہیں مگر میں تجھے خاتم الخلفاء بناؤں گا۔ اس بارے میں وحی الٰہی کئی مختلف عبارتوں میں ہے اگر سب لکھی جائیں تو طول ہوگا۔ منہ

اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ قبل از وقت ہم براہین احمدیہ کی اس پیشگوئی کو متعیّن نہیں کر سکے کہ کس پہلو پر یہ ظاہر ہوگی۔ اور یہ ایک ایسا امر ہے جس میں تمام انبیاء شریک ہیں مگر مَیں نے نہ براہین احمدیہ میں اور نہ کسی اور کتاب میں اس بات سے انکار کیا ہے کہ یہ پیشگوئی ہے اور کیونکر انکار کرسکتا وہاں تو صاف صفحہ ۵۱۶ براہین احمدیہ میں لکھا ہے **ولنجعله اٰیةً لّلنّاس و رحمةً منّا** کہ ہم پہاڑ کا پھٹ جانا لوگوں کے لئے ایک نشان بنائیں گے۔ اور پھر صفحہ ۵۵۷ میں صاف لکھا ہے **قوّة الرحمٰن لعُبَید اللّٰہ الصمد** یعنی پہاڑ کا پھٹ جانا خدا کی قوت سے ہوگا اپنے بندہ کی تائید کے لئے۔ پس اس جگہ بجز کسی شریر خبیث آدمی کے جس کو ایمان اور خدا اور روز جزاء کی کچھ بھی پروا نہ ہو کون اس بات کا انکار کرسکتا ہے کہ یہ پیشگوئی ہے اور اس میں ایک نشان کا وعدہ ہے۔ اور جب کہ خدا تعالیٰ نے اس کا نام نشان رکھا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ کسی وقت ہم اس کو لوگوں کے فائدہ کے لئے ظاہر کریں گے اور پھر کس کی مجال ہے کہ وہ کہے کہ یہ نشان نہیں اور یہ پیشگوئی نہیں۔ اور ہمارا یہ اقرار کہ ہم براہین احمدیہ کے زمانہ میں اس پیشگوئی کو کسی پہلو پر متعیّن نہیں کر سکتے اس سے مخالف کو کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا کیونکہ نبی کے لئے قبل از وقت ہر ایک پیشگوئی کا متعیّن کرنا ضروری نہیں اور یہ بحث اسی کتاب میں ہم پہلے بہت کر چکے ہیں ضرورت نہیں کہ ہم بار بار اس کو لکھیں۔ اگر در خانہ کس است حرفے بس است۔ ﴿۱۰۵﴾

قولہ۔ ان تینوں فقروں میں کرشن قادیانی نے جھوٹ بولا ہے۔ یعنی ایک فقرہ گذشتہ بالا جس کا جواب ہو چکا ہے اور دوسرے یہ کہنا کہ زلزلہ سے پیچھے بار بار خیال آیا کہ مَیں نے بڑا گناہ کیا☆ کہ جیسا کہ شائع کرنے کا حق تھا زلزلہ کی پیشگوئی کو شائع نہ کیا۔ اور تیسرے یہ کہنا کہ اگرچہ مَیں اس وقت جانتا تھا کہ میرا لکھنا دلوں کو ایک واجبی احتیاط کی طرف مصروف نہیں کرے گا تاہم اس غم نے میرے دل کو گھیرا کہ جو خبر مجھ کو خدائے علیم و حکیم سے ملی تھی اُس کی مَیں نے پورے طور سے اشاعت نہ کی۔

☆ مولوی محمد حسین صاحب نے اس میرے فقرہ پر بہت خوشی سے بغلیں بجائی ہیں کہ مجھے بار بار خیال آیا کہ

۱ قول۔ بدظنی ایسی چیز ہے کہ اُس کا کوئی علاج نہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر ایک شخص کو اِس بات کا علم دیا جائے کہ فلاں تباہی کسی گروہ پر آنے والی ہے اور وہ اس قوم کو اُس تباہی سے جیسا کہ چاہیئے متنبہ نہ کرسکے اور ساتھ ہی اس کو یہ بھی یقین ہو کہ میرا کہنا نہ کہنا ان کو برابر ہوگا مگر پھر بھی اس تباہی کے بعد ضرور اس کے دل کو صدمہ پہنچے گا کہ کاش وہ لوگ میری آواز کو سُنتے اور بچ جاتے۔ مَیں خیال کرتا ہوں کہ یہ خاصیّت ہر ایک دل میں ہے۔ مگر ممکن ہے کہ اس زمانہ کے بعض مولویوں کے دل ایسے ہوں کہ خدا نے یہ خاصیّت ان میں سے سلب کر لی ہو۔ اور اگر یہ وہم گذرے کہ کیونکر یقین کریں کہ صاحبِ الہام کو یقین ہو گیا تھا کہ الہام **عفت الدیار محلّھا و مقامھا** سے مراد زلزلہ ہے۔ اس کا جواب ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہ ایک ایسا صاف الہام ہے کہ اس کے معنوں پر اطلاع پانے سے ایک بچہ کو بھی یقین ہوسکتا ہے کہ یہ ایک سخت حادثہ کی پیشگوئی ہے جس کا اثر عمارتوں پر ہوگا۔ اور اس سے ایک سال پانچ مہینے پہلے الحکم اخبار میں

﴿۱۰۶﴾

بقیہ حاشیہ

میں نے بہت بڑا گناہ کیا۔ مولوی کہلا کر ان کو یہ معلوم نہیں کہ انسان کا کمالِ معرفت اسی میں ہے کہ انسان اپنے ربّ جلیل کے آگے ہر ایک وقت اپنے تئیں قصوروار ٹھہراوے یہ نبیوں کی سنت ہے وہ شیطان ہے جو خداتعالیٰ کے سامنے انکسار اختیار نہ کرے نبی جو روتے چلّاتے نعرے مارتے رہے۔ یہ سوز و گداز اسی وجہ سے تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم نے گناہ کیا کہ جیسا کہ حق تبلیغ کا تھا ہم سے ادا نہ ہوسکا۔ اپنے آقا و مولیٰ کے سامنے تمام سعادت اِسی میں ہے کہ اِس قصور کا اقرار کریں۔ چنانچہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام استغفار اسی بنا پر ہے کہ آپ بہت ہی ڈرتے تھے کہ جو خدمت مجھے سپرد کی گئی ہے یعنی تبلیغ کی خدمت اور خدا کی راہ میں جانفشانی کی خدمت اس کو جیسا کہ اس کا حق تھا میں ادا نہیں کرسکا۔ اور اس خدمت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کسی نے ادا نہیں کیا۔ مگر خوفِ عظمت اور ہیبت الٰہی آپ کے دل میں حد سے زیادہ تھا۔ اسی لئے دوام استغفار آپ کا شغل تھا۔ توریت میں بھی ہے ’’تب موسیٰ نے جلدی سے زمین پر سر جھکایا اور بولا کہ اے خداوند...... ہمارے گناہ اور خطائیں معاف کر‘‘ خروج ۳۴-۹۔ ساؤل نبی کہتا ہے۔ ’’میں نے گناہ کیا کہ میں نے خداوند کے فرمان کو ٹال دیا‘‘۔ دیکھو ا۔سموئیل ۱۵-۲۵۔ داؤد نبی خداتعالیٰ کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ میں نے تیرا گناہ کیا۔ دیکھو زبور۔ ۵۱-۳۔ منہ

یعنی اخیر دسمبر ۱۹۰۳ء کے پرچہ میں صاف لفظوں میں زلزلہ کی پیشگوئی موجود ہے۔ اور پھر مواہب الرحمٰن مطبوعہ ۱۹۰۲ء میں بھی یہی زلزلہ کی پیشگوئی موجود ہے۔ اور پھر رسالہ آمین مطبوعہ ۱۹۰۱ء میں بھی یہی زلزلہ کی پیشگوئی موجود ہے۔ پھر باوجود اس قدر تواتر کے کیونکر کوئی عقلمند خیال کرسکتا ہے کہ ہم اس پیشگوئی سے بالکل بے خبر تھے۔ ہاں مَیں جیسا کہ میرا مذہب ہے بار بار یہ بھی کہہ چکا ہوں کہ پیشگوئیوں میں قطعی طور پر یہ دعویٰ نہیں ہوسکتا کہ ضرور ان کا ایک ہی خاص پہلو پر ظہور ہوگا ممکن ہے کہ خدائے علیم وحکیم کوئی دوسرا پہلو اُن کے ظہور کے لئے اختیار کرے جس میں وہی عظمت اور قوّت اور ہولناک صورت پائی جائے جس پر پیشگوئی دلالت کرتی ہو۔

پھر جب کہ مجھ کو پیشگوئی **عفت الدیار محلھا و مقامھا** کی عظمت اور شدت پر پورا پورا یقین تھا اور مَیں اس کو پورے ایمان سے خدا تعالیٰ کا کلام سمجھتا تھا اور اس کے ظہور نے مجھ پر کھول دیا تھا کہ جیسا کہ پیشگوئی کے ظاہری الفاظ تھے اسی طرح وہ وقوع میں بھی آ گئی تو کیا وہ وقت نہیں تھا کہ بنی نوع کے لئے میری ہمدردی جوش مارتی اور مَیں کوشش کرتا کہ آئندہ زلزلہ سے بچنے کے لئے لوگ توبہ اور استغفار اور کسی احسن انتظام کی طرف متوجہ ہوں۔ کیا مَیں نے یہ بُرا کام کیا کہ جس بلا کا مجھے یقین دیا گیا تھا اس بلا سے بچنے کے لئے مَیں نے لوگوں کو مطلع کر دیا۔ اور کیا انسان میں یہ طبعی امر نہیں ہے کہ کسی بلا پر اطلاع پا کر بنی نوع کی ہمدردی کے لئے اس کا دل جوش مارتا ہے۔ ہاں بعض قصّاب طبع لوگ ہوتے ہیں کہ ان کو دوسرے کے درد اور مصیبت کی کچھ بھی پروا نہیں ہوتی۔ سو مَیں ایسے لوگوں کو انسان نہیں سمجھتا۔

﴿۱۰۷﴾ **قولہ**۔ لہٰذا اُس سے (یعنی مجھ سے) یہ حماقت عمل میں آئی جو اپنے تئیں ایک بڑے گناہ کا مرتکب مان لیا جس سے اپنے اصلی دعویٰ نبوت کی جڑ کاٹ دی۔

اقول۔ یہودیوں کی طرح آپ جس قدر چاہیں تحریف کریں ہم آپ کو کیا کہہ سکتے ہیں

ورنہ جو لوگ خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں وہ باوجود نبی اور رسول ہونے کے اقرار رکھتے ہیں کہ جیسا کہ حق تبلیغ کا تھا ادا نہ کر سکے☆ اور اسی کو وہ گناہِ عظیم خیال کرتے ہیں اور اسی خیال سے وہ نعرے مارتے اور روتے اور درد سے بھر جاتے ہیں اور دائم الاستغفار رہتے ہیں مگر خشک مولوی جن کے دامن میں بجز ہڈیوں کے کچھ نہیں وہ اس روحانیت کو کیا جانتے ہیں۔ بے گناہ ہونے کی اطمینان کسی نبی نے بھی ظاہر نہیں کی۔ جو دنیا میں افضل الرسل اور خاتم الرسل گذرا ہے اس کے مُنہ سے بھی یہی نکلا **ربنا اغفرلنا ذنوبنا و باعد بيننا و بين خطايانا** اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فرماتے تھے کہ سورۃ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ اور آپ سب سے زیادہ استغفار پڑھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مَیں دن میں ستّر مرتبہ استغفار کرتا ہوں اور خدا تعالیٰ نے آپ کے حق میں فرمایا اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَ الۡفَتۡحُ وَ رَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِيۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَ اسۡتَغۡفِرۡهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا[1]۔ یہ سورۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قُرب زمانۂ وفات میں نازل ہوئی تھی اور اس میں اللہ تعالیٰ زور دے کر اپنی نصرت اور تائید اور تکمیل مقاصد دین کی خبر دیتا ہے کہ اب تو اے نبی خدا کی تسبیح اور تحمید کر اور خدا سے مغفرت چاہ وہ تواب ہے اس موقعہ پر مغفرت کا ذکر کرنا یہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ اب کام تبلیغ ختم ہو گیا خدا سے دُعا کر کہ اگر خدمتِ تبلیغ کے دقائق میں کوئی فروگذاشت ہوئی ہو تو خدا اُس کو بخش دے۔ موسیٰ بھی توریت میں اپنے قصوروں کو یاد کر کے روتا ہے اور جس کو عیسائیوں نے خدا بنا رکھا ہے کسی نے اس کو کہا۔ کہ اے نیک اُستاد۔ تو اُس نے جواب دیا کہ تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے نیک کوئی نہیں مگر خدا۔ یہی تمام اولیاء کا شعار رہا ہے۔ سب نے استغفار کو اپنا شعار قرار دیا ہے بجز شیطان کے۔

فرس کشتہ چنداں کہ شب راندہ اند سحر گہ خروشاں کہ وا ماندہ اند

☆ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **ما عبدناک حقّ عبادتک** یعنی اے ہمارے خدا جو حق تیری پرستش کا تھا ہم سے ادا نہیں ہو سکا۔ کیا آپ اس جگہ یہ اعتراض کریں گے کہ جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود عبادت کرنے میں قاصر تھے تو دوسروں کو کیوں نصیحت کرتے تھے۔ افسوس۔ منہ

[1] النصر: ۲ تا ۴

﴿۱۰۸﴾

قولہ۔ وہ (یعنی یہ عاجز) براہین احمدیہ کی پیشگوئی کو سچا بنانے اور اس پر زلزلہ کا رنگ چڑھانے اور اس ذریعہ سے اپنی غیب دانی اور نبوت کا سکّہ جمانے کی غرض سے اس بات کا مدعی ہو گیا ہے کہ براہین احمدیہ کی پیشگوئی سے مجھے بہت صفائی سے خدا کی طرف سے یہ خبر مل چکی تھی کہ اِس سے زلزلہ مراد ہے تاہم مَیں نے قوم کی بدگوئی اور بدظنّی کے خوف سے اُس کو چھپایا اور عربی کا ترجمہ اردو میں کر کے شائع نہ کیا۔ اور مَیں اس فعل سے خدا کے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا اور پچیس [۲۵] برس تک اِسی گناہ پر قائم اور مُصر رہا۔

اقول۔ مولوی صاحب آج آپ نے تحریف کرنے میں یہودیوں کے بھی کان کاٹے۔ مولوی کہلانا اور اس قدر صریح عبارت کے معنے بیان کرنے میں عمداً خیانت کرنا کیا یہ ان لوگوں کا کام ہوسکتا ہے جو یوم الحساب پر ایمان لاتے ہیں۔ مَیں نے اپنے اشتہار میں کب اور کہاں لکھا ہے کہ مَیں پچیس [۲۵] برس تک اس گناہ پر قائم اور مُصر رہا کہ براہین احمدیہ کے عربی الہام کا ترجمہ شائع نہ کیا۔ براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۱۶ اور صفحہ ۵۵۷ کھول کر دیکھو دونوں مقام میں عربی الہامات کا ترجمہ موجود ہے۔ پھر مَیں کیونکر کہہ سکتا تھا کہ مَیں نے عربی الہام کا ترجمہ اردو میں کر کے شائع نہ کیا اور پچیس [۲۵] برس تک اِسی گناہ پر قائم اور مُصر رہا۔ کیا کوئی عقلمند باور کرسکتا ہے کہ باوجودیکہ ان دونوں الہامات کا جو صفحہ ۵۱۶ اور صفحہ ۵۵۷ براہین احمدیہ میں درج ہیں ساتھ ہی ترجمہ اردو میں لکھا ہوا ہے۔ پھر مَیں اشتہار میں یہ لکھتا کہ ان الہامات کا ترجمہ براہین احمدیہ میں مَیں نے نہیں لکھا۔ بلکہ یہ ذکر تو میرے اشتہار ۱۱؍مئی ۱۹۰۵ء میں اس عربی الہام کے متعلق تھا جو الحکم ۳۱؍مئی ۱۹۰۴ء میں بغیر ترجمہ کے شائع کیا گیا تھا یعنی الہام **عفت الدیار محلّھا و مقامھا** جس کا ترجمہ اردو میں نہیں لکھا گیا تھا۔ مولوی صاحب نے اس غرض سے یہ تحریف کی تا میرے پر یہ الزام قائم کریں کہ گویا مَیں نے عمداً پچیس [۲۵] برس تک براہین احمدیہ کے عربی الہام کا ترجمہ نہ کیا اور مخفی رکھا۔

ماسوا اس کے زلزلہ کے متعلق تو براہین احمدیہ میں دو [۲] پیشگوئیاں تھیں۔ ایک

﴿۱۰۹﴾

صفحہ ۵۱۶ میں درج تھی اور دوسری صفحہ ۵۵۷ میں درج تھی۔ اور میرے اشتہار ۱۱رمئی ۱۹۰۵ء میں صرف ایک پیشگوئی کی نسبت لکھا ہے کہ اس کا ترجمہ اردو میں نہیں ہوا۔ پس اگر اس جگہ اشتہار ۱۱رمئی ۱۹۰۵ء میں براہین احمدیہ کی وہ دو۲ پیشگوئیاں مراد ہیں تو اس میں یہ عبارت نہیں ہونی چاہیئے تھی کہ عربی پیشگوئی کا ترجمہ بھی نہیں ہوا تھا۔ بلکہ یہ عبارت ہونی چاہیئے تھی کہ عربی دو پیشگوئیوں کا ترجمہ بھی نہیں ہوا تھا۔ اور پھر بھی ایسا لکھنا جھوٹ ہوتا کیونکہ دونوں عربی پیشگوئیوں کا ترجمہ براہین احمدیہ میں موجود ہے جو شخص چاہے دیکھ لے۔

پھر علاوہ اس کے وہ اشتہار مورخہ ۱۱رمئی ۱۹۰۵ء جس پر مولوی صاحب یہ نکتہ چینی کرتے ہیں ابھی دنیا سے گم نہیں ہو گیا بہتوں کے پاس موجود ہوگا۔ اس کی اصل عبارت یہ ہے اُس زلزلہ کے بعد مجھے بار بار خیال آیا کہ مَیں نے بڑا گناہ کیا کہ جیسا کہ حق شائع کرنے کا تھا اس پیشگوئی کو شائع نہ کیا کیونکہ وہ پیشگوئی صرف اردو کے دو۲ اخبار اور دو۲ رسالوں میں شائع ہوئی تھی اور یہ بھی فروگذاشت ہوئی تھی کہ عربی پیشگوئی کا ترجمہ بھی نہیں ہوا تھا۔ اب صاف ظاہر ہے کہ براہین احمدیہ کی عربی پیشگوئیاں جو صفحہ ۵۱۶ اور صفحہ ۵۵۷ میں درج ہیں نہ اردو دو۲ اخباروں میں شائع ہوئیں اور نہ ان کا ترجمہ کرنا رہ گیا اور نہ کسی اور رسالہ میں ان کا ذکر ہوا بلکہ وہ پیشگوئی جو دو۲ اردو اخباروں میں درج ہوئی تھی اور جس کا عربی سے اردو میں ترجمہ نہیں ہوا تھا وہ یہی پیشگوئی **عفت الدیار محلّھا و مقامھا** ہے۔ کیونکہ وہ علاوہ دو۲ اخباروں کے جن میں سے ایک الحکم ۳۱رمئی ۱۹۰۵ء ہے دو۲ رسالوں میں بھی درج ہو چکی تھی یعنی اُس کو مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے نے اپنے دونوں رسالوں میں ۲۰رمارچ ۱۹۰۴ء کو شائع کر دیا تھا۔ چنانچہ حاشیہ میں ان کا اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا نوٹ درج ہے۔☆ اب ذرا آنکھ کھول کر

☆ سیّدی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ الہام **عفت الدیار محلھا و مقامھا**۔ مارچ کے دونوں رسالوں میں شائع ہو چکا تھا اور رسالہ کے صفحہ ۱۲۶ میں درج ہے۔ اسی الہام کو پڑھ کر اور پھر زلزلہ کی خبر اخباروں میں پڑھ کر چارلس سورائٹ عبدالحق نے جو اس وقت نیوزی لینڈ میں تھا خط لکھا تھا۔ جس میں زلزلہ کے ذریعہ سے اس الہام کے پورا ہونے پر بہت ہی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ (محمد علی)

﴿۱۱۰﴾ اوّل آپ مولوی صاحب موصوف کے نوٹ کو پڑھ لیں اور پھر ندامت میں غرق ہو جائیں اور کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ بندۂ خدا اس قدر چالاکی تو وہ یہود بھی نہیں کرتے ہوں گے جن کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ[1]۔ پھر آپ نے اپنی مولویت کا یہ نمونہ کیسا دکھلایا؟ مَیں نہیں خیال کرسکتا کہ آپ ایسے نادان تھے جنہوں نے کمال سادہ لوحی سے عبارت کے سمجھنے میں غلطی کھائی۔ آپ براہین احمدیہ کا ریویو لکھ چکے تھے۔ اور آپ کو خوب معلوم تھا کہ براہین احمدیہ کے وہ عربی الہامات جن کا مَیں نے اپنے اشتہار میں ذکر کیا ہے وہ بغیر ترجمہ کے نہیں لکھے گئے اور آپ کو خوب معلوم تھا کہ براہین احمدیہ کے اِن عربی الہامات کا ذکر نہ تو ہمارے سِلسلہ کے اِن دوؔ اخباروں الحکم اور البدر میں کیا گیا ہے اور نہ ایسے دوؔ رسالے ہمارے سِلسلہ میں کسی نے تالیف کئے جن میں براہین احمدیہ کے ان الہامات کا کچھ ذکر ہو۔ پھر جب کہ براہین احمدیہ کے ان الہاماتِ عربیہ کا براہین احمدیہ میں ترجمہ موجود ہے اور نہ کسی اخبار اور نہ کسی رسالہ میں ان کا ذکر ہے اور نہ وہ صرف ایک پیشگوئی ہے تا اشتہار ۱۱رمئی ۱۹۰۵ء کی یہ عبارت اس پر منطبق ہو سکے کہ عربی پیشگوئی کا ترجمہ بھی نہیں ہوا تھا بلکہ وہ دو پیشگوئیاں ہیں تو اس صورت میں شرعاً آپ سے مطالبہ ہے کہ آپ نے اس قدر جھوٹ کیوں بولا؟ شائد جو کرم دین کے مقدمہ میں میرے مقابل پر مولویوں نے دروغ مصلحت آمیز کے جواز کا فتویٰ دیا تھا اس پر آپ نے بھی عمل کیا۔ بہر حال آپ بتلاؤ کہ کیوں آپ نے وہ ذکر جو الہام **عفت الدّیار محلّھا و مقامھا** کی نسبت تھا براہین احمدیہ کے اُن دوؔ عربی الہاموں پر مڑھ دیا جو صفحہ ۵۱۶ اور صفحہ ۵۵۷ براہین احمدیہ میں موجود ہے کیا آپ لوگوں کی یہی مولویانہ حیثیت میں دیانت اور امانت ہے کہ آپ نے ایسا افترا کیا اور کچھ بھی خدا تعالیٰ کا خوف آپ کے دل میں نہ آیا۔ اور صرف اِسی پر بس نہیں بلکہ آپ محض شرارت اور چالاکی سے اپنے اس مضمون میں اپنی طرف سے ایک عبارت لکھتے ہیں اور پھر پبلک پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ گویا وہ عبارت جو آپ نے میری طرف منسوب

[1] المآئدۃ:۱۴

کی ہے درحقیقت میرے ہی قلم سے نکلی ہے۔ چنانچہ وہ عبارت جو آپ نے محض جعلسازی سے میری طرف منسوب کر دی ہے وہ یہ ہے۔ ’’براہین احمدیہ کی پیشگوئی سے مجھے بہت صفائی سے خدا کی طرف سے یہ خبر مل چکی تھی کہ اس سے زلزلہ مراد ہے تاہم میں نے قوم کی بدگوئی اور بدظنی کے خوف سے اُس کو چھپایا اور عربی کا ترجمہ اردو میں کر کے شائع نہ کیا۔ اور میں اس فعل سے خدا کے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا۔ اور پچیس[۲۵] برس تک اِسی گناہ پر قائم اور مُصِر رہا‘‘۔ اے مفتری نابکار کیا اب بھی ہم نہ کہیں کہ جھوٹے پر خدا کی لعنت۔ جس نے آپ عبارت بنا کر میری طرف منسوب کر دی۔ اے سخت دل ظالم تجھے **مولوی کہلا کر شرم نہ آئی کہ تُو نے ناحق اس قدر میرے پر جھوٹ بولا۔ کیا تُو دکھلا سکتا ہے کہ میرے اشتہار ۱۱ر مئی ۱۹۰۵ء میں یا کسی اور اشتہار میں یا کسی رسالہ میں یہ عبارت موجود ہے جو تُو نے لکھی! لعنة اللّٰہ علی الکاذبین۔**

﴿۱۱۱﴾

اِس جگہ اُن لوگوں کو متنبہ رہنا چاہیئے کہ جو ایسے لوگوں کو مولوی اور دیانتدار سمجھ کر اُن کے قول پر عمل کرنے کو طیار رہوتے ہیں۔ یہ حال ہے ان لوگوں کی دیانت کا اور جھوٹے کے کلام میں تناقض ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے مولوی صاحب موصوف کا یہ بیان بھی تناقض سے بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ اخبار مذکور کے صفحہ پانچ[۵] کالم تیسرے[۳] میں پندرھویں[۱۵] سطر و چوبیسویں[۲۴] سطر میں میرے اشتہار کی عبارت یہ لکھتے ہیں کہ ’’مَیں نے براہین احمدیہ میں اِس زلزلہ کی خبر دی تھی اور اگرچہ اُس وقت اس خارق عادت بات کی طرف ذہن منتقل نہ ہو سکا لیکن اب اِن پیشگوئیوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ آنے والے زلزلہ کی نسبت تھیں جو اُس وقت نظر سے مخفی رہ گئیں‘‘۔

اب ناظرین خود دیکھ لیں کہ اس عبارت مذکورہ بالا کا یہی مطلب ہے کہ اُس زمانہ میں کہ براہین احمدیہ کے لکھنے کا زمانہ تھا ذہن اس طرف منتقل نہ ہو سکا کہ زلزلہ سے مُراد درحقیقت زلزلہ ہے اور یہ امر اُس وقت نظر سے مخفی رہا اور اب پچیس[۲۵] برس

کے بعد جب زلزلہ ظہور میں آ گیا تو اب معلوم ہوا کہ وہ براہین احمدیہ کی پیشگوئیاں آئندہ آنے والے زلزلہ کی نسبت پیشگوئیاں تھیں۔

یہ تو میری طرف سے انہوں نے اقرار لکھا ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ مَیں نے اپنے اشتہار النداء من وحی السّمآء میں جو اپریل ۱۹۰۵ء کو شائع ہوا تھا درحقیقت یہ عبارت اشتہار کے صفحہ ۲ مطبوعہ نول کشور پریس لاہور میں لکھی ہے چنانچہ پوری عبارت یہ ہے۔ ''یاد رہے کہ ان دونوں زلزلوں کا ذکر میری کتاب براہین احمدیہ میں بھی موجود ہے جو آج سے پچیس۲۵ برس پہلے اکثر ممالک میں شائع کی گئی تھی۔ اگرچہ اس وقت اس خارق عادت بات کی طرف ذہن منتقل نہ ہو سکا۔ لیکن اب ان پیشگوئیوں پر نظر ڈالنے سے بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ آئندہ آنے والے زلزلوں کی نسبت پیشگوئیاں تھیں جو اُس وقت نظر سے مخفی رہ گئیں''۔ ﴿۱۱۲﴾

اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ مَیں نے اس اشتہار میں صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ میرا اس وقت سے پہلے جب کہ زلزلہ ۴؍اپریل ۱۹۰۵ء ظہور میں آ گیا اس بات کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوا تھا کہ جیسا کہ ظاہر الفاظ پہاڑ کے پھٹ جانے سے سمجھا جاتا ہے درحقیقت براہین احمدیہ کے ان الہامات سے زلزلہ ہی مراد ہے اور اس پر ایک دلیل بھی ہے کہ براہین احمدیہ میں جو اِن دونوں الہامات کا ترجمہ کیا گیا ہے اُس میں بھی ظاہر الفاظ کی رُو سے ترجمہ نہیں ہوا۔ غرض میں نے اس اشتہار ۲۱؍اپریل ۱۹۰۵ء میں جو ۴؍اپریل ۱۹۰۵ء کے بعد لکھا تھا صاف اقرار کر دیا کہ مَیں پچیس۲۵ برس تک براہین احمدیہ کے دونوں موقعہ کے الہام کو جو **فلمّا تجلّٰی ربّہٗ للجبل** ہے خاص زلزلہ کے لئے متعیّن نہ کر سکا۔ مگر ۴؍اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلہ کے بعد کھل گیا کہ وہ اسی زلزلہ کے متعلق تھا۔ یہ تو وہ امر ہے جو میرے اشتہار ۲۱؍اپریل ۱۹۰۵ء سے ثابت ہوتا ہے۔

اب اس اشتہار کے برخلاف جو دعویٰ محض افترا اور جعلسازی سے مولوی محمد حسین صاحب نے

میری طرف منسوب کیا ہے اور اپنی طرف سے ایک عبارت بنا کر میری طرف منسوب کی ہے وہ عبارت پھر ہم دوبارہ لکھ دیتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے ’’ براہین احمدیہ کی پیشگوئی سے مجھے بہت صفائی سے خدا کی طرف سے یہ خبر مل چکی تھی کہ اس سے زلزلہ مراد ہے تا ہم مَیں نے قوم کی بدگوئی اور بدظنّی کے خوف سے اس کو چھپایا۔ اور عربی کا ترجمہ اُردو میں کر کے شائع نہ کیا۔ اور مَیں اس فعل سے خدا کے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا اور پچیس[۲۵] برس تک اِسی گناہ پر قائم اور مُصر رہا‘‘۔

﴿۱۱۳﴾ اب ناظرین انصافاً فرماویں کہ کیا یہ بیان جو مولوی صاحب موصوف نے میری طرف منسوب کیا ہے یہ میرے اشتہار ۲۱ / اپریل ۱۹۰۵ء کی عبارت کے مخالف ہے یا نہیں جس کو ابھی مَیں نے نقل کر دیا ہے کیونکہ مَیں اشتہار مذکور میں صاف طور پر لکھ چکا ہوں کہ اُس اشتہار سے پہلے جو براہین احمدیہ سے پچیس[۲۵] برس بعد مَیں نے ۱۱ / مئی ۱۹۰۵ء کو شائع کیا ہے اس بات کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوا تھا کہ زلزلہ سے مراد درحقیقت ظاہری طور پر زلزلہ ہے بلکہ پچیس[۲۵] برس بعد زلزلہ کے آنے پر ان الہامات کے معنے کھلے۔

پس جب کہ یہ دونوں بیانات متناقض ہیں اور مَیں اُن میں سے صرف ایک بیان کو قبول کرتا ہوں جو مولوی صاحب کے اس مضمون میں بھی انہیں کے ہاتھ سے درج ہو چکا ہے۔ یعنی یہ کہ مَیں پچیس[۲۵] برس تک براہین احمدیہ کے الہام صفحہ ۵۱۶ اور صفحہ ۵۵۷ کو کسی ایک پہلو پر متعیّن نہ کر سکا تو اس میں کیا شک ہے کہ دوسرا بیان اُس وقت تک محض مولوی صاحب کا افترا سمجھا جائے گا جب تک کہ وہ میری کسی کتاب یا اشتہار میں سے یہ ثابت کر کے نہ دکھلا دیں کہ یہ عبارت مذکورہ مَیں نے کسی جگہ لکھی ہے اور یا کسی جگہ مَیں نے یہ لکھا ہے کہ پچیس[۲۵] برس تک اس گناہ پر قائم اور مُصِر رہا کہ باوجودیکہ براہین احمدیہ کے زمانہ سے قطعی علم زلزلہ کے متعلق مجھے ہو چکا تھا پھر مَیں نے اس خبر کو مخفی رکھا۔

اب اے ناظرین برائے خدا اپنی موت کو یاد کر کے ایماناً مجھے بتلاؤ کہ جو شخص اس قدر افترا کرتا

اور جھوٹی عبارتیں بنا کر میری طرف منسوب کرتا ہے کیا وہ کسی سرزنش اور تعزیر شرعی کے لائق ہے یا نہیں۔ بیّنوا توجروا۔ اور یہ بھی محض لِلّٰہ فرماویں کہ کیا ایسا شخص جو اس طرح کی شوخی سے جعلسازی کرتا ہے اس لائق ہے کہ آئندہ اس کو مولوی کے نام سے پکارا جائے۔ اور کیا مناسب نہیں کہ ایک مجلس علماء مقرر کر کے اس کو بلایا جاوے اور اس سے پوچھا جاوے کہ یہ فرضی عبارت جو میری طرف اُس نے منسوب کی ہے مَیں نے کس کتاب یا رسالہ میں اس کو لکھا ہے۔ مولوی کہلا کر یہ افترا اور یہ تحریف اور یہ خیانت اور یہ جھوٹ اور یہ دلیری اور یہ شوخی اِن باتوں کا تصور کر کے بدن کانپتا ہے۔ کیا مجھے کافر اور بے ایمان کہنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث جس میں کہ لکھا ہے کہ آخری زمانہ کے اکثر مولوی یہودیوں کے مولویوں سے مشابہت پیدا کر لیں گے یاد نہیں رکھتے بلکہ اس سے بڑھ کر بعض حدیثوں میں یہ بھی آیا ہے کہ اس قدر مشابہت پیدا کریں گے کہ اگر کسی یہودی نے ماں سے بھی زنا کیا ہوگا تو وہ بھی کر لیں گے۔☆

﴿۱۱۴﴾

☆ آخری زمانہ کے وہ علماء جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود اس امت کے قرار دیا ہے وہ بالخصوص اسی قسم کے مولوی ہیں جو مسیح موعود کے مخالف اور جانی دشمن اور اس کی تباہی کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور اس کو کافر اور بے ایمان اور دجال کہتے ہیں اور اگر ان کے لیے ممکن ہو تو اس کو صلیب دینے کے لئے طیار ہیں کیونکہ یہود کے فقیہ اور فریسی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اسی طرح پیش آئے تھے اور ان کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جو علماء اس قسم کے نہیں ہیں ان کو ہم اس امت کے یہودی نہیں کہہ سکتے بلکہ جو لوگ حضرت عیسیٰ کے دشمنوں کی طرح مجھے دجال اور کافر اور بے ایمان کہتے ہیں وہی یہودی ہیں اور میں ان کو یہودی نہیں کہتا بلکہ خدا تعالیٰ کا کلام ان کو یہودی کہتا ہے اور یہ تو امر مجبوری ہے جس حالت میں درحقیقت مَیں سچا ہوں نہ کافر نہ دجال نہ بے ایمان ہوں۔ پس جو شخص سچے مسیح کو ایسے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہودی قرار دیتے ہیں۔ اگر مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب مجھے بے ایمان کافر دجّال قرار نہیں دیتے اور واجب القتل نہیں سمجھتے تو ہم ان کو یہودی نہیں کہتے اور اگر وہ مجھے ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور خدا جانتا ہے کہ میں سچا مسیح موعود ہوں تو اس صورت میں وہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا مصداق بن کر اپنے تئیں یہودی بناتے ہیں اور مجھے کہتے ہیں کہ تم کیوں عیسیٰ بنے۔ اس کا یہی جواب ہے کہ آپ لوگوں کے طفیل سے۔ اگر آپ یہودی نہ بنتے تو میرا نام یہ نہ ہوتا۔ منہ

اور باوجود اس کے کہ بٹالوی صاحب نے اس قدر جھوٹ بول کر اور خیانت اور تحریف کر کے مجھے دُکھ دیا ہے پھر بھی اگر وہ میری کسی کتاب میں وہ عبارت جو انہوں نے میری طرف منسوب کی ہے اور لکھا ہے کہ گویا میں پچیس۲۵ برس تک اسی گناہ پر قائم اور مُصِر رہا دکھلا دیں تو مَیں نقد پچاس۵۰ روپیہ اُن کو دے سکتا ہوں۔ ورنہ میری طرف سے یہ کلمہ کافی ہے **لعنة اللّٰہ علی الکاذبین۔**

قولہ۔ کسی سچّے نبی یا ملہم کے نشان نہیں ہیں کہ جس بات کی تبلیغ کا خدا اُس کو حکم دے وہ دانستہ اور عمداً پچیس۲۵ برس تک چھپائے رکھے اور اُس کی تبلیغ نہ کرے۔

اقول۔ اس افترا کا جواب گذر گیا اور مَیں بیان کر چکا ہوں کہ مَیں نے کسی اشتہار میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ براہین احمدیہ کی یہ دو۲ پیشگوئیاں جو لکھی گئی ہیں یعنی **فلمّا تجلّی ربّہ للجبل جعلہٗ دکًّا** اُن کے اصل منشاء کی طرف اسی زمانہ میں میرا ذہن منتقل ہو گیا تھا بلکہ بار بار لکھ چکا ہوں کہ پچیس۲۵ برس کے بعد ان معنوں کی حقیقت کھلی۔ اور اگر پہلے سے میرے پر حقیقت کھلتی تو پھر اس الہام کے اس ترجمہ میں جو براہین احمدیہ میں لکھا گیا کیوں غلطی وقوع میں آتی۔

پھر اس نادان مولوی کے اِس قول پر مجھے تعجب آتا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ سچے نبی یا ملہم کا یہ نشان نہیں ہے کہ جس بات کی تبلیغ کا خدا اس کو حکم دے وہ دانستہ اور عمداً پچیس۲۵ برس تک اس کو چھپائے رکھے۔ اس نادان کو اب تک یہ بھی معلوم نہیں کہ تبلیغ الٰہی احکام کے متعلق ہوتی ہے نہ ایسی پیشگوئیوں کے متعلق۔ جن کی اشاعت کے لئے ملہم مامور بھی نہیں بلکہ اختیار رکھتا ہے چاہے ان کو شائع کرے یا نہ کرے۔ ماسوا اس کے جب کہ اس پیشگوئی کی حقیقت ابھی میرے پر نہیں کھلی تھی تو اس بات کے لئے میں مکلّف نہ تھا کہ اس کے معنے اور مقصد لوگوں پر ظاہر کرتا اور جس قدر اجتہادی طور پر میرے خیال میں گذرا مَیں نے ترجمہ ان پیشگوئیوں کا براہین احمدیہ میں شائع کر دیا۔ پس مَیں نے تبلیغ میں کونسا قصور کیا

﴿۱۱۵﴾

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا [1] اگر یہ بات ہوتی کہ براہین احمدیہ کی اُن پیشگوئیوں کی وہ حقیقت جو ۴؍ اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلہ کے بعد میرے پر کھل گئی براہین احمدیہ کی اشاعت کے زمانہ میں ہی مجھے معلوم ہوتی تو اگرچہ مَیں اس کی اشاعت کے لئے مامور نہ تھا تاہم میں نوع انسان کی ہمدردی کے لئے جہاں تک مجھ سے ممکن ہوتا اس کی اصل حقیقت سے لوگوں کو اطلاع دیتا۔

قولہ ۔ یہ عجیب عذر گناہ بدتر از گناہ ہے کہ پیشگوئیوں کے معنے سمجھنے میں عوام تو عوام ابنیاء علیہم السلام بھی اجتہاد کے وقت غلطی کر بیٹھتے ہیں۔

اقول ۔ انہیں باتوں سے تو آپ کا خیانت پیشہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مَیں خوب جانتا ہوں کہ آپ شیر خوار بچہ نہیں آپ علم حدیث سے ایسے جاہل نہیں جن کو اوّل نمبر کے جاہل کہنا چاہیئے۔ آپ ایسے مجنون نہیں جن کے حواس بالکل قائم نہیں ہوتے۔ تو پھر یہ خیانت ہے یا کوئی اور بات ہے کہ آپ اس سے انکار کرتے ہیں کہ ابنیاء علیہم السلام سے کوئی غلطی اجتہادی طور پر نہیں ہوسکتی سب جانتے ہیں کہ بیشک غلطی ہوسکتی ہے۔ مگر وہ ہمیشہ اس غلطی پر قائم نہیں رکھے جاسکتے۔ مَیں اس بارے میں اسی ضمیمہ میں بہت کچھ لکھ چکا ہوں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

قولہ ۔ کسی پیشگوئی کے جھوٹے ہونے کا الزام جب آپ پر قائم ہوتا ہے تو اس الزام کو اسی اصول سے اٹھا دیا جاتا ہے۔

اقول ۔ اے مولوی صاحب خدا آپ کو ہدایت کرے اور وہ دن لاوے کہ آپ کی آنکھیں کھلیں۔ آپ اس شخص کی طرح جس کی گردن کے پیچھے بہت بڑا پھوڑا ہوا اور اس وجہ سے وہ ہمیشہ زمین کی طرف جھکا رہے آسمان کی طرف نظر نہ اٹھا سکے آسمانی انوار سے محروم ہیں اور اُن سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ اب تک دس ہزار سے بھی زیادہ خدا تعالیٰ میری تائید میں نشان ظاہر کر چکا ہے جو روز روشن کی طرح پورے ہوگئے ہیں مگر آپ کے نزدیک ہر ایک پیشگوئی جھوٹی نکلتی رہی ہے اور گویا میں جھوٹ کو سچ بنانے ﴿۱۱۶﴾

[1] البقرۃ: ۲۸۷

کے لئے تاویلیں کرتا رہا ہوں۔ اب اس جگہ بھی میں بجز اس کے کیا کہوں کہ **لعنة اللّٰه علی الکاذبین۔** جو شخص میری صحبت میں چالیس دن بھی رہتا ہے وہ کوئی نہ کوئی خدا تعالیٰ کا نشان دیکھ لیتا ہے۔ اسی وجہ سے ہزار ہا بندگانِ خدا اس طرف جُھک گئے ہیں اور باوجود آپ کے بُغض اور بُخل اور ہمیشہ کی یاوہ گوئی کے ایک عالم ہماری طرف آ گیا ہے اور آتا جاتا ہے اور آپ کے مُنہ کی پھونکوں سے کچھ بھی بگڑ نہ سکا۔ آسمان میں خدا نے میرے لئے خسوف کسوف کیا مگر آپ کے نزدیک وہ حدیث غلط ہے۔ اور مَیں چودھویں صدی کے سر پر آیا اور بفضلہٖ تعالیٰ محدثین کی شرط قرار داد کے مطابق چہارم حصّہ صدی تک میری زندگی پہنچ گئی مگر آپ کے نزدیک یہ حدیث بھی غلط۔ اور لکھا تھا کہ مسیح موعود کے وقت میں طاعون پڑے گی اور سخت پڑے گی مگر آپ کے نزدیک یہ حدیث بھی غلط۔ اور لکھا تھا کہ اُس وقت آفتاب میں ایک نشان ظاہر ہوگا۔ چنانچہ اب تک ظاہر ہے اور دُوربین سے دیکھا جاتا ہے مگر آپ کے نزدیک یہ حدیث بھی غلط۔ اور حدیث میں آیا تھا کہ اُن دنوں ستارہ ذوالسنین طلوع کرے گا چنانچہ مدت ہوئی کہ اُس ستارہ کا طلوع ہو چکا مگر آپ کے نزدیک یہ حدیث بھی غلط۔ اور لکھا تھا کہ وہ مسیح موعود اِسی امت میں سے ہوگا۔ اور دمشق سے مشرق کی طرف وہ مبعوث ہوگا مگر آپ کے نزدیک یہ حدیث بھی غلط۔ اور لکھا تھا کہ مسیح موعود کے وقت میں اونٹنیاں بیکار ہو جائیں گی اور اِس میں یہ بھی اشارہ تھا کہ اُس زمانہ میں مدینہ کی طرف سے مکّہ تک ریل کی سواری جاری ہو جائے گی مگر آپ کے نزدیک یہ حدیث بھی غلط۔ پس جب کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں آپ کے نزدیک غلط ہیں تو میری پیشگوئیوں کو غلط کہنے کے وقت آپ کیوں شرم کرنے لگے۔☆

بلکہ حدیث اور میری پیشگوئیوں کا ذکر تو الگ رہا آپ تو مسلمان کہلا کر قرآن شریف سے ہی مُنہ پھیرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ عیسیٰ فوت ہو گیا ہے اور آپ نے اس کو زندہ قرار دے کر

☆ یہ بھی بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ حج کرنے سے روکے جائیں گے مگر یہ سب حدیثیں آپ کے نزدیک غلط ہیں کیونکہ ان سے میرے دعویٰ کا ثبوت ملتا ہے۔ منہ

﴿۱۱۷﴾ آسمان کے کسی حجرہ میں بٹھا رکھا ہے کیا خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے نہیں فرمایا فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ[1]۔ کیا اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ مجھے وفات دینے کے بعد تُو ہی اُن پر رقیب تھا۔ اور کیا ان تمام آیات پر نظر ڈالنے سے صریح طور پر ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عیسیٰ خدا تعالیٰ کے سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ مَیں جب تک اپنی امّت میں تھا مَیں اُن کے اعمال کا گواہ تھا اور اُن کے حالات کا علم رکھتا تھا پھر جب تُو نے مجھے وفات دے دی تو بعد اس کے تُو ہی اُن کا رقیب اور محافظ تھا۔ پس کیا اِن آیات کا بدیہی طور پر یہ خاص مطلب نہیں ہے کہ میری اُمت میری زندگی میں نہیں بگڑی بلکہ میری وفات کے بعد بگڑی۔ اور بعد وفات مجھے معلوم نہیں کہ ان کا کیا حال ہوا اور کیا مذہب اختیار کیا۔ پس خدا تعالیٰ کے اس کلام سے ظاہر ہے کہ اگر فرض کیا جائے کہ حضرت عیسیٰ اب تک زندہ ہیں تو ساتھ ہی یہ بھی فرض کرنا پڑے گا کہ عیسائی بھی اب تک بگڑے نہیں اور سچے مذہب پر قائم ہیں۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ اپنی امّت کا صراط مستقیم پر ہونا اپنی زندگی تک وابستہ کرتے ہیں اور اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ مَیں نے یہ تعلیم دی ہے کہ مجھے اور میری ماں کو خُدا کر کے مانا کرو اور جناب الٰہی میں عرض کرتے ہیں کہ جب تک مَیں اپنی امت میں تھا مَیں نے وہی تعلیم اُن کو دی جس کی تُو نے مجھے ہدایت دی تھی اور جب تو نے مجھے وفات دے دی تو بعد کے حالات کا مجھے کچھ علم نہیں۔ اور ان آیات سے صاف طور پر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ دوبارہ دنیا میں نہیں آئیں گے ورنہ لازم آتا ہے کہ قیامت کے دن وہ خدا تعالیٰ کے سامنے جھوٹ بولیں گے کیونکہ اگر وہ قیامت سے پہلے دنیا میں دوبارہ آئے ہوتے تو اِس صورت میں اُن کا یہ کہنا کہ مجھے کچھ علم نہیں کہ میری اُمت نے میرے بعد کیا عقیدہ اختیار کیا صریح جھوٹ ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ جو شخص دوبارہ دنیا میں آوے اور بچشمِ خود دیکھ جاوے کہ اس کی اُمت بگڑ چکی ہے اور نہ صرف ایک دن بلکہ برابر چالیس۴۰ برس تک اُن کے کفر کی حالت دیکھتا رہے وہ کیونکر قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے سامنے کہہ سکتا ہے کہ اپنی امت کی حالت سے محض بے خبر ہوں۔ اب ظاہر ہے کہ آپ کا یہ عقیدہ کہ

[1] المآئدة: ۱۱۸

حضرت عیسیٰ زندہ ہیں اور پھر دوبارہ زمین پر نازل ہوں گے۔ صاف اور صریح طور پر نصوصِ صریحہ قرآن شریف کے برخلاف ہے مگر پھر بھی آپ اس عقیدہ کو نہیں چھوڑتے پس اس صورت میں ﴿۱۱۸﴾ آپ پر کیا افسوس کروں کہ آپ میرے صدہا نشانوں کو دیکھ کر اُن سے منکر ہوئے جاتے ہیں اور جس طرح ایک شخص کو مٹی کھانے کی عادت ہو جاتی ہے وہ باوجود پیش کئے جانے عُمدہ غذاؤں کے پھر بھی مٹی کھانے کی طرف ہی رغبت کرتا ہے۔ یہی حال آپ کا ہو رہا ہے۔ یہ بھی جھوٹ ہے کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ حدیثوں کی رو سے ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ سمجھتے ہیں۔ صحیح بخاری جس کو آپ **اصحّ الکتب بعد کتاب اللّٰہ** قرار دیتے ہیں اس میں تو صاف لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُن مُردہ رُوحوں میں دیکھا جو اِس جہان سے گذر چکی ہیں بلکہ حضرت یحیٰی کے پاس جو فوت ہو چکے ہیں اُن کا مقام پایا۔ اب بندۂ خدا کچھ تو خدا تعالیٰ کا خوف کرنا چاہیئے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر قبض رُوح کے یونہی جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چلے گئے تھے تو اُن کو رُوحوں سے کیا تعلق تھا جو موت کے بعد دوسرے جہان میں پہنچ چکی ہیں اُن کے لئے تو کوئی علیحدہ مکان یا کمرہ چاہیئے تھا جس میں جسمانی زندگی بسر کرتے نہ کہ عالمِ فانی کے رہنے والوں کے پاس چلے جاتے جو موت کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ پس یہ کس قدر جھوٹ ہے جو آپ کے گلے کا ہار ہو رہا ہے جو ایسے شخص کو آپ زندہ قرار دیتے ہیں جو اُنیس سو ۱۹۰۰ برس سے فوت ہو چکا ہے۔ جب تک خدا تعالیٰ نے اس بھید کو نہیں کھولا تھا تب تک تو ہر ایک معذور تھا۔ اب جب کہ حَکَم آ گیا اور حقیقت کھل گئی اور قرآن شریف کی رو سے حضرت عیسیٰ کی موت ثابت ہو گئی اور حدیثوں کی رُو سے مُردہ رُوحوں میں اُن کی بود و باش پر گواہی مل گئی اور خدا کے قول سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے یعنی رؤیت سے حضرت عیسیٰ کا وفات پانا بپایۂ ثبوت پہنچ گیا بلکہ مسلم اور صحیح بخاری کی حدیث سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ آنے والا مسیح اِسی امت میں سے ہو گا اور اس مسیح نے بھی بحیثیت حَکَم ہونے کے قرآن شریف اور ان احادیث

کے مطابق گواہی دی تو اب بھی نہ ماننا۔ بتلاؤ یہ ایمانداری ہے یا بے ایمانی۔ پھر ایسے آدمی پر افسوس کیا کریں کہ وہ ہمارے نشانوں کو نہیں مانتا جب کہ اس نے نہ خدا کے قول کو مانا اور نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کو قبول کیا اور نہ چاہا کہ خدا تعالیٰ سے خوف کر کے اپنی غلطی کو چھوڑ دے۔ تو ایسا آدمی اگر میرے پر افترا کرے تو مجھے کیوں افسوس کرنا چاہیئے۔ ایک کی غلطی دوسرے کے لئے سند نہیں ہو سکتی۔ اگر فیج اعوج کے زمانہ میں ایسا خیال دلوں میں ہو گیا تھا کہ حضرت عیسیٰ زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں تو وہ قابلِ سند نہیں ہے۔ خیر القرون کے زمانہ میں اس خیال کا نام ونشان نہ تھا ورنہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس بات پر کیوں راضی ہو جاتے کہ سب انبیاء علیہم السلام فوت ہو چکے ہیں۔ اسلام میں سب سے پہلا اجماع یہی تھا کہ تمام نبی فوت ہو گئے ہیں کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو بعض صحابہ کا یہ بھی خیال تھا کہ آپ فوت نہیں ہوئے اور پھر دنیا میں واپس آئیں گے اور منافقوں کی ناک اور کان کاٹیں گے۔ تو اُس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سب کو مسجد نبوی میں جمع کیا اور یہ آیت پڑھی مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ [1] یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک نبی ہیں اور تمام انبیاء گذشتہ پہلے ان سے فوت ہو چکے ہیں۔ تب صحابہ جو سب کے سب موجود تھے رضی اللہ عنہم سمجھ گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے شک فوت ہو گئے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ **کوئی نبی بھی زندہ نہیں**۔ اور کسی نے **اعتراض نہ کیا** کہ حضرت عیسیٰ اس آیت کے مفہوم سے باہر ہیں اور وہ اب تک زندہ ہیں۔ اور کیا ممکن تھا کہ عاشقانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر راضی ہو سکتے کہ ان کا نبی تو چھوٹی سی عمر میں فوت ہو گیا اور عیسیٰ چھ سو برسوں سے زندہ چلا آتا ہے اور قیامت تک زندہ رہے گا بلکہ وہ تو اس خیال سے زندہ ہی مر جاتے پس اسی وجہ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سب کے سامنے یہ آیت پڑھ کر ان کو تسلّی دی مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ [2]۔ اور اس آیت نے ایسا

﴿۱۱۹﴾

[1،2] اٰل عمران: ۱۴۵

اثر صحابہ کے دل پر کیا کہ وہ مدینہ کے بازاروں میں یہ آیت پڑھتے پھرتے تھے گویا اُسی دن وہ نازل ہوئی تھی۔ اور اسلام میں **یہ اجماع تمام اجماعوں سے پہلا تھا کہ تمام نبی فوت ہو چکے ہیں**۔ مگر اے مولوی صاحب!! آپ کو صحابہ کے اس اجماع سے کیا غرض۔ آپ کا مذہب تو تعصّب ہے نہ کہ اسلام۔

مذہب اسلام ایسے **باطل عقیدوں** سے دن بدن تباہ ہوتا جاتا ہے مگر آپ لوگ خوش ہیں۔ ﴿۱۲۰﴾

رونقِ دیں عقائدت بُردہ   دشمناں شاد و یار آزردہ

معلوم ہوتا ہے کہ اس اجماع سے پہلے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی وفات پر ہوا بعض نادان صحابی جن کو درایت سے کچھ حصہ نہ تھا وہ ابھی اس عقیدہ سے بے خبر تھے کہ کل انبیاء فوت ہو چکے ہیں اور اسی وجہ سے صدیق رضی اللہ عنہ کو اس آیت کے سُنانے کی ضرورت پڑی اور اس آیت کے سُننے کے بعد سب نے یقین کر لیا کہ تمام گذشتہ لوگ داخلِ قبور ہو چکے ہیں اِسی وجہ سے حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ چند شعر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرثیہ میں بنائے جس میں اُس نے اسی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ یہ ہیں۔

کنت السّواد لناظری   فعمی علیک الناظر

من شاء بعدک فلیمت   فعلیک کنت احاذر

(ترجمہ) تو میری آنکھوں کی پتلی تھا پس مَیں تو تیرے مرنے سے اندھا ہو گیا۔ اب بعد تیرے جو شخص چاہے مرے (عیسیٰ ہو یا موسیٰ ہو) مجھے تو تیرے ہی مرنے کا خوف تھا۔ **جزاہ اللہ خیر الجزاء** محبت اِسی کا نام ہے۔☆

☆ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اس امت پر اتنا بڑا احسان ہے کہ اس کا شکر نہیں ہو سکتا اگر وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو مسجد نبوی میں اکٹھے کر کے یہ آیت نہ سناتے کہ تمام گزشتہ نبی فوت ہو چکے ہیں تو یہ امت ہلاک ہو جاتی۔ کیونکہ ایسی صورت میں اس زمانے کے مفسد علماء یہی کہتے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب تھا کہ حضرت عیسیٰ زندہ ہیں۔ مگر اب صدیق اکبر کی آیت ممدوحہ پیش کرنے سے اس بات پر کل صحابہ کا اجماع ہو چکا کہ کل گزشتہ نبی فوت ہو چکے ہیں بلکہ

اور اگر ایک ذرّہ انصاف ہو تو معلوم ہوگا کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام اس عقیدہ کے مخالف تھے کہ کوئی آسمان پر جا کر پھر دنیا میں آتا ہے اِسی لئے جب اُن سے الیاس نبی کے دوبارہ آنے کے بارہ میں یہودیوں نے پوچھا اور کتابیں دکھلائیں کہ لکھا ہے کہ الیاس دوبارہ دنیا میں آئے گا تب بعد الیاس آنے کے وہ مسیح موعود آئے گا جس کے آنے کا یہود کو وعدہ دیا گیا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ وہ ان کا خاتم الانبیاء ہوگا تو عیسیٰ علیہ السلام نے یہ اعتراض سُن کر فرمایا کہ یوحنا نبی جو تم میں موجود ہے اور مجھ سے پہلے آچکا ہے یہی الیاس ہے جس نے قبول کرنا ہو قبول کرے۔ اور یہ قول آپ کا یہود کو بہت ہی بُرا معلوم ہوا۔ اور اُن کو کافر اور بدعتی اور اجماع اُمّت کے برخلاف ایک بات کہنے والا قرار دیا۔ چنانچہ ایک کتاب جو حال میں ایک بڑے یہودی فاضل نے تالیف کی ہے جو میرے پاس موجود ہے۔ اُس میں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کے لئے بڑا شور ڈالتا ہے اور اُن کو وہ نعوذ باللہ کذّاب اور کافر اور ملحد کہتا ہے اور لوگوں کے سامنے اس بات کا اپیل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تم خود منصف ہو کر سوچو کہ جس حالت میں خدا نے اپنی کتاب میں یہ خبر دی تھی جیسا کہ صحیفہ ملاکی میں لکھا ہے۔ جس کی صحت اور منجانب اللہ ہونے کا

﴿۱۲۱﴾

بقیہ حاشیہ

اُس اجماع پر شعر بنائے گئے۔ ابوبکر کی روح پر خدا تعالیٰ ہزاروں رحمتوں کی بارش کرے اُس نے تمام روحوں کو ہلاکت سے بچالیا اور اس اِجماع میں تمام صحابہ شریک تھے۔ ایک فرد بھی ان میں سے باہر نہ تھا۔ اور یہ صحابہ کا پہلا اجماع تھا اور نہایت قابل شکر کارروائی تھی۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور مسیح موعود کی باہم ایک مشابہت ہے اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ قرآن شریف میں دونوں کی نسبت یہ تھا کہ جب ایک خوف کی حالت اسلام پر طاری ہوگی اور سلسلہ مرتد ہونے کا شروع ہوگا تب ان کا ظہور ہوگا سو حضرت ابوبکر اور مسیح موعود کے وقت میں ایسا ہی ہوا۔ یعنی حضرت ابوبکر کے وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صدہا جاہل عرب مرتد ہو گئے تھے۔ اور صرف دو۲ مسجدیں باقی تھیں جن میں نماز پڑھی جاتی تھی۔ حضرت ابوبکر نے دوبارہ ان کو اسلام پر قائم کیا ایسا ہی مسیح موعود کے وقت میں کئی لاکھ انسان اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی بن گئے اور یہ دونوں حالات قرآن شریف میں مذکور ہیں یعنی پیشگوئی کے طور پر ان کا ذکر ہے۔ منہ

اس شخص کو اقرار ہے کہ یہودیوں کا مسیح موعود نہیں آئے گا جب تک کہ الیاس نبی دوبارہ دنیا میں آسمان سے نازل ہو کر نہ آوے۔ اور معلوم ہے کہ اب تک الیاس نبی آسمان سے نازل نہیں ہوا جس کا نازل ہونا مسیح موعود سے پہلے ضروری ہے تو ہم کیونکر اس کو سچا مسیح موعود سمجھ لیں۔ کیا ہم اپنے ایمان کو ضائع کر دیں یا توریت سے روگردان ہو جائیں کیا کریں۔ اور جب کہ کھلے کھلے لفظوں میں ملاکی نبی نے خدا تعالیٰ سے وحی پاکر ہمیں خبر دی ہے کہ ضرور ہے کہ مسیح موعود یہودیوں میں پیدا نہ ہو جب تک کہ خدا کے وعدہ کے موافق الیاس نبی دوبارہ دنیا میں نہ آوے تو پھر یہ شخص یہودیوں کا مسیح موعود کیونکر ہو سکتا ہے☆ اور جب کہ ایسی

☆ یہودیوں کا یہ مذہب ہے کہ مسیح دو ہیں (۱) ایک وہ مسیح جو پہلے آنے والا ہے جس کے لئے یہ شرط ہے کہ اس سے پہلے الیاس دوبارہ دنیا میں آئے گا۔ یہی مسیح تھا جس کی نسبت حضرت عیسیٰ نے دعویٰ کیا کہ وہ میں ہوں مگر یہودی فاضلوں نے اس دعوے کو قبول نہ کیا اور کہا کہ یہ دعویٰ نصوصِ صریحہ کتاب اللہ کے مخالف ہے۔ وجہ یہ کہ جیسا کہ خدا کی کتاب بتلاتی ہے الیاس دوبارہ آسمان سے زمین پر نہیں آیا۔ حضرت عیسیٰ نے بار بار کہا کہ ایسی عبارتیں استعارہ کے رنگ میں ہوتی ہیں اور الیاس سے مراد اس جگہ یحییٰ یعنی یوحنا نبی ہے مگر چونکہ یہودی سخت ظاہر پرست تھے انہوں نے اس تاویل کو قبول نہ کیا اور اب تک اسی وجہ سے حضرت عیسیٰ کو قبول نہیں کرتے اور بہت توہین کرتے ہیں (۲) دوسرا مسیح جس کی یہودیوں کو انتظار ہے وہ ہے جس کی نسبت ان کا عقیدہ ہے کہ وہ چھٹے ہزار کے اخیر میں آئے گا اس لئے آج کل نہایت اضطراب یہودیوں میں ہے کیونکہ قمری حساب کی رو سے چھٹا ہزار آدم سے ختم ہو گیا اور اب ساتواں ہزار چل رہا ہے مگر وہ مسیح موعود اب تک نہیں آیا۔ عیسائیوں کے محققین کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ آمد ثانی ان کے مسیح کی چھٹے ہزار کے آخر میں ہو گی۔ اب وہ بھی نومیدی میں پڑ گئے کیونکہ چھٹے ہزار کا خاتمہ ہو گیا آخر انہوں نے نومید ہو کر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ کلیسیا کو ہی مسیح سمجھ لو اور آنے والے سے ہاتھ دھو بیٹھو۔ غرض یہودیوں کے نزدیک مسیح دو۲ ہیں اور آخری مسیح موعود جو چھٹے ہزار کے آخر میں آنے والا تھا وہ ان کے نزدیک پہلے مسیح سے بہت افضل اور صاحب اقبال ہے مگر وہ تو دونوں مسیحوں سے محروم رہے نہ وہ ملا نہ وہ ملا۔ منہ

تصریح اور وضاحت سے الیاس نبی کے دوبارہ آنے کی قبل از مسیح موعود ہمیں خبر ملی ہے جس کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی تو پھر اگر ہم تکلّف سے صَرف عَنِ الظّاهر کر کے اس پیشگوئی کی کچھ تاویل کر دیں تو یہ سخت بے ایمانی ہوگی۔ ہمیں خدا نے اپنی کتاب میں یہ تو نہیں بتلایا کہ مسیح موعود سے پہلے الیاس نبی کا کوئی مثیل آئے گا بلکہ اُس نے تو صاف طور پر ہمیں خبر دے دی ہے کہ خود الیاس ہی دوبارہ آسمان سے نازل ہو جائے گا تو پھر ایسی صریح خبر سے ہم کیونکر انکار کر دیں اور پھر آخر مضمون میں لکھتا ہے کہ اگر خدا نے قیامت کے دن ہم سے پوچھا کہ تم نے اس شخص یعنی یسوع بن مریم کو کیوں قبول نہ کیا اور کیوں اُس پر ایمان نہ لائے تو ہم ملاکی نبی کی کتاب اُس کے سامنے پیش کر دیں گے۔ ﴿۱۲۲﴾

غرض یہ عقیدہ قدیم سے یہود کا ہے کہ اُن کا سچا مسیح موعود جو پہلا مسیح موعود ہے تبھی آئے گا جب پہلے اس سے الیاس نبی دوبارہ دنیا میں آجائے گا مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کی ایک نہ سُنی اور ان کو یہی سُنائی کہ اس آنے والے سے مراد یوحنا نبی ہے۔ یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فیصلہ ہے جس کے برخلاف آپ لوگوں نے شور مچا رکھا ہے۔ کیا الیاس نبی دوبارہ دنیا میں آ گیا تا حضرت عیسیٰ بھی دوبارہ آ جائیں۔ بلکہ اگر کسی شخص کا دوبارہ دنیا میں آنا جائز ہے تو اس سے حضرت عیسیٰ سچے نبی ٹھہر نہیں سکتے اور ان کی نبوت باطل ہوتی ہے کیونکہ اس صورت میں ماننا پڑتا ہے کہ انہوں نے ناحق اپنی بات بنانے کے لئے یحییٰ نبی کو الیاس بنا دیا ورنہ الیاس ابھی آسمان سے نازل نہیں ہوا تھا۔ کیا عقلمند کے لئے الیاس نبی کے دوبارہ آنے کا قصّہ جس کی وجہ سے کئی لاکھ یہودی حضرت عیسیٰ کو ردّ کر کے واصلِ جہنّم ہو گئے عبرت کا مقام نہیں؟

جب کہ الیاس نبی جس کا آسمان سے نازل ہونا حضرت عیسیٰ کے دعویٰ کی سچائی کے لئے ایک علامت مقرر کی گئی تھی آسمان سے نازل نہ ہوا تو اب وہی راہ اس زمانہ کے مسلمان کیوں اختیار کرتے ہیں جس کی وجہ سے پہلے اِس سے یہودی کافر ہو گئے۔ اگر آسمان سے نازل ہونا سنّت اللہ میں داخل ہوتا تو الیاس کی راہ میں کون سے پتھر پڑ گئے تھے کہ باوجودیکہ خدا تعالیٰ

کی کتاب میں اس کے نازل ہونے کا وعدہ تھا پھر بھی نازل نہ ہو سکا اور حضرت عیسیٰ کو یہودیوں کے مقابل پر شرمندگی اٹھانی پڑی اور آخر یحیٰ نبی کو الیاس نبی کا مثیل ٹھہرا کر یہودیوں کے بکواس سے پیچھا چھڑایا۔

خیال کرنا چاہیئے کہ کس قدر عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کی اس حجت بازی سے دُکھ پہنچتا ہوگا جب کہ وہ بار بار کہتے تھے کہ تُو کس طرح سچا مسیح موعود ہو سکتا ہے جب کہ تجھ میں مسیح موعود کے علامات نہیں پائے جاتے کیونکہ خدا کی کتاب صاف لفظوں میں کہتی ہے کہ مسیح موعود نہیں آئے گا جب تک پہلے اس سے الیاس نبی دوبارہ دنیا میں نہ آ جائے۔ اِس حجت میں بظاہر یہودی سچے تھے کیونکہ الیاس آسمان سے نازل نہیں ہوا تھا اور نہ اب تک آسمان سے نازل ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر یہودیوں نے شرارتوں اور گستاخیوں میں دلیری کی اس کی یہی وجہ تھی کہ ظاہر الفاظ کتاب اللہ کے لحاظ سے جو مسیح موعود کی علامت تھی وہ علامت حضرت مسیح میں پائی نہ گئی اور حضرت مسیح اپنے دل میں سمجھ چکے تھے کہ میرا جواب صرف تاویلی ہے جس کو یہود قبول نہیں کریں گے اس لئے انہوں نے نرم لفظوں میں کہا کہ جو الیاس دوبارہ دنیا میں آنا تھا وہ یہی یحیٰ بن زکریا ہے چاہو تو قبول کرو۔ ایسا ہی آسمان پر چڑھنے اور اُترنے کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ مانگا گیا تھا جس کا قرآن شریف میں ذکر ہے۔ آخر اُن کو صاف جواب دیا گیا اور خدا تعالیٰ نے فرمایا قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا[1] اور عیسائیوں کو یہودی اب تک تنگ کیا کرتے ہیں کہ اگر عیسیٰ حقیقت میں مسیح موعود تھا تو کیوں الیاس نبی پہلے اس سے نازل نہ ہوا۔ عیسائی ہمیشہ اس اعتراض سے لاجواب رہتے ہیں اور ان کے سامنے بات نہیں کر سکتے۔

﴿۱۲۳﴾

سو ہمارے مخالفوں کو الیاس نبی کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی سے سبق حاصل کرنا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ یہودیوں کی طرح ان کا انجام ہو۔ مگر مماثلت پوری کرنے کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ جیسا کہ اُن سے پہلے یہودیوں نے حضرت الیاس کے دوبارہ آنے کے بارہ میں حضرت عیسیٰ

[1] بنی اسرائیل: ۹۴

سے بہت جھگڑا کیا تھا اور اُن کو بے دین اور کافر اور ملحد ٹھہرایا تھا اِسی طرح حضرت عیسیٰ کے دوبارہ آنے میں ان لوگوں کا مجھ سے بھی جھگڑا ہوتا۔ یہ نادان سمجھتے نہیں کہ جس شخص کے دوبارہ آنے کے لئے روتے اور مجھے گالیاں نکالتے ہیں وہی میرے دعویٰ کی اُن پر ڈگری کرتا ہے کیونکہ بعینہٖ اس بیان کے مطابق جو حضرت عیسیٰ کے دوبارہ آنے کے بارہ میں مَیں ان لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ یہی بیان حضرت عیسیٰ کا یہودیوں کے سامنے تھا۔ اور جس طرح خدا نے میرا نام عیسیٰ رکھا ہے اِسی طرح خدا نے یحییٰ نبی کا نام الیاس رکھ دیا تھا۔ اور یہی نظیر جو مذکور ہو چکی ہے ایک ایماندار کے لئے تسلّی بخش ہے۔ اور خدا بھی تو فرماتا ہے۔ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ [۱] اور یہودی تو ایک درجہ تک معذور بھی تھے کیونکہ یہودیوں کے زمانہ میں ابھی کسی انسان کے دوبارہ آنے میں خدا تعالیٰ کی کتابوں میں فیصلہ نہیں ہوا تھا مگر اب تو فیصلہ ہو چکا کیا الیاس نبی ملاکی نبی کی پیشگوئی کے مطابق دوبارہ دنیا میں آ گیا تا یہ لوگ بھی حضرت عیسیٰ کے دوبارہ آنے کی امید رکھیں۔ اور صحیح حدیثوں میں تو دوبارہ آنے کا کوئی لفظ بھی نہیں صرف نزول کا لفظ ہے جو محض اجلال اور اکرام کے لئے آتا ہے۔ ہر ایک عزیز مہمان کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ جب وہ تشریف لائیں گے تو ہمارے ہاں اُتریں گے تو کیا اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ آسمان سے واپس آئیں گے واپس آنے کے لئے عربی زبان میں رجوع کا لفظ ہے نہ نزول کا۔ بڑا افسوس ہے کہ ناحق یہ عقیدہ جو عیسائی مذہب کو مدد دیتا ہے مسلمان کہلانے والوں کے گلے کا ہار ہو گیا۔ ﴿۱۲۴﴾

ہمارے مخالف سخت شرمندہ اور لاجواب ہو کر آخر کو یہ عذر پیش کر دیتے ہیں کہ ہمارے بزرگ ایسا ہی کہتے چلے آئے ہیں۔ نہیں سوچتے کہ وہ بزرگ معصوم نہ تھے بلکہ جیسا کہ یہودیوں کے بزرگوں نے پیشگوئیوں کے سمجھنے میں ٹھوکر کھائی ان بزرگوں نے بھی ٹھوکر کھالی اور خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے ایسا ہی ایک غلط عقیدہ اُن میں شائع ہو گیا جیسا کہ یہود میں یہ عقیدہ شائع ہو گیا تھا کہ الیاس نبی دوبارہ آسمان سے نازل ہوگا اور یہود کے بزرگ بڑی محبت اور شوق سے الیاس نبی کے دوبارہ آنے کے منتظر تھے اُن کی نظموں اور نثروں میں بڑے درد اور

[۱] الانبیاء: ۸

وجد سے انتظار کی اُمیدیں پائی جاتی ہیں اور تمہارے بزرگ تو معصوم نہ تھے مگر اُن میں باوجود اس کے کہ اُن میں نبی اور خدا سے وحی پانے والے بھی تھے سب غلطی میں مبتلا رہے اور یہ عقدہ سربستہ رہا کہ الیاس نبی کے دوبارہ آنے سے کوئی اور نبی مراد ہے۔ نہ یہ کہ درحقیقت الیاس ہی نازل ہوگا۔ اور اس وقت تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے کسی نبی یا ولی کو یہ راز سربستہ سمجھ نہ آیا کہ الیاس کے دوبارہ آنے سے مراد یحییٰ نبی ہے نہ کہ درحقیقت الیاس۔ پس یہ کوئی نئی بات نہیں کہ اس امّت کے بعض بزرگ کسی ایک بات کے سمجھنے میں دھوکہ کھاویں۔ اور عجیب تر یہ کہ اس مسئلہ میں بھی ان بزرگوں کا اتفاق نہیں۔ بہت سے ایسے علماء گذرے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ کی وفات کے قائل ہیں۔ ان میں سے حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ بھی ہیں جیسا کہ لکھتے ہیں۔ **قد اختلف فی عیسٰی علیہ السلام ھل ھو حیّ او میّت و قال مالک مات** ۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا اور مالک رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ وہ مر گیا ہے۔ اور محی الدین ابن العربی صاحب اپنی ایک کتاب میں جو ان کی آخری کتاب ہے لکھتے ہیں کہ عیسیٰ تو آئے گا مگر بروزی طور پر یعنی کوئی اور شخص اس امت کا عیسیٰ کی صفت پر آ جائے گا صوفیوں کا یہ مقرر شدہ مسئلہ ہے کہ بعض کاملین اسی طرح پر دوبارہ دنیا میں آ جاتے ہیں کہ اُن کی روحانیت کسی اور پر تجلّی کرتی ہے اور اس وجہ سے وہ دوسرا شخص گویا پہلا شخص ہی ہو جاتا ہے۔ ہندوؤں میں بھی ایسا ہی اصول ہے اور ایسے آدمی کا نام وہ اوتار رکھتے ہیں۔ ﴿۱۲۵﴾

اور یہ خیال کہ کوئی زندہ آدمی آسمان پر چلا گیا اور یا گم ہو گیا یہ بھی ایک پُرانا خیال پایا جاتا ہے جس کے پہلے وقتوں میں کچھ اور معنے تھے اور پھر جاہلوں نے سمجھ لیا کہ درحقیقت کوئی شخص مع جسم آسمان پر چلا جاتا ہے اور پھر آتا ہے۔ سیّد احمد صاحب بریلوی کی نسبت بھی کچھ ایسے ہی خیالات اُن کے گروہ کے لوگوں میں آج تک شائع ہیں۔ گویا وہ بھی حضرت عیسیٰ کی طرح پھر آئیں گے۔ اور اگرچہ وہ پہلی آمد میں حضرت عیسیٰ کی طرح ناکام رہے مگر دوسری مرتبہ خوب تلوار چلائیں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ بڑے بڑے دعوے کر کے پھر ناکام اور نامراد دنیا سے چلے گئے اُن کی پردہ پوشی کے لئے یہ باتیں بنائی گئیں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کوئی اعتقاد نہیں رکھتا کہ آپ بھی پھر آئیں گے کیونکہ آنجناب نے اپنی آمد اوّل میں ہی کافروں کو وہ ہاتھ دکھائے جواب تک یاد کرتے ہیں اور پوری کامیابی کے ساتھ آپ کا انتقال ہوا۔

اور معلوم ہوتا ہے کہ ابن العربی صاحب نے آخر عمر میں اپنے پہلے اقوال سے رجوع کر لیا تھا۔ اس لئے ان کا آخری بیان پہلے بیان سے متناقض ہے۔ ایسا ہی بعض اور فرقے صوفیوں کے کھلے طور پر حضرت عیسیٰ کی وفات کے قائل ہیں۔ اور ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کا اسی پر اجماع ہو گیا تھا جو انبیاء گذشتہ جن میں حضرت عیسیٰ بھی شامل ہیں فوت ہو چکے ہیں۔ اُن میں سے ایک بھی زندہ نہیں پھر جیسے جیسے مذہب اسلام میں جہالت اور بدعات پھیلتی گئیں یہ بدعت بھی دین کا ایک جزو ہو گئی کہ حضرت عیسیٰ مُردہ ارواح کی جماعت میں سے نکل کر پھر دنیا میں واپس آئیں گے۔ اِس عقیدہ نے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے کیونکہ تمام دنیا میں سے صرف ایک ہی انسان کو یہ خصوصیت دی ہے کہ وہ آسمان پر مع جسم چلا گیا اور کسی زمانہ میں مع جسم واپس آئے گا۔ یہ عقیدہ حضرت عیسیٰ کو خدا بنانے کی پہلی اینٹ ہے کیونکہ ان کو ایک خصوصیت دی گئی ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ خدا جلد یہ داغ اسلام کے چہرہ سے دُور کرے۔ آمین

﴿۱۲۶﴾

بالآخر میں مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب کو محض حسبةً لِلّٰه نصیحت کرتا ہوں کہ آپ آخر عمر تک پہنچ گئے ہیں۔ اب خدا تعالیٰ کے مقابل پر بیہودہ چالاکیوں کو چھوڑ دیں۔ آپ نے بہت زور لگایا ہر ایک قسم کا مکر کیا اور نور کے بُجھانے کے لئے قابل شرم منصوبوں سے کام لیا مگر انجام کار نامراد رہے۔ اگر میں مفتری ہوتا تو آپ کا کہیں نہ کہیں ہاتھ پڑ جاتا اور میں کب کا تباہ ہو جاتا۔ ایسا آدمی جو ہر روز خدا پر جھوٹ بولتا ہے اور آپ ہی ایک بات تراشتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ یہ خدا کی وحی ہے جو مجھ کو ہوئی ہے۔ ایسا بدذات انسان تو کُتّوں اور سؤروں اور بندروں سے بدتر ہوتا ہے پھر کب ممکن ہے کہ خدا اس کی حمایت کرے۔ اگر یہ کاروبار

انسان کا ہوتا اور خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو اس کا نام ونشان نہ رہتا۔ پچیس[۲۵] برس بلکہ اس سے بھی زیادہ مدّت گذر گئی جب میں نے دعویٰ کیا تھا کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں اور اگرچہ اس دعویٰ پر ایک دنیا کو مخالفت کا جوش رہا۔ مگر اے مولوی صاحب آپ نے تو میری ایذاء میں کوئی دقیقہ کوشش کا اٹھا نہ رکھا اور آپ نہ صرف پبلک کو بلکہ ہمیشہ گورنمنٹ انگریزی کو بھی دھوکا دیتے رہے کہ یہ شخص مفتری اور گورنمنٹ کا بدخواہ ہے اور خون جیسے سنگین مقدمے میرے پر کئے گئے اور آپ ایسے مقدمات کے ثابت کرانے کے لئے خود گواہ بن کر کچہری میں حاضر ہوئے۔ اور میرے پر کفر کے فتوے لکھائے اور مجھ سے لوگوں کو بیزار کرنا چاہا۔ یہ اُس زمانہ کی بات ہے جب کہ میرے ساتھ صرف چند آدمی تھے اور آپ کی مخالفانہ کوششوں کے بعد کئی لاکھ آدمی میرے ساتھ ہو گئے۔ اگر میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتا تو میرے تباہ کرنے کے لئے آپ کی کوششوں کی ضرورت نہ تھی۔ میں خود اپنے افترا اور شامتِ اعمال سے تباہ ہو جاتا۔ یہ بات عقلِ سلیم قبول نہیں کر سکتی کہ ایک مفتری کو ایک ایسی لمبی مہلت دی جائے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ بعثت سے بھی زیادہ ہو کیونکہ اِس طرح پر امان اُٹھ جاتا ہے اور کوئی مابہ الامتیاز صادق اور کاذب میں قائم نہیں رہتا۔ بھلا اس بات کا تو جواب دو کہ جب سے میں نے دعویٰ کیا ہے کس قدر مقدمے میرے خلاف فوجداری میں اٹھائے گئے اور کوشش کی گئی کہ مجھے ماخوذ کرائیں اور آپ نے ایسے مقدمات کی تائید میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ مگر کیا کسی مقدمہ میں آپ یا آپ کا گروہ فتح یاب بھی ہوا؟ اگر مَیں صادق نہ ہوتا تو کیا وجہ کہ ہر ایک جگہ اور ہر ایک موقعہ میں خدا تعالیٰ کاذب کی ہی حمایت کرتا رہا اور جو صادق کہلاتے تھے ہر ایک میدان میں اُن کا مُنہ کالا ہوتا رہا۔ بددعائیں کرتے کرتے سجدوں میں اُن کی ناک گھس گئی مگر دن بدن خدا میری مدد کرتا رہا اور میرے مقابل پر ان کی کوئی دُعا قبول نہ ہوئی اور آپ کا تو اب تک شیوہ رہا ہے کہ بار بار خلاف واقعہ باتیں میری نسبت اپنے رسالوں اور نیز اخباروں

﴿۱۲۷﴾

میں درج کرا کر گورنمنٹ انگریزی کو اُکساتے اور میرے پر بدظن کرنا چاہتے ہیں۔ ایسی شرارتوں سے کیا ہوسکتا ہے۔ آپ یاد رکھیں کہ ان شرارتوں میں آپ ہمیشہ نامراد رہیں گے۔ کوئی امر زمین پر نہیں ہوسکتا جب تک آسمان پر قرار نہ پاوے۔

اور اس گورنمنٹ محسن کی نسبت میرے دل میں کوئی بد اِرادہ نہیں ہے۔ میں جوان تھا اور اب بوڑھا ہوگیا۔ قدیم سے میں نے اپنی بہت سی کتابوں میں بار بار یہی شائع کیا ہے کہ اس **گورنمنٹ کے ہمارے سر پر احسان ہیں کہ اس کے زیر سایہ ہم آزادی سے اپنی خدمت تبلیغ پوری** کرتے ہیں۔ اور آپ جانتے ہیں کہ ظاہری اسباب کی رُو سے آپ کے رہنے کے لئے اور بھی ملک ہیں اور اگر آپ اس ملک کو چھوڑ کر مکّہ میں یا مدینہ میں یا قسطنطنیہ میں چلے جائیں تو سب ممالک آپ کے مذہب اور مشرب کے موافق ہیں۔ لیکن اگر مَیں جاؤں تو میں دیکھتا ہوں کہ وہ سب لوگ میرے لئے بطور درندوں کے ہیں اِلَّا ما شاء اللّٰہ۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کا میرے پر احسان ہے کہ ایسی گورنمنٹ کے زیر سایہ مجھے مبعوث فرمایا ہے جس کا مسلک دلآزاری نہیں اور اپنی رعایا کو امن دیتی ہے مگر باوجود اس کے میں صرف ایک ہی ذات پر توکّل رکھتا ہوں اور اُسی کے پوشیدہ تصرّفات میں سے جانتا ہوں کہ اُس نے اِس گورنمنٹ کو میری نسبت مہربان بنا رکھا ہے اور کسی شریر مخبر کی پیش چلنے نہیں دی اور مَیں امید رکھتا ہوں کہ قبل اس کے جو مَیں اس دنیا سے گذر جاؤں۔ مَیں اپنے اُس حقیقی آقا کے سوا دوسرے کا محتاج نہیں ہوں گا اور وہ ہر ایک دشمن سے مجھے اپنی پناہ میں رکھے گا۔ فالحمد للّٰہ اوّلًا و اٰخرًا و ظاھرًا و باطنًا ھو ولیّ فی الدّنیا و الاٰخرۃ وھو نعم المولٰی و نعم النّصیر۔ اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ وہ میری مدد کرے گا اور وہ مجھے ہرگز ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ اگر تمام دنیا میری مخالفت میں درندوں سے بدتر ہو جائے تب بھی وہ میری حمایت کرے گا۔ مَیں نامرادی کے ساتھ ہرگز قبر میں نہیں اُتروں گا کیونکہ میرا خدا میرے ہر قدم میں میرے ساتھ ہے اور مَیں اس کے ساتھ ہوں۔ میرے اندرون کا جو اُس کو علم ہے کسی کو بھی علم

﴿۱۲۸﴾

نہیں۔ اگر سب لوگ مجھے چھوڑ دیں تو خدا ایک اور قوم پیدا کرے گا جو میرے رفیق ہوں گے۔ نادان مخالف خیال کرتا ہے کہ میرے مکروں اور منصوبوں سے یہ بات بگڑ جائے گی اور سِلسلہ درہم برہم ہو جائے گا مگر یہ نادان نہیں جانتا کہ جو آسمان پر قرار پا چکا ہے زمین کی طاقت میں نہیں کہ اس کو محو کر سکے۔ میرے خدا کے آگے زمین و آسمان کانپتے ہیں۔ خدا وہی ہے جو میرے پر اپنی پاک وحی نازل کرتا ہے اور غیب کے اسرار سے مجھے اطلاع دیتا ہے۔ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اور ضروری ہے کہ وہ اس سِلسلہ کو چلاوے اور بڑھاوے اور ترقی دے جب تک وہ پاک اور پلید میں فرق کر کے نہ دکھلا دے۔ ہر ایک مخالف کو چاہیئے کہ جہاں تک ممکن ہو اِس سِلسلہ کے نابود کرنے کے لئے کوشش کرے اور ناخنوں تک زور لگاوے اور پھر دیکھے کہ انجام کار وہ غالب ہوا یا خدا۔ پہلے اس سے ابوجہل اور ابولہب اور ان کے رفیقوں نے حق کے نابود کرنے کے لئے کیا کیا زور لگائے تھے مگر اب وہ کہاں ہیں۔ وہ فرعون جو موسیٰ کو ہلاک کرنا چاہتا تھا اب اس کا کچھ پتہ ہے۔ پس یقیناً سمجھو کہ صادق ضائع نہیں ہو سکتا وہ فرشتوں کی فوج کے اندر پھرتا ہے۔ بدقسمت وہ جو اُس کو شناخت نہ کرے۔ ﴿۱۲۹﴾

آپ سوچیں کہ آپ کے وہ مجدّد صاحب کہاں گئے جن کو آپ نے مجدّد کا خطاب دیا تھا اگر آسمان میں اُن کا یہ خطاب ہوتا تو وہ اپنے قول کے موافق جس کو انہوں نے **حجج الکرامہ** میں شائع کیا ہے اِس صدی سے پچیس[۲۵] برس تک زندہ رہتے مگر وہ تو صدی کے سر پر ہی فوت ہو گئے اور جس کو آپ کاذب کہتے ہیں اس نے قریباً صدی کا چہارم حصہ پا لیا ہے۔

مَیں آپ کو محض لِلّٰہ پھر دوبارہ یاد دلاتا ہوں کہ یُوں تو ہر ایک نبی کا مخالف یہی دعویٰ کرتا ہے کہ اُس نبی سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا اور نہ کوئی پیشگوئی اُس کی پوری ہوئی جیسا کہ ہم یہودیوں کی کتابوں میں حضرت عیسیٰ کی نسبت دیکھتے ہیں۔ اور یہی ہم عیسائیوں

کی کتابوں میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت لکھا ہوا پاتے ہیں۔ مگر میں آپ کو نیک صلاح دیتا ہوں کہ درندگی کا طریق چھوڑ کر اب بھی آپ میری نسبت تحقیقات کر لیں۔ اوّل منقولی طور پر مجھ سے ثبوت لے لیں کہ کیا یہ ضروری نہیں کہ اس اُمّت کا مسیح اِسی امت میں سے ہونا چاہیئے اور پھر دوسرے یہ دیکھ لیں کہ کس قدر میرے دعویٰ کی تائید میں مجھ سے نشان ظاہر ہوئے ہیں اور جو کچھ کہا جاتا ہے کہ فلاں پیشگوئی پوری نہ ہوئی۔ یہ محض☆ افترا ہے بلکہ تمام پیشگوئیاں پوری ہو گئیں اور میری کسی پیشگوئی پر کوئی ایسا اعتراض نہیں ہو سکتا جو پہلے نبیوں کی پیشگوئیوں پر جاہل اور بے ایمان لوگ نہیں کر چکے۔

اگر خدا تعالیٰ کا خوف ہو تو آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ میرے ساتھ آپ کا مقابلہ تقویٰ سے بعید ہے کیونکہ آپ لوگوں کی دستاویز صرف وہ حدیثیں ہیں جن میں سے کچھ موضوع اور کچھ ضعیف اور کچھ ان میں سے ایسی ہیں جن کے معنے آپ لوگ سمجھتے نہیں۔ مگر آپ کے مقابل پر میرا دعویٰ علیٰ وجہ البصیرت ہے اور جس وحی نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور آنے والا مسیح موعود یہی عاجز ہے اُس پر مَیں ایسا ہی ایمان رکھتا ہوں جیسا کہ مَیں قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہوں۔ اور یہ ایمان صرف حُسنِ اعتقاد سے نہیں ﴿۱۳۰﴾

☆ جس حالت میں قرآن شریف یعنی آیت فلمّا توفّیتنی سے حضرت عیسیٰ کی وفات ثابت ہے اور صحیح بخاری میں ابن عباس سے مُتوفّیک کے یہ معنے لکھے ہیں کہ مُمِیتک اور شاہ ولی اللہ صاحب بھی فوز الکبیر میں متوفیک کے معنے مُمِیتک لکھتے ہیں اور قرآن شریف سے ثابت ہے کہ رَفع توفّی کے بعد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ [۱] یہ نہیں فرماتا کہ یا عیسٰی انّی رافعک الیَّ و متوفّیک۔ اور اپنی طرف سے قرآن شریف کے لفظوں کو ان کے مواضع سے پھیرنا اس آیت کا مصداق بننا ہے کہ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ [۲] اور کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں ہوئی کہ جو اجازت دیتی ہو کہ اس آیت میں رافعک پہلے ہے اور مُتوفّیک بعد میں۔ اس صورت میں حضرت عیسیٰ کی وفات سب طرح سے ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آنے والا عیسیٰ اُمّتی ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ اِمَامُكُمْ مِنْكُم اور مسلم میں ہے کہ اَمَّكُمْ مِنْكُمْ۔ **منه**

[۱] ال عمران: ۵۶ [۲] المآئدة: ۱۴

بلکہ وحی الٰہی کی روشنی نے جو آفتاب کی طرح میرے پر چمکی ہے یہ ایمان مجھے عطا فرمایا ہے۔ جس یقین کو خدا نے خارق عادت نشانوں کے تواتر اور معارف یقینیہ کی کثرت سے اور ہر روزہ یقینی مکالمہ اور مخاطبہ سے انتہا تک پہنچا دیا ہے اس کو میں کیونکر اپنے دل میں سے باہر نکال دوں۔ کیا میں اس نعمتِ معرفت اور علم صحیح کو ردّ کر دوں جو مجھ کو دیا گیا ہے۔ یا وہ آسمانی نشان جو مجھے دکھائے جاتے ہیں مَیں اُن سے مُنہ پھیر لوں یا میں اپنے آقا اور اپنے مالک کے حکم سے سرکش ہو جاؤں کیا کروں مجھے ایسی حالت سے ہزار دفعہ مرنا بہتر ہے کہ وہ جو اپنے حسن و جمال کے ساتھ میرے پر ظاہر ہوا ہے میں اس سے برگشتہ ہو جاؤں۔ یہ دنیا کی زندگی کب تک اور یہ دنیا کے لوگ مجھ سے کیا وفاداری کریں گے تا میں ان کے لئے اُس یارِ عزیز کو چھوڑ دوں۔ مَیں خوب جانتا ہوں کہ میرے مخالفوں کے ہاتھ میں محض ایک پوست ہے جس میں کیڑا لگ گیا ہے۔ وہ مجھے کہتے ہیں کہ مَیں مغز کو چھوڑ دوں اور ایسے پوست کو میں بھی اختیار کر لوں۔ مجھے ڈراتے ہیں اور دھمکیاں دیتے ہیں۔ لیکن مجھے اُسی عزیز کی قسم ہے جس کو مَیں نے شناخت کر لیا ہے کہ مَیں ان لوگوں کی دھمکیوں کو کچھ بھی چیز نہیں سمجھتا۔ مجھے اس کے ساتھ غم بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ دوسرے کے ساتھ خوشی ہو مجھے اس کے ساتھ موت بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ اُس کو چھوڑ کر لمبی عمر ہو۔ جس طرح آپ لوگ دن کو دیکھ کر اُس کو رات نہیں کہہ سکتے۔ اِسی طرح وہ نور جو مجھ کو دکھایا گیا میں اس کو تاریکی نہیں خیال کر سکتا۔ اور جب کہ آپ اپنے اِن عقائد کو چھوڑ نہیں سکتے جو صرف شکوک اور توہمات کا مجموعہ ہے تو میں کیونکر اُس راہ کو چھوڑ سکتا ہوں جس پر ہزار آفتاب چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ کیا مَیں مجنون یا دیوانہ ہوں کہ اُس حالت میں جب کہ خدا تعالیٰ نے مجھے روشن نشانوں کے ساتھ حق دکھا دیا ہے پھر بھی مَیں حق کو قبول نہ کروں۔ مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہزار ہا نشان میرے اطمینان کے لئے میرے پر ظاہر ہوئے ہیں جن میں سے بعض کو مَیں نے لوگوں کو بتایا اور بعض کو بتایا بھی نہیں اور مَیں نے دیکھا کہ یہ نشان

خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اور کوئی دوسرا بجز اُس وحدہٗ لاشریک کے اُن پر قادر نہیں۔

﴿۱۳۱﴾ اور مجھ کو ماسواء اس کے علمِ قرآن دیا گیا اور احادیث کے صحیح معنے میرے پر کھولے گئے۔ پھر مَیں ایسی روشن راہ کو چھوڑ کر ہلاکت کی راہ کیوں اختیار کروں؟ جو کچھ مَیں کہتا ہوں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں۔ اور جو کچھ آپ لوگ کہتے ہیں وہ صرف ظنّ ہے۔ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ الۡحَقِّ شَیۡئًا [1] اور اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ جیسے ایک اندھا ایک اونچی نیچی زمین میں تاریکی میں چلتا ہے اور نہیں جانتا کہ کہاں قدم پڑتا ہے۔ سو مَیں اس روشنی کو چھوڑ کر جو مجھ کو دی گئی ہے تاریکی کو کیونکر لے لوں۔ جب کہ مَیں دیکھتا ہوں کہ خدا میری دُعائیں سنتا اور بڑے بڑے نشان میرے لئے ظاہر کرتا اور مجھ سے ہمکلام ہوتا اور اپنے غیب کے اسرار پر مجھے اطلاع دیتا ہے اور دشمنوں کے مقابل پر اپنے قوی ہاتھ کے ساتھ میری مدد کرتا ہے اور ہر میدان میں مجھے فتح بخشتا ہے اور قرآن شریف کے معارف اور حقائق کا مجھے علم دیتا ہے تو مَیں ایسے قادر اور غالب خدا کو چھوڑ کر اس کی جگہ کس کو قبول کرلوں۔

مَیں اپنے پورے یقین سے جانتا ہوں کہ خدا وہی قادر خدا ہے جس نے میرے پر تجلّی فرمائی اور اپنے وجود سے اور اپنے کلام اور اپنے کام سے مجھے اطلاع دی۔ اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ وہ قدرتیں جو مَیں اس سے دیکھتا ہوں۔ اور وہ علم غیب جو میرے پر ظاہر کرتا ہے۔ اور وہ قوی ہاتھ جس سے مَیں ہر خطرناک موقعہ پر مدد پاتا ہوں وہ اُسی کامل اور سچے خدا کی صفات ہیں جس نے آدم کو پیدا کیا اور جو نوح پر ظاہر ہوا اور طوفان کا معجزہ دکھلایا۔ وہ وہی ہے جس نے موسیٰ کو مدد دی جب کہ فرعون اس کو ہلاک کرنے کو تھا۔ وہ وہی ہے جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سیّدالرسل کو کافروں اور مشرکوں کے منصوبوں سے بچا کر فتح کامل عطا فرمائی۔ اُسی نے اس آخری زمانہ میں میرے پر تجلّی فرمائی۔

بعض نادان جو خبیث اور بدذات ہیں کہتے ہیں کہ وہ شیطان ہوگا جو تم پر ظاہر ہوا لعنة اللّٰہ علیھم الٰی یوم القیامة۔ یہ نادان نہیں جانتے کہ شیطان سب پر غالب نہیں مگر وہ خدا جو اپنے کلام اور کام کے ساتھ میرے پر ظاہر ہوا وہ سب پر غالب ہے کوئی ہے جو ﴿۱۳۲﴾ اس کا مقابلہ کرے۔ مخالف مُردے ہیں اور دشمن مرے ہوئے کیڑے ہیں کوئی نہیں

[1] النجم:۲۹

جو اُن قدرتوں کا مقابلہ کر سکے جو اُس کے کلام اور کام کے ذریعہ سے میرے پر ظاہر ہوتی ہیں وہ تمام صفتوں اور کامل قدرتوں کے ساتھ موصوف ہے نہ زمین میں نہ آسمان میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔ وہ جو ہر روز میرے پر ظاہر ہوتا اور اپنی قدرتیں مجھے دکھلاتا اور اپنے عمیق در عمیق بھید میرے پر ظاہر فرماتا ہے اگر اُس کے سوا زمین میں یا آسمان میں کوئی اور بھی خدا ہے تو تم اُس کا ثبوت دو۔ مگر تم ہرگز ثبوت نہیں دے سکتے۔ مَیں دیکھ رہا ہوں کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں وہی ایک ہے جس نے زمین و آسمان بنائے جب کہ وہ میرے پر آفتاب کی طرح چمک رہا ہے اور اس نے مجھے کامل بصیرت بخشی اور اپنی قدرتیں دکھلا کر اور مجھے سچا علم عطا فرما کر اپنے وجود پر مجھے علم دے دیا ہے تو میں کیونکر اس کو چھوڑ سکتا ہوں۔ میرے لئے جان کا چھوڑنا اس سے زیادہ آسان ہے کہ مَیں اس خدا کو چھوڑ دوں جس نے میرے پر تجلّی فرمائی۔

اندھا دشمن یونہی بکواس کرتا ہے اُس کو خدا کی خبر نہیں۔ اس کا دل مجذوم ہے اور آنکھیں بینائی سے محروم۔ ان لوگوں کا علم صرف اِس حد تک ہے کہ ظنّیات کا بُت پوج رہے ہیں جو کچھ ہے اُن کے نزدیک ۔۔۔ یہی بُت ہے، اس سے آگے اُن کی قسمت میں کچھ نہیں۔ اُس خدا سے جو اپنی تازہ قدرتوں سے پہچانا جاتا ہے یہ لوگ محض محروم ہیں اور اُس اندھے کی طرح کہ آگے قدم رکھتا ہے اور نہیں جانتا کہ آگے نشیب ہے یا فراز اور پاک زمین ہے یا نجاست ان لوگوں کی رفتار ہے۔

اور یہ لوگ نادانی سے ایک پہلو پر زور دیتے ہیں اور دوسرا پہلو فراموش کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ عیسیٰ نازل ہوگا اور وہ امّتی بن جائے گا۔ پس ان کے قول اور خدا کے قول میں فرق یہ ہے کہ یہ لوگ تو عیسیٰ کو اُمّتی بناتے ہیں اور خدا اُمتی کو عیسیٰ بناتا ہے۔ پس یہ☆ ایسا فرق نہیں تھا جس کی غلطی دور نہ ہو سکے۔ جب کہ خدا تعالیٰ کی قدرت ایک اُمّتی کو عیسیٰ بنا سکتی تھی

☆ نہیں سوچتے کہ جس حالت میں تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام اُمّتی رکھ دیا پھر اگر خدا تعالیٰ ایک اُمّتی کا نام عیسیٰ رکھ دے تو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ کیا حدیث امامکم منکم کے یہی معنے نہیں کہ آنے والا عیسیٰ اے اُمّتی لوگو! تم میں سے ہے نہ کسی اور قوم میں سے۔ منه

﴿۱۳۳﴾ اور اس طرح پر اِس اُمّت کی بزرگی بنی اسرائیل پر ظاہر ہوسکتی تھی تو پھر کیا ضرور تھا کہ عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اُتارا جائے اور خدا کے وعدہ کے برخلاف کیا جائے (کہ کوئی گیا ہوا دوبارہ دنیا میں آنہیں سکتا☆) حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کا آخری خلیفہ تھا۔ پس ایک اُمّتی کو عیسیٰ قرار دینا اِس کے یہ معنی تھے کہ وہ بھی اس امت کا آخری خلیفہ ہوگا اور یہود اس اُمّت کے اس پر بھی حملے کریں گے اور اس کو قبول نہ کریں گے۔ مگر ایک پیغمبر کو اُمّتی قرار دینے میں کونسی حکمت ہے؟ یوں تو قرآن شریف سے ثابت ہے کہ ہر ایک نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں داخل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ[1] پس اس طرح تمام انبیاء علیہم السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت ہوئے اور پھر حضرت عیسیٰ کو اُمّتی بنانے کے کیا معنے ہیں؟ اور کونسی خصوصیّت؟ کیا وہ اپنے پہلے ایمان سے برگشتہ ہوگئے تھے جو تمام نبیوں کے ساتھ لائے تھے تا نعوذ باللہ یہ سزا دی گئی کہ زمین پر اُتار کر دوبارہ تجدید ایمان کرائی جائے مگر دوسرے نبیوں کے لئے وہی پہلا ایمان کافی رہا۔ کیا ایسی کچی باتیں اسلام سے تمسخر ہے یا نہیں؟

بات صاف تھی کہ جس طرح یہود کے سِلسلہ خلافت کے خاتمہ پر عیسیٰ آیا تھا جس کو انہوں نے ردّ کیا اور قبول نہ کیا اسی طرح مقدر تھا کہ اسلام کے سلسلہ خلافت کے آخر پر ایک خلیفہ پیدا ہوگا جس کو مسلمان ردّ کریں گے اور قبول نہ کریں گے۔ اور اس وجہ سے وہ عیسیٰ

☆ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ[2] یعنی تم زمین پر ہی زندگی بسر کرو گے اور زمین پر ہی مروگے اور زمین سے ہی نکالے جاؤ گے۔ پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایک شخص صدہا برس تک آسمان پر زندگی بسر کرے اور خدا فرماتا ہے۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ[3] کہ تمہارے قرار کی جگہ زمین ہی رہے گی۔ پھر کیونکر ہوسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی قرارگاہ صدہا برس سے آسمان ہو اور خدا فرماتا ہے اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا[4] یعنی زمین کو ہم نے ایسا بنایا ہے کہ ہر ایک کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور ہر ایک جسم کو اپنے قبضہ میں رکھتی ہے۔ پھر یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ زمین کے قبضہ سے باہر چلے گئے۔ منہ

[1] ال عمران: ۸۲ [2] الاعراف: ۲۶ [3] البقرة: ۳۷ [4] المرسلات: ۲۶

کہلائے گا کہ وہ خاتم الخلفاء ہے اور نیز عیسیٰ کی طرح ردّ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اِس مشابہت کے اظہار کے لئے براہین احمدیہ میں خود فرماتا ہے۔ **''دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اُس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا''**۔ پس بات تو ایک معمولی تھی۔ ہر ایک شخص ایسی مشابہت کے وقت ایک شخص کا ایسا نام رکھ دیتا ہے۔ خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنایا گیا۔

اگر ہمارے مخالف اپنا عقیدہ صرف اس حد تک رکھتے کہ عیسیٰ مسیح آئے گا تو ضرور مگر انجیل کی تعلیم پر قائم ہوگا۔ وہ مسلمانوں کے حلال حرام کا پابند نہ ہوگا اور اپنے طور کی نماز بھی علیحدہ پڑھے گا۔ اور بجائے قرآن شریف کے انجیل کو نماز میں پڑھے گا اور اپنے تئیں مستقل طور پر پیغمبر سمجھتا ہوگا نہ اُمّتی۔ غرض ایسا شعار ظاہر نہیں کرے گا جس سے اُس کو اُمّتی کہا جائے بلکہ وہ توریت اور انجیل کا پابند اور اسی راہ کا متبع ہوگا تو اس صورت میں تنقیح طلب یہ امر ٹھہرتا ہے کہ کیا ایسا شخص دوبارہ آکر اسلام کے لئے مفید ٹھہر سکتا ہے؟ جو اپنی عملی حالتوں سے دکھلاتا ہے کہ وہ اسلام سے بالکل الگ اور اُس کا مخالف ہے اور صاف ظاہر ہے کہ ایسے انسان کا آنا مسلمانوں کے لئے اچھا نہیں کیونکہ جب کہ وہ اتنے مرتبہ کا آدمی ہو کر شعارِ اسلام سے بکلّی اپنے تئیں مخالف ظاہر کرے گا اور اس طرح نماز نہیں پڑھے گا جو مسلمان پڑھتے ہیں اور بجائے قرآن شریف کے لوگوں کو انجیل سُنائے گا اور وہ چیزیں کھائے گا جو مسلمان کھاتے نہیں اور شراب پیئے گا۔ تب بلا شبہ ایسے شخص کا وجود اسلام کے لئے بڑے فتنہ کا موجب ہوگا اور قریب ہوگا کہ اُس میں اور مسلمانوں میں کچھ دنگا فساد ہو جائے اور ایسا خطرناک وجود مسلمانوں کے لئے ایک ٹھوکر کا باعث ہوگا اور تعجب نہیں کہ عیسائی ہونے شروع ہو جائیں۔

﴿۱۳۴﴾

لیکن اگر عیسیٰ آتے ہی سیدھے دل سے **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ** پڑھ لے گا اور پابند اس نماز کا ہوگا جو مسلمان پڑھتے ہیں اور اس روزہ کا پابند جو مسلمانوں کو سکھایا

گیا اور ہر ایک حرام حلال میں اسلام پر چلے گا۔ پس اس صورت میں کیا شک ہے کہ اس حالت میں اپنے تئیں اُمّتی قرار دے گا۔ کیونکہ اُمّتیوں کے سروں پر کچھ سینگ تو نہیں ہوتے جب اُمّت ہونے کے سارے اعمال بجا لائے تو اُمّتی بن گئے۔ غرض جب عیسیٰ علیہ السلام کو تعلیم توریت چھڑا کر اُمّتی بنایا گیا تو پھر اِس صورت میں تنقیح طلب یہ امر ہوگا کہ وہ عیسیٰ جو یہود کے انبیاء کا خاتم الخلفاء تھا پھر اُسی کو اُمّتی بنا کر محمدی دین کا خاتم الخلفاء بنایا۔ کیا اس سے وہ حکمتِ الٰہیہ پوری ہوسکتی ہے جس کا ارادہ کیا گیا ہے۔

اور یہ بات عقلمندوں پر ظاہر ہے کہ بنی اسمٰعیل میں خدا تعالیٰ نے بمقابل بنی اسرائیل کے ایک سِلسلہ قائم کر کے یہ چاہا کہ ہر ایک طور سے اس سلسلہ کو اسرائیلی سِلسلہ سے مشابہ اور مماثل کرے۔ پس اُس نے اِسی ارادہ سے ہمارے سیّد و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ بنایا جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا[1] یعنی ہم نے اِس رسول کو اُس رسول کی مانند بھیجا جو فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اور پھر آخر سلسلہ میں یہ ضرور تھا کہ خاتم الخلفاء اس امت کا عیسیٰ کا مثیل ہو جو عیسیٰ کی طرح چودھویں صدی میں مثیل موسیٰ کے بعد ظاہر ہو کیونکہ موسیٰ کے سِلسلہ کا آخری خلیفہ عیسیٰ تھا جو چودہ سَو برس بعد اس کے ظاہر ہوا اور پھر اسرائیلی سِلسلہ کے وہ یہود تھے جنہوں نے عیسیٰ کو قبول نہ کیا اس لئے خدا کے کلام نے یہ بھی وعدہ دیا کہ اس اُمت میں بھی آخری زمانہ میں جو مسیح موعود کا زمانہ ہوگا یہود سیرت پیدا ہو جائیں گے۔

اب جب کہ ظاہر ہے کہ مثیل موسیٰ عین موسیٰ نہیں اور آخری زمانہ کے یہود سیرت عین یہود نہیں تو پھر کیا وجہ کہ آنے والا وہی عیسیٰ اُتر آیا جو پہلے گذر چکا تھا۔ ایسا سمجھنا تو کتاب اللہ کے برخلاف ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ بعض گروہ اس اُمت کے انبیاء بنی اسرائیل کے قدم پر چلیں گے اور بعض افراد اِس اُمت کے اُن یہودیوں کے قدم پر چلیں گے جنہوں نے حضرت عیسیٰ کو قبول نہیں کیا تھا

﴿۱۳۵﴾

[1] المزّمل: ۱٦

اور صلیب دینا چاہا تھا جو مغضوب علیھم قرار پائیں گے۔ اسی واسطے خدا تعالیٰ نے پنجوقتہ نماز میں بھی یہی دُعا سکھلائی جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۃ فاتحہ میں یہ تعلیم فرماتا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔[1] پس اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے مراد انبیاء یہود ہیں اور مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد وہ یہود ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ کو قبول نہیں کیا تھا۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ اس امت میں ایسے یہود سیرت بھی ہونے والے ہیں جو حضرت عیسیٰ کے وقت تھے۔ پس ضرور ہے کہ ان کے ساتھ اِسی اُمت میں سے ایک عیسیٰ بھی ہو جس کے انکار سے وہ اُس قسم کے یہودی بن جائیں گے جو مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ہیں۔ اب وہ لوگ جو مجھ کو ملامت کرتے ہیں کہ تُو نے اپنے تئیں عیسیٰ کیوں بنایا درحقیقت یہ ملامت اُن کی طرف ہی رجوع کرتی ہے کیونکہ اگر وہ یہود نہ بنتے تو مَیں بھی عیسیٰ نہ بنتا۔ مگر ضرور تھا کہ خدا کا کلام پورا ہوتا۔ عجیب نادان ہیں۔ یہود بننے کے لئے آپ طیار ہیں مگر عیسیٰ کو باہر سے لاتے ہیں۔ ﴿۱۳۶﴾

خلاصہ کلام یہ کہ اسمٰعیلی سِلسلہ کی عمارت بالکل اسرائیلی سِلسلہ کے مطابق بنائی گئی ہے۔ یہی حکمت ہے کہ اس سِلسلہ کا عیسیٰ بھی خاندان بنی اسمٰعیل میں سے نہیں ہے کیونکہ مسیح بھی بنی اسرائیل سے نہیں آیا تھا۔ وجہ یہ کہ بنی اسرائیل میں کوئی اُس کا باپ نہ تھا صرف ماں اسرائیلی تھی یہی مشابہت اس جگہ موجود ہے۔ میں بیان کر چکا ہوں کہ میری بعض اُمّہات سادات میں سے تھیں اور خدا کی وحی نے بھی یہی مجھ پر ظاہر کیا اور جس طرح حضرت عیسیٰ نے باپ کے ذریعہ سے رُوح حاصل نہیں کی تھی اِسی طرح میں نے بھی علم اور معرفت کی رُوح کسی روحانی باپ سے یعنی اُستاد سے حاصل نہیں کی پس ان تمام باتوں میں مجھ میں اور حضرت عیسیٰ میں شدید مشابہت ہے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ نے اسرائیلی سِلسلہ کے مقابل پر اسمٰعیلی سِلسلہ قائم کرکے عیسیٰ بننے کے لئے مجھے چُن لیا۔ صدرِ سِلسلہ اسلام میں حضرت سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کا نام

[1] الفاتحۃ: ۶، ۷

موسیٰ رکھا گیا جن کے ماں باپ دونوں قریش تھے۔ اور آخر سلسلہ میں یہ عاجز ہے جو فقط ماں کے لحاظ سے قریش ہے جس کا نام عیسیٰ رکھا گیا۔

مردمِ نا اہل گویندم کہ چوں عیسیٰ شدی بشنو از من ایں جوابِ شاں کہ اے قومِ حسود

چوں شمارا شد یہود اندر کتابِ پاک نام پس خدا عیسیٰ مرا کرد است از بہرِ یہود

ورنہ از روئے حقیقت تخمِ ایشاں نیستید نیز ہم من ابن مریم نیستم اندر وُجود

گر نہ بودندے شما۔ مارا نبودے ہم اثر از شما شد ہم ظہورم پس زِ غوغاہا چہ سُود

ہرچہ بود از نیک و بد در دینِ اسرائیلیاں آں ہمہ در ملّت احمد نقوشِ خود نمود

قومِ ما در ہر قدم ماند بقومِ موسوی بعض زیشاں صالحان وبعض دیگر چوں غدود

چونکہ موسیٰ شد نبیٔ ما۔ کہ صدرِ دینِ ماست لاجرم عیسیٰ شدم آخر ازاں ربّ ودود

نیز ہم اینجا یہودِ بد گہر پیدا شدند تا بیازارند عیسیٰ را چو آں قومے کہ بود

الغرض آں ذوالمنن در ہر صلاح و ہر فساد ہمچو اسرائیلیاں بر قوم ما ہر در کشود

﴿۱۳۷﴾

چوں خدا نامِ رسولِ پاک ما موسیٰ نہاد نام شد بوجہل را فرعون چوں کینش فزود

پس در اوّل چوں کلیم آمد بحکمِ کردگار ہم پئے تکمیل عیسیٰ را در آخر شد ورُود

بعدازیں روتافتن از مقتضائے شقوت است ورنہ ایں گفتارِ ما ہر شک و شبہت را ربود

پس چہ حاصل تیرہا انداختن بر صادقاں
ہر کہ از بد باز ناید نار را گردد وقُود

خلاصہ یہ کہ مَیں حق پر ہوں اور نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کے موافق میرا دعویٰ ہے اور ہزارہا نشان میری سچائی کے گواہ ہیں۔ اور آئندہ بھی طالبِ حق کے لئے نشانوں کا دروازہ بند نہیں اور جو کچھ مخالفوں کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ فلاں پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ یہ اُن کی نابینائی ہے۔ ورنہ سب پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں اور بعض پوری ہونے والی ہیں۔ ہاں چونکہ اُن کی نظر تعصّب کے گرد و غبار کی وجہ سے موٹی ہے اس لئے وہ پیشگوئیاں جو بہت کھلی کھلی

ہیں اُن کو وہ ماننی پڑتی ہیں اور جو پیشگوئیاں کسی قدر دقّتِ نظر کی محتاج ہیں وہ اُن کے نزدیک گویا پوری نہیں ہوئیں لیکن ایسی پیشگوئی شاید دس ہزار میں سے ایک ہو۔ پس کس قدر لعنت کا داغ اس دل پر ہے کہ دس ہزار پیشگوئی سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتا۔ اور بار بار ایک کُتّے کی طرح عَوعَو کرتا ہے کہ فلاں پیشگوئی پوری نہیں ہوئی اور نہ صرف اسی قدر بلکہ سخت بے حیائی سے ساتھ اس کے گالیاں بھی دیتا ہے۔ ایسا انسان اگر کسی پہلے نبی کے وقت میں بھی ہوتا تو کیا اس کو قبول کر لیتا ہرگز نہیں۔ کیونکہ ہر ایک نبی کی کوئی نہ کوئی پیشگوئی کافروں پر مشتبہ رہی ہے۔

اے نادان! اوّل تعصب کا پردہ اپنی آنکھ پر سے اُٹھا۔ تب تجھے معلوم ہو جائے گا کہ سب پیشگوئیاں پوری ہوگئیں۔ خدا تعالیٰ کی نصرت ایک تُند اور تیز دریا کی طرح مخالفوں پر حملہ کر رہی ہے پر افسوس کہ ان لوگوں کو کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا۔ زمین نے نشان دکھلائے اور آسمان نے بھی۔ اور دوستوں میں بھی نشان ظاہر ہوئے ہیں اور دشمنوں میں بھی۔ مگر اندھے لوگوں کے نزدیک ابھی کوئی نشان ظاہر نہیں ہوا۔ لیکن خدا اس کام کو ناتمام نہیں چھوڑے گا جب تک وہ پاک اور پلید میں فرق کر کے نہ دکھلاوے۔ ﴿۱۳۸﴾

مخالف چاہتے ہیں کہ میں نابود ہو جاؤں اور ان کا کوئی ایسا داؤ چل جائے کہ میرا نام ونشان نہ رہے **مگر وہ ان خواہشوں میں نامراد رہیں گے اور نامرادی سے مریں گے اور بہتیرے اُن میں سے ہمارے دیکھتے دیکھتے مر گئے اور قبروں میں حسرتیں لے گئے مگر خدا تمام میری مرادیں پوری کرے گا۔ یہ نادان نہیں جانتے کہ جب میں اپنی طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے اس جنگ میں مشغول ہوں تو میں کیوں ضائع ہونے لگا اور کون ہے جو مجھے نقصان پہنچا سکے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جب کوئی کسی کا ہو جاتا ہے تو اُس کو بھی اُس کا ہونا ہی پڑتا ہے۔**

بعض یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ سچ ہے کہ صحیح بخاری اور مسلم میں یہ لکھا ہے کہ آنے والا عیسیٰ

اِسی امت میں سے ہوگا۔لیکن صحیح مسلم میں صریح لفظوں میں اس کا نام نبی اللہ رکھا ہے۔پھر کیونکر ہم مان لیں کہ وہ اِسی امت میں سے ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام بدقسمتی دھوکہ سے پیدا ہوئی ہے کہ نبی کے حقیقی معنوں پر غور نہیں کی گئی۔ نبی کے معنے صرف یہ ہیں کہ خدا سے بذریعہ وحی خبر پانے والا ہو اور شرف مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہو۔شریعت کا لانا اس کے لئے ضروری نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ صاحب شریعت رسول کا متبع نہ ہو۔پس ایک امّتی کو ایسا نبی قرار دینے سے کوئی محذور لازم نہیں آتا بالخصوص اس حالت میں کہ وہ امّتی اپنے اسی نبی متبوع سے فیض پانے والا ہو بلکہ فساد اس حالت میں لازم آتا ہے کہ اس اُمت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک مکالماتِ الٰہیہ سے بےنصیب قرار دیا جائے۔وہ دین۔دین نہیں ہے اور نہ وہ نبی، نبی ہے جس کی متابعت سے انسان خدا تعالیٰ سے اس قدر نزدیک نہیں ہوسکتا کہ مکالماتِ الٰہیہ سے مشرف ہو سکے۔وہ دین لعنتی اور قابلِ نفرت ہے جو یہ سکھلاتا ہے کہ صرف چند منقولی باتوں پر انسانی ترقیات کا انحصار ہے اور وحیِ الٰہی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے اور خدائے حیّ و قیّوم کی آواز سُننے اور اُس کے مکالمات سے قطعی نومیدی ہے اور اگر کوئی آواز بھی غیب سے کسی کے کان تک پہنچتی ہے تو وہ ایسی مشتبہ آواز ہے کہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ خدا کی آواز ہے یا شیطان کی۔سو ایسا دین بہ نسبت اس کے کہ اُس کو رحمانی کہیں۔شیطانی کہلانے کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔دین وہ ہے جو تاریکی سے نکالتا اور نور میں داخل کرتا ہے اور انسان کی خداشناسی کو صرف قصّوں تک محدود نہیں رکھتا بلکہ ایک معرفت کی روشنی اس کو عطا کرتا ہے۔سو سچے دین کا متبع اگر خود نفسِ امّارہ کے حجاب میں نہ ہو۔خدا تعالیٰ کے کلام کو سُن سکتا ہے۔سو ایک امّتی کو اس طرح کا نبی بنانا سچے دین کی ایک لازمی نشانی ہے۔ ﴿۱۳۹﴾

اور اگر نبی کے یہ معنے ہیں کہ اُس پر شریعت نازل ہو یعنی وہ نئی شریعت لانے والا ہو

تو یہ معنے حضرت عیسیٰ پر بھی صادق نہیں آئیں گے کیونکہ وہ شریعت محمدیہ کو منسوخ نہیں کر سکتے۔ اُن پر کوئی ایسی وحی نازل نہیں ہو سکتی جو قرآن شریف کو منسوخ کرے بلکہ ان کے دوبارہ لانے سے یہ وہم گذرتا ہے کہ شاید ان کے ذریعہ سے شریعت اسلامیہ میں کچھ تبدیل و ترمیم کیا جائے گا۔ ورنہ اگر نبی کے صرف یہ معنے کئے جائیں کہ اللہ جلّ شانہ اس سے مکالمہ و مخاطبہ رکھتا ہے اور بعض اسرارِ غیب کے اُس پر ظاہر کرتا ہے تو اگر ایک امّتی ایسا نبی ہو جائے تو اس میں حرج کیا ہے خصوصاً جب کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں اکثر جگہ یہ امید دلائی ہے کہ ایک اُمّتی شرف مکالمہ الٰہیہ سے مشرف ہو سکتا ہے اور خدا تعالیٰ کو اپنے اولیاء سے مکالمات اور مخاطبات ہوتے ہیں بلکہ اسی نعمت کے حاصل کرنے کے لئے سورۃ فاتحہ میں جو پنج وقت فریضہ نماز میں پڑھی جاتی ہے یہی دعا سکھلائی گئی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ تو کسی امّتی کو اس نعمت کے حاصل ہونے سے کیوں انکار کیا جاتا ہے۔ کیا سورۃ فاتحہ میں وہ نعمت جو خدا تعالیٰ سے مانگی گئی ہے جو نبیوں کو دی گئی تھی وہ درہم و دینار ہیں۔ ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ کی نعمت ملی تھی جس کے ذریعہ سے اُن کی معرفت حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچ گئی تھی۔ اور گفتار کی تجلّی دیدار کے قائم مقام ہو گئی تھی۔ پس یہ جو دُعا کی جاتی ہے کہ اے خداوند وہ راہ ہمیں دکھا جس سے ہم بھی اُس نعمت کے وارث ہو جائیں اس کے بجز اس کے اور کیا معنے ہیں کہ ہمیں بھی شرف مکالمہ اور مخاطبہ بخش۔ ﴿۱۴۰﴾

بعض جاہل اس جگہ کہتے ہیں کہ اس دُعا کے صرف یہ معنے ہیں کہ ہمارے ایمان قوی کر اور اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما اور وہ کام ہم سے کرا جس سے تُو راضی ہو جائے۔ مگر یہ نادان نہیں جانتے کہ ایمان کا قوی ہونا یا اعمال صالحہ کا بجا لانا اور خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق قدم اٹھانا یہ تمام باتیں معرفت کاملہ کا نتیجہ ہیں۔ جس دل کو خدا تعالیٰ کی معرفت میں سے کچھ حصّہ نہیں ملا وہ دل ایمان قوی اور اعمال صالحہ سے بھی بے نصیب ہے۔ معرفت سے ہی خدا تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور معرفت سے ہی خدا تعالیٰ کی محبت دل میں جوش

مارتی ہے۔جیسا کہ دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ ہر ایک چیز کا خوف یا محبت معرفت سے ہی پیدا ہوتا ہے۔اگر اندھیرے میں ایک شیر ببر تمہارے پاس کھڑا ہو اور تم کو اس کا علم نہ ہو کہ یہ شیر ہے بلکہ یہ خیال ہو کہ یہ ایک بکرا ہے تو تمہیں کچھ بھی اس کا خوف نہیں ہوگا اور جبھی کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ تو شیر ہے تو تم بے حواس ہو کر اس جگہ سے بھاگ جاؤ گے۔ایسا ہی اگر تم ایک ہیرے کو جو ایک جنگل میں پڑا ہوا ہے جو کئی لاکھ روپیہ قیمت رکھتا ہے محض ایک پتھر کا ٹکڑا سمجھو گے تو اس کی تم کچھ بھی پروانہیں کرو گے۔لیکن اگر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ اس شان اور عظمت کا ہیرا ہے تب تو تم اس کی محبت میں دیوانہ ہو جاؤ گے اور جہاں تک تم سے ممکن ہوگا اس کے حاصل کرنے کے لئے کوشش کرو گے۔پس معلوم ہوا کہ تمام محبت اور خوف معرفت پر موقوف ہے۔انسان اس سوراخ میں ہاتھ نہیں ڈال سکتا جس کی نسبت اُس کو معلوم ہو جائے کہ اُس کے اندر ایک زہریلا سانپ ہے اور نہ اُس مکان کو چھوڑ سکتا ہے جس کی نسبت اُس کو یقین ہو جائے کہ اُس کے نیچے ایک بڑا بھاری خزانہ مدفون ہے۔اب چونکہ تمام مدار خوف اور محبت کا معرفت پر ہے اس لئے خدا تعالیٰ کی طرف بھی پورے طور پر اس وقت انسان جُھک سکتا ہے جب کہ اس کی معرفت ہو۔اوّل اُس کے وجود کا پتہ لگے اور پھر اُس کی خوبیاں اور اُس کی کامل قدرتیں ظاہر ہوں اور اس قسم کی معرفت کب میسّر آسکتی ہے بجز اس کے کہ کسی کو خدا تعالیٰ کا شرفِ مکالمہ اور مخاطبہ حاصل ہو اور پھر اعلام الٰہی سے اس بات پر یقین آ جائے کہ وہ عالم الغیب ہے اور ایسا قادر ہے کہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔سو اصلی نعمت (جس پر قوتِ ایمان اور اعمال صالحہ موقوف ہیں) خدا تعالیٰ کا مکالمہ اور مخاطبہ ہے جس کے ذریعہ سے اوّل اُس کا پتہ لگتا ہے اور پھر اُس کی قدرتوں سے اطلاع ملتی ہے اور پھر اس اطلاع کے موافق انسان ان قدرتوں کو بچشمِ خود دیکھ لیتا ہے۔یہی وہ نعمت ہے جو انبیاء علیہم السلام کو دی گئی تھی اور پھر اس امّت کو حکم ہوا کہ اس نعمت کو تم مجھ سے مانگو کہ مَیں تمہیں بھی دوں گا۔پس جس کے دل میں یہ پیاس

﴿۱۴۱﴾

لگا دی گئی ہے کہ اس نعمت کو پاوے بیشک اس کو وہ نعمت ملے گی۔

لیکن وہ لوگ جو خدا تعالیٰ سے لا پروا ہیں خدا تعالیٰ اُن سے لا پروا ہے۔ خدا تعالیٰ کا مکالمہ اور مخاطبہ یہی تو ایک جڑ ہے معرفت کی اور تمام برکات کا سرچشمہ ہے اگر اس امّت پر یہ دروازہ بند ہوتا تو سعادت کے تمام دروازے بند ہوتے مگر مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ سے اُس قسم کے کلمات مراد نہیں ہیں جن کی نسبت خود مُلہم متردّد ہو کہ آیا وہ شیطانی ہیں یا رحمانی۔ ایسے بے برکت کلمات جن میں شیطان بھی شریک ہوسکتا ہے شیطانی ہی سمجھنے چاہئیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے روشن اور بابرکت اور لذیذ کلمات شیطان کے کلمات سے مشابہ نہیں ہو سکتے اور جن دلوں میں بباعث طہارتِ کاملہ شیطان کا کچھ حصہ نہیں رہتا اُن کی وحی میں بھی شیطان کا کچھ حصہ نہیں رہتا اور شیطان انہیں نجس دلوں پر اُترتا ہے جو شیطان کی طرح اپنے اندر ناپاکی رکھتے ہیں۔ پاک نفسوں پر پاک کا کلام نازل ہوتا ہے اور پلید نفسوں پر پلید کا۔

اور اگر ایک انسان اپنے الہام میں متحیّر ہے اور نہیں جانتا کہ وہ شیطان کی طرف سے ہے یا خدا کی طرف سے۔ ایسے شخص کا الہام اُس کے لئے آفتِ جان ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اُس الہام کی بنا پر کسی نیک کو بد قرار دے حالانکہ وہ الہام شیطان کی طرف سے ہو اور ممکن ہے کہ کسی بد کو نیک قرار دے حالانکہ وہ سراسر شیطانی تعلیم ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک امر کو جو الہام کے ذریعہ سے اسؔ کو معلوم ہوا ہے خدا کا امر سمجھ کر بجا لاوے حالانکہ وہ شیطان نے حکم دیا ہو۔ اور اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ایک حکم شیطان کا حُکم سمجھ کر ترک کر دے حالانکہ وہ خدا تعالیٰ کا حُکم ہو۔ ﴿۱۴۲﴾

صاف ظاہر ہے کہ بجز ایک قطعی فیصلہ کے یعنی بجز اس امر کے کہ دل اس یقین سے پُر ہو کہ درحقیقت یہ خدا کا حکم ہے اس کے کرنے کے لئے پوری استقامت حاصل نہیں ہوسکتی خصوصاً بعض امور ایسے ہوتے ہیں کہ ظاہر شرع کو اُن پر کچھ اعتراض بھی ہوتا ہے جیسا کہ

خِضر کے کام پر ظاہر شرع کو سراپا اعتراض تھا۔نبیوں کی تمام شریعتوں میں سے کسی شریعت میں یہ حکم نہیں کہ ایک بے گناہ بچہ کو قتل کر دو۔ پس اگر خضر کو یہ یقین نہ ہوتا کہ یہ وحی خدا کی طرف سے ہے تو وہ کبھی قتل نہ کرتا اور اگر موسیٰ کی ماں کو یقین نہ ہوتا کہ اس کی وحی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے تو کبھی اپنے بچہ کو دریا میں نہ ڈالتی۔

اب ظاہر ہے کہ ایسا الہام کس طرح فخر کے لائق ہوسکتا اور کس طرح اس کے ضرر سے انسان امن میں رہ سکتا ہے جس کی نسبت کبھی تو اس کا یہ خیال ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور کبھی یہ خیال ہے کہ شیطان کی طرف سے ہے۔ ایسا الہام تو آفتِ جان اور آفتِ ایمان ہے بلکہ ایک بَلا ہے جس سے کبھی نہ کبھی وہ ہلاک ہوسکتا ہے۔ خدا تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ اپنے اُن بندوں کو جو تعلّقاتِ نفس امّارہ سے الگ ہوکر محض اس کے ہو جاتے ہیں اور اُس کی محبت کی آگ سے تمام ماسوا اللہ کو جلا دیتے ہیں وہ اپنے ایسے بندوں کو شیطان کے پنجہ میں گرفتار کرے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جس طرح روشنی اور تاریکی میں فرق ہے اِسی طرح شیطانی وساوس اور خدا تعالیٰ کی پاک وحی میں فرق ہے۔

بعض خشک ملاؤں کو یہاں تک انکار میں غلوّ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مکالماتِ الٰہیہ کا دروازہ ہی بند ہے اور اس بدقسمت امّت کے یہ نصیب ہی نہیں کہ یہ نعمت حاصل کر کے اپنے ایمان کو کامل کرے اور پھر کشش ایمانی سے اعمال صالحہ کو بجالاوے۔

ایسے خیالات کا یہ جواب ہے کہ اگر یہ امت درحقیقت ایسی ہی بد بخت اور اندھی اور شرّ الامم ہے تو خدا نے کیوں اس کا نام خیر الامم رکھا بلکہ سچ بات یہ ہے کہ وہی لوگ احمق اور نادان ہیں کہ جو ایسے خیالات رکھتے ہیں ورنہ جس طرح خدا تعالیٰ نے اِس امّت کو وہ دُعا سکھلائی ہے جو سورۃ فاتحہ میں ہے۔ ساتھ ہی اُس نے یہ ارادہ بھی فرمایا ہے کہ اس امّت کو وہ نعمت عطا بھی کرے جو نبیوں کو دی گئی تھی یعنی مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ جو سرچشمہ تمام نعمتوں کا ہے۔ کیا خدا تعالیٰ نے وہ دُعا سکھلا کر صرف دھوکا ہی دیا ہے

﴿۱۴۳﴾

اور ایسی ناکارہ اور ذلیل امّت میں کیا خیر ہو سکتی ہے جو بنی اسرائیل کی عورتوں سے بھی گئی گذری ہے۔

ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ کی ماں اور حضرت عیسیٰ کی ماں دونوں عورتیں تھیں اور بقول ہمارے مخالفین کے نبیہ نہیں تھیں تاہم خدا تعالیٰ کے یقینی مکالمات اور مخاطبات ان کو نصیب تھے اور اب اگر اس امت کا ایک شخص اس قدر طہارتِ نفس میں کامل ہو کہ ابراہیم کا دل پیدا کرلے اور اتنا خدا تعالیٰ کا تابعدار ہو جو تمام نفسانی چولا پھینک دے اور اتنا خدا تعالیٰ کی محبت میں محو ہو کہ اپنے وجود سے فنا ہو جائے تب بھی وہ باوجود اس قدر تبدیلی کے موسیٰ کی ماں کی طرح بھی وحی الٰہی نہیں پا سکتا کیا کوئی عقلمند خدا تعالیٰ کی طرف ایسا بخل منسوب کر سکتا ہے۔ اب ہم بجز اس کے کیا کہیں کہ **لعنة اللّٰه علی الکاذبین**۔

اصل بات یہ ہے کہ جب ایسے لوگ سراسر دنیا کے کیڑے ہو گئے اور اسلام کا شعار صرف پگڑی اور ڈاڑھی اور ختنہ اور زبان سے چند اقرار اور رسمی نماز روزہ رہ گیا تو خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں کو مسخ کر دیا اور ہزار ہا تاریکی کے پردے آنکھوں کے آگے آ گئے اور دل مر گئے اور کوئی زندہ نمونہ روحانی حیات کا اُن کے ہاتھ میں نہ رہا ناچار ان کو مکالماتِ الٰہیہ سے انکار کرنا پڑا اور یہ انکار درحقیقت اسلام سے انکار ہے لیکن چونکہ دل مر چکے ہیں اس لئے یہ لوگ محسوس نہیں کرتے کہ ہم کس حالت میں پڑے ہیں۔

یہ نادان نہیں جانتے کہ اگر یہی حالت ہے تو پھر اسلام اور دوسرے مذاہب میں فرق کیا رہا۔ یوں تو برہمو سماج والے بھی خدا تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک کہتے ہیں اور تناسخ کے بھی قائل نہیں اور کوئی شرک نہیں کرتے اور روزِ جزا سزا کو بھی مانتے ہیں اور کلمہ **لَا الٰـہ الّا اللّٰـہ** کے بھی اقراری ہیں۔ پھر جب کہ ان تمام باتوں میں برہمو شریک ہیں تو ایسی صورت میں کہ مسلمانوں کی ترقیات بھی اسی حد تک ہیں ان میں اور برہموؤں میں کیا فرق ہے۔ پس اگر مذہب اسلام نعوذ باللہ کوئی امتیازی نعمت عطا نہیں کرتا اور انسانی خیالات تک ہی منتہی ہوتا ہے

تو اس صورت میں وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مذہب نہیں ٹھہر سکتا۔ بھلا ایک شخص اسلام کے ہر ایک پاک عقیدہ کے موافق اپنا عقیدہ رکھتا ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مفتری سمجھتا ہے جیسا کہ برہموسماج والے سمجھتے ہیں تو اس خیال کے مسلمان اس کے آگے اپنے مذہب کا مابہ الامتیاز کیا پیش کر سکتے ہیں جو صرف قصے کہانیاں نہ ہوں بلکہ ایک ایسی مشہود و محسوس نعمت ہو جو ان کو دی گئی اور اُن کے غیر کو نہیں دی گئی۔ پس اے بدبخت اور بدقسمت قوم! وہ وہی نعمت ہے جو مکالمات اور مخاطباتِ الٰہیہ ہیں جن کے ذریعہ سے علومِ غیب حاصل ہوتے اور خدا کی تائیدی قدرتیں ظہور میں آتی ہیں اور خدا کی وہ نصرتیں جن پر وحی الٰہی کی مہر ہوتی ہے ظاہر ہوتی ہیں اور وہ لوگ اُس مُہر سے شناخت کئے جاتے ہیں۔ اس کے سوا کوئی مابہ الامتیاز نہیں۔ اور جب تم خود مانتے ہو جو خدا دعاؤں کو سُنتا ہے۔ پس اے سُست ایمانو! اور دلوں کے اندھو! جب کہ وہ سُن سکتا ہے تو کیا وہ بول نہیں سکتا؟ اور جب کہ سُننے میں اس کی کوئی ہتکِ عزّت نہیں تو پھر اپنے بندوں کے ساتھ بولنے سے کیوں اُس کی ہتک عزّت ہوگئی؟ ورنہ یہ اعتقاد رکھو کہ جیسا کہ کچھ مدّت سے الہام الٰہی پر مہر لگ گئی ہے ویسا ہی اُسی مدّت سے خدا کی شنوائی پر بھی مہر لگ گئی ہے۔ اور اب خدا نعوذ باللہ صُمٌّ بُکْمٌ میں داخل ہے۔ کیا کوئی عقلمند اس بات کو قبول کر سکتا ہے کہ اس زمانہ میں خُدا سُنتا تو ہے مگر بولتا نہیں۔ پھر بعد اس کے یہ سوال ہوگا کہ کیوں نہیں بولتا۔ کیا زبان پر کوئی مرض لاحق ہوگئی ہے مگر کان مرض سے محفوظ ہیں۔ جب کہ وہی بندے ہیں اور وہی خدا ہے اور تکمیلِ ایمان کے لئے وہی حاجتیں ہیں بلکہ اس زمانہ میں جو دلوں پر دہریّت غالب ہوگئی ہے بولنے کی اسی قدر ضرورت تھی جس قدر سُننے کی۔ تو پھر کیا وجہ کہ سُننے کی صفت تو اب تک ہے مگر بولنے کی صفت معطّل ہوگئی ہے۔

افسوس کہ چودھویں صدی میں سے بھی بائیس[۲۲] برس گذر گئے اور ہمارے دعوے کا زمانہ

﴿۱۴۵﴾

اس قدر لمبا ہو گیا کہ جو لوگ میرے دعویٰ کے ابتدائی زمانہ میں ابھی پیٹ میں تھے اُن کی اولاد بھی جوان ہو گئی۔ مگر آپ لوگوں کو ابھی سمجھ نہ آیا کہ میں صادق ہوں۔ بار بار یہی کہتے ہیں کہ ہم تم کو اس وجہ سے نہیں مانتے کہ ہماری حدیثوں میں لکھا ہے کہ تیس[۳۰] دجّال آئیں گے۔

اے بدقسمت قوم! کیا تمہارے حصہ میں دجّال ہی رہ گئے۔ تم ہر ایک طرف سے اس طرح تباہ کئے گئے جس طرح ایک کھیتی کو رات کے وقت کسی اجنبی کے مویشی تباہ کر دیتے ہیں۔ تمہاری اندرونی حالتیں بھی بہت خراب ہو گئیں اور بیرونی حملے بھی انتہا کو پہنچ گئے۔ صدی کے سر پر جو مجدّد آیا کرتے تھے وہ بات شائد نعوذ باللّٰہ خدا کو بھول گئی کہ اب کی دفعہ اگر صدی کے سر پر بھی آیا تو بقول تمہارے ایک دجّال آیا۔ تم خاک میں مل گئے مگر خدا نے تمہاری خبر نہ لی۔ تم بدعات میں ڈوب گئے مگر خدا نے تمہاری دستگیری نہ کی۔ تم میں سے روحانیت جاتی رہی صدق وصفا کی بُو نہ رہی۔ سچ کہو اب تم میں روحانیت کہاں ہے خدا کے تعلقات کے نشان کہاں۔ دین تمہارے نزدیک کیا ہے صرف زبان کی چالاکی اور شرارت آمیز جھگڑے اور تعصب کے جوش اور اندھوں کی طرح حملے۔ خدا کی طرف سے ایک ستارہ نکلا مگر تم نے اس کو شناخت نہ کیا اور تم نے تاریکی کو اختیار کیا اس لئے خدا نے تمہیں تاریکی میں ہی چھوڑ دیا۔

اب اس صورت میں تم میں اور غیر قوموں میں فرق کیا ہے۔ کیا ایک اندھا اندھوں میں بیٹھ کر کہہ سکتا ہے کہ تمہاری حالت سے میری حالت بہتر ہے۔

اے نادان قوم! مَیں تمہیں کس سے مشابہت دوں۔ تم اُن بدقسمتوں سے مشابہ ہو جن کے گھر کے قریب ایک فیّاض نے ایک باغ لگایا اور اُس میں ہر ایک قسم کا پھلدار درخت نصب کیا اور اس کے اندر ایک شیریں نہر چھوڑ دی جس کا پانی نہایت میٹھا تھا۔ اور اُس باغ میں بڑے بڑے سایہ دار درخت لگائے جو ہزاروں انسانوں کو دھوپ سے بچا سکتے تھے تب اُس قوم کی اُس فیّاض نے دعوت کی جو دھوپ میں جل رہی تھی اور کوئی سایہ نہ تھا۔ اور نہ کوئی پھل تھا اور نہ پانی تھا تا وہ سایہ میں بیٹھیں اور

﴿۱۴۶﴾

پھل کھاویں اور پانی پئیں۔ لیکن اس بد بخت قوم نے اس دعوت کو ردّ کیا اور اُس دُھوپ میں
شدّتِ گرمی اور پیاس اور بھوک سے مر گئے۔ اس لئے خدا فرماتا ہے کہ اُن کی جگہ میں
دوسری قوم کو لاؤں گا جو ان درختوں کے ٹھنڈے سایہ میں بیٹھے گی اور ان پھلوں کو کھائے گی
اور اس خوشگوار پانی کو پیئے گی۔ خدا نے مثال کے طور پر قرآن شریف میں خوب فرمایا کہ
ذوالقرنین نے ایک قوم کو دھوپ میں جلتے ہوئے پایا اور اُن میں اور آفتاب میں کوئی اوٹ
نہ تھی اور اس قوم نے ذوالقرنین سے کوئی مدد نہ چاہی۔ اس لئے وہ اُسی بلا میں مبتلا رہی۔
لیکن ذوالقرنین کو ایک دوسری قوم ملی جنہوں نے ذوالقرنین سے دشمن سے بچنے کے لئے
مدد چاہی۔ سو ایک دیوار اُن کے لئے بنائی گئی اس لئے وہ دشمن کی دست بُرد سے بچ گئے۔

سو مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ قرآن شریف کی آئندہ پیشگوئی کے مطابق وہ ذوالقرنین
مَیں ہوں جس نے ہر ایک قوم کی صدی کو پایا۔ اور دھوپ میں جلنے والے وہ لوگ ہیں
جنہوں نے مسلمانوں میں سے مجھے قبول نہیں کیا۔ اور کیچڑ کے چشمے اور تاریکی میں بیٹھنے
والے عیسائی ہیں جنہوں نے آفتاب کو نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اور وہ قوم جن کے لئے
دیوار بنائی گئی وہ میری جماعت ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہی ہیں جن کا دین
دشمنوں کے دست بُرد سے بچے گا ہر ایک بنیاد جو سُست ہے اس کو شرک اور دہریت کھاتی
جائے گی۔ مگر اس جماعت کی بڑی عمر ہوگی اور شیطان اُن پر غالب نہیں آئے گا۔ اور
شیطانی گروہ اُن پر غلبہ نہیں کرے گا۔ اُن کی حجت تلوار سے زیادہ تیز اور نیزہ سے زیادہ
اندر گھسنے والی ہوگی اور وہ قیامت تک ہر ایک مذہب پر غالب آتے رہیں گے۔

ہائے افسوس ان نادانوں پر جنہوں نے مجھے شناخت نہ کیا۔ وہ کیسی تیرہ و تاریک
آنکھیں تھیں جو سچائی کے نور کو دیکھ نہ سکیں۔ میں اُن کو نظر نہیں آ سکتا کیونکہ تعصّب نے
ان کی آنکھوں کو تاریک کر دیا۔ دلوں پر زنگ ہے اور آنکھوں پر پردے۔ اگر وہ سچی
تلاش میں لگ جائیں اور اپنے دلوں کو کینہ سے پاک کر دیں۔ دن کو روزے رکھیں ﴿۱۴۷﴾

اور راتوں کو اُٹھ کر نماز میں دعائیں کریں اور روئیں اور نعرے ماریں تو اُمید ہے کہ خدائے کریم ان پر ظاہر کردے کہ میں کون ہوں چاہیئے کہ خدا کے استغناءِ ذاتی سے ڈریں۔

جب یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول نہ کیا اور تعصّب اور کینہ سے باز نہ آئے تو خدا نے اُن کے دلوں پر مہریں لگا دیں اور باوجود اس کے کہ صدہا اُن میں فقیہ اور فریسی تھے اور توریت کے عالم اور فاضل تھے تاہم وہ نہ حقیقت کو سمجھ سکے اور نہ خدا نے کسی خواب یا الہام کے ذریعہ سے اُن پر حق ظاہر کیا۔ پس چونکہ اِس اُمّت کا بھی انہیں کے قدم پر قدم ہے اس لئے ان کی ہرگز آنکھ نہیں کُھل سکتی۔ اور نہ وہ مجھے شناخت کر سکتے ہیں جب تک کہ سچا تقویٰ اُن کے نصیب نہ ہو۔ مُنہ کی فضولیوں پر خدا راضی نہیں ہوتا اس کی دلوں پر نظر ہے ہر ایک جو اپنی کسی خیانت کو چھپاتا ہے وہ اس کی عمیق نظر سے چُھپا نہیں سکتا۔ متقی وہی ہے جو خدا کی شہادتوں سے متّقی ثابت ہو کیونکہ متّقی خدا کی کنارِ عاطفت میں ایسا ہوتا ہے جیسا کہ ایک پیارا بچہ اپنی ماں کی گود میں۔ دنیا اس کو ہلاک کرنے کے لئے اُس پر ٹوٹ پڑتی ہے اور در و دیوار اس پر نیش زنی کرتے ہیں۔ لیکن خدا اُس کو بچا لیتا ہے۔ اور جیسا کہ سُورج جب نکلتا ہے تو کُھلی کُھلی کرنیں اُس کی زمین پر گرتی ہیں۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ کی تائیدیں اور نصرتیں کُھلے طور پر متّقی کے شامل حال ہوتی ہیں۔ وہ اُس کے دشمنوں کا دشمن ہو جاتا ہے اور ان کی آنکھوں کے سامنے متّقی کو عزّت دیتا ہے جس کی ذلّت وہ چاہتے تھے۔ وہ نہ ضائع ہوتا اور نہ برباد ہوتا ہے جب تک کہ اپنا کام پورا نہ کرلے اور **اُس کی مخالفت ایک تیز تلوار کی دھار پر ہاتھ مارنا ہے۔**

تریٰ نصر ربّی کیف یأتی و یظھرُ	و یسعٰی الینا کل من ھو یُبصرُ
میرے خدا کی مدد کو تو دیکھتا ہے کیونکر آ رہی اور ظاہر ہو رہی ہے	اور ہر ایک جو آنکھیں رکھتا ہے ہماری طرف دوڑتا چلا آتا ہے

﴿۱۴۸﴾

اتَعلم مفتريًا كمثلى مؤيّدًا کیا تُو کسی ایسے مفتری کو جانتا ہے، جو میری طرح مؤیّد بتائیدالٰہی ہو	و يقطع ربى كلما لا يثمرُ اور میرے خدا کی یہ عادت ہے، کہ ہر ایک شاخ کو جو پھل نہیں لاتی وہ کاٹ دیتا ہے
تقولون كذّاب و قد لاح صدقنا تم کہتے ہو کہ یہ شخص جھوٹا ہے حالانکہ میرا صدق ظاہر ہو چُکا	بآى تجلّت ليس فيها تكدّرُ اُن نشانوں کے ساتھ صدق ظاہر ہوا کہ جن میں کوئی کدورت نہیں
و هل يستوى ضوءً ا نهارٌ و ليلةٌ اور کیا دن اور رات روشنی میں برابر ہو سکتے ہیں	فكيف كذوبٌ و الصدوق المُطهّرُ پس کیونکر ایک جھوٹا اور وہ سچا جو پاک کیا گیا ہے برابر ہو جائیں گے
ففكّر و لا تعجل علينا تعصّبًا پس سوچ اور جلدی سے ہم پر حملہ مت کر	و ان كنت لا تخشٰى فكذّب و زوّرُ اور اگر تُو نہیں ڈرتا پس دروغ آرائی سے تکذیب کر
و كفّر و ما التكفير منك ببدعةٍ اور مجھے کافر کہہ اور کافر کہنا تیری طرف سے کوئی بدعت نہیں	كمثلك قال السا بقون فدمّروا تیری طرح پہلے منکر بھی کافر کہتے رہے ہیں اور آخر ہلاک کئے گئے
و هٰذا هو الوقت الذى لك نافع اور یہی وقت ہے جو تجھے نفع دے سکتا ہے	فتب قبل وقتٍ فيه تُدعٰى و تحضرُ پس اس وقت سے پہلے توبہ کر جس میں تو بلایا جائے اور حاضر کیا جائے
و قد كبّدت شمس الهدٰى و امورنا اور آفتاب ہدایت سمت الرأس پر آ گیا اور ہمارے کام	انارت كيأ قوت و انت تُعفّرُ یاقوت کی طرح چمک اٹھے اور تو ان کو خاک آلودہ کرنا چاہتا ہے
و لو لا ثلٰث فيك تغلى لجئتنى اور اگر تین خصلتیں تجھ میں جوش نہ مارتیں تو تُو میری طرف آ جاتا	فمنهن جهل ثم كبر مثوّرُ ان میں سے ایک تو جہالت ہے اور دوسری تکبّر جو جوش مار رہا ہے
و اٰخر اخلاقٍ يبيدك سمّها اور تیسرا خلق جس کی زہر تجھ کو ہلاک کر رہی ہے	هوالخوف من قومٍ بحُمقٍ تنفّروا وہ اُس قوم سے خوف ہے جو بوجہ اپنی حماقت کے نفرت کرتے ہیں
و من كان يخشى الله لا يخشى الورٰى اور جو شخص خدا سے ڈرتا ہے وہ لوگوں سے نہیں ڈرتا	هو الشجرة الطوبٰى ينُورويُثمرُ وہ درخت طوبیٰ ہے پھول لاتا اور پھل لاتا ہے

﴿۱۴۹﴾

وَ مَن کان باللّٰہ المھیمن مؤمنًا ۔ علٰی نائبات الدھر لا یتفکّرُ
اور جو شخص خدائے مہیمن پر ایمان لاتا ہے ۔ وہ زمانہ کے حوادث سے کچھ متفکر نہیں ہوتا

سلامٌ علٰی قومٍ رؤا نَور دوحتی ۔ فراق نواظر ھم وللقطف شمّروا
اور اس قوم پر سلام جس نے میرے درخت کا محض ایک شگوفہ دیکھا ۔ اور وہ شگوفہ ان کو اچھا معلوم ہوا اور پھلوں کے توڑنے کے لئے طیار ہو گئے

فایّ غبی انت یا ابن تصلّفٍ ۔ تریٰ ثمراتی کلھا ثم تُقصِرُ
پس اے لاف و گزاف کے بیٹے! تُو کیسا غبی ہے ۔ کہ میرے تمام پھلوں کو تُو دیکھتا ہے اور پھر کوتاہی کرتا ہے

سیھدیک ربّی بعد غیٍّ و شِقوۃٍ ۔ و ذٰلک من وحی اتانی فاُخبرُ
عنقریب خدا تجھے گمراہی کے بعد ہدایت دے گا ۔ اور یہ مجھے خدا تعالیٰ کی وحی سے معلوم ہوا ہے پس مَیں خبر کرتا ہوں

و نحن علمنا المنتھٰی من ولیّنا ۔ فَقرّت بہ عَیْنِی و کنت اُذکّرُ
اور تیرا انجام کام مجھے اپنے دوست خدا تعالیٰ سے معلوم ہوا ۔ پس اس سے میری آنکھ کو ٹھنڈک پہنچی اور مَیں یاد دلاتا رہا

وَ وَاللّٰہ لَا انسٰی زَمانَ تعلّق ۔ و لیس فؤادی مثل ارضٍ تحجّرُ
اور بخدا مَیں تعلّق کے زمانہ کو بھولتا نہیں ۔ اور میرا دل ایسا نہیں جیسا کہ زمین پتھریلی ہوتی ہے

اریٰ غیظ نفسی لاثبات لغلیہٖ ۔ کموجٍ من الرجّاف یعلو و یحدرُ
اور مَیں اپنے غصّہ کو دیکھتا ہوں کہ اس کو کچھ ثبات نہیں ۔ وہ دریا کی اس موج کی طرح ہے، جو ایک دم میں چڑھتی اور اُترتی ہے

اذا احسن الانسان بعد اساءۃٍ ۔ فننسی الاساءۃ و المحاسن نَذکرُ
جب انسان بدی کے بعد نیکی کرے ۔ پس ہم بدی کو بھلا دیتے ہیں اور نیکیوں کو یاد رکھتے ہیں

و ان قلتُ مُرًّا فی کلامٍ لطالما ۔ رأیتُ أَذًی منکم و قلبی مکسّرٌ
اور اگر مَیں نے کسی کلام میں کچھ تلخ کہا ہے ۔ تو مَیں ایک زمانہ دراز تم سے دُکھ اٹھاتا رہا اور دل میرا چُور چُور رہے

و ما جئتکم الّا من الله ذی العُلٰی ۔ و ما قلتُ الّا کلّما کنتُ اُؤمرُ
اور مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں اپنی طرف سے نہیں ۔ اور مَیں نے وہی کہا ہے جو خدا نے فرمایا

﴿۱۵۰﴾

وانْ شاء لم اُبعث مقام ابن مریم اور اگر خدا چاہتا تو مَیں ابن مریم کی جگہ مبعوث نہ ہوتا	وللّٰہِ فی اقدارہٖ ما یُحیّرُ اور خدا کے اپنے قضاء وقدر میں ایسے ایسے امور ہیں جو حیران کر دیتے ہیں
و لایُسئلُ الرحمٰن عن امرٍ قضٰی اور خدا اپنے کاموں سے پوچھا نہیں جاتا	ویسئل قومٌ ضلّ عمّا تخیّروا اور وہ قوم جو گمراہ ہو جائے وہ پُوچھی جاتی ہے، کہ کیوں ایسا کام کیا
کذٰلک عادتہٗ جرت فی قضائہٖ اسی طرح اس کی عادت اپنے ارادہ میں جاری ہے	فیختار ما یُعمی عیونا و یَأْطَرُ پس وہ ایسے امور اختیار کرتا ہے، جن سے آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور ٹیڑھی کر دیتا ہے
و ما کان لی ان اترک الحق خیفةً اور مَیں ایسا نہیں ہوں کہ حق کو ڈر کر چھوڑ دوں	جوادٌ لنا عند الوغٰی یَتَمَطَّرُ ہمارا وہ گھوڑا ہے جو جنگ کے وقت جلدی سے چلتا ہے
و قالوا اذا ماالحرب طال زمانها اور جب ایک لڑائی لمبی ہو گئی تو وہ کہنے لگے	لنا الفتح فانظر کیف دُقّوا و کُسّروا کہ فتح ہماری ہے پس دیکھ کس طرح وہ پیسے گئے
و ما ان رَأَینا فی المیادین فتحهم اور ہم نے میدانوں میں اُن کی فتح نہیں دیکھی	و من غرّہ حولٌ رأیناہ یُدبرُ اور جس کو کسی طاقت نے مغرور کیا ہم نے اس کو پیٹھ پھیرتے دیکھا
رَأَینا عنایة حِبّنا عند اُثرةٍ ہم نے اپنے دوست کی عنایت کو سختی کے وقت دیکھا	و کل صدیقٍ فی الشدائد یُخبرُ اور ہر ایک دوست سختیوں کے وقت آزمایا جاتا ہے
أَری النفس لا تدری لغوبًا بسبُله مَیں اپنے نفس کو دیکھتا ہوں کہ اُس کی راہوں میں رُکتا نہیں	و ما اَن أَرَاهَا عند خوف تأَخّرُ اور مَیں نہیں دیکھتا کہ وہ خوف کے وقت پیچھے ہٹے
و اِنّی نسیت الهمّ والغمّ والبلا اور مَیں نے ہمّ اور غم اور بلا کو بھلا دیا	اذا جاء نی نصرٌ ووحی یُبشرُ جب اس کی مدد اور وحی بشارت دینے والی میرے پاس آئی
و اِنّا بِفضل اللّٰہ نطوی شعابنا اور ہم خدا کے فضل سے اپنی راہ طے کر رہے ہیں	علٰی هاجراتٍ مثل ریح تُصَرْصِرُ ایسی اونٹنیوں پر جو تیز ہَوا کی طرح چلتی ہیں

﴿۱۵۱﴾

لهن قوائم كالجبال كأنّها	سفائن فی بحر المعارف تمخرُ
اُن اونٹنیوں کے پَیر پہاڑوں کی طرح ہیں گویا وہ	کشتیاں ہیں جو معرفت کے دریا میں تیرتی ہیں
تَدلّت علينا الشمس شمس المعارف	فكنا بضوء الشمس نمشي و ننظرُ
معارف کا سورج ہماری طرف جُھک گیا	پس ہم سورج کی روشنی کے ساتھ چلتے اور دیکھتے ہیں
رأينا مراداتٍ تعسّر نيلها	ترجّز غيثٌ بعد مكثٍ يحذّرُ
ہم نے وہ مرادیں پائیں جن کا پانا مشکل تھا	آہستہ آہستہ بادل نے ہماری طرف حرکت کی بعد اُس دیر کے جو ڈراتی تھی
علىٰ هٰذه نيف و عشرين حجةً	اذا اختارنی ربّی فكنت اُبشّرُ
اس بات پر بیس برس اور کئی سال اوپر گذر گئے	جب کہ خدا نے مجھے چُن لیا اور مجھے بشارت ملنے لگی
فقال سيأْتيک الأُناس و نصرتی	و من كل فجّ يأتينّ وتُنصرُ
پس اس نے کہا کہ لوگ تیری طرف آئیں گے اور تیری مدد کریں گے	اور ہر ایک راہ سے لوگ تیری طرف آئیں گے اور تو مدد دیا جائے گا
فتلک الوفود النازلون بدارنا	هو الوعد من ربّی و ان شئت فاذكرُ
پس یہ گروہ در گروہ لوگ جو ہمارے گھر میں اُترتے رہے ہیں	یہ وہی وعدہ خدا کا ہے اور اگر تُو چاہے تو یاد کر
و ان كنت فی ريبٍ و لا تؤمنَن بهٖ	و تحسبُ كذبًا ما اقول و اسطرُ
اور اگر تو شک میں ہے اور اس پر ایمان نہیں لاتا	اور تو میری بات اور تحریر کو جھوٹ سمجھتا ہے
فاِنّا كتبنا فی البراهين كلّه	امورٌ عليها كنت من قبل تعثرُ
پس ہم نے یہ سب الہامات براہین احمدیہ میں لکھ دیئے ہیں	یہ وہ امور ہیں جن پر تو پہلے سے اطلاع رکھتا ہے
فلا تتبع أَهواء نفسٍ مُبيدةٍ	و لا تختر الزّوراءَ عمدًا فتخسرُ
پس نفس ہلاک کرنے والے کا پیرو مت بن	اور ٹیڑھی راہ کو اختیار مت کر پس تو نقصان اٹھائے گا
أَتعلم هيْنًا عَثْرَة اللّٰه ذِی العُلٰی	و اِنّ حسامَ اللّٰه بالمَسّ يبترُ
کیا تُو خدا سے جنگ کرنا سہل سمجھتا ہے جو بلند ہے	اور خدا کی تلوار چھونے کے ساتھ ہی قتل کر دیتی ہے

﴿۱۵۲﴾

وَ اِن کنت أَزمعتَ النِّضال تَهوّرًا
اور اگر تُو نے لڑنے کا ہی قصد کر لیا ہے
فنأتی کما یأْتی لصید غَضنفرٌ
تو ہم اس طرح آئیں گے جیسا کہ شکار کے لئے شیر آتا ہے

لنا اُثرةٌ فِی اللّٰه مَورٌ مُعبّد
اور ہمارے لئے ناخوشحالی خدا کی راہ میں ایک مستعمل راہ ہے
اذا ما اُمرنا منه لا نتأخّرُ
جب ہم کو حکم ہو جائے تو ہم تاخیر نہیں کرتے

انترک قول اللّٰه خوفًا من الوریٰ
کیا لوگوں کے خوف سے خدا کے قول کو ہم ترک کر دیں
انخشٰی لئام الحیِّ جبنًا و نحذرُ
کیا ہم بُزدل ہو کر لئیم لوگوں کے قبیلہ سے ڈریں

یری اللّٰه بادیهم و تحت ادیمهم
خدا ان کے باہر اور اندر کو خوب جانتا ہے
ولو من عیون الخلق یُخفٰی و یُستر
اگرچہ لوگوں کی آنکھوں سے وہ حالات پوشیدہ کئے جائیں

فلا تذهبَن عیناک نحو عمائمٍ
پس نہ ہوکہ تُو ان کی پگڑیوں کو دیکھے
و ما تحتها الّا رء وس تُزوّرُ
اُن کے نیچے ایسے سر ہیں جو فریب کر رہے ہیں

أَتطلب دنیا هم و تبلٰی ریاضها
کیا تُو ان کی دنیا کو چاہتا ہے اور وہ باغ خراب وخستہ ہوجائیں گے
و تنسٰی ریاضًا لیس فیها تغیّرُ
کیا تُو اُن باغوں کو فراموش کرتا ہے، جن میں تغیر نہیں آئے گا

و انت تظنّ بی الظنون تغیّظًا
اور تُو اپنے غصّہ سے کئی بدگمانیاں میرے پر کرتا ہے
وَ اِنّی برئٌ من امورٍ تصوّرُ
اور مَیں ان باتوں سے پاک ہوں جو تیرے تصور میں ہیں

نزلتُ بحرّ الدار دار مهیمن
مَیں اپنے خدا کے گھر کی وسط میں داخل ہوں
و تاللّٰه انک لا ترانی و تهذرُ
اور بخدا تُو مجھے دیکھتا نہیں اور یونہی بکواس کرتا ہے

أَنا اللیث لا أَخشی الحمیر و صوتهم
میں شیر ہوں اور گدھوں کی آواز سے نہیں ڈرتا
و کیف و هم صیدی و للصید اَزء رُ
اور کیونکر ڈروں وہ تو میرے شکار ہیں اور شکار کے لئے مَیں نعرے مارتا ہوں

أَ تُذعِرنی بالفانیات جهالةً
کیا تُو مجھے فانی چیزوں سے ڈراتا ہے یہ تو جہالت ہے
و اِنّ اذی الدنیا یمرّ و یَطمرُ
اور بہ تحقیق دنیا کا دُکھ گذر جاتا ہے اور ناپدید ہو جاتا ہے

﴿۱۵۳﴾

و لسنا علی الاعقاب موتٌ یردّنا اور ہم ایسے نہیں ہیں کہ کوئی موت ہمیں خدا کی راہ سے ہٹا دے	ولو فی سبیل اللّٰہ نُدمٰی و نُنحرُ اور اگرچہ خدا کی راہ میں ہم مجروح ہو جائیں یا ذبح کئے جائیں
تنکّر وجہ الجاھلین تغیّظًا جاہلوں کا مُنہ بگڑ گیا مارے غصّہ کے	اذا اُعثروا من موت عیسٰی و اُخبروا جب ان کو حضرت عیسٰی کے مرنے کی خبر دی گئی
و قالوا کذوبٌ کافرٌ یتبع الھوٰی اورانہوں نے کہا کہ جھوٹا کافر ہے ہوائے نفسانی کی پیروی کرتا ہے	و حثّوا علٰی قتلی عوامًا و عیّروا اور میرے قتل کے لئے عوام کو اُٹھایا اور سرزنش کی
فضاقت علینا الارض من شرّ حزبھم پس ان کے گروہ کی شرارت سے زمین ہم پر تنگ ہو گئی	و لو لا ید المولٰی لکنّا نُتبَّرُ اور اگر خدا تعالیٰ کا ہاتھ نہ ہوتا تو ہم ہلاک ہو جاتے
فلم یُغن عنھم مکرھم حِین أَشرقت پس اُن کے مکر نے ان کو کچھ فائدہ نہ دیا جب کہ	شموس عنایات القدیر فادبروا خدا کی مہربانیوں کے آفتاب چمکے اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے
رجَعنا و قد رُدّت الیھم رماحھم ہم واپس آئے اوران کے نیزے انہیں کی طرف واپس کئے گئے	قَضَی الأَمرَ حِبٌّ لایُبَاریہ منکرٌ اُس دوست نے فیصلہ کر دیا جس کا کوئی منکر مقابلہ نہیں کر سکتا
من الضغن و الشحناء یھذون کُلّھم کینہ اور دشمنی سے تمام وہ بکواس کر رہے ہیں	و اَمری مبینٌ واضح لو تفکّروا اور میری بات روشن اور واضح ہے اگر وہ سوچیں
و اصل التنازع و التخالف بیننا اور ہم میں اور ان میں جو اختلاف ہے دراصل	رخیمٌ قلیلٌ ثُمَّ باللّغو یُکثرُ ☆ وہ مختصر اور تھوڑا ہے پھر وہ لغو خیالات کے ساتھ اس کو بڑھا دیتے ہیں

☆ اصل التنازع فی عیسٰی علیہ السلام اعنی فی انّہ هل ھو حیّ او میت فذٰلک امر واضح لقوم یتفکرون قال اللّٰہ تعالٰی یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ [1] فقدّم التوفّی علی الرفع کما انتم تقرء ون. فھٰذا حکم اللّٰہ. و من لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولٓئک ھم الکافرون. و لا ینبغی لاحدٍ ان یّحرّف کلم اللّٰہ عن مواضعھا وقد لعن اللّٰہ المحرفین کما انتم تعلمون. ثمّ الشاھد الثانی قولہ تعالٰی فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ [2] فطوبٰی لقومٍ یتدبّرون. ثم الشاھد الثالث من القراٰن قولہ تعالٰی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ [3] فبأیّ حدیثٍ بعدہٗ تؤمنون. ولقد رأی عیسٰی نبیّنا صلی اللّٰہ علیہ وسلم لیلۃ المعراج فی الاموات ثم انتم تکفرون. منہ

[1] اٰل عمران : ۵۶ [2] المائدۃ : ۱۱۸ [3] اٰل عمران : ۱۴۵

﴿۱۵۴﴾

جَنحنا لسلمٍ شائقین لسلمھم	و جئنا بمُرّانٍ اذا ما تشذّروا
ہم صلح کے لئے جُھک گئے اُن کی صلح کے شوق میں	اور ہم نیزہ کے ساتھ نکلے جب وہ لڑنے کے لئے طیار ہوئے
اری اللّٰہ اٰیاتٍ و لٰکن نفوسھم	نفوسٌ معوّجۃ کنارٍ تسعّرُ
خدا نے کئی نشان دکھائے مگر اُن کے نفس	ایک ٹیڑھے نفس ہیں اور آگ کی طرح ہیں جو افروختہ ہوتی ہے
و لسنا نحب تضاغنا عند سلمھم	و مَن جاء نا سلمًا فانا نُوقّرُ
اور اگر وہ صلح چاہیں تو ہم جنگ پسند نہیں کرتے	اور اگر کوئی صلح کا طالب ہوکر آوے تو ہم اس کی عزت کرتے ہیں
و من ھرنا فنعافہ بجزائہٖ	و مَن جاء نا سلمًا فبالسلم نَحضرُ
اور جو ہم سے کراہت کرے ہم اس سے کراہت کرتے ہیں	اور جو صلح کے ساتھ ہمارے پاس آئے پس ہم صلح کے ساتھ آتے ہیں
و کان عدوی بعضھم فی مساء ھم	فاضحوا بایمان و رُشدٍ وابصروا
اور بعض ان کے اپنی شام کے وقت میرے دشمن تھے	پھر دن چڑھتے ہی ایمان اور رُشد ان کو نصیب ہوا اور دیکھنے لگے
و قد زادنی فی العلم و الحلم جھلھم	و سکّنتُ نفسی عند غیظ یکرّرُ
ان کے جہل نے میرا علم اور حلم زیادہ کر دیا	اور ان کے غصہ سے میرا جوش نفس تھم گیا وہ غصہ جو بار بار کیا جاتا ہے
و اعجبنی غیظ العِدا و جنونھم	أَرَاھم کقومٍ من غبوقٍ تخمروا
اور دشمنوں کے غصّہ اور جنون نے مجھے تعجب میں ڈال دیا	مَیں ان کو اُس قوم کی طرح دیکھتا ہوں جو رات کو شراب پی کر چور ہوتے ہیں
تبصر عدوی ھل ترٰی من مزوّرٍ	یؤیّدہ ربّی کمثلی و ینصرُ
اے میرے دشمن خوب غور سے نگاہ کر کیا کوئی ایسا فریبی ہے	جس کی میری طرح خدا تعالیٰ تائید اور مدد کرتا ہو
تبصّر و انّ العمر لیس بدائمٍ	کلانا و ان طال الزمان سیندر
آنکھ کھول کہ عمر ہمیشہ نہیں رہے گی	اور ہر ایک ہم میں سے اگرچہ زمانہ لمبا ہو جائے ایک دن مرے گا
فمالک لا تخشی الحسیب و نارہ	و مالک تختار الجحیم و تُؤثرُ
پس تجھے کیا ہو گیا کہ تو خدائی محاسب سے نہیں ڈرتا	اور تجھے کیا ہو گیا کہ جہنم کو اختیار کر رہا ہے

﴿۱۵۵﴾

أَتجعل تکفیری لکفرک مُوجبًا
کیا تُو میری تکفیر کو اپنے کفر کا موجب کرتا ہے
و لا تتّقی یومًا الی القبر یَھصِرُ
اور اُس دن سے نہیں ڈرتا جو قبر کی طرف کھینچے گا

اذا بُغتَ فی الدنیا من العیش باردًا
اور جب کہ تُو دنیا کی زندگی میں آرام چاہتا ہے
فمالک لا تبغی المعادَ و تَنترُ
پس تجھے کیا ہو گیا کہ آخرت کا آرام نہیں چاہتا اور سُست ہو جاتا ہے

فان کنت جوعان الھدٰی فتحرّنا
پس اگر تُو ہدایت کا بھوکا ہے تو ہماری طرف قصد کر
الا اننا نقری الضیوف و ننحرُ
ہم مہمانوں کی دعوت کرتے ہیں اور ان کے لئے ذبح کرتے ہیں

إِذَا أَشرقت شمس الھدٰی و ضیاء ھا
جب ہدایت کا سورج چمکا اور اس کی روشنی کھل گئی
تجلّٰی فلیس الفخر ان صرت تُبصرُ
تو پھر یہ فخر کی بات نہیں کہ تُو دیکھنے لگے

و لو کان خوف اللہ مثقال ذرۃٍ
اور اگر ذرّہ کے موافق خدا تعالیٰ کا خوف ہوتا تو
لو افیتنی والسَیلَ بالصدقِ تعبرُ
تُو میرے پاس آتا اور اپنے صدق کے ساتھ سیلاب کو اپنے نفس سے دُور کرتا

بلمّاعۃٍ قَفرٍ رضیت جھالۃً
زمین سراب جو سبزہ سے خالی ہے اُس سے تُو خوش ہو گیا
و تسعٰی لفانیۃٍ و فی الدین تُقصِرُ
اور فانی دنیا کے لئے تُو دوڑ رہا ہے، اور دین میں تُو کوتاہی کرتا ہے

أَثَرْتَ غبارًا للاناس لیحسبوا
تُو نے لوگوں کے لئے ایک غبار اٹھایا
وجودی مُضِلًّا للورٰی ولیَکفروا
تا میرے وجود کو گمراہ کرنے والا خیال کریں اور منکر ہو جائیں

فاَلْھَمَ لی ربّی قلوبًا لیرجعوا
پس میرے خدا نے دلوں میں الہام کیا تا وہ میری طرف رجوع کریں
الیّ فصرنا مرجع الخلق فانظرُ
پس ہم مرجع خلائق ہو گئے سو تُو دیکھ لے

کبَیْتٍ اذا طاف المُلبّون حولہ
پس جس طرح خانہ کعبہ کا لوگ طواف کرتے ہیں
اُزارُ ولی تؤذی النفوس و تُنْحَرُ
مَیں زیارت کیا جاتا ہوں اور میری جماعت کے لوگ میرے لئے دُکھ دیئے جاتے اور ذبح کئے جاتے ہیں

تریدون توھینی و ربّی یُعزّنی
تم میری اہانت چاہتے ہو اور میرا خدا مجھے عزّت دیتا ہے
تریدون تحقیری و ربّی یُوقّرُ
اور تم میری تحقیر چاہتے ہو اور میرا خدا میری بزرگی ظاہر کرتا ہے

﴿۱۵۶﴾

أَتبغی بمکرک ذلّتی و ہلاکتی ۔ فذٰلک قصدٌ لستَ فیہ مظفّرُ
کیا تُو اپنے مکر کے ساتھ میری ذلّت اور ہلاکت چاہتا ہے ۔ پس یہ وہ قصد ہے جس میں تُو کامیاب نہیں ہو گا

فدع ایّہا المجنون جہدًا مضیّعا ۔ کمثلی نخیلٌ باسق لایُعکَرُ
پس اے دیوانہ اس بیہودہ کوشش کو جانے دے ۔ میرے جیسی بلند کھجور کاٹی نہیں جائے گی

أَتکفر باللّٰہ الجلیل و قدرہ ۔ أَتحسب کالشیطان انّک اَقدرُ
کیا تو خدا اور اس کی قدرت سے انکار کرتا ہے ۔ کیا تُو شیطان کی طرح سمجھتا ہے کہ تُو زیادہ قادر ہے

تسبّ و ما ادری علٰی ما تسبّنی ۔ أَتطلب ثَأْرًا ثَأْرَ جدٍّ مُدمّرُ
تو مجھے گالیاں دیتا ہے اور مَیں نہیں جانتا کہ کیوں دیتا ہے ۔ کیا میں نے تیری کسی جدّ کا خون کیا ہے جس کا پاداش تُو لینا چاہتا ہے

ترانی بفضل اللّٰہ مرجع عالمٍ ۔ و ہل عند قفر من حمامٍ یُہدّرُ
اورتُو مجھے دیکھتا ہے کہ مَیں خدا تعالیٰ کے فضل سے مخلوق کا مرجع ہوں ۔ اور کیا ایک ویرانہ زمین میں کبوتر خوش آوازی سے گاتا ہے

و لا یستوی عبد شقی و مقبل ۔ لحاک الحسیبُ تری القبول و تنکرُ
اور ایک محروم اور مقبول دونوں برابر نہیں ہو سکتے ۔ خدا تجھے ملامت کرے تو قبولیت کو دیکھتا ہے، اور پھر منکر ہوتا ہے

و انت الذی قلّبت کل جریمۃٍ ۔ عَلَیَّ کَأَنّی شرّ ناسٍ و أَفجرُ
اور تُو تو وہ ہے جس نے تمام جرائم میرے پر اُلٹا دیئے ۔ گویا مَیں بدترین مخلوقات اور سب سے زیادہ بدکار ہوں

فمالک لا تخشی الحسیب و قہرہ ۔ و این تقاۃٌ تدّعی یا مُزوّرُ
پس تجھے کیا ہو گیا کہ تُو خدائے محاسب کے قہر سے نہیں ڈرتا ۔ اور تیری تقویٰ کہاں گئی جس کا تُو دعویٰ کرتا تھا

و انّکَ ان عادیتنی لا تضرّنی ۔ و ان صِرتَ ذِئبًا او بغیظٍ تنمّرُ
اور اگر تُو دشمنی کرے تو مجھے نقصان نہیں پہنچا سکے گا ۔ اگرچہ تُو بھیڑیا ہو جائے یا چیتا بن جائے

وماالدّھر الّا تارتان فمنہما ۔ لک التارۃ الاولٰی باخریٰ نؤَزّرُ
اور زمانہ کے لئے صرف دو نوبتیں ہیں ۔ سو پہلی نوبت تیری ہے اور دوسری ہماری جس میں ہمیں مدد دی جائے گی

﴿۱۵۷﴾

وَ مَا النفس یا مسکین الّا ودیعۃٌ	و لا بُدّ یومًا ان تُردّ و تحضرُ
اور اے مسکین جان تو ایک امانت ہے	اور ایک دن ضرور ہے کہ تُو واپس کیا جائے اور حاضر کیا جائے
أَتبغی الحیاۃ و لا ترید ثمارھا	و ما ھی الّا لعنۃٌ لو تفکّرُ
کیا تو زندگی چاہتا ہے اور اُس کے پھل نہیں چاہتا	اور بغیر پھل کے زندگی ایک لعنت ہے اگر تُو سوچے
اغرّتک دنیاک الدنیّۃ زینۃً	حذارِ من الموت الذی ھو یبدرُ
کیا تیری ذلیل دنیا نے تجھے مغرور کر دیا	اس موت سے ڈر جو یکدفعہ تیرے پر وارد ہو گی
تُرید ھوانی کل یومٍ و لیلۃ	و تبغی لوجہٍ مشرقٍ لَو یُغبّرُ
ہر ایک دن اور رات تُو میری ذلّت چاہتا ہے	اور روشن مُنہ کے لئے تو چاہتا ہے، کہ وہ غبار آلودہ ہو جائے
و انّا و انتم لا نغیب من الذی	یَرٰی کلما ننوی و ما نتصوّرُ
اور ہم اور تم اس ذات سے پوشیدہ نہیں ہیں	جو ہمارے وہ تمام خیالات دیکھتا ہے جو ہمارے دل میں ہیں۔
و ما المَرء اِلّا کالحباب وجودہ	فان شئتَ نَم فالموت کالصبح یُسفرُ
اور انسان تو محض بلبلہ کی طرح اس کا وجود ہے	پس اگر چاہے تو سوجا پس موت صبح کی طرح ظاہر ہو جائے گی
لدی النخل و الرّمان تنقف حنظلًا	فایّ غبیّ منک فی الدّھر اکبرُ
تُو کھجور اور انار کو چھوڑ کر حنظل کو توڑ رہا ہے	پس تجھ سے زیادہ بدبخت اور کون ہو گا
و این ضیاء الصدق ان کنت صادقًا	و کل صدوقٍ بالعلامات یظھرُ
اور صدق کی روشنی کہاں ہے اگر تُو صادق ہے	اور ہر ایک صادق علامات سے ظاہر ہوتا ہے
اتؤذی عباداللّٰہ یا عابد الھَوَی	و لا تتّقی ربًّا علیمًا و تجسرُ
کیا تو خدا کے بندوں کو اے بندۂ ہَوا دُکھ دیتا ہے	اور خدائے علیم سے نہیں ڈرتا اور دلیری کرتا ہے
اولٰئک قومٌ قد تولّٰی امورھم	قدیرٌ یُوالیھم ویھدی و ینصرُ
یہ ایک قوم ہے کہ ان کے کاموں کا متولّی	ایک قادر ہے جو اُن سے دوستی رکھتا ہے اور انہیں ہدایت کرتا ہے اور مدد دیتا ہے

وَ تاللّٰہ للایّام دَورٌ و نوبۃٌ	فجئنا بایّام الھدٰی و نُذکّرُ
اور بخدا دنوں کے لئے ایک دَور اور نوبت ہے	پس ہم ہدایت کے دنوں میں آئے اور ہدایت کی راہ یاد دلاتے ہیں
ترٰی بدعات الغیّ و النَقْعَ ساطعًا	و ما انا الّا غیث فضلٍ فاَمطُرُ
تُو گمراہی کی بدعات کو اور گرد بر انگیختہ کو دیکھتا ہے	اور مَیں فضل کا مینہ ہوں جو برس رہا ہوں
و لستُ بفظٍّ کاھرٍ غیر انّنی	اذا استنفروا لا عداءُ بالکُھرِ اَنفِرُ
اور مَیں بد زبان اور تُرش رو نہیں ہوں مگر مَیں	جس وقت دشمن تُرش روئی کے ساتھ مجھ سے نفرت کرتے ہیں تو مَیں بھی نفرت کرتا ہوں
رأینا الأَعاصیر الشدیدۃ و الأَذٰی	وصرنا کوحش عند قومٍ یُکفّرُ
ہم نے سخت آندھیاں دیکھیں اور دُکھ دیکھا	اور ہم کافر کہنے والوں کی نظر میں وحشی جانوروں کی طرح ٹھہرے
و ما نحذر الأَمر الذی ھو واقع	من اللّٰہ مولانا ولو کان خنجرُ
اور ہم اُس امر سے نہیں ڈرتے کہ وہ واقع ہونے والا ہے	ہمارے خداوند کی طرف سے اور اگرچہ وہ تلوار ہو
کفی اللّٰہ علمًا بالعباد و سِرّھم	فلا تقف ظنًّا لستَ فیہ تبصّرُ
بندوں کے بھیدوں کا علم خاص خدا کو ہے	پس تُو ایسے ظن کی پیروی مت کر جس میں تجھے بصیرت نہیں
و ما کنتَ فی ایذاء نفسی مُقصّرًا	تمنّیتَ عند جدارنا لو تسوّرُ
اور تُو نے میرے ایذاء دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی	تو نے میری دیوار کے پاس تمنّا کی کہ تو دیوار سے جست کر کے چلا جاوے
و واللّٰہ اِن اُجعَل علیک مسلّطًا	فاِنّ یدِی عمّا یجازیک تُقصِرُ
اور بخدا اگر مَیں تیرے پر مسلّط کیا جاؤں	تو میرا ہاتھ تجھے سزا دینے سے قاصر رہے گا
و واللّٰہ لی فی باطن القلب مُضمَرٌ	سریرۃ اِشفاق و لو انت تُنکِرُ
اور بخدا میرے دل میں پوشیدہ ہے	خصلت ہمدردی کی اگرچہ تو انکار کرے
أَتَتْنِی أمورٌ منک قد شقّ وقعھا	علیّ و لا کالسّیف بل ھی أَبھرُ
بعض باتیں تیری میرے تک پہنچی ہیں جو میرے پر بہت گراں گذریں	نہ تلوار کی طرح بلکہ کاٹنے میں اس سے بھی زیادہ

﴿۱۵۹﴾

وَ ما کان لی ان اترک الحق خیفةً اور مَیں وہ نہیں ہوں کہ جو حق کو ڈر کر چھوڑ دوں	انا المنذر العُریان لِلّٰہ اُنذرُ مَیں ایک برہنہ طور پر ڈرانے والا ہوں اور محض خدا کے لئے ڈراتا ہوں
و ان کنت تزرینا فنبغی لک الھُدٰی اور اگر تو ہماری عیب جوئی کرتا ہے تو ہم تیرے لئے ہدایت چاہتے ہیں	صبرنا و ان تُغری العدا او تھتّرُ اور ہم صبر کرتے ہیں اگر چہ تو دشمنوں کو ہم پر اکساوے یا ہماری بے آبروئی کرے۔
و ان کنت منّی تشتکی فی مقالةٍ اور اگر تُو مجھ سے کسی کلام کے بارے میں رنجیدہ ہے	فما ھو اِلّا دون سیفٍ تُشھّرُ تو وہ اس تلوار سے کمتر ہے جو تُو کھینچ رہا ہے
فلا تجزعَن من کلمةٍ قلتَ ضعفھا پس ایسے کلمہ سے جزع مت کر جو اس سے دوچند تُو کہہ چکا ہے	و انّک للایذاء بالسوء تجھرُ اور تُو ایذاء کے لئے کھلے کھلے طور پر ستاتا ہے
اضیف الینا مِن عمایاتِ قومنا ہماری طرف قوم کی نابینائی سے منسوب کیا گیا	فساد و کفر و افتراءٌ مُجعثرُ فساد اور کفر اور افتراء جو اکٹھا کیا گیا تھا
کَأَنّا جعلنا عادةً کل لیلةٍ گویا ہم نے یہ عادت کر رکھی ہے کہ ہر ایک رات	نُرقّع ثوب الافتراء و نَنشرُ ہم افتراء کا کپڑا پیوند کرتے ہیں اور پھر اس کو پھیلا دیتے ہیں اور شہرت دے دیتے ہیں
صبرنا علٰی ایذاء ھم و عُواء ھم ہم نے ان کی ایذاء اور بکواس پر صبر کیا	و کلّ خفیٍّ فی العواقب یظھرُ اور ہر ایک پوشیدہ امر انجام کار ظاہر ہو جاتا ہے
عجبتُ لِاَعْدَائِی یصولون کلھم مجھے دشمنوں سے تعجب آتا ہے کہ سب میرے پر حملہ کر رہے ہیں	و لو کان منھم جاھلٌ اَوْ مزوّرٌ اگر چہ ان میں سے کوئی جاہل ہو یا دروغ کو آراستہ کرنے والا ہو
و ھل یصقل الایمان او یکشف العمٰی اور کیا ایمان کو صیقل کر سکتے ہیں یا نابینائی کو دُور کر سکتے ہیں	أَقَاوِیلُ قومٍ لیس معھم تطھّرُ ایسی قوم کے اقوال جن کے ساتھ پاکیزگی نہیں
یفرّون منّی و الظنونُ تعفّنت مجھ سے وہ لوگ بھاگتے ہیں اور ان کے ظن سڑ گئے	و ما اَن اری اھل النھٰی یستنفرُ اور مَیں عقلمند کو نہیں دیکھتا جو مجھ سے نفرت کرے

﴿۱۶۰﴾

وَ اوذِیتُ من عُمی و لٰکن کمثلهم اور مَیں نے اندھوں سے دُکھ اٹھایا مگر ان کی طرح	تعامٰی عنادًا من رأیناه ینظرُ وہ شخص بھی بناوٹ سے اندھا ہوگیا جس کو ہم جانتے ہیں جوسوجا کھا ہے
تری الارض و الاموال مبلغ هَمِّهم تو دیکھے گا کہ ان کی انتہائی مراد زمین اور مال اور کھیتی ہے	و زرعًا و دین اللّٰه نبتٌ مُشرشَرٌ اور خدا کا دین اُس بُوٹی کی طرح ہوگیا ہے، جس کو اوپر سے مویشی کھالیں
و تدری الیهودَ و ما رؤا فی مآلهم اور تُو یہود کو جانتا ہے اور یہ کہ ان کا کیا حال ہوا	کذالک فیهم سنّةٌ لا تغیّرُ اِسی طرح اس قوم میں خدا کی سنّت ہے جو بدلی نہیں جائے گی
أَرَی کل یومٍ فی الفجور زیادةً مَیں ہر ایک روز بدکاریوں میں زیادتی دیکھتا ہوں	یقِلّ صلاح الناس و الفسق یکثرُ صلاحیت کم ہے اور فسق بڑھتا جاتا ہے
أَرَی کلّهم مُستأْنسین بظلمةٍ مَیں اُن کو دیکھتا ہوں کہ ظلمت کے ساتھ مانوس ہوگئے ہیں	و فسقٍ و عن دارالعفاف تقتروا اور فسق کے ساتھ مانوس ہیں اور عفت سے دُور ہورہے ہیں
شعرتُ لهم لمّا رأیت مزیةً مَیں نے ان کے لئے نظم میں یہ باتیں لکھیں جب کہ مَیں نے	لهم فی ضلال و اعتسافٍ تخیّروا اُن میں گمراہی اور حد سے بڑھنے میں زیادتی دیکھی
یریدون ان اُعفٰی و اُفنٰی و اُبتر چاہتے ہیں کہ مَیں مٹادیا جاؤں اور فنا کیا جاؤں اور کاٹ دیا جاؤں	و ما هو الّا هَرّ کلبٍ فیهطرُ مگر یہ صرف ایک کُتّے کی آواز ہے جو آخر ہلاک کیا جاتا ہے
و من کان نجمًا کیف یخفٰی بریقه اور جو ستارہ ہو اس کی روشنی کیونکر چُھپ سکے	و من صار بدرًا لا محالة یبهرُ اور جو بدر بن گیا وہ غالب آجائے گا
و انّی ببرهانٍ قویّ دعوتُهم اور مَیں نے ایک قوی حجت کے ساتھ اُن کو بلایا ہے	و انّی من الرحمٰن حَکَمٌ مُغَذْمِرٌ اور مَیں خدا کی طرف سے اختلاف کا فیصلہ کرنے والا آیا ہوں
و قد جئتُ فی بدر المئین لیعلموا اور میں ان کے پاس چودھویں صدی میں آیا جو صدیوں کی بدر ہے	کمالی و نوری ثم هم لم یَبْصُرُوا تا کہ وہ میرا کمال اور میرا نور جان لیں۔ پھر وہ نہیں دیکھتے

أَلالَیت شعری ھل رؤا من تجسّسٍ	من الکذب فی امری فکیف تصوّرٗ
کاش انہیں سمجھ ہوتی کیا انہوں نے تجسّس کے بعد	میرے کام میں کچھ جھوٹ ثابت کیا پس کیونکر تصور کر لیا
و اِنّ الوَرٰی من کلّ فجٍ یجیئنی	و یسعٰی الینا کلّ من کان یُبصرٗ
اور مخلوق ہر ایک راہ سے میرے پاس آ رہی ہے	اور ہر ایک دیکھنے والا میری طرف دوڑ رہا ہے
و کم من عبادٍ اٰثرونی بصدقھم	علی النفس حتّٰی خُوّفوا ثمّ دُمّروا
بہت سے بندے ایسے ہیں جنہوں نے اپنی جان پر مجھ کو اختیار کر لیا	یہاں تک کہ ڈرائے گئے پھر قتل کئے گئے
و من حزبنا عبداللطیف فانّہ	أرَی نور صدق منہ خلق تھکّروا☆
اور ہمارے گروہ میں سے مولوی عبداللطیف ہیں کیونکہ اُس نے	اپنے صدق کا نور ایسا دکھلایا کہ اُس کے صدق سے لوگ حیران ہوگئے

﴿۱۶۱﴾

☆ **حاشیہ** — **عبداللطیف** جن کا شعر میں ذکر ہُوا ہے وہ صاحبزادہ مولوی عبداللطیف کے نام سے موسوم ہیں اور ملک کابل میں اُن کو شاہزادہ مولوی عبداللطیف بھی کہتے ہیں۔ یہ ایک بڑے خاندان کے رئیس اور صاحبِ علم و فضل و کمال تھے۔ اور پچاس ہزار۵۰۰۰۰ کے قریب ان کے متبعین اور شاگرد اور مرید تھے۔ علمِ حدیث کی تُخم ریزی اور اشاعت اُس ملک میں مولوی صاحب موصوف کے ذریعہ سے بہت سی ہوئی تھی۔ اور باوجود اس قدر علم اور فضل اور کمال کے جس کی وجہ سے وہ ان ملکوں میں لاثانی شمار کئے جاتے تھے۔ انکسار اور فروتنی اُن کے مزاج میں اس قدر تھی کہ گویا عُجب اور تکبّر کی قوت ہی اُن میں پیدا نہیں ہوئی تھی درحقیقت سرزمینِ کابل میں (جو سخت دلی اور بے مہری اور تکبر اور نخوت میں مشہور ہے) ایسے بےنفس اور متواضع اور راستباز انسان کا وجود خارق عادت امر ہے۔

غرض سعادت ازلی مولوی صاحب ممدوح کو کشاں کشاں قادیان میں لے آئی اور چونکہ وہ ایک انسان روشن ضمیر اور بےنفس اور فراست صحیحہ سے پورا حصہ رکھتا تھا۔ اور علمِ حدیث اور علمِ قرآن سے ایک وہبی طاقت ان کو نصیب تھی اور کئی رؤیائے صالحہ بھی وہ میرے بارے میں دیکھ چکے تھے اسؔ لئے چہرہ دیکھتے ہی مجھے انہوں نے قبول کر لیا اور کمال انشراح سے میرے دعویٔ مسیح موعود ہونے پر ایمان لائے اور جان نثاری کی شرط پر بیعت کی۔ اور ایک ہی صحبت میں ایسے ہو گئے کہ گویا سالہا سال سے میری صحبت میں تھے اور نہ صرف اس قدر بلکہ الہام الٰہی کا سلسلہ بھی اُن پر جاری ہو گیا اور واقعات صحیحہ اُن پر وارد ہونے لگے اور ان کا دل ماسوا اللہ کے بقایا سے بکلّی دھویا گیا۔ پھر وہ اس جگہ سے

﴿۱۶۲﴾

﴿۱۶۲﴾

جَزَی اللّٰہ عَنّادائمًا ذٰلکَ الفتٰی	قضٰی نحبہ لِلّٰہ فاذکر و فکّرٗ
خدا ہم سے اس جوان کو بدلہ دے	وہ اپنی جان خدا کی راہ میں دے چکا پس سوچ اور فکر کر
عباد یکون کمُبسراتٍ وجودھم	اذا ما اتوا فالغیث یأتی و یمطرٗ
یہ وہ بندے ہیں کہ مان سون ہوا کی طرح ان کا وجود ہوتا ہے	جب آتے ہیں پس ساتھ ہی بارش رحمت کی آتی ہے
أَتَعلم اَبْدَالًا سواھم فانھم	رمُوا بالحجارۃِ فاستقاموا و اَجمروا
کیا تو ان کے سوا کوئی اور لوگ ابدال جانتا ہے کیونکہ وہ لوگ	وہ لوگ ہیں جن پر پتھر چلائے گئے پس انہوں نے استقامت اختیار کی اور ان کی جمعیت باطنی بحال رہی

بقیہ حاشیہ

معرفت اور محبت الٰہیہ سے معمور ہو کر واپس اپنے وطن کی طرف گئے اور ان کے گھر پہنچنے پر امیر کابل کے پاس مخبری کی گئی کہ وہ قادیان گئے اور بیعت کر کے آئے ہیں اور اب اعتقاد رکھتے ہیں کہ مسیح موعود اور مہدی معہود جو آنے والا تھا وہی اُن کا مرشد ہے اس مخبری پر مصالح ملکی کی بنا پر مولوی صاحب موصوف گرفتار کئے گئے اور ایک بڑا زنجیر اُن کے پاؤں میں ڈالا گیا اور کابل کے علماء نے فتویٰ دیا کہ اگر یہ شخص توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے اور سرزمین کابل کے مولویوں سے ان کی بحث کرائی گئی اور ہر ایک بات میں مولویوں کو انہوں نے لاجواب کیا اور پھر یہ عذر اٹھایا گیا کہ یہ شخص جہاد کا بھی منکر ہے۔ اور یہ اعتراض سچ تھا۔ کیونکہ میری تعلیم یہی ہے کہ یہ وقت تلوار چلانے کا وقت نہیں بلکہ اس زمانہ میں پُر زور تقریروں اور دلائل ساطعہ اور حجج باہرہ اور دعاؤں کے ساتھ جہاد کرنا چاہیئے۔ غرض اس آخری اعتراض میں مولوی صاحب موصوف ملزم ٹھہر گئے امیر کابل نے کئی مرتبہ فہمائش کی کہ آپ صرف اس شخص کی بیعت سے دست بردار ہو جائیں ﴿۱۶۳﴾ جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا اور مسئلہ جہاد بالسیف کا مخالف ہے۔ تو پھر آپ بَری ہیں بلکہ آپ کی عزت اور عظمت اور بھی کی جائے گی مگر مولوی صاحب نے قبول نہ کیا اور کہا کہ مَیں نے آج ایمان کو اپنی جان پر مقدم کر لیا ہے اور مَیں جانتا ہوں کہ جس کی مَیں نے بیعت کی ہے وہ سچا ہے اور روئے زمین پر اُس جیسا دوسرا نہیں۔ اور پھر جب اُن کی توبہ سے نومیدی ہوئی تو بڑی بے رحمی سے سنگسار کئے گئے۔ دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ آج تک ان کی قبر میں سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔ رحمہ اللّٰہ و أدخله فی جنانه۔ جب وہ پکڑے گئے تو کہا گیا کہ اولاد اور بیوی سے ملاقات کر لو۔ فرمایا کہ مجھے کچھ ضرورت نہیں۔ ان کے بارے میں خاص ایک رسالہ چھپ چکا ہے۔ رضی اللّٰہ عنه۔ منه

﴿۱۶۳﴾

تجلّی علیهم ربهم ربُّ ما بدا اُن پر ان کا خدا متجلّی ہُوا جو تمام مخلوقات کا خدا ہے	فَفرّوا الی النور القدیم و اَبدروا پس وہ نور قدیم کی طرف جلدی سے بھاگے
تَرَاهُمْ تفیض دموعهم من صَبابةٍ تو دیکھے گا ان کو کہ ان کے آنسو جاری ہیں غلبہ محبتِ الٰہی سے	و فی القلب نیرانٌ و رأسٌ مُغبّرٌ اور دل میں طرح طرح کی آگ ہے اور سر پر غبار ہے
انارت بنور الاتقاءِ وجوههم تقویٰ کے نور کے ساتھ اُن کے منہ روشن ہو گئے	فتعرفهم عیناک لو لا التکدرُ پس تیری آنکھیں ان کو پہچان لیں گی اگر کدورت لاحق حال نہ ہو
یُمیلُون قلب الخلق نحو نفوسهم لوگوں کے دل اپنی طرف مائل کر دیتے ہیں	بنا ظرةٍ تصبو الیها الخواطرُ اُس آنکھ کے ساتھ کہ اس کی طرف دل میل کرتے ہیں
کانّ حیات القومِ تحت حیاتهم گویا قوم کی زندگی ان کی زندگی کے نیچے ہے	بهم زرع دین اللّٰه یبدو و یَجدرُ ان کے ساتھ دین کا کھیت ظاہر ہوتا اور اپنا سبزہ نکالتا ہے
و ان کنت تبغی زَورهم زُربخلّة پس اگر تُو ان کو دیکھنا چاہتا ہے تو دوستی کے ساتھ دیکھ	وجوهٌ من الاغیار تخفٰی و تُسترُ وہ ایسے مُنہ ہیں جو غیروں سے چھپائے جاتے ہیں
کذٰلک طلعت شمسنافی ستارةٍ اسی طرح ہمارا سورج پردہ میں چڑھا	فقلتُ امکثی حتّٰی اُنیرَ و اَبهرُ پس میں نے سورج کو کہا کہ ٹھہر جا جب تک میں روشن ہو جاؤں اور دوسری روشنیوں پر غالب ہو جاؤں
و لسنا بمستورٍ علٰی عین طالب اور ہم ڈھونڈنے والے کی آنکھ سے پوشیدہ نہیں ہیں	یرانا الذی یأتی ویرنو و ینظرُ ہمیں وہ شخص دیکھ لے گا جو آئے گا اور نظر کرنے میں طریق مداومت اختیار کرے گا
و لا جبر اِن تکفر و ان کنت مؤمنًا اور اگر تُو انکار کرے تو تیرے پر کوئی جبر نہیں	فحسبک ما قال الکتاب المطهرُ اور اگر تُو ایمان لاوے تو ایمان کے لئے تجھے کتاب اللہ کافی ہے
و واللّٰه لا انسٰی همومًا لقیتُها اور بخدا مَیں ان غموں کو نہیں بھولتا جو مَیں نے دیکھے	بتکفیر قومی حین اٰذوا و کَفّروا بباعث تکفیر قوم کے جب کہ انہوں نے مجھے دُکھ دیا اور کافر ٹھہرایا

﴿۱۶۴﴾

عـلٰی صادقٍ فَأْسٌ من الظلم وَ الْاَذٰی فـکیف کـذوبٌ مـن یـد اللّٰـه یَسترُ

صادق پر ظلم اور ایذاء کا تبر چل رہا ہے پس کیونکر جھوٹا خدا کے ہاتھ سے چُھپ جائے گا

عـلٰی موت عیسٰی صار قومی کحیّۃٍ و کـم من سمومٍ اخرجوھا و اظھروا

عیسٰی کی موت پر میری قوم سانپ کی طرح ہو گئی اور بہت سی زہریں نکالیں اور ظاہر کیں

تـوفّـی عیسٰـی ثـم بَـعـدَ وفـاتـهٖ عرا الموتُ عقل جماعتٍ ما تفکّروا

عیسٰی مر گیا اور بعد اس کے اس جماعت کی عقل پر موت آ گئی جنہوں نے فکر نہیں کیا

و لـو انّ انســانًـا یطیـر الـی السّمـا لـکـان رسـول اللّٰـه اولٰی و اَجدرُ

اور اگر کوئی انسان آسمان کی طرف پرواز کر سکتا ہے تو اس بات کے لئے ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ لائق تھے

اتتــرک قـول اللّٰــه قولاً مصـرحًـا و اِنّ کتــاب الـلّٰــه اَهـدٰی وَ اَنـورُ

کیا خدا کے قول کو تُو ترک کرتا ہے اور خدا کا کلام بہت ہدایت دینے والا اور بہت روشن ہے

فـدَع ذکـر اخبـارٍ تُـخـالف قـولـه و ایّ حـدیــثٍ بـعـده یُستَـأثـرُ

پس ان اخبار کا ذکر چھوڑ دے جو اس کے قول کے مخالف ہیں اور کون سی حدیث خدا کا کلام چھوڑ کر اختیار کرنے کے لائق ہے

ودع عنک کبرًا مهلکًا وَ اتَّقِ الرَّدَی و اِنّ تـقاۃ المرء تنجی و تثمرُ

اور تکبّر ہلاک کرنے والے کو چھوڑ دے ☆ بہ تحقیق انسان کی تقویٰ نجات دیتی اور پھل لاتی ہے

﴿۱۶۵﴾

أَتـصبـح کـالخفّاش اَعمٰی و ما تَرَی و امّــا لـدی الـلـیـل البهیـم فتُبصـرُ

کیا تو صبح کو اُلّو کی طرح اندھا ہو جاتا ہے اور اندھیری رات میں دیکھنے لگتا ہے

اذا مــا وجـدت الـحـق بـعـد ضلالۃٍ فـمـا البـر اِلّا تـرک مـا کنت تؤثرُ

جب تُو نے گمراہی کے بعد حق پا لیا تو نیکی اسی میں ہے کہ جو کچھ پہلے تو نے اختیار کر رکھا تھا وہ چھوڑ دے

و لا تبـغ حَـرَزات الـنفوس و هتکهم و هـل انـت اِلّا دودۃٌ یا مزوّرُ

اور تو برگزیدہ انسانوں کی موت اور ہتک عزّت کا خواہاں مت بن اور تُو کیا چیز ہے صرف ایک کیڑا۔ اے دروغ آراستہ کرنے والے

☆ متن مطابق ایڈیشن اوّل ہے۔ ''وَاتَّقِ الرَّدَی'' کا ترجمہ ''ہلاکت سے بچ'' کاتب کے لکھنے سے رہ گیا ہے (ناشر)

و لـو انّ قـومـی آنسـونـی لَاَ فْلَـحُـوا مِـنَ الـذُّلّ فی الدّنیا و فی الدّین عُزّروا

اور اگر میری قوم مجھے دیکھ لیتی تو نجات پا لیتی دنیا کی ذلّت سے اور آخرت میں عزّت دی جاتی

و لٰکـن قـلـوبٌ بـالیھود تشـابھـت و ھٰـذا ھو النبأ الذی جآء فاذکروا

مگر بعض دل یہودیوں کی طرح ہو گئے اور یہ وہی خبر ہے جو آچکی ہے۔ پس یاد کرو

فـصِـرْتُ لھـم عیسٰی اذا مـا تھوّدوا و ھٰـذا کـفٰـی مِـنّـی لـقـومٍ تفکّروا

پس جب وہ یہودی بن گئے تو مَیں ان کے لئے عیسٰی بن گیا اوراس قدر بیان میری طرف سے کافی ہے ان کے لئے جو سوچتے ہیں

و قـد تـمّ وَعْـدُ نبیّـنـا فی حـدیثـہٖ اذا جـاء ھـم مـنھـم اِمَـامٌ یُـذَکِّـرُ

اور بہ تحقیق ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ جو حدیث میں تھا پورا ہو گیا جب کہ مسلمانوں میں اُنہیں میں سے ایک امام آیا جو نصیحت کرتا اور یاد دلاتا ہے

ابـاروا عـوام الـنـاس مـن سـمّ منطقٍ و جـاء وا ببھتـان عـلینـا و زَوّروا

باتوں کے زہر سے لوگوں کو ہلاک کر دیا اور ہم پر بہتان لگائے اور جھوٹ بولا

یـقـولـون مـا لا یـفـعـلـون خیـانَۃً یـخـالف فـی الحالاتِ بیتٌ و منبرٌ

وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں اور روحانیت کے حالات کی رُو سے ان کے گھر اوران کے منبر میں بڑا فرق ہے

الا رُبّ قـوّالٍ یُسِـرّک قـولـہ ولـو تـنـظرنّ الوجہ ساء ک منظرُ

کئی بہت باتیں کرنے والے ایسے ہیں کہ ان کی بات تجھے اچھی معلوم ہوگی مگر جب تُو ان کا مُنہ دیکھے گا تو تجھے وہ بُرا معلوم ہوگا

﴿۱۶۶﴾

تـرّی الـعیـن مـا ھـو ظاھرٌ غیر کاتم و مـا تـنـظـر الـعیـنـان ما ھو یُستَرُ

آنکھ صرف اس کو دیکھتی ہے جو ظاہر ہے پوشیدہ نہیں اور پوشیدہ چیز کو آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں

و فیھـم و ان قیـل اھتـدینـا غـوایۃ و کـبـر بـہٖ یـنـمـو الضلال و یثمرُ

اوران میں اگرچہ وہ کہیں کہ ہم ہدایت پا گئے ایک گمراہی ہے اور تکبّر ہے جس کے ساتھ گمراہی نشوونما پاتی اور پھل لاتی ہے

انـاسٌ اضـاعـوا دیـنھـم مِن رعونۃ و اَھـواءَ دنیـاھـم عـلی الدینِ اٰثروا

وہ ایسے لوگ ہیں کہ انہوں نے تکبّر سے دین کو ضائع کیا اور دنیا کی خواہشوں کو دین پر اختیار کر لیا

تــأَلّـم قـلـبـی مـن أَعــاصـیـر جهلهم ... ففی الصدر حُزّازٌ و فی القلب خنجرٌ

اُن کی جہالت کی آندھیوں سے میرا دل دردناک ہو گیا

پس سینہ میں ایک سوزش اور خلش ہے، اور دل میں تلوار ہے

لهم سَلَفٌ قـد اخـطـأ وا فی بیـانهم ... فهــم اثــروا آثــارهــم و تـخیّـروا

ان کے ایسے بزرگ ہیں جنہوں نے اپنے بیان میں خطا کی

پس انہوں نے ان کے آثار کو اختیار کر لیا

هـمـمـنـا بـخیـرٍ ثـم ذُقنـا جفـاء هم ... و جـئـنـا بـعـدلٍ ثـم للظلم شَمّروا

ہم نے نیکی کا قصد کیا مگر ان سے ظلم دیکھا

اور ہم عدل کے ساتھ آئے اور انہوں نے ظلم کرنا شروع کیا

و جـدنـا الافـاعِـیّ الـمبیدة دونهم ... و لا مثـلهـم شـرّ الـعقـارب تـابـرٌ

ہم نے ہلاک کرنے والے سانپ اُن سے کم درجہ پر دیکھے

اور نہ ان کی طرح بدترین عقارب نیش زنی کرتا ہے

و مَــا نـحــن اِلّا کــالـفتیـل مـذلّة ... بـاعینـهـم بـل مـنــه ادنٰی و احقرٌ

اور ہم ایک ریشۂ خرما کی طرح ان کی نظر میں ہیں

بلکہ اس سے بھی زیادہ حقیر اور ذلیل

فـنشـکـوا الـی الـلّٰـه الـقدیر تضرّعًا ... و مَـن مثـلُـه عـنـدالـمصائب ینصرٌ

پس ہم خدائے قادر کی طرف تضرع کے ساتھ شکوہ لے جاتے ہیں

اور اس کی طرح کون مصیبتوں کے وقت مدد کرتا ہے

رمٰـی کــل مـن عـادا الـیّ سهـامــه ... فَـأَصبحت أَمْشی کالوحید و اُکفَرُ

ہر ایک دشمن نے میری طرف اپنے تیر چلائے

پس میں اکیلا رہ گیا اور کافر قرار دیا گیا

﴿۱۶۷﴾

حُسینٌ دفـاه الـقوم فی دشت کربلا ... و کَـلّـمـنــی ظـلـمًـا حُسینٌ اٰخـرٌ

ایک حُسین وہ تھا جس کو دشمنوں نے کربلا میں قتل کیا

اور ایک وہ حسین ہے جس نے مجھ کو محض ظلم سے مجروح کیا

ایـا راشـقـی قـد کنتَ تمدح منطقی ... و تُثـنــی عــلــیّ بــاُلـفةٍ و تُـوقّـرُ

اے میرے پر تیر چلانے والے ایک زمانہ وہ تھا جو تُو میری باتوں کی تعریف کرتا تھا

اور محبت کے ساتھ میری تعریف کرتا تھا اور میری عزت کرتا تھا

و لِـلّٰـه دَرّک حیـن قَـرّظـتَ مخلصًا ... کتـابـی و صـرتَ لکلِّ ضالِّ مُخفرٌ

اور تُو نے کیا خوب میری کتاب

براہین احمدیہ کا اخلاص سے ریویو لکھا تھا اور ہر ایک گمراہ کے لئے رہنما ہو گیا تھا

وانت الذی قد قال فی تقریظہٖ اور تو وہی ہے جس نے اپنے ریویو میں لکھا تھا	کمثل المؤلف لیس فینا غضنفرٌ کہ اس مؤلف کی طرح ہم میں کوئی بھی دین کی راہ میں شیر نہیں
عرفتَ مقامی ثم أنکرتَ مُدبرًا تُو نے میرے مقام کو شناخت کیا پھر منکر ہو گیا	فما الجھل بعد العلم ان کنتَ تشعرُ پس یہ کیسا جہل ہے جو علم کے بعد دیدہ ودانستہ وقوع میں آیا
کمثلک مع علمٍ بحالی. و فطنةٍ تیرے جیسا آدمی میرے حال سے واقف اور دانا	عجبتُ لہٗ یبغی الھدٰی ثم یاطرُ ☆ تعجب ہے کہ وہ ہدایت پر آ کر پھر راہِ راست چھوڑ دے
قَطعتَ ودادًا قد غرسناہ فی الصبا تُو نے اُس دوستی کو کاٹ دیا جس کا درخت ہم نے ایّامِ کودکی میں لگایا تھا	و لیس فؤادی فی الوداد یقصِّرُ مگر میرے دل نے دوستی میں کوئی کوتاہی نہیں کی

علٰی غیر شیءٍ قُلتَ ما قلت عُجلةً
کسی بات پر تُو نے نہیں کہا جو کچھ کہا جلدی سے

وَ واللّٰہ انّی صادقٌ لا اُزوّرُ
اور بخدا مَیں سچا ہوں مَیں نے جھوٹ نہیں بولا

☆ مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب نے اپنے رسالہ اشاعت السنۃ میں جہاں اس بات کا میری نسبت اقرار کیا ہے کہ مَیں اس زمانہ میں دین کی حمایت میں منفرد ہوں اور دین اسلام کی راہ میں فدا ہوں اور خدا کی راہ میں ایک بے بدل شجاع ہوں۔ ساتھ ہی اپنی نسبت یہ بھی اقرار کر دیا ہے کہ مجھ سے زیادہ اس شخص کے اندرونی حالات کا کوئی بھی واقف نہیں۔ منہ

﴿۱۶۸﴾

مولوی سیّد محمد عبد الواحد صاحب کے بعض شبہات کا اِزالہ☆

قولہ۔ آیت کریمہ مَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ میں یہ شبہ باقی ہے کہ **ما صلبوہ** کے اگر یہ معنے ہیں کہ صلیب کے ذریعہ سے یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہلاک نہیں کیا تھا تو اس تقدیر میں **ما قتلوہ** کا لفظ جو اُس پر مقدّم ہے محض بیکار ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ **ما قتلوہ** کے لفظ کو اس لئے بڑھایا گیا ہے تا کہ دلالت کرے اس بات پر کہ بہ نیّت قتل ٹانگیں ان کی نہیں توڑی گئیں تھیں تو بر تقدیر تسلیم اس بات کے بھی لفظ **ما قتلوہ** کا بعد لفظ **ما صلبوہ** کے واقع ہونا چاہیئے تھا کیونکہ ٹانگیں بعد صلیب سے اتارے جانے کے توڑی جاتی ہیں۔ پس وجہ تقدیم **ما قتلوہ** کی اوپر **ما صلبوہ** کے کیا ہے؟ ارشاد فرماویں۔

اقول۔ یاد رہے کہ قرآن شریف کی یہ آیتیں ہیں جن میں مذکورہ بالا ذکر ہے۔ وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا[1] الجزو نمبر ۶ سورۃ النساء

ترجمہ۔ اور ان کا (یعنی یہود کا) یہ کہنا کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے حالانکہ نہ انہوں نے اس کو قتل کیا اور نہ صلیب دیا بلکہ یہ امر اُن پر مشتبہ ہو گیا۔ اور جو لوگ عیسیٰ کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں (یعنی عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ زندہ آسمان پر اٹھایا گیا اور یہودی کہتے ہیں کہ ہم نے اس کو ہلاک کر دیا) یہ دونوں گروہ محض شک میں پڑے ہوئے ہیں حقیقت حال کی

☆ یہ مولوی صاحب مقام برہمن بڑیہ ضلع ٹپارہ ملک بنگالہ میں مدرس سکول وقاضی ہیں۔ منہ

[1] النسآء: ۱۵۸، ۱۵۹

﴿۱۶۹﴾ اُن کو کچھ بھی خبر نہیں اور صحیح علم اُن کو حاصل نہیں محض اٹکلوں کی پیروی کرتے ہیں۔ یعنی نہ عیسیٰ آسمان پر گیا جیسا کہ عیسائیوں کا خیال ہے اور نہ یہودیوں کے ہاتھوں سے ہلاک کیا گیا جیسا کہ یہودیوں کا گمان ہے بلکہ صحیح بات ایک تیسری بات ہے کہ وہ مَخلصی پا کر ایک دوسرے ملک میں چلا گیا اور خود یہودی یقین نہیں رکھتے کہ انہوں نے اس کو قتل کر دیا بلکہ خدا نے اُس کو اپنی طرف اُٹھا لیا اور خدا غالب اور حکمتوں والا ہے۔☆

اب ظاہر ہے کہ ان آیات کے سر پر یہ قول یہودیوں کی طرف سے منقول ہے کہ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ یعنی ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کیا۔ سو جس قول کو خدا تعالیٰ نے یہودیوں کی طرف سے بیان فرمایا ہے ضرور تھا کہ پہلے اسی کو ردّ کیا جاتا اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے قتلوا کے لفظ کو صلبوا کے لفظ پر مقدّم بیان کیا۔ کیونکہ جو دعویٰ اس مقام میں یہودیوں کی طرف سے بیان کیا گیا ہے وہ تو یہی ہے کہ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ۔

پھر بعد اس کے یہ بھی معلوم ہو کہ حضرت عیسیٰ کے ہلاک کرنے کے بارے میں کہ کس طرح ان کو ہلاک کیا یہودیوں کے مذہب قدیم سے دو۲ ہیں۔ ایک فرقہ تو کہتا ہے کہ تلوار کے ساتھ پہلے ان کو قتل کیا گیا تھا اور پھر ان کی لاش کو لوگوں کی عبرت کے لئے صلیب پر یا درخت پر لٹکایا گیا۔ اور دوسرا فرقہ یہ کہتا ہے کہ اُن کو صلیب دیا گیا تھا اور پھر بعد صلیب ان کو قتل کیا گیا۔ اور یہ دونوں فرقے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود تھے اور اب بھی موجود ہیں۔ پس چونکہ ہلاک کرنے کے وسائل میں یہودیوں کو اختلاف تھا۔ بعض ان کی ہلاکت کا ذریعہ اوّل قتل قرار دے کر پھر صلیب کے قائل تھے اور بعض صلیب کو قتل پر مقدم

☆ یہودیوں کا یہ کہنا کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کر دیا اس قول سے یہودیوں کا مطلب یہ تھا کہ عیسیٰ کا مومنوں کی طرح خدا تعالیٰ کی طرف رفع نہیں ہوا کیونکہ توریت میں لکھا ہے کہ جھوٹا پیغمبر قتل کیا جاتا ہے۔ پس خدا نے اس کا جواب دیا کہ عیسیٰ قتل نہیں ہوا بلکہ ایمانداروں کی طرح خدا تعالیٰ کی طرف اس کا رفع ہوا۔ منہ

سمجھتے تھے اس لئے خدا تعالیٰ نے چاہا کہ دونوں فرقوں کا رد کر دے۔ مگر چونکہ جس فرقہ کی تحریک سے یہ آیات نازل ہوئی ہیں وہ وہی ہیں جو قبل از صلیب قتل کا عقیدہ رکھتے تھے اس لئے قتل کے گمان کا ازالہ پہلے کر دیا گیا اور صلیب کے خیال کا ازالہ بعد میں۔

افسوس کہ یہ شبہات دلوں میں اسی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ عموماً اکثر مسلمانوں کو نہ یہودیوں کے فرقوں اور ان کے عقیدہ سے پوری واقفیت ہے اور نہ عیسائیوں کے عقیدوں کی پوری اطلاع ہے۔ لہٰذا مَیں مناسب دیکھتا ہوں کہ اس جگہ مَیں یہودیوں کی ایک پُرانی کتاب ﴿۱۷۰﴾ میں سے جو قریباً انیس سو برس (۱۹۰۰) کی تالیف ہے اور اس جگہ ہمارے پاس موجود ہے ان کے اس عقیدہ کی نسبت جو حضرت مسیح کے قتل کرنے کے بارے میں ایک فرقہ ان کا رکھتا ہے بیان کر دوں۔ اور یاد رہے کہ اس کتاب کا نام تولیدُ وت یشوع ہے جو ایک قدیم زمانہ کی ایک عبرانی کتاب مصنفہ بعض علماء یہود ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے صفحہ ۱۳ میں لکھا ہے۔ ’’پھر وہ (یعنی یہودی لوگ) یسوع کو باہر سزا کے میدان میں لے گئے اور اس کو سنگسار کر کے مار ڈالا اور جب وہ مر گیا تب اس کو کاٹھ پر لٹکا دیا تا کہ اس کی لاش کو جانور کھائیں اور اس طرح مردہ کی ذلّت ہو۔ اس قول کی تائید انجیل کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جہاں لکھا ہے کہ ’’یسوع جسے تم نے قتل کر کے کاٹھ پر لٹکایا‘‘۔ دیکھو اعمال باب ۵ آیت ۳۰۔☆

☆ حاشیہ: یہودی فاضل جو اب تک موجود ہیں اور بمبئی اور کلکتہ میں بھی پائے جاتے ہیں عیسائیوں کے اِس قول پر کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر چلے گئے بڑا ٹھٹھا اور ہنسی کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ کیسے نادان ہیں جنہوں نے اصل بات کو سمجھا نہیں۔ کیونکہ قدیم یہودیوں کا تو یہ دعویٰ تھا کہ جو شخص صلیب دیا جائے وہ بے دین ہوتا ہے اور اس کی رُوح آسمان پر اٹھائی نہیں جاتی۔ اس دعویٰ کے رد کرنے کے لئے عیسائیوں نے یہ بات بنائی کہ گویا حضرت عیسیٰ مع جسم آسمان پر چلے گئے ہیں تا وہ داغ جو مصلوب ہونے سے حضرت عیسیٰ پر لگتا تھا وہ دُور کر دیں مگر اس منصوبہ میں

انجیل کے اس فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے قتل کیا پھر کاٹھ پر لٹکایا☆۔ اور یاد رہے کہ جیسا کہ پادریوں کی عادت ہے انجیلوں کے بعض اردو ترجمہ میں اس فقرہ کو بدلا کر لکھ دیا گیا ہے مگر انگریزی انجیلوں میں اب تک وہی فقرہ ہے جو ابھی ہم نے نقل کیا ہے۔ بہر حال یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یہودیوں کے حضرت عیسیٰ کے ہلاک کرنے کے بارے میں دو مذہب ہیں۔ ﴿۱۷۱﴾

حاشیہ: انہوں نے نہایت نادانی ظاہر کی کیونکہ یہودیوں کا یہ تو عقیدہ نہیں کہ جو شخص مع جسم آسمان پر نہ جاوے وہ بے دین اور کافر ہوتا ہے اور اس کی نجات نہیں ہوتی۔ کیونکہ بموجب عقیدہ یہودیوں کے حضرت موسیٰ بھی مع جسم آسمان پر نہیں گئے۔ یہودیوں کی حجت تو یہ تھی کہ بموجب حکم توریت کے جو شخص کاٹھ پر لٹکایا جائے اس کی رُوح آسمان پر اُٹھائی نہیں جاتی کیونکہ صلیب جرائم پیشہ لوگوں کے ہلاک کرنے کا آلہ ہے۔ پس خدا اس سے پاک تر ہے کہ ایک مطہر اور راستباز مومن کو صلیب کے ذریعہ ہلاک کرے سو توریت میں یہی حکم لکھ دیا گیا کہ جو شخص صلیب کے ذریعہ سے مارا جائے وہ مومن نہیں اور اس کی رُوح خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائی نہیں جاتی یعنی رفع الی اللہ نہیں ہوتا اور جب کہ مسیح صلیب کے ذریعہ سے ہلاک ہو گیا تو اس سے نعوذ باللہ بقول یہود ثابت ہو گیا کہ وہ ایمان دار نہ تھا۔ اور اس کی رُوح خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائی نہیں گئی۔ پس اس کے مقابل پر یہ کہنا کہ مسیح مع جسم آسمان پر چلا گیا یہ حماقت ہے اور ایسے بیہودہ جواب سے یہودیوں کا اعتراض بدستور قائم رہتا ہے کیونکہ ان کا اعتراض رفع روحانی کے متعلق ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف رفع ہو نہ رفع جسمانی کے متعلق جو آسمان کی طرف ہو۔ اور قرآن شریف جو اختلاف نصاریٰ اور یہود کا فیصلہ کرنے والا ہے اس نے اپنے فیصلہ میں یہی فرمایا کہ بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیۡهِ [1] یعنی خدا نے عیسیٰ کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ اور ظاہر ہے کہ خدا کی طرف رُوح اٹھائی جاتی ہے نہ جسم۔ خدا نے یہ تو نہیں فرمایا کہ **بل رفعه الله الی السماء** بلکہ فرمایا کہ بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیۡهِ اور اِس مقام میں خدا تعالیٰ کا صرف یہ کام تھا جو یہودیوں کا اعتراض ﴿۱۷۱﴾ ﴿۱۷۲﴾

[1] النسآء: ۱۵۹ ☆ از طرف ناشر:- The God of our fathers raised up Jesus , whom Ye slew and hanged on tree. Acts 5: 30 (The Holy Bible , King James Version American Bible Society New York)

جن میں سے ایک یہ ہے کہ اوّل قتل کیا اور پھر صلیب دیا۔ پس اِس مذہب کا بھی رد کرنا ضروری تھا اور ایسے خیال کے لوگوں کا پہلی آیت میں ذکر بھی ہے۔ یعنی اس آیت میں کہ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ[1] پس جب کہ دعویٰ یہ تھا کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کیا۔ تو ضرور تھا کہ پہلے اسی دعویٰ کو رد کیا جاتا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے رد کو مکمل کرنے کے لئے دوسرے فرقہ کا بھی اس جگہ رد کر دیا جو کہتے تھے کہ ہم نے پہلے صلیب دیا ہے۔ پس اس کے رد کے لئے

بقیہ حاشیہ

دُور کرتا جو رفع رُوحانی کے انکار میں ہے اور نیز عیسائیوں کی غلطی کو دُور فرماتا۔☆ پس خدا تعالیٰ نے ایک ایسا جامع لفظ فرمایا جس سے دونوں فریق کی غلطی کو ثابت کر دیا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا یہ قول کہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۔صرف یہی ثابت نہیں کرتا کہ مسیح کا رفع روحانی خدا تعالیٰ کی طرف ہو گیا

☆حاشیہ در حاشیہ

اگر خدا تعالیٰ کی ان آیات میں یعنی بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع جسم عنصری دوسرے یا چوتھے آسمان پر پہنچائے گئے تھے تو ہمیں کوئی بتلائے کہ یہودیوں کے اس اعتراض کا کن آیات میں جواب ہے جو وہ کہتے ہیں جو مومنوں کی طرح حضرت عیسیٰ کا رفع روحانی خدا تعالیٰ کی طرف نہیں ہوا۔ یہ تو نعوذ باللہ قرآن شریف کی ہتک ہے کہ اعتراض تو یہودیوں کا کوئی اَور تھا اور جواب کوئی اَور دیا گیا۔ گویا خدا تعالیٰ نے یہودیوں کا منشاء نہیں سمجھا۔ یہودی تو اس بارے میں حضرت عیسیٰ سے کوئی خصوصیت کا معجزہ نہیں چاہتے تھے۔ ان کا تو یہی اعتراض تھا کہ عام مومنوں کی طرح اُن کا رفع نہیں ہوا۔ اور ان کا جواب تو صرف ان الفاظ سے دینا چاہیئے تھا کہ ان کا رفع خدا تعالیٰ کی طرف ہو گیا ہے۔ پس اگر ممدوحہ بالا آیت کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ آسمان پر بٹھانے کا مطلب ہے تو یہ یہودیوں کے اعتراض کا جواب نہیں ہے۔ قرآن شریف کی نسبت یہ خیال کہ سوال دیگر اور جواب دیگر ایسا خیال تو کفر تک پہنچ جاتا ہے جب کہ قرآن شریف کا یہ بھی منصب ہے کہ یہود کی اُن غلط تہمتوں کو دُور کرے جو حضرت عیسیٰ پر انہوں نے لگائی تھیں تو منجملہ ان تہمتوں کے یہ بھی یہود کی ایک تہمت تھی کہ وہ حضرت عیسیٰ کے رفع روحانی کے منکر تھے اور اس طور سے نعوذ باللہ ان کو کافر ٹھہراتے تھے۔ پس قرآن شریف کا فرض تھا کہ اس تہمت سے اُن کو بری کرتا۔ سو اگر ان آیتوں میں اس نے حضرت عیسیٰ کو اس تہمت سے بری نہیں کیا تو قرآن شریف میں سے اور ایسی آیتیں پیش کرنی چاہئیں جن میں اس نے اس تہمت سے حضرت عیسیٰ کو بری کر دیا ہے۔ منہ

[1] النسآء: ۱۵۸

ما صلبوہ فرما دیا۔ اور بعد اس کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا [1] ۔ ترجمہ:۔ یعنی عیسیٰ نہ قتل کیا گیا اور نہ صلیب دیا گیا بلکہ ان لوگوں پر حقیقت حال مشتبہ کی گئی۔ اور یہود و نصاریٰ جو مسیح کے قتل یا رفع روحانی میں اختلاف رکھتے ہیں محض شک میں مبتلا ہیں۔ اُن میں سے کسی کو بھی علمِ صحیح حاصل نہیں محض ظنوں اور شکوک میں گرفتار ہیں اور

بقیہ حاشیہ

اور وہ مومن ہے بلکہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ آسمان کی طرف اس کا رفع نہیں ہُوا کیونکہ خدا تعالیٰ جو تجسّم اور جہات اور احتیاج مکان سے پاک ہے اس کی طرف رفع ہونا صاف بتلا رہا ہے کہ وہ جسمانی رفع نہیں بلکہ جس طرح اور تمام مومنوں کی رُوحیں اُس کی طرف جاتی ہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رُوح بھی اُس کی طرف گئی۔ ہر ایک ذی علم جانتا ہے کہ قرآن شریف اور احادیث سے ثابت ہے کہ جب مومن فوت ہوتا ہے اس کی رُوح خدا کی طرف جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ [2] یعنی اے رُوح اطمینان یافتہ اپنے رب کی طرف واپس چلی آ وہ تجھ سے راضی اور تو اُس سے راضی۔ اور میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میرے بہشت میں داخل ہو جا۔ اور یہی یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ مومن کی رُوح کا رفع خدا تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اور بے دین اور کافر کا رفع خدا تعالیٰ کی طرف نہیں ہوتا اور وہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کافر اور بے دین سمجھتے تھے کہ اس شخص نے خدا پر افتراء کیا ہے اور یہ سچا نبی نہیں ہے۔ اور اگر سچا ہوتا تو اُس کے آنے سے پہلے الیاس نبی دوبارہ دنیا میں آتا۔ اسی لئے وہ لوگ یہی عقیدہ رکھتے تھے اور اب تک رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی رُوح مومنوں کی طرح خدا تعالیٰ کی طرف نہیں گئی بلکہ نعوذ باللہ شیطان کی طرف گئی۔ اور خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہود کو جھوٹا ٹھہرایا اور ساتھ ہی عیسائیوں کو بھی دروغ گو قرار دیا۔ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بڑے بڑے

﴿۱۷۳﴾

[1] النسآء : ۱۵۸ [2] الفجر: ۲۸ تا ۳۱

﴿۱۷۲﴾ وہ خود یقین نہیں رکھتے کہ سچ مچ عیسیٰ کو قتل کر دیا گیا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں میں بعض فرقے اس بات کے قائل ہیں کہ مسیح کی آمد ثانی الیاس نبی کی طرح بروزی طور پر ہے یعنی یہ عقیدہ بالکل غلط ہے کہ مسیح زندہ آسمان پر بیٹھا ہے بلکہ درحقیقت وہ فوت ہو چکا ہے اور یہ جو وعدہ ہے کہ آخری زمانہ میں مسیح دوبارہ آئے گا اس آمد ثانی سے مراد ایک ایسے آدمی کا آنا ہے کہ جو عیسیٰ مسیح کی خُو اور خُلق پر ہوگا نہ یہ کہ عیسیٰ خود آ جائے گا۔ چنانچہ کتاب ''نیو لائف آف جیزس'' جلد اوّل صفحہ ۴۱۰ مصنّفہ ڈی ایف سٹراس میں اس کے متعلق ایک عبارت ہے جس کو مَیں اپنی کتاب ''تحفہ گولڑویہ'' کے صفحہ ۱۲۷ میں درج کر چکا ہوں اور اس جگہ اس کے ترجمہ پر کفایت کی جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے:۔

''اگرچہ صلیب کے وقت ہاتھ اور پاؤں دونوں پر میخیں ماری جائیں پھر بھی بہت تھوڑا خون انسان کے بدن سے نکلتا ہے اس واسطے صلیب پر لوگ رفتہ رفتہ اعضاء پر زور پڑنے کے سبب تشنج میں گرفتار ہو کر مر جاتے ہیں یا بھوک سے مر جاتے ہیں۔ پس اگر فرض بھی کر لیا جاوے کہ قریب چھ۶ گھنٹہ صلیب پر رہنے ﴿۱۷۳﴾ کے بعد یسوع جب اتارا گیا تو وہ مرا ہوا تھا۔ تب بھی نہایت ہی اغلب بات یہ ہے کہ وہ صرف ایک موت کی سی بیہوشی تھی۔ اور جب شفا دینے والی مرہمیں اور

بقیہ حاشیہ

افتراء کئے ہیں۔ ایک جگہ طالمود میں جو یہودیوں کی حدیثوں کی کتاب ہے لکھا ہے کہ یسوع کی لاش کو جب دفن کیا گیا تو ایک باغبان نے جس کا نام یہودا اسکر یوطی تھا لاش کو قبر سے نکال کر ایک جگہ پانی کے روکنے کے واسطے بطور بندھ کے رکھ دیا۔ یسوع کے شاگردوں نے جب قبر کو خالی پایا تو شور مچا دیا کہ وہ مع جسم آسمان پر چلا گیا تب وہ لاش ملکہ ہَیلنیا کے روبرو سب کو دکھائی گئی اور یسوع کے شاگرد سخت شرمندہ ہوئے (لعنة اللّٰہ علی الکاذبین) دیکھو جیوئش انسائیکلوپیڈیا صفحہ ۱۷۲ جلد نمبر ۷۔ یہ انسائیکلوپیڈیا یہودیوں کی ہے۔ منہ

نہایت خوشبودار دوائیاں مل کر اُسے غار کی ٹھنڈی جگہ میں رکھا گیا تو اُس کی بیہوشی دُور ہوئی۔ اس دعویٰ کی دلیل میں عموماً یوسفس کا واقعہ پیش کیا جاتا ہے جہاں یوسفس نے لکھا ہے کہ مَیں ایک دفعہ ایک فوجی کام سے واپس آ رہا تھا تو راستہ میں مَیں نے دیکھا کہ کئی ایک یہودی قیدی صلیب پر لٹکے ہوئے ہیں ان میں سے مَیں نے پہچانا کہ تین میرے واقف تھے۔ پس ٹیٹس (حاکم وقت) سے اُن کے اتار لینے کی اجازت حاصل کی اور ان کو فوراً اتار کر اُن کی خبر گیری کی تو ایک بالآخر تندرست ہو گیا پر باقی ۲ دو مر گئے۔“

اور کتاب ”ماڈرن دوٹ[1] اینڈ کرسچن بیلیف“ کے صفحہ ۴۵۵ و ۴۵۷ و ۳۴۷ میں انگریزی میں ایک عبارت ہے جس کو ہم اپنی کتاب ”تحفہ گولڑویہ“ کے صفحہ ۱۳۸ میں لکھ چکے ہیں۔ ترجمہ اس کا ذیل میں لکھا جاتا ہے اور وہ یہ ہے:۔

﴿۱۷۴﴾

”شلیرمیخر اور نیز قدیم محققین کا یہ مذہب تھا کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا بلکہ ایک ظاہراً موت کی سی حالت ہو گئی تھی اور قبر سے نکلنے کے بعد کچھ مُدّت تک اپنے حواریوں کے ساتھ پھرتا رہا اور پھر دوسری یعنی اصلی موت کے واسطے کسی علیحدگی کے مقام کی طرف روانہ ہو گیا“۔

اور یسعیا نبی کی کتاب باب ۵۳ میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی دعا بھی جو انجیل میں موجود ہے یہی ظاہر کر رہی ہے جیسا کہ اُس میں لکھا ہے۔ دَعَا بِدُمُوْعٍ جَارِیَةٍ وعَبَرَاتٍ مُتَحَدِّرَةٍ فَسُمِعَ لِتَقْوَاہُ۔ یعنی عیسیٰ نے بہت گریہ وزاری سے دُعا کی اور اُس کے آنسو اُس کے رخساروں پر پڑتے تھے پس بوجہ اُس کے تقویٰ کے وہ دُعا منظور ہو گئی۔

---

[1] انگریزی لفظ THOUGHT ہے۔ (ناشر)

اور کریئیر ڈلا سیرا جنوبی اٹلی کے سب سے مشہور اخبار نے مندرجہ ذیل عجیب خبر شائع کی ہے
''۱۳۔ جولائی ۱۸۷۹ء کو یروشلم میں ایک بوڑھا راہب مسمی کورمرا جو اپنی زندگی میں ایک ولی مشہور تھا۔ اُس کے پیچھے اس کی کچھ جائیداد رہی۔ اور گورنر نے اس کے رشتہ داروں کو تلاش کر کے اُن کے حوالے دو لاکھ فرینک (ایک لاکھ پونے اُنیس ہزار روپیہ) کئے جو مختلف ملکوں کے سکّوں میں تھے۔ اور اس غار میں سے ملے جہاں وہ راہب بہت عرصہ سے رہتا تھا۔ روپیہ کے ساتھ بعض کاغذات بھی ان رشتہ داروں کو ملے جن کو وہ پڑھ نہ سکتے تھے۔ چند عبرانی زبان کے فاضلوں کو ان کاغذات کے دیکھنے کا موقعہ ملا تو ان کو یہ عجیب بات معلوم ہوئی کہ یہ کاغذات بہت ہی پُرانی عبرانی زبان میں تھے۔ جب ان کو پڑھا گیا تو اُن میں یہ عبارت تھی۔ ''پطرس ماہی گیر یسوع مریم کے بیٹے کا خادم اس طرح پر لوگوں کو خدا تعالیٰ کے نام میں اور اس کی مرضی کے مطابق خطاب کرتا ہے۔'' اور یہ خط اس طرح ختم ہوتا ہے۔

''مَیں پطرس ماہی گیر نے یسوع کے نام میں اور اپنی عمر کے نوّے سال میں یہ محبت کے الفاظ اپنے آقا اور مولیٰ یسوع مسیح مریم کے بیٹے کی موت کے تین عید فسح بعد (یعنی تین سال بعد) خداوند کے مقدس گھر کے نزدیک بولیر کے مقام میں لکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

﴿۱۷۵﴾

ان فاضلوں نے نتیجہ نکالا ہے کہ یہ نسخہ پطرس کے وقت کا چلا آتا ہے۔ لنڈن بائیبل سوسائٹی کی بھی یہی رائے ہے اور ان کا اچھی طرح امتحان کرانے کے بعد بائیبل سوسائٹی اب ان کے عوض چار لاکھ لیرا (دو لاکھ ساڑھے سینتیس ہزار روپیہ) مالکوں کو دے کر کاغذات کو لینا چاہتی ہے۔

یسوع ابن مریم کی دعا۔ ان دونوں پر سلام ہو۔ اُس نے کہا۔ اے میرے خدا مَیں اس قابل نہیں کہ اس چیز پر غالب آسکوں جس کو مَیں بُرا سمجھتا ہوں۔ نہ مَیں نے اس نیکی کو حاصل کیا ہے جس کی مجھے خواہش تھی مگر دوسرے لوگ اپنے اجر کو اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں اور مَیں نہیں۔ لیکن میری بڑائی میرے کام میں ہے۔ مجھ سے زیادہ بُری حالت میں کوئی شخص نہیں ہے۔ اے خدا جو سب سے بلند تر ہے میرے گناہ معاف کر۔ اے خدا ایسا نہ کر کہ مَیں اپنے

دشمنوں کے لئے الزام کا سبب ہوں۔ نہ مجھے اپنے دوستوں کی نظر میں حقیر ٹھہرا اور ایسا نہ ہو کہ میرا تقویٰ مجھے مصائب میں ڈالے۔ ایسا نہ کر کہ یہی دنیا میری بڑی خوشی کی جگہ یا میرا بڑا مقصد ہو اور ایسے شخص کو مجھ پر مسلط نہ کر جو مجھ پر رحم نہ کرے۔ اے خدا جو بڑے رحم والا ہے اپنے رحم کی خاطر ایسا ہی کر۔ تُو ان سب پر رحم کرتا ہے جو تیرے رحم کے حاجت مند ہیں۔

قولہ ۔ آیت کریمہ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ[1] میں یہ شبہ باقی ہے کہ لفظ بل فقرہ **رفعہ اللّٰہ الیہ** کو **ما قتلوہ یقینًا** کے ساتھ ایک خاص ربط بخشتا ہے جس سے ان دونوں واقعات کا باہم اِتّصال سمجھا جاتا ہے۔ پس یہ بظاہر مقتضی اِس بات کا ہے کہ واقع رفع کا زمانہ واقع قتل کے زمانہ کے ساتھ متحد و متصل ہو۔ اور دونوں زمانوں میں کچھ فاصلہ نہ ہو۔ حالانکہ حضرت کے بیان مبارک کے مطابق واقع رفع کے زمانہ اور واقع قتل کے زمانہ میں بہت فاصلہ اور ایک دُور دراز مدت ہے۔ اس تقدیر میں اگر آیت قرآن شریف کی اس طرح ہوتی کہ **ما قتلوہ یقینا بل خلّصہ اللّٰہ من ایدیھم حیًّا ثُمّ رفعہ الیہ** تب البتہ یہ معنے ظاہر ہوتے۔

اَقُول ۔ یہ شبہ صرف سرسری خیال سے آپ کے دل میں پیدا ہوا ہے ورنہ اگر اصل واقعات آپ کے ملحوظ خاطر ہوتے تو یہ شبہ ہرگز پیدا نہ ہوسکتا۔ اصل بات تو یہ تھی کہ توریت کی رُو سے یہودیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ اگر نبوت کا دعویٰ کرنے والا مقتول ہو جائے تو وہ مفتری ہوتا ہے سچا نبی نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی صلیب دیا جائے تو وہ لعنتی ہوتا ہے اور اس کا خدا تعالیٰ کی طرف رفع نہیں ہوتا ہے۔ اور یہودیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ خیال تھا کہ وہ قتل بھی کئے گئے اور صلیب بھی دیئے گئے۔ بعض کہتے ہیں پہلے قتل کر کے پھر صلیب پر لٹکائے گئے اور بعض کہتے ہیں کہ پہلے صلیب دے کر پھر ان کو قتل کیا گیا۔ پس اِن وجوہ سے یہودی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع رُوحانی کے منکر تھے اور اب تک منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ قتل کئے گئے اور صلیب دیئے گئے۔ اس لئے ان کا خدا تعالیٰ کی طرف

﴿۱۷۶﴾

[1] النسآء: ۱۵۸، ۱۵۹

مومنوں کی طرح رفع نہیں ہوا۔ یہودیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ کافر کا خدا تعالیٰ کی طرف رفع نہیں ہوتا مگر مومن مرنے کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔ اور ان کے زُعم میں حضرت عیسیٰ مصلوب ہو کر نعوذ باللہ کافر اور لعنتی ہو گئے۔ اس لئے وہ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائے نہیں گئے۔ یہ امر تھا جس کا قرآن شریف نے فیصلہ کرنا تھا۔ پس خدا تعالیٰ نے اِن آیات سے جو اوپر ذکر ہو چکی ہیں یہ فیصلہ کر دیا۔ چنانچہ آیت وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ[1] اِسی فیصلہ کو ظاہر کرتی ہے کیونکہ رفع الی اللّٰہ یہودیوں اور اسلام کے عقیدہ کے موافق اس موت کو کہتے ہیں جو ایمانداری کی حالت میں ہو اور رُوح خدا تعالیٰ کی طرف جاوے اور قتل اور صلیب کے اعتقاد سے یہودیوں کا منشا یہ تھا کہ مرنے کے وقت رُوح خدا تعالیٰ کی طرف نہیں گئی۔ پس یہودیوں کے دعوئے قتل اور صلیب کا یہی جواب تھا جو خدا نے دیا۔ اور دوسرے لفظوں میں ماحصل آیت کا یہ ہے کہ یہودی قتل اور صلیب کا عذر پیش کر کے کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی رُوح کا خدا تعالیٰ کی طرف مرنے کے وقت رفع نہیں ہوا۔ اور خدا تعالیٰ جواب میں کہتا ہے کہ بلکہ عیسیٰ کی رُوح کا خدا تعالیٰ کی طرف مرنے کے وقت رفع ہو گیا ہے۔ پس تفسیر عبارت کی یہ ہے بل رفعه اللّٰه اليه عند موته۔ چونکہ رفع الی اللّٰہ موت کے وقت ہی ہوتا ہے بلکہ ایمان کی حالت میں جو موت ہو اُس کا نام رفع الی اللہ ہے۔ پس گویا یہودی یہ کہتے تھے کہ مات عیسٰی کافرًا غیر مرفوع الی اللّٰہ اور خدا تعالیٰ نے یہ جواب دیا ہے بل مات مؤمنًا مرفوعًا الی اللّٰہ۔ سو بل کا لفظ اس جگہ غیر محل نہیں بلکہ عین محاورۂ زبان عرب کے مطابق ہے۔ یہودیوں کی یہ غلطی تھی کہ وہ خیال کرتے تھے کہ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام درحقیقت مصلوب ہو گئے ہیں اس لئے وہ ایک غلطی سے دوسری غلطی میں پڑ گئے کہ موت کے وقت ان کے رفع الی اللہ سے انکار کر دیا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ہرگز مقتول اور مصلوب نہیں ہوئے اور موت کے وقت ان کا رفع خدا تعالیٰ کی طرف ہوا ہے۔ پس اس طرزِ کلام میں کوئی اشکال نہیں اور بل کا لفظ ہرگز ہرگز اِن معنوں کی رُو سے غیر محل پر نہیں بلکہ جس حالت میں باتفاق یہود و اہلِ اسلام رفع الی اللّٰہ کہتے ہی اس کو ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کی رُوح خدا تعالیٰ

﴿۱۷۷﴾

[1] النساء: ۱۵۸، ۱۵۹

کی طرف جائے تو اس صورت میں اس مقام میں کسی دوسرے معنوں کی گنجائش ہی نہیں۔
اور یہ بھی یاد رہے کہ جس زمانہ کی نسبت قرآن شریف کا یہ بیان ہے کہ عیسیٰ مقتول اور مصلوب نہیں ہوا اسی زمانہ کی نسبت یہ بھی بیان ہے کہ اُس کا مرنے کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف رفع ہوا ہے پس بل کا لفظ اس جگہ اِتّصال زَمانی کے لئے ہے نہ اِتّصال آنی کے لئے۔ پس خلاصہ مفہوم آیت کا یہ ہے کہ اُس زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول اور مصلوب نہیں ہوئے بلکہ طبعی موت کے بعد اُن کا رفع الی اللّٰہ ہوا۔ جیسا کہ قرآن شریف میں وعدہ تھا کہ یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ [1] اور توفّی طبعی موت دینے کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ صاحبِ کشّاف نے اس آیت کی تفسیر میں یعنی تفسیر انّی متوفّیک میں لکھا ہے انّی ممیتک حتف انفک۔ قرآن شریف کی یہ آیت یعنی یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ تمام جھگڑے کا فیصلہ کرتی ہے کیونکہ ہمارے مخالف یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع زندگی کی حالت میں ہوا اور خدا تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ موت کے بعد رفع ہوا۔ پس افسوس ہے اُس قوم پر کہ جو نص صریح کتاب اللہ کے مخالف دعویٰ کرتے ہیں اور قرآن شریف اور تمام پہلی کتابیں اور تمام حدیثیں بیان کر رہی ہیں کہ موت کے بعد وہی رفع ہوتا ہے جس کو رفع روحانی کہتے ہیں جو ہر ایک مومن کے لئے بعد موت ضروری ہے۔ بعض متعصب اس جگہ لاجواب ہو کر کہتے ہیں کہ آیت کو اِس طرح پڑھنا چاہیئے کہ یٰعِیۡسٰی اِنِّیۡ رَافِعُکَ اِلَیَّ وَ مُتَوَفِّیۡکَ۔ ﴿۱۷۸﴾ گویا خدا تعالیٰ سے یہ غلطی ہو گئی کہ اس نے متوفّیک کو رافعک پر مقدّم کر دیا اور یہ فرمایا کہ یا عیسٰی انّی متوفّیک و رافعک الیّ۔ حالانکہ کہنا یہ تھا کہ یا عیسیٰ انّی رافعک الیّ و متوفّیک ہائے افسوس! تعصّب کس قدر سخت بلا ہے کہ اس کی حمایت کے لئے کتاب اللہ کی تحریف کرتے ہیں۔ یہ عمل تحریف وہی پلید عمل ہے جس سے یہودی لعنتی کہلائے اور ان کی صورتیں مسخ کی گئیں۔ اب یہ لوگ قرآن شریف کی تحریف پر آمادہ ہیں۔ اور اگر یہ وعدہ نہ ہوتا کہ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ [2] تو ان لوگوں سے یہ امید تھی کہ بجائے آیت

[1] اٰل عمران: ۵۶ [2] الحجر: ۱۰

انّی متوفّیک و رافعک الیّ کےاس طرح قرآن شریف میں لکھ دیتے کہ یا عیسٰی اِنِی رافعک الیّ و متوفّیک مگر اس طرح کی تحریف بھی غیر ممکن تھی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس آیت میں چار وعدے فرمائے ہیں۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ ۔ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ ۔ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۔ یہ چار وعدے جن پر نمبر لگا دیئے گئے۔ اور جیسا کہ احادیثِ صحیحہ اور خود قرآن شریف سے ثابت ہے وعدہ مطھّرک من الّذین کفروا جو وعدہ رفع کے بعد تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پورا ہو گیا کیونکہ آپ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے دامن کو ان بیجا تہمتوں سے پاک کیا جو یہود اور نصاریٰ نے اُن پر لگائی تھیں۔ اسی طرح یہ چوتھا وعدہ یعنی وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اسلام کے غلبہ اور شوکت سے پورا ہو گیا۔ پس اگر متوفّیک کے لفظ کو متاخر کیا جائے اور لفظ رافعک الیّ مقدم کیا جائے۔ جیسا کہ ہمارے مخالف چاہتے ہیں تو اس صورت میں فقرہ رافعک الیّ فقرہ مطھّرک سے پہلے نہیں آ سکتا کیونکہ فقرہ مطھّرک کا وعدہ پورا ہو چکا ہے اور بموجب قول ہمارے مخالفوں کے متوفیک کا وعدہ ابھی پورا نہیں ہوا اور اِسی طرح یہ فقرہ متوفیک وعدہ وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ کے پہلے بھی نہیں آ سکتا کیونکہ وہ وعدہ بھی پورا ہو چکا ہے اور قیامت کے دن تک اس کا دامن لمبا ہے۔ پس اس صورت میں توفی کا لفظ اگر آیت کے سر پر سے اٹھا دیا جائے تو اس کو کسی دوسرے مقام میں قیامت سے پہلے رکھنے کی کوئی جگہ نہیں۔ سو اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام قیامت کے بعد مریں گے اور پہلے مرنے سے یہ ترتیب مانع ہے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف کی یہ کرامت ہے کہ ہمارے مخالف یہودیوں کی طرح قرآن شریف کی تحریف پر آمادہ تو ہوئے مگر قادر نہیں ہو سکے اور کوئی جگہ نظر نہیں آتی جہاں فقرہ رَافِعُک کو اپنے مقام سے اُٹھا کر اُس جگہ رکھا جائے۔ ہر ایک جگہ کی خانہ پُری ایسے طور سے ہو چکی ہے کہ دست اندازی کی گنجائش نہیں اور دراصل یہی ایک

﴿۱۷۹﴾

آیت یعنی آیت یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ طالب حق کے لئے کافی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ رفع جس پر ہمارے مخالفوں نے شور مچا رکھا ہے وہ موت کے بعد ہے نہ موت سے پہلے کیونکہ خدا کی گواہی سے یہ بات ثابت ہے۔ اور خدا کی گواہی کو قبول نہ کرنا ایماندار کا کام نہیں اور جب کہ بموجب نصِ قرآن رفع موت کے بعد ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ یہ وہی رفع ہے جس کا ہر ایک ایماندار کے لئے مرنے کے بعد خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

عجیب بات ہے کہ خدا تعالیٰ نے تو فقرہ **رافعک الیّ** کو فقرہ **متوفّیک** کے بعد بیان فرمایا ہے اور یہ لوگ فقرہ **رافعک** کو مقدم کرتے ہیں اور فقرہ **متوفّیک** کو بعد میں لاتے ہیں تا کسی طرح حضرت عیسیٰ زندہ آسمان پر بٹھائے جائیں۔ پس اس صورت میں یہودی لوگ تحریف کرنے میں کیا خصوصیت رکھتے ہیں ماسوا اس کے اگر اسی طرح یہودیوں کی طرح ان لوگوں کو اپنے اختیار سے قرآن شریف کو پیش و پس کرنے کا اختیار ہے تو پھر قرآن شریف کی خیر نہیں۔ بھلا کوئی ایسی حدیث تو پیش کریں جس میں ان کو یہ اجازت دی گئی ہو کہ فقرہ **رافعک الیّ** پہلے پڑھ لیا کرو۔ اور فقرہ **متوفّیک** بعد میں۔ اور اگر قرآن اور حدیث سے ایسی اجازت ثابت نہیں ہوتی تو پھر اُس لعنت سے کیوں نہیں ڈرتے جو پہلے اُن سے یہودیوں کے حصہ میں آ چکی ہے۔

قولہ۔ آپ کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ صلیب سے نجات پا کر کشمیر کی طرف چلے گئے تھے۔ پس اوّل تو اُس زمانہ میں کشمیر تک پہنچنا کچھ آسان امر نہ تھا۔ خصوصاً خفیہ طور پر اور پھر یہ اعتراض ہے کہ حواری اُن کے پاس کیوں جمع نہ ہوئے اور حضرت عیسیٰ زندہ درگور کی طرح مخفی رہے۔

اقول۔ جس خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کشمیر کی طرف جانے کی ہدایت کی تھی وہی ان کا رہنما ہو گیا تھا۔ پس نبی کے لئے یہ کیا تعجب کی بات ہے کہ کس طرح وہ کشمیر پہنچ گیا اور اگر ایسا ہی تعجب کرنا ہے تو ایک بے دین اس بات سے بھی تعجب کر سکتا ہے کہ کیونکر ہمارے ﴿۱۸۰﴾

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت باوجود اس کے کہ کفّار عین غار ثور کے سر پر پہنچ گئے تھے پھر اُن کی آنکھوں سے پوشیدہ رہے۔ پس ایسے اعتراضات کا یہی جواب ہے کہ خدا کا خاص فضل جو خارق عادت طور پر نبیوں کے شامل حال ہوتا ہے ان کو بچاتا اور اُن کی رہنمائی کرتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کشمیر میں گئے تھے تو حواری اُن کے پاس کیوں نہ پہنچے تو اِس کا یہ جواب ہے کہ عدمِ علم سے عدم شَے لازم نہیں آتا۔ آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ نہیں پہنچے۔ ہاں چونکہ وہ سفر پوشیدہ طور پر تھا☆ جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر ہجرت کے وقت پوشیدہ طور پر تھا۔ اس لئے وہ سفر ایک بڑے قافلہ کے ساتھ مناسب نہیں سمجھا گیا تھا جیسا کہ ظاہر ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی تو صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ساتھ تھے اور اُس وقت بھی دو سَو۲۰۰ کوس کا فاصلہ کر کے مدینہ میں جانا سہل امر نہ تھا۔ اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو ساٹھ۶۰ ستّر۷۰ آدمی اپنے ساتھ لے جا سکتے تھے مگر آپ نے صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا رفیق بنایا۔ پس انبیاء کے اسرار میں دخل دینا ایک بیجا دخل ہے۔ اور یہ کس طرح معلوم ہوا کہ بعد میں بھی حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ملنے کے لئے ملک ہند میں نہیں آئے بلکہ عیسائی اس بات کے خود قائل ہیں کہ بعض حواری اُن دنوں میں ملک ہند میں

☆ انبیاء علیہم السلام کی نسبت یہ بھی ایک سنّت اللہ ہے کہ وہ اپنے ملک سے ہجرت کرتے ہیں۔ جیسا کہ یہ ذکر صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی مصر سے کنعان کی طرف ہجرت کی تھی۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکّہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ پس ضرور تھا کہ حضرت عیسیٰ بھی اِس سنّت کو ادا کرتے۔ سو انہوں نے واقعہ صلیب کے بعد کشمیر کی طرف ہجرت کی۔ انجیل میں بھی اِس ہجرت کی طرف اشارہ ہے کہ نبی بے عزت نہیں مگر اپنے وطن میں۔ اس جگہ نبی سے مراد انہوں نے اپنے وجود کو لیا ہے۔ پس اس جگہ عیسائیوں کے لئے شرم کی جگہ ہے کہ وہ ان کو نبی نہیں بلکہ خدا قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ نبی وہ ہوتا ہے جو خدا سے الہام پاتا ہے۔ پس خدا اور نبی کا الگ الگ ہونا ضروری ہے۔ منہ

ضرور آئے تھے اور دھوما حواری کا مدراس میں آنا اور اب تک مدراس میں ہر سال اُس کی یادگار میں عیسائیوں کا ایک اجتماع میلہ کی طرح ہونا یہ ایسا امر ہے کہ کسی واقف کار پر پوشیدہ نہیں۔ بلکہ ہم لوگ جس قبر کو سری نگر کشمیر میں حضرت عیسٰی کی قبر کہتے ہیں عیسائیوں کے بڑے بڑے پادری خیال کرتے ہیں کہ وہ کسی حواری کی قبر ہے۔ حالانکہ صاحب قبر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ مَیں نبی ہوں اور شاہزادہ ہوں اور میرے پر انجیل نازل ہوئی تھی اور کشمیر کی پُرانی تاریخی کتابیں جو ہمارے ہاتھ آئیں اُن میں لکھا ہے کہ یہ ایک نبی بنی اسرائیل میں سے تھا جو شاہزادہ نبی کہلاتا تھا۔ اور اپنے ملک سے کشمیر میں ہجرت کر کے آیا تھا۔ اور ان کتابوں میں جو تاریخ آمد لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بات پر اب ہمارے زمانہ میں اُنیس سو[۱۹۰۰] برس گزر گئے جب یہ نبی کشمیر میں آیا تھا۔ اور ہم عیسائیوں کو اس طرح ملزم کرتے ہیں کہ جب کہ تمہیں اقرار ہے کہ صاحب اِس قبر کا جو سری نگر محلّہ خانیار میں مدفون ہے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا حواری تھا مگر اُس کی کتاب میں لکھا ہے کہ وہ نبی تھا اور شاہزادہ تھا اور اُس پر انجیل نازل ہوئی تھی تو اِس صورت میں وہ حواری کیونکر ہو گیا۔ کیا کوئی حواری کہہ سکتا ہے کہ مَیں شاہزادہ ہوں اور نبی ہوں اور میرے پر انجیل نازل ہوئی ہے۔ پس کچھ شک نہیں کہ یہ قبر جو کشمیر میں ہے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی قبر ہے۔ اور جو لوگ اُن کو آسمان میں بٹھاتے ہیں اُن کو واضح رہے کہ وہ کشمیر میں یعنی سری نگر محلّہ خانیار میں سوئے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے اصحابِ کہف کو مدّت تک چھپایا تھا ایسے ہی حضرت عیسٰی علیہ السلام کو بھی چھپا رکھا اور اخیر میں ہم پر حقیقت کھول دی۔ خدا تعالیٰ کے کاموں میں ایسے ہزار ہا نمونے ہیں اور خدا تعالیٰ کی عادت نہیں ہے کہ کسی کو مع جسم آسمان پر بٹھاوے۔

﴿۱۸۱﴾

قولہ۔ احادیث میں نازل ہونے والے عیسٰی کو نبی اللہ کے نام سے پکارا گیا ہے۔ تو کیا قرآن اور حدیث سے ثابت ہو سکتا ہے کہ محدّث کو بھی نبی کہا گیا ہے۔

اقول۔ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے معنے صرف پیشگوئی کرنے والے کے ہیں۔

جو خدا تعالیٰ سے الہام پا کر پیشگوئی کرے۔ پس جب کہ قرآن شریف کی رُو سے ایسی نبوت کا دروازہ بند نہیں ہے جو بتوسط فیض و اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی انسان کو خدا تعالیٰ سے شرفِ مکالمہ اور مخاطبہ حاصل ہو اور وہ بذریعہ وحی الٰہی کے مخفی امور پر اطلاع پاوے تو پھر ایسے نبی اس اُمت میں کیوں نہیں ہوں گے۔ اِس پر کیا دلیل ہے۔ ہمارا مذہب نہیں ہے کہ ایسی نبوت پر مہر لگ گئی ہے۔ صرف اُس نبوت کا دروازہ بند ہے جو احکامِ شریعتِ جدیدہ ساتھ رکھتی ہو یا ایسا دعویٰ ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے الگ ہو کر دعویٰ کیا جائے لیکن ایسا شخص جو ایک طرف اُس کو خدا تعالیٰ اُس کی وحی میں امّتی بھی قرار دیتا ہے پھر دوسری طرف اس کا نام نبی بھی رکھتا ہے۔ یہ دعویٰ قرآن شریف کے احکام کے مخالف نہیں ہے کیونکہ یہ نبوت بباعث امّتی ہونے کے دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک ظلّ ہے کوئی مستقل نبوت نہیں ہے۔ اور اگر آپ پورے طور پر حدیثوں پر غور کرتے تو یہ اعتراض آپ کے دل میں ہرگز پیدا نہ ہوتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ نازل ہونے والے کو حدیثوں میں نبی اللہ کہا گیا ہے مَیں کہتا ہوں کہ اُسی عیسیٰ نازل ہونے والے کو حدیثوں میں اُمّتی بھی تو کہا گیا ہے۔☆ کیا آپ قرآن شریف یا حدیثوں سے بتلا سکتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم جو رسول گذرا ہے اُس کا نام کسی جگہ امّتی بھی رکھا گیا ہے پس صاف ظاہر ہے کہ یہ عیسیٰ جو اُمّتی بھی کہلاتا ہے اور نبی بھی کہلاتا ہے یہ عیسیٰ اور ہے وہ عیسیٰ نہیں ہے جو بنی اسرائیل میں گذرا ہے جو ایک مستقل نبی تھا جس پر انجیل نازل ہوئی اُس کو آپ کیونکر اُمّتی بنا سکتے ہیں۔ صحیح بخاری میں جہاں آنے والے عیسیٰ کا نام اُمّتی رکھا گیا ہے اس کا حلیہ بھی برخلاف پہلے عیسیٰ کے قرار دیا ہے۔ ہاں اگر آنے والے عیسیٰ کی نسبت

﴿۱۸۲﴾

☆ اُمّتی اس شخص کو کہتے ہیں جو بغیر پیروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی طرح اپنے کمال کو نہیں پہنچ سکتا پس کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ گمان ہوسکتا ہے کہ وہ اُس وقت تک ناقص ہی رہیں گے جب تک دوبارہ دنیا میں آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں داخل نہیں ہوں گے اور آپ کی پیروی نہیں کریں گے۔ منہ

حدیثوں میں صرف نبی کا لفظ استعمال پاتا اور امّتی اس کا نام نہ رکھا جاتا تو دھوکا لگ سکتا تھا۔ مگر اب تو صحیح بخاری میں آنے والا عیسیٰ کی نسبت صاف لکھا ہے کہ **امامکم منکم** یعنی اے اُمتیو! آنے والا عیسیٰ بھی صرف ایک اُمّتی ہے نہ اور کچھ۔ ایسا ہی صحیح مسلم میں بھی اُس کی نسبت یہ لفظ ہیں کہ **امّکم منکم** یعنی وہ عیسیٰ تمہارا امام ہوگا اور تم میں سے ہوگا یعنی ایک فرد اُمّت میں سے ہوگا۔

اب جب کہ ان حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنے والا عیسیٰ امّتی ہے تو کلام الٰہی میں اس کا نام نبی رکھنا اُن معنوں سے نہیں ہے جو ایک مستقل نبی کے لئے مستعمل ہوتے ہیں بلکہ اس جگہ صرف یہ مقصود ہے کہ خدا تعالیٰ اس سے مکالمہ مخاطبہ کرے گا اور غیب کی باتیں اس پر ظاہر کرے گا اس لئے باوجود امّتی ہونے کے وہ نبی بھی کہلائے گا اور اگر یہ کہا جائے کہ اس اُمّت پر قیامت تک دروازہ مکالمہ مخاطبہ اور وحیِ الٰہی کا بند ہے تو پھر اس صورت میں کوئی امّتی نبی کیونکر کہلا سکتا ہے کیونکہ نبی کے لئے ضروری ہے کہ خدا اس سے ہمکلام ہو تو اس کا یہ جواب ہے کہ اس اُمت پر یہ دروازہ ہرگز بند نہیں ہے اور اگر اس امت پر یہ دروازہ بند ہوتا تو یہ امّت ایک مُردہ اُمّت ہوتی اور خدا تعالیٰ سے دُور اور مہجور ہوتی۔ اور اگر یہ دروازہ اس اُمت پر بند ہوتا تو کیوں قرآن میں یہ دُعا سکھلائی جاتی کہ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ[1] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خاتم الانبیاء فرمایا گیا ہے اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ آپ کے بعد دروازہ مکالمات و مخاطبات الٰہیہ کا بند ہے۔ اگر یہ معنے ہوتے تو یہ اُمت ایک لعنتی امت ہوتی جو شیطان کی طرح ہمیشہ سے خدا تعالیٰ سے دُور و مہجور ہوتی بلکہ یہ معنے ہیں کہ براہِ راست خدا تعالیٰ سے فیضِ وحی پانا بند ہے اور یہ نعمت بغیر اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو ملنا محال اور ممتنع ہے اور یہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فخر ہے کہ اُن کی اتباع میں یہ برکت ہے کہ جب ایک شخص پورے طور پر آپ کی پیروی کرنے والا ہو تو وہ خدا تعالیٰ کے مکالمات اور مخاطبات سے مشرف ہو جائے۔ ایسا نبی

﴿۱۸۳﴾

[1] الفاتحة:۶،۷

کیا عزت اور کیا مَرتبت اور کیا تاثیر اور کیا قوّت قدسیہ اپنی ذات میں رکھتا ہے جس کی پیروی کے دعویٰ کرنے والے صرف اندھے اور نابینا ہوں۔ اور خدا تعالیٰ اپنے مکالمات و مخاطبات سے اُن کی آنکھیں نہ کھولے۔ یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا ہے اور آئندہ کو قیامت تک اس کی کوئی بھی امید نہیں۔ صرف قصّوں کی پوجا کرو پس کیا ایسا مذہب کچھ مذہب ہوسکتا ہے جس میں براہ راست خدا تعالیٰ کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا جو کچھ ہیں قصّے ہیں۔ اور کوئی اگرچہ اس کی راہ میں اپنی جان بھی فدا کرے اُس کی رضا جوئی میں فنا ہو جائے اور ہر ایک چیز پر اُس کو اختیار کر لے تب بھی وہ اس پر اپنی شناخت کا دروازہ نہیں کھولتا اور مکالمات اور مخاطبات سے اس کو مشرف نہیں کرتا۔

میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں مجھ سے زیادہ بیزار ایسے مذہب سے اور کوئی نہ ہوگا۔ میں ایسے مذہب کا نام شیطانی مذہب رکھتا ہوں نہ کہ رحمانی۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ایسا مذہب جہنم کی طرف لے جاتا ہے اور اندھا رکھتا اور اندھا ہی مارتا اور اندھا ہی قبر میں لے جاتا ہے۔ مگر میں ساتھ ہی خدائے کریم و رحیم کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ **اسلام** ایسا مذہب نہیں بلکہ **دنیا میں صرف اسلام ہی یہ خوبی اپنے اندر رکھتا ہے کہ وہ بشرط سچی اور کامل اتباع ہمارے سیّد و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالماتِ الٰہیہ سے مشرف کرتا ہے۔** اسی وجہ سے تو حدیث میں آیا ہے کہ **علماء امتی کانبیاءِ بنی اسرائیل** یعنی میری اُمت کے علماء ربّانی بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں۔ اس حدیث میں بھی علماء ربّانی کو ایک طرف اُمتی کہا اور دوسری طرف نبیوں سے مشابہت دی ہے۔ ﴿۱۸۴﴾

اور خود ظاہر ہے کہ جب کہ خدا تعالیٰ قدیم سے اپنے بندوں کے ساتھ ہمکلام ہوتا آیا ہے یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں عورتوں کو بھی خدا تعالیٰ کے مکالمہ اور مخاطبہ کا شرف حاصل ہوا ہے جیسے حضرت موسیٰ کی ماں اور مریم صدیقہ کو۔ تو پھر یہ امّت کیسی بدقسمت اور بے نصیب ہے

کہ اس کے مرد بنی اسرائیل کی عورتوں کی طرح بھی نہیں۔ کیا گمان ہوسکتا ہے کہ یہ ایک ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ سنتا تو ہے مگر بولتا نہیں۔ اگر غریب بندوں کی دعائیں سننے میں اُس کی کچھ ہتکِ عزت نہیں تو بولنے میں کیوں ہتک عزت ہے۔

یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کے صفات کبھی معطل نہیں ہوتے۔ پس جیسا کہ وہ ہمیشہ سنتا رہے گا ایسا ہی وہ ہمیشہ بولتا بھی رہے گا۔ اس دلیل سے زیادہ تر صاف اور کونسی دلیل ہوسکتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے سُننے کی طرح بولنے کا سِلسلہ بھی کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک گروہ ہمیشہ ایسا رہے گا جن سے خدا تعالیٰ مکالمات ومخاطبات کرتا رہے گا۔ اور مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ نبی کے نام پر اکثر لوگ کیوں چڑ جاتے ہیں جس حالت میں یہ ثابت ہوگیا ہے کہ آنے والا مسیح اسی اُمّت میں سے ہوگا پھر اگر خدا تعالیٰ نے اس کا نام نبی رکھ دیا تو حرج کیا ہوا۔ ایسے لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ اِسی کا نام اُمّتی بھی تو رکھا گیا ہے اور اُمّتیوں کی تمام صفات اس میں رکھی گئی ہیں۔ پس یہ مرکّب نام ایک الگ نام ہے اور کبھی حضرت عیسیٰ اسرائیلی اس نام سے موسوم نہیں ہوئے اور مجھے خدا تعالیٰ نے میری وحی میں بار بار اُمّتی کر کے بھی پکارا ہے اور نبی کر کے بھی پکارا ہے۔ اور اِن دونوں ناموں کے سُننے سے میرے دل میں نہایت لذّت پیدا ہوتی ہے۔ اور میں شکر کرتا ہوں کہ اس مرکب نام سے مجھے عزت دی گئی۔ اور اس مرکب نام کے رکھنے میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ تا عیسائیوں پر ایک سرزنش کا تازیانہ لگے کہ تم عیسیٰ بن مریم کو خدا بناتے ہو۔ مگر ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس درجہ کا نبی ہے کہ اُس کی اُمّت کا ایک فرد نبی ہوسکتا ہے اور عیسیٰ کہلا سکتا ہے۔ حالانکہ وہ اُمّتی ہے۔

قولہ۔ مہدی موعود کی صفت میں جو بعض احادیث میں **من وُلد فاطمة** واقع ہے اور بعض میں **من عترتی** اور بعض میں **من اهل بیتی** بھی واقع ہے اور یہ بھی واقع ہے کہ یواطئُ **اسمه اسمی و اسم ابیه اسم ابی**۔ پس اِن میں سے ہر ایک کی کیا توجیہ ہے بیان فرماویں۔ ﴿۱۸۵﴾

اقول۔ میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ مَیں وہ مہدی ہوں جو مصداق من ولد فاطمة. و من عترتی وغیرہ ہے بلکہ میرا دعویٰ تو مسیح موعود ہونے کا ہے۔ اور مسیح موعود کے لئے کسی محدث کا قول نہیں کہ وہ بنی فاطمہ وغیرہ میں سے ہوگا۔ ہاں ساتھ اس کے جیسا کہ تمام محدثین کہتے ہیں مَیں بھی کہتا ہوں کہ مہدی موعود کے بارے میں جس قدر حدیثیں ہیں تمام مجروح اور مخدوش ہیں اور ایک بھی اُن میں سے صحیح نہیں۔ اور جس قدر افترا ان حدیثوں میں ہوا ہے کسی اور حدیث میں ایسا افترا نہیں ہوا۔ خلفاء عباسی وغیرہ کے عہد میں خلیفوں کو اس بات کا بہت شوق تھا کہ اپنے تئیں مہدی موعود قرار دیں۔ پس اس وجہ سے بعض حدیثوں میں مہدی کو بنی عباس میں سے قرار دیا اور بعض میں بنی فاطمہ میں سے اور بعض حدیثوں میں یہ بھی ہے کہ رجل من اُمّتی کہ وہ ایک آدمی میری اُمّت میں سے ہوگا۔ مگر دراصل یہ تمام حدیثیں کسی اعتبار کے لائق نہیں یہ صرف میرا ہی قول نہیں بلکہ بڑے بڑے علماء اہل سنّت یہی کہتے چلے آئے ہیں۔ اور ان حدیثوں کے مقابل پر یہ حدیث بہت صحیح ہے جو ابن ماجہ نے لکھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ لا مھدی الّا عیسٰی یعنی اور کوئی مہدی نہیں صرف عیسٰی ہی مہدی ہے جو آنے والا ہے۔

قولہ۔ پیشین گوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس میں علماء نے بھی تاویل کی ہے اکثر ایسی پائی جاتی ہیں جو بطور رؤیا کے منکشف ہوئی ہیں۔ الخ

اقول۔ اس اعتراض کو مَیں نہیں سمجھ سکا اس لئے جواب سے مجبوری ہے۔

قولہ۔ اہل ظاہر تو چشم باطن نہیں رکھتے اس لئے ان لوگوں کا حضرت مسیح موعود کو نہ پہچاننا کچھ تعجب نہیں۔ مگر جو لوگ اہل اللہ واہلِ باطن ہیں ان لوگوں کو تو حضرت کو بذریعہ الہام وغیرہ پہچاننا ضروری ہے۔ جیسا کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مرحوم رسالہ تذکرۃ المعاد میں امام مہدی موعود کے حال میں لکھتے ہیں کہ ابدال از شام وعصائب از عراق آمدہ باوے بیعت کنند۔ ﴿۱۸۶﴾

اقول۔ یہ تمام اقوال اُس بنا پر ہیں کہ مہدی موعود بنی فاطمہ سے یا بنی عباس سے آئے گا اور ابدال اور قطب اس کی بیعت کریں گے مگر مَیں ابھی لکھ چکا ہوں کہ اکابر محدثین کا یہی مذہب ہے

کہ مہدی کی حدیثیں سب مجروح اور مخدوش بلکہ اکثر موضوع ہیں اور ایک ذرّہ ان کا اعتبار نہیں بعض ائمہ نے ان حدیثوں کے ابطال کے لئے خاص کتابیں لکھی ہیں اور بڑے زور سے ان کو ردّ کیا ہے اور جب کہ یہ حال ہے کہ خود مہدی کا آنا ہی معرضِ شک اور شبہ میں ہے تو پھر ابدال کا بیعت کرنا کب ایک یقینی امر ہوسکتا ہے۔ جب اصل ہی صحیح نہیں تو فروع کب صحیح ٹھہر سکتے ہیں۔ ماسوا اس کے ابدال کے سر پر سینگ تو نہیں ہوتے۔ جو لوگ اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کر لیتے ہیں وہی خدا تعالیٰ کے نزدیک ابدال کہلاتے ہیں۔ اگر آپ ہی پاک تبدیلی پیدا کر لیں اور لوگوں کی لعنت ملامت سے لاپروا ہو کر حق پر فدا ہو جائیں تو پھر آپ ہی ابدال میں داخل ہیں۔

میری جماعت میں اکثر ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اس سلسلہ کے لئے بہت دُکھ اٹھائے ہیں اور بہت ذلتیں اٹھائی ہیں اور جان دینے تک فرق نہیں کیا۔ کیا وہ ابدال نہیں ہیں شیخ عبدالرحمٰن۔ امیر عبدالرحمٰن کے سامنے اس سلسلہ کے لئے گلا گھونٹ کر مارا گیا۔ اور اُس نے ایک بکری کی طرح اپنے تئیں ذبح کرا لیا کیا وہ ابدال میں داخل نہ تھا؟ ایسا ہی مولوی صاحبزادہ عبداللطیف جو محدث اور فقیہ اور سرآمدِ علماء کابل تھے اس سلسلہ کے لئے سنگسار کئے گئے اور بار بار سمجھایا گیا کہ اس شخص کی بیعت چھوڑ دو پہلے سے زیادہ عزت ہوگی۔ لیکن انہوں نے مرنا قبول کیا اور بیوی اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی بھی کچھ پروانہ کی اور چالیس دن تک پتھروں میں اُن کی لاش پڑی رہی۔ کیا وہ ابدال میں سے نہ تھے؟ اور ابھی مَیں خدا تعالیٰ کے فضل سے زندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے وعدے ہیں معلوم نہیں کس قدر اور کن کن ملکوں سے پاک دل لوگ میری جماعت میں داخل ہوں گے ماسوا اس کے مسیح موعود کی نسبت تو آثار میں یہ لکھا ہے کہ علماء اس کو قبول نہیں کریں گے کسی ابدال کی بیعت کا ذکر بھی نہیں۔ ﴿۱۸۷﴾

قولہ۔ چونکہ حضرت کی اب تک کوئی ایسی تاثیر روشن طور پر ظہور میں نہیں آئی ہے اور دو تین لاکھ آدمی کا حضرت کے سلسلہ میں داخل ہونا گویا دریا میں سے ایک قطرہ ہے۔ پس اگر تاثیر بیّن کے ظہور تک کوئی بغیر انکار کے داخل سلسلہ ہونے میں توقّف اور تاخیر کرے تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

اقول ۔توقف اور تاخیر بھی ایک قسم انکار کی ہے۔اور رہی یہ بات کہ اب تک بہت سے ایمان نہیں لائے۔ یہ دلیل اس بات کی نہیں ہوسکتی کہ دعویٰ ثابت نہیں۔اگر کوئی مامور دلائل اور نشان اپنے ساتھ رکھتا ہے تو کسی کے ایمان نہ لانے سے اس کا دعویٰ کمزور نہیں ہوسکتا۔ ماسوا اس کے یہ بھی دیکھنا چاہئیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک جو لوگ سچے دل سے ایمان لائے تھے وہ ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ نہ تھے۔پس کیا ان کی کمی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت مشتبہ ہوسکتی ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ نبیٔ برحق کی حقّانیت کے لئے ایمان لانے والوں کی کثرت شرط نہیں ہے۔ہاں دلائل قاطعہ سے اتمام حجت شرط ہے۔پس اس جگہ منہاج نبوت کی رُو سے اتمام حجت ہو چکا ہے۔چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق دو مرتبہ ملک میں کسوف خسوف ہو گیا جو مسیح موعود کے ظہور کی نشانی تھی۔اسی طرح ایک نئی سواری جس کی طرف قرآن شریف اور حدیثوں میں اشارہ تھا وہ بھی ظہور میں آ گئی یعنی سواریٔ ریل۔جو اونٹوں کے قائم مقام ہوگئی۔جیسا کہ قرآن شریف میں ہے۔وَ اِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ[1] یعنی وہ آخری زمانہ جب اونٹنیاں بے کار کی جائیں گی۔اور جیسا کہ حدیث مسلم میں مسیح موعود کے ظہور کے علامات میں سے ہے **ولیترکن القلاص فلا یُسعٰی علیھا**۔یعنی تب اونٹنیاں بے کار ہو جائیں گی اور اُن پر کوئی سوار نہ ہوگا سو ظاہر ہے کہ وہ زمانہ آ گیا۔اور یہ بھی لکھا گیا تھا کہ اُس زمانہ میں زلزلے آئیں گے۔سو وہ زلزلے بھی لوگوں نے دیکھ لئے اور جو باقی ہیں وہ بھی دیکھ لیں گے۔اور لکھا گیا تھا کہ آدم علیہ السلام سے ہزار ششم کے اخیر پر وہ مسیح موعود پیدا ہوگا۔سو اسی وقت میں میری پیدائش ہوئی ہے۔ایسا ہی قرآن شریف نے اس طرف اشارہ کیا تھا کہ وہ مسیح موعود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح چودھویں صدی میں ظاہر ہوگا۔☆ سو میرا ظہور چودھویں صدی میں ہوا۔یعنی جیسا کہ حضرت

﴿۱۸۸﴾

☆ اگر چہ عیسائیوں نے غلطی سے یہ لکھا ہے کہ یسوع مسیح حضرت موسیٰ کے بعد پندرھویں صدی میں ظاہر

[1] التکویر: ۵

عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰؑ سے چودھویں صدی میں پیدا ہوئے تھے۔ مَیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے چودھویں صدی میں ظاہر ہوا ہوں اور اس آخری زمانہ کی نسبت خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ خبریں بھی دی تھیں کہ کتابیں اور رسالے بہت سے دنیا میں شائع ہو جائیں گے اور قوموں کی باہمی ملاقات کے لئے راہیں کھل جائیں گی۔ اور دریاؤں میں سے بکثرت نہریں نکلیں گی۔ اور بہت سی نئی کانیں پیدا ہو جائیں گی۔ اور لوگوں میں مذہبی امور میں بہت سے تنازعات پیدا ہوں گے۔ اور ایک قوم دوسری قوم پر حملہ کرے گی۔ اور اسی اثناء میں آسمان سے ایک صُور پھونکی جائے گی۔ یعنی خدا تعالیٰ مسیح موعود کو بھیج کر اشاعت دین کے لئے ایک تجلّی فرمائے گا۔ تب دین اسلام کی طرف ہر ایک ملک میں سعید الفطرت لوگوں کو ایک رغبت پیدا ہو جائے گی۔ اور جس حد تک خدا تعالیٰ کا ارادہ ہے تمام زمین کے سعید لوگوں کو اسلام پر جمع کرے گا۔ تب آخر ہوگا۔ سو یہ تمام باتیں ظہور میں آ گئیں۔ ایسا ہی احادیثِ صحیحہ میں آیا تھا کہ وہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئے گا۔ اور وہ چودھویں صدی کا مجدّد ہوگا۔ سو یہ تمام علامات بھی اس زمانہ میں پوری ہو گئیں۔ اور لکھا تھا کہ وہ اپنی پیدائش کی رُو سے دو صدیوں میں اشتراک رکھے گا۔ اور دو نام پائے گا۔ اور اُس کی

بقیہ حاشیہ

ہوا تھا مگر یہ انہوں نے غلطی کی ہے۔ یہودیوں کی تاریخ سے بالاتفاق ثابت ہے کہ یسوع یعنی حضرت عیسیٰ موسیٰ کے بعد چودھویں صدی میں ظاہر ہوا تھا اور وہی قول صحیح ہے اگرچہ مشابہت کے ثابت کرنے کے لئے پوری مطابقت ضروری نہیں ہوا کرتی جیسا کہ اگر کسی آدمی کو کہیں کہ یہ شیر ہے تو یہ ضروری نہیں کہ شیر کی طرح اس کے پنجے اور کھال ہو اور دُم بھی ہو اور آواز بھی شیر کی طرح رکھتا ہو بلکہ ایک شخص کو دوسرے کا مثیل ٹھہرانے میں ایک حد تک مشابہت کافی ہوتی ہے۔ پس اگر عیسائیوں کا قول قبول کر لیں کہ حضرت عیسیٰ حضرت موسیٰ سے پندرھویں صدی میں ہوئے تھے تاہم مضائقہ نہیں کیونکہ چودھویں اور پندرھویں صدی باہم ملحق ہیں اور اس قدر فرق زمانہ کا مشابہت میں کچھ حرج نہیں ڈالتا مگر ہم اس جگہ یہودیوں کے قول کو ترجیح دیتے ہیں جو کہتے ہیں کہ یسوع یعنی حضرت عیسیٰ حضرت موسیٰ کے بعد عین چودھویں صدی میں مدعیٔ نبوت ہوا تھا کیونکہ ان کے ہاتھ میں جو عبرانی توریت ہے وہ بہ نسبت عیسائیوں کے تراجم کے صحیح ہے۔ منہ

پیدائش دو خاندن سے اشتراک رکھے گی۔ اور چوتھی دو گونہ صفت یہ کہ پیدائش میں بھی جوڑے کے طور پر پیدا ہوگا۔ سو یہ سب نشانیاں ظاہر ہوگئیں کیونکہ دوصدیوں سے اشتراک رکھنا یعنی ذوالقرنین ہونا میری نسبت ایسا ثابت ہے کہ کسی قوم کی مقرر کردہ صدی ایسی نہیں ہے جس میں میری پیدائش اس قوم کی دوصدیوں پر مشتمل نہیں۔ اِسی طرح خدا تعالیٰ کی طرف سے دو نام مَیں نے پائے۔ ایک میرا نام اُمّتی رکھا گیا جیسا کہ میرے نام **غلام احمدؐ** سے ظاہر ہے۔ دوسرے میرا نام ظلّی طور پر نبی رکھا گیا۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے حصص سابقہ براہین احمدیہ میں میرا نام احمد رکھا۔ اور اسی نام سے بار بار مجھ کو پکارا اور یہ اسی بات کی طرف اشارہ تھا کہ مَیں ظلّی طور پر نبی ہوں۔☆ پس مَیں اُمّتی بھی ہوں اور ظلّی طور پر نبی بھی ہوں۔ اِسی کی طرف وہ وحی الٰہی بھی اشارہ کرتی ہے جو حصص سابقہ براہین احمدیہ میں ہے۔ **کُلّ برکةٍ من محمدٍ صلی اللّٰہ علیه و سلم فتبارک من علّم و تعلّم** ۔یعنی ہر ایک برکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ پس بہت برکت والا وہ انسان ہے جس نے تعلیم کی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور پھر بعد اس کے بہت برکت والا وہ ہے جس نے تعلیم پائی یعنی یہ عاجز۔ پس اتباع کامل کی وجہ سے میرا نام امتی ہوا۔ اور پورا عکس نبوت حاصل کرنے سے میرا نام نبی ہوگیا۔ پس اس طرح پر مجھے دو نام حاصل ہوئے۔ جو لوگ بار بار اعتراض کرتے ہیں کہ صحیح مسلم میں آنے والے عیسیٰ کا نام نبی رکھا گیا ہے اُن پر لازم ہے کہ یہ ہمارا بیان توجہ سے پڑھیں کیونکہ جس مسلم میں آنے والے عیسیٰ کا نام نبی رکھا گیا ہے اُسی مسلم میں آنے والے عیسیٰ کا نام امّتی بھی رکھا گیا ہے۔ اور

﴿۱۸۹﴾

☆ کوئی شخص اس جگہ نبی ہونے کے لفظ سے دھوکا نہ کھاوے۔ مَیں بار بار لکھ چکا ہوں کہ یہ وہ نبوت نہیں ہے جو ایک مستقل نبوت کہلاتی ہے کوئی مستقل نبی اُمّتی نہیں کہلا سکتا۔ مگر مَیں اُمّتی ہوں۔ پس یہ صرف خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک اعزازی نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہوا تا حضرت عیسیٰ سے تکمیل مشابہت ہو۔ منہ

نہ صرف حدیثوں میں بلکہ قرآن شریف سے بھی یہی مستنبط ہوتا ہے کیونکہ سورۂ تحریم میں صریح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ بعض افراد اس امت کا نام مریم رکھا گیا ہے اور پھر پوری اتباع شریعت کی وجہ سے اس مریم میں خدا تعالیٰ کی طرف سے رُوح پُھونکی گئی اور رُوح پھونکنے کے بعد اس مریم سے عیسیٰ پیدا ہو گیا۔ اور اِسی بنا پر خدا تعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ بن مریم رکھا کیونکہ ایک زمانہ میرے پر صرف مریمی حالت کا گذرا۔ اور پھر جب وہ مریمی حالت خدا تعالیٰ کو پسند آ گئی تو پھر مجھ میں اُس کی طرف سے ایک رُوح پُھونکی گئی۔ اس رُوح پُھونکنے کے بعد میں مریمی حالت سے ترقی کر کے عیسیٰ بن گیا۔ جیسا کہ میری کتاب براہین احمدیہ حصص سابقہ میں مفصّل اس بات کا تذکرہ موجود ہے۔ کیونکہ براہین احمدیہ حصص سابقہ میں اول میرا نام مریم رکھا گیا۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یا مریم اسکن انت و زوجک الجنّة** ۔ یعنی اے مریم! تو اور وہ جو تیرا رفیق ہے دونوں بہشت میں داخل ہو جاؤ۔ اور پھر اسی براہین احمدیہ میں مجھے مریم کا خطاب دے کر فرمایا ہے۔ **نَفختُ فیکِ من روح الصدق** یعنی اے مریم! مَیں نے تجھ میں صدق کی رُوح پھونک دی۔ پس استعارہ کے رنگ میں رُوح کا پھونکنا اُس حمل سے مشابہ تھا جو مریم صدیقہ کو ہوا تھا۔ اور پھر اس حمل کے بعد آخر کتاب میں میرا نام عیسیٰ رکھ دیا۔ جیسا کہ فرمایا کہ **یا عیسٰی انّی متوفّیک و رافعک الیّ** ۔ یعنی اے عیسیٰ مَیں تجھے وفات دوں گا اور مومنوں کی طرح میں تجھے اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ اور اس طرح پر مَیں خدا کی کتاب میں عیسیٰ بن مریم کہلایا۔ چونکہ مریم ایک اُمّتی فرد ہے اور عیسیٰ ایک نبی ہے۔ پس میرا نام مریم اور عیسیٰ رکھنے سے یہ ظاہر کیا گیا کہ مَیں اُمّتی بھی ہوں اور نبی بھی۔ مگر وہ نبی جو اتباع کی برکت سے ظلّی طور پر خدا تعالیٰ کے نزدیک نبی ہے اور میرا عیسیٰ بن مریم ہونا وہی امر ہے جس پر نادان اعتراض کرتے ہیں کہ حدیثوں میں تو آنے والے عیسیٰ کا نام عیسیٰ بن مریم رکھا گیا ہے مگر یہ شخص تو ابن مریم نہیں ہے۔ اور اس کی والدہ کا نام مریم نہ تھا اور نہیں جانتے کہ جیسا کہ سورۂ تحریم میں وعدہ تھا میرا نام پہلے مریم رکھا گیا اور پھر خدا کے فضل نے مجھ میں نفخ رُوح کیا یعنی اپنی ایک خاص تجلّی سے اُس مریمی حالت سے ایک دوسری حالت پیدا کی اور اس کا نام عیسیٰ رکھا۔ اور چونکہ وہ حالت

﴿۱۹۰﴾

مریمی حالت سے پیدا ہوئی۔اس لئے خدا نے مجھے عیسیٰ بن مریم کے نام سے پکارا۔پس اس طرح پر مَیں عیسیٰ بن مریم بن گیا۔غرض اس جگہ مریم سے مراد وہ مریم نہیں ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں تھی بلکہ خدا نے ایک روحانی مشابہت کے لحاظ سے جو مریم اُمّ عیسیٰ کے ساتھ مجھے حاصل تھی۔میرا نام براہین احمدیہ حصص سابقہ میں مریم رکھ دیا۔پھر ایک دوسری تجلّی میرے پر فرما کر اُس کو نفخ رُوح سے مشابہت دی۔اور پھر جب وہ رُوح معرض ظہور اور بروز میں آئی تو اس رُوح کے لحاظ سے میرا نام عیسیٰ رکھا۔پس اسی لحاظ سے مجھے عیسیٰ بن مریم کے نام سے موسوم کیا گیا۔

اس جگہ اس نکتہ کو بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ قرآن شریف میں یہ آیت یعنی یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ [1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں تھی۔مگر براہین احمدیہ حصص سابقہ میں یہ آیت میرے حق میں نازل کی گئی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ حضرت عیسیٰ پر کفر کا فتویٰ لگا کر ان کی نسبت یہود کا یہی عقیدہ تھا کہ ان کی رُوح خدا کی طرف نہیں اٹھائی گئی۔یہی عقیدہ مخالفین قوم کا میرے حق میں ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص کافر ہے اِس کی رُوح خدا تعالیٰ کی طرف نہیں اٹھائی جائے گی۔اُن کے رد کے لئے خدا تعالیٰ مجھے فرماتا ہے کہ بعد موت مَیں تیری رُوح اپنی طرف اٹھاؤں گا اور یہ جو فرمایا اِنّی متوفّیک اِس میں ایک اَور پیشگوئی مخفی ہے اور وہ یہ ہے کہ توفّی زبان عرب میں اس قسم کی موت دینے کو کہتے ہیں جو طبعی موت ہو بذریعہ قتل یا صلیب نہ ہو۔جیسا کہ علاّمہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشّاف میں زیر آیت یا عیسٰی انّی متوفّیک یہ تفسیر لکھی ہے انّی ممیتک حتف انفک۔یعنی میں تجھے طبعی موت کے ساتھ ماروں گا۔پس چونکہ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ میرے قتل اور صلیب کے لئے بھی وہ کوشش کی جائے گی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے کی گئی۔اس لئے اُس نے بطور پیشگوئی مجھے بھی مخاطب کر کے یہی فرمایا کہ یا عیسٰی انّی متوفیک اس میں یہی اشارہ تھا کہ مَیں قتل اور صلیب سے بچاؤں گا اور ظاہر ہے کہ میرے قتل اور صلیب کے لئے بہت کوششیں ہوئیں۔جیسا کہ میرے قتل کے لئے علماء قوم نے فتوے دیئے۔اور ایک جھوٹا مقدمہ پھانسی دلانے کے لئے میرے پر بنایا گیا جس میں مستغیث پادری ڈاکٹر **مارٹن کلارک** تھا

﴿۱۹۱﴾

[1] اٰل عمران:۵۶

اور منجملہ گواہوں کے مولوی ابوسعید **محمد حسین صاحب بٹالوی** تھے۔ اور الزام یہ تھا کہ اس شخص نے عبدالمجید[1] نام ایک شخص کو ڈاکٹر مارٹن کلارک کے قتل کے لئے بھیجا تھا۔ چنانچہ شہادتیں برخلاف میرے پورے طور پر گذر گئیں مگر خدا نے مجھے مقدمہ سے پہلے ہی اطلاع دی تھی کہ ایسا مقدمہ ہوگا۔ اور مَیں تجھے بچاؤں گا اور وہ وحی الٰہی قریباً ساٹھ۶۰ یا ستّر۷۰ یا اسّی۸۰ آدمی کو قبل از مقدمہ سُنائی گئی تھی۔ چنانچہ خدا نے مجھے اپنی پاک وحی کے مطابق اس جھوٹے الزام سے عزّت کے ساتھ نجات دی۔ پس وہ تمام کوشش میرے پھانسی دلانے کے لئے تھی جیسا کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے کی تھی۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ جیسا پیلاطوس رومی نے (جو اُس نواح کا گورنر تھا جہاں حضرت مسیح تھے) یہودیوں کو کہا تھا کہ مَیں اس شخص یعنی عیسیٰ کا کوئی گناہ نہیں دیکھتا جس کی وجہ سے اس کو صلیب دوں۔ ایسا ہی اس حاکم نے جس کی عدالت میں میرے پر مقدمہ قتل دائر تھا جس کا نام ڈگلس تھا اور ہمارے ضلع کا ڈپٹی کمشنر تھا۔ مجھے مخاطب کر کے کہا کہ مَیں آپ پر کوئی الزام قتل کا نہیں لگاتا۔ اور عجیب تر یہ ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰ کے ساتھ ایک چور بھی صلیب دیا گیا تھا۔ جس دن میری نسبت یہ خون کا مقدمہ فیصل ہوا۔ اُسی دن اُسی عدالت میں ایک مکتی فوج کا عیسائی چور بھی پیش ہوا۔ جس نے کچھ روپیہ چُرایا تھا۔ غرض میری نسبت خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ یہ ایک پیشگوئی تھی جس میں یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ حضرت عیسیٰ کی طرح میرے قتل کے لئے بھی کچھ منصوبے بنائے جائیں گے۔ اور ان منصوبوں میں دشمن نامراد رہیں گے۔

تیسرا۳ امر جو مجھے دو۲ پر مشتمل کرتا ہے میری قومی حالت ہے۔ اور جیسا کہ ظاہر طور پر سُنا گیا ہے مَیں باپ کے لحاظ سے قوم کا مغل ہوں مگر بعض دادیاں میری سادات میں سے تھیں۔ ﴿۱۹۲﴾

[1] سہو کاتب ہے اصل نام عبدالحمید ہے (ناشر)

لیکن خدا تعالیٰ مجھے باپ کے لحاظ سے فارسی النسل قرار دیتا ہے اور ماں کے لحاظ سے مجھے فاطمی ٹھہراتا ہے اور وہی حق ہے جو وہ کہتا ہے۔ اور چوتھا[۴] امر جو مجھے دو[۲] پر مشتمل کرتا ہے وہ یہ ہے کہ مَیں جوڑا پیدا ہوا تھا۔ ایک میرے ساتھ لڑکی تھی جو مجھ سے پہلے پیدا ہوئی تھی۔

پھر ہم اپنے پہلے مقصد کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ یہ بالکل غلط اور دھوکا کھانا ہے کہ حدیثوں میں مسیح موعود کے بارے میں نبی کا نام دیکھ کر یہ سمجھا جائے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں کیونکہ انہیں حدیثوں میں اگرچہ آنے والے عیسیٰ کا نام نبی رکھا گیا ہے مگر اُس کے ساتھ ایک ایسی شرط لگادی گئی ہے کہ اس شرط کے لحاظ سے ممکن ہی نہیں کہ اس نبی سے مراد حضرت عیسیٰ اسرائیلی ہوں کیونکہ باوجود نبی نام رکھنے کے اس عیسیٰ کو اُنہیں حدیثوں میں اُمّتی بھی قرار دیا ہے۔ اور جو شخص اُمّتی کی حقیقت پر نظرِ غور ڈالے گا وہ بداہت سمجھ لے گا کہ حضرت عیسیٰ کو اُمّتی قرار دینا ایک کفر ہے کیونکہ اُمّتی اُس کو کہتے ہیں جو بغیر اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بغیر اتباع قرآن شریف محض ناقص اور گمراہ اور بے دین ہو اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور قرآن شریف کی پیروی سے اُس کو ایمان اور کمال نصیب ہو۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا خیال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کرنا کفر ہے کیونکہ گو وہ اپنے درجہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسے ہی کم ہوں مگر نہیں کہہ سکتے کہ جب تک وہ دوبارہ دنیا میں آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں داخل نہ ہوں تب تک نعوذ باللہ وہ گمراہ اور بے دین ہیں یا وہ ناقص ہیں اور ان کی معرفت ناتمام ہے۔ پس مَیں اپنے مخالفوں کو یقیناً کہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ اُمّتی ہرگز نہیں ہیں۔ گو وہ بلکہ تمام انبیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر ایمان رکھتے تھے مگر وہ ان ہدایتوں کے پَیرو تھے جو اُن پر نازل ہوئی تھیں۔ اور براہِ راست خدا نے اُن پر تجلّی فرمائی تھی یہ ہرگز نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پَیروی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی تعلیم سے وہ نبی بنے تھے یا وہ اُمّتی کہلاتے۔ اُن کو خدا تعالیٰ نے الگ کتابیں دی تھیں اور ان کو ہدایت تھی کہ اُن کتابوں پر عمل کریں اور کراویں۔ جیسا کہ قرآن شریف اِس پر گواہ ہے۔ پس اس بدیہی شہادت کی رُو سے

﴿۱۹۳﴾

حضرت عیسیٰ مسیح موعود کیونکر ٹھہر سکتے ہیں پس چونکہ وہ اُمّتی نہیں اس لئے وہ اُس قسم کے نبی بھی نہیں ہو سکتے جس کا امّتی ہونا ضروری ہے۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ نے میرے لئے صد ہا نشان دکھائے۔ جن میں کچھ اس حصہ براہین احمدیہ میں بھی درج ہیں۔

قولہ۔ حضرت کی عمر شریف اس وقت کس قدر ہے؟ اور حضرت جو بشارت دیتے ہیں کہ حضرت کے ذریعہ سے اسلام نہایت ترقی کرے گا کیا وہ ترقی حضرت کی حین حیات میں وقوع میں آئے گی یا کیا؟ اس کی تشریح کا امیدوار ہوں۔

اقول۔ عمر کا اصل اندازہ تو خدا تعالیٰ کو معلوم ہے مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے اب اس وقت تک جو سن ہجری ۱۳۲۳ھ ہے میری عمر ستّر برس کے قریب ہے **واللّٰہ اعلم**۔ اور مَیں نہیں کہہ سکتا کہ پورے طور پر ترقی اسلام کی میری زندگی میں ہوگی یا میرے بعد میں۔ ہاں مَیں خیال کرتا ہوں کہ پوری ترقی دین کی کسی نبی کی حین حیات میں نہیں ہوئی بلکہ انبیاء کا یہ کام تھا کہ انہوں نے ترقی کا کسی قدر نمونہ دکھلا دیا اور پھر بعد اُن کے ترقیاں ظہور میں آئیں۔ جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے اور ہر ایک اسود و احمر کے لئے مبعوث ہوئے تھے مگر آپ کی حیات میں احمر یعنی یورپ کی قوم کو تو اسلام سے کچھ بھی حصہ نہ ملا ایک بھی مسلمان نہیں ہوا۔ اور جو اسود تھے اُن میں سے صرف جزیرۂ عرب میں اسلام پھیلا اور مکّہ کی فتح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ سو مَیں خیال کرتا ہوں کہ میری نسبت بھی ایسا ہی ہوگا۔ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے بار بار یہ وحی قرآنی ہو چکی ہے وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ[1] اس سے مجھے یہی امید ہے کہ کوئی حصّہ کامیابی کا میری زندگی میں ظہور میں آئے گا۔

قولہ۔ احادیث میں کسی جاندار کی تصویر کھینچنے میں سخت وعید آئی ہے مگر حضور کی عکسی تصویریں جو شائع کی گئی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اس کو جائز رکھتے ہیں۔

اقول۔ مَیں اس بات کا سخت مخالف ہوں کہ کوئی میری تصویر کھینچے اور اس کو بُت پرستوں کی طرح اپنے پاس رکھے یا شائع کرے۔ مَیں نے ہرگز ایسا حکم نہیں دیا کہ کوئی ایسا کرے اور مجھ سے زیادہ

﴿۱۹۴﴾

[1] یونس: ۴۷

بُت پرستی اور تصویر پرستی کا کوئی دشمن نہیں ہوگا۔ لیکن مَیں نے دیکھا ہے کہ آج کل یورپ کے لوگ جس شخص کی تالیف کو دیکھنا چاہیں اوّل خواہشمند ہوتے ہیں جو اُس کی تصویر دیکھیں کیونکہ یورپ کے ملک میں فراست کے علم کو بہت ترقی ہے۔ اور اکثر اُن کی محض تصویر کو دیکھ کر شناخت کر سکتے ہیں کہ ایسا مدعی صادق ہے یا کاذب۔ اور وہ لوگ بباعث ہزار ہا کوس کے فاصلہ کے مجھ تک پہنچ نہیں سکتے اور نہ میرا چہرہ دیکھ سکتے ہیں لہٰذا اُس ملک کے اہلِ فراست بذریعہ تصویر میرے اندرونی حالات میں غور کرتے ہیں۔ کئی ایسے لوگ ہیں جو انہوں نے یورپ یا امریکہ سے میری طرف چٹھیاں لکھی ہیں اور اپنی چٹھیوں میں تحریر کیا ہے کہ ہم نے آپ کی تصویر کو غور سے دیکھا اور علمِ فراست کے ذریعہ سے ہمیں ماننا پڑا کہ جس کی یہ تصویر ہے وہ کاذب نہیں ہے۔ اور ایک امریکہ کی عورت نے میری تصویر کو دیکھ کر کہا کہ یہ یسوع یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر ہے۔ پس اس غرض سے اور اس حد تک مَیں نے اس طریق کے جاری ہونے میں مصلحتاً خاموشی اختیار کی۔ **وانّما الاعمال بالنّیات**۔ اور میرا مذہب یہ نہیں ہے کہ تصویر کی حرمت قطعی ہے۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ فرقہ جِنّ حضرت سلیمان کے لئے تصویریں بناتے تھے اور بنی اسرائیل کے پاس مدّت تک انبیاء کی تصویریں رہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تصویر تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ کی تصویر ایک پارچہ ریشمی پر جبرائیل علیہ السلام نے دکھلائی تھی۔ اور پانی میں بعض پتھروں پر جانوروں کی تصویریں قدرتی طور پر چھپ جاتی ہیں۔ اور یہ آلہ جس کے ذریعہ سے اب تصویر لی جاتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ایجاد نہیں ہوا تھا اور یہ نہایت ضروری آلہ ہے جس کے ذریعہ سے بعض امراض کی تشخیص ہو سکتی ہے ایک اور آلہ تصویر کا نکلا ہے جس کے ذریعہ سے انسان کی تمام ہڈیوں کی تصویر کھینچی جاتی ہے اور **وَجعُ المَفَاصِل** و **نَقرس** وغیرہ امراض کی تشخیص کے لئے اس آلہ کے ذریعہ سے تصویر کھینچتے ہیں اور مرض کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ ایسا ہی فوٹو کے ذریعہ سے بہت سے علمی فوائد ظہور میں آئے ہیں۔ چنانچہ بعض انگریزوں نے فوٹو کے ذریعہ سے دنیا کے کل جانداروں یہاں تک کہ طرح طرح کی ٹڈیوں کی تصویریں اور ہر ایک قسم کے پرند اور چرند کی تصویریں اپنی کتابوں میں چھاپ دی ہیں۔ ﴿۱۹۵﴾

جس سے علمی ترقی ہوئی ہے۔ پس کیا گمان ہوسکتا ہے کہ وہ خدا جو علم کی ترغیب دیتا ہے وہ ایسے آلہ کا استعمال کرنا حرام قرار دے جس کے ذریعہ سے بڑے بڑے مشکل امراض کی تشخیص ہوتی ہے اور اہلِ فراست کے لئے ہدایت پانے کا ایک ذریعہ ہو جاتا ہے۔ یہ تمام جہالتیں ہیں جو پھیل گئی ہیں۔ ہمارے ملک کے مولوی چہرہ شاہی سکّہ کے روپیہ اور دونیاں اور چونیاں اور اٹھنیاں اپنی جیبوں اور گھروں میں سے کیوں باہر نہیں پھینکتے۔ کیا اُن سکّوں پر تصویریں نہیں، افسوس کہ یہ لوگ ناحق خلاف معقول باتیں کرکے مخالفوں کو اسلام پر ہنسی کا موقع دیتے ہیں۔ اسلام نے تمام لغو کام اور ایسے کام جو شرک کے مؤید ہیں حرام کئے ہیں نہ ایسے کام جو انسانی علم کو ترقی دیتے اور امراض کی شناخت کا ذریعہ ٹھہرتے اور اہلِ فراست کو ہدایت سے قریب کر دیتے ہیں۔ لیکن بااین ہمہ مَیں ہرگز پسند نہیں کرتا کہ میری جماعت کے لوگ بغیر ایسی ضرورت کے جو کہ مُضطر کرتی ہے وہ میرے فوٹو کو عام طور پر شائع کرنا اپنا کسب اور پیشہ بنالیں۔ کیونکہ اِسی طرح رفتہ رفتہ بدعات پیدا ہو جاتی ہیں اور شرک تک پہنچتی ہیں۔ اس لئے مَیں اپنی جماعت کو اس جگہ بھی نصیحت کرتا ہوں کہ جہاں تک اُن کے لئے ممکن ہو ایسے کاموں سے دستکش رہیں۔ بعض صاحبوں کے مَیں نے کارڈ دیکھے ہیں اور ان کی پُشت کے کنارہ پر اپنی تصویر دیکھی ہے۔ مَیں ایسی اشاعت کا سخت مخالف ہوں اور مَیں نہیں چاہتا کہ کوئی شخص ہماری جماعت میں سے ایسے کام کا مرتکب ہو۔ ایک صحیح اور مفید غرض کے لئے کام کرنا اور امر ہے اور ہندوؤں کی طرح جو اپنے بزرگوں کی تصویریں جابجا در و دیوار پر نصب کرتے ہیں یہ اور بات ہے۔ ہمیشہ دیکھا گیا ہے کہ ایسے لغو کام منجر بشرک ہو جاتے ہیں اور بڑی بڑی خرابیاں ان سے پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ ہندوؤں اور نصاریٰ میں پیدا ہوگئیں اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ جو شخص میرے نصائح کو عظمت اور عزّت کی نظر سے دیکھتا ہے اور میرا سچا پَیرو ہے وہ اِس حُکم کے بعد ایسے کاموں سے دستکش رہے گا ورنہ وہ میری ہدائتوں کے برخلاف اپنے تئیں چلاتا ہے اور شریعت کی راہ میں گستاخی سے قدم رکھتا ہے۔

بعض ایسے لوگوں نے جن کو نہ دین کی کچھ خبر ہے اور نہ میرے حالات سے کچھ اطلاع۔ محض

﴿۱۹۶﴾

بخل اور ناسمجھی کی راہ سے ایسے اعتراض بھی میری نسبت شائع کئے ہیں۔ جن سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو بس یہی کہ وہ لوگ جس قدر اپنی دنیا کے فراہم کرنے کے لئے اور دنیوی منصب اور عہدے پانے کے لئے کوشش کرتے ہیں اُس کا ہزارم حصہ بھی دین کی طرف اُن کی توجہ نہیں اُن کے اعتراضات سُن کر نہایت درجہ کی حیرت پیدا ہوتی ہے کہ یہ لوگ مسلمان کہلا کر اسلام سے بالکل بے خبر ہیں۔

بھلا غور کرنا چاہیئے کہ یہ اعتراضات اُن کے کس قسم کے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک منصوبہ ہے جو روپیہ جمع کرنے کے لئے بنایا گیا ہے اور اس کے معاون تنخواہیں پاتے ہیں۔ اب وہ شخص جو دل میں کچھ خدا تعالیٰ کا خوف رکھتا ہے سوچ لے کہ کیا یہ وہی بدظنّی نہیں جو قدیم سے دلوں کے اندھے انبیاء علیہم السلام پر کرتے آئے ہیں۔ فرعون نے حضرت موسیٰ پر بھی بدظنّی کی اور اپنے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ اس شخص کا اصل مطلب یہ ہے کہ تم لوگوں کو زمین سے بے دخل کر کے خود قابض ہو جائے ایسا ہی یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کی نسبت یہی رائے قائم کی کہ یہ شخص مکّار ہے اور نبوت کے بہانہ سے ہم لوگوں پر حکومت کرنا چاہتا ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کُفّارِ قریش نے بھی یہی بدظنّی کی۔ جیسا کہ قرآن شریف میں اُن کا مقولہ یہ لکھا ہے اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ[1] یعنی اس دعویٰ میں تو کوئی نفسانی مطلب ہے۔ سو ایسے اعتراض کرنے والوں پر ہم کیا افسوس کریں۔ وہ پہلے منکرین کی عادت دکھلا رہے ہیں۔ طالبِ حق کی یہ عادت ہونی چاہیئے کہ وہ دعویٰ کو غور سے دیکھے اور دلائل پر دلی انصاف سے نظر ڈالے اور وہ بات منہ پر لاوے جو عقل اور خدا ترسی اور انصاف کا مقتضا ہے نہ یہ کہ قبل از تحقیق یہ کہنا شروع کر دے کہ یہ سب کچھ مال کمانے کے لئے ایک مکر بنایا گیا ہے۔

پھر ایک یہ بھی اُن کا اعتراض ہے کہ پیشگوئیاں پوری نہیں ہوئیں۔ اس اعتراض کے جواب میں تو صرف اس قدر لکھنا کافی ہے کہ **لعنة اللّٰہ علی الکاذبین**۔ اگر وہ میری کتابوں کو غور سے دیکھتے یا میری جماعت کے اہلِ علم اور واقفیت سے دریافت کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ کئی ہزار پیشگوئی اب تک پوری ہو چکی ہے اور ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے صرف ایک دو گواہ ﴿۱۹۷﴾

[1] صٓ: ۷

نہیں بلکہ ہزارہا انسان گواہ ہیں۔ ناحق کی تکذیب سے کیا فائدہ۔ کیا ایسی باتوں سے حضرت عیسیٰ کا دوبارہ آنا قریب قیاس ہو جائے گا؟ حضرت عیسیٰ کے دوبارہ آنے سے تو ہاتھ دھو بیٹھنا چاہیئے ہر ایک مخالف یقین رکھے کہ اپنے وقت پر وہ جان کندن کی حالت تک پہنچے گا اور مرے گا مگر حضرت عیسیٰ کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا۔ یہ بھی میری پیشگوئی ہے جس کی سچائی کا ہر ایک مخالف اپنے مرنے کے وقت گواہ ہوگا۔ جس قدر مولوی اور مُلّاں ہیں اور ہر ایک اہلِ عناد جو میرے مخالف کچھ لکھتا ہے وہ سب یاد رکھیں کہ اس اُمید سے وہ نامراد مریں گے کہ حضرت عیسیٰ کو وہ آسمان سے اُترتے دیکھ لیں۔ وہ ہرگز اُن کو اُترتے نہیں دیکھیں گے یہاں تک کہ بیمار ہو کر غرغرہ کی حالت تک پہنچ جائیں گے اور نہایت تلخی سے اِس دنیا کو چھوڑیں گے۔ کیا یہ پیشگوئی نہیں؟ کیا وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ پوری نہیں ہوگی؟ ضرور پوری ہوگی پھر اگر اُن کی اولاد ہوگی تو وہ بھی یاد رکھیں کہ اسی طرح وہ بھی نامراد مریں گے اور کوئی شخص آسمان سے نہیں اُترے گا۔ اور پھر اگر اولاد کی اولاد ہوگی تو وہ بھی اس نامرادی سے حصہ لیں گے۔ اور کوئی اِن میں سے حضرت عیسیٰ کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا۔

اور بعض نادان کہتے ہیں کہ احمد بیگ کے داماد کی نسبت پیشگوئی پوری نہیں ہوئی وہ نہیں سمجھتے کہ یہ پیشگوئی بھی عبداللہ آتھم کے متعلق کی پیشگوئی کی طرح شرطی تھی اور اس میں خدا تعالیٰ کی وحی اُس کی منکوحہ کی نانی کو مخاطب کر کے یہ تھی **توبی توبی فانّ البلاء علٰی عقبک** یعنی اے عورت توبہ توبہ کر کہ تیری لڑکی کی لڑکی پر بلا آنے والی ہے۔ سو جب خود احمد بیگ اِس پیشگوئی کے مطابق جس کی یہ پیشگوئی ایک شاخ ہے میعاد کے اندر فوت ہو گیا تو جیسا کہ انسانی سرشت کا خاصہ ہے سب متعلقین کے دلوں میں خوف پیدا ہوا اور وہ ڈرے اور تضرع کیا۔ اس لئے خدا نے اس پیشگوئی کے ظہور میں تاخیر ڈال دی۔ اور یہ تو شرطی پیشگوئی تھی جیسا کہ عبداللہ آتھم کی موت کی نسبت بھی شرطی پیشگوئی تھی جس کی وفات پر قریباً گیارا۱۱ برس گذر گئے۔ مگر یونس نبی نے جو اپنی قوم کے ہلاک ہونے کی نسبت پیشگوئی کی تھی۔ اُس میں ﴿۱۹۸﴾

تو کوئی شرط نہ تھی۔ مگر وہ قوم بھی توبہ و استغفار سے بچ گئی۔ ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ وعید کی پیشگوئیاں توبہ واستغفار سے تاخیر پذیر ہوسکتی ہیں بلکہ منسوخ ہوسکتی ہیں۔ جیسا کہ یونسؑ کی قوم کی نسبت جو ہلاک کرنے کا وعدہ تھا صرف توبہ سے ٹل گیا۔ مگر افسوس اس زمانہ کے یہ لوگ کیسے اندھے ہیں کہ بار بار ان کو کتاب اللہ کے موافق جواب دیا جاتا ہے اور پھر نہیں سمجھتے۔ کیا ان کے نزدیک یونس نبی سچا نبی نہیں تھا؟ جس کی پیشگوئی بغیر کسی شرط کے تھی اور قطعی پیشگوئی تھی کہ چالیس دن میں اُس کی قوم عذاب سے ہلاک کی جائے گی مگر وہ قوم ہلاک نہ ہوئی۔ مگر اس جگہ تو ایسا اعتراض آتا نہ تھا جیسا کہ حضرت یونس کی پیشگوئی پر آتا تھا۔ اس جگہ تو عبداللہ آتھم اور احمد بیگ اور اُس کے داماد کی موت کی نسبت شرطی پیشگوئیاں تھی۔ تعجب ہے کہ چاؔر پیشگوئیوں میں سے تین پیشگوئیاں پوری ہوچکیں۔ اور عبداللہ آتھم اور احمد بیگ اور لیکھرام مُدّت ہوئی کہ پیشگوئیوں کے مطابق اس جہاں سے گذر گئے پھر بھی یہ لوگ اعتراض سے باز نہیں آتے۔

اور یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ احمد بیگ کی لڑکی کے لئے طرح طرح کی امید دینے سے کیوں کوشش کی گئی۔ نہیں سمجھتے کہ وہ کوشش اِسی غرض سے تھی کہ وہ تقدیر اس طور سے ملتوی ہو جائے اور وہ عذاب ٹل جائے۔ یہی کوشش عبداللہ آتھم اور لیکھرام سے بھی کی گئی تھی۔ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ کسی پیشگوئی کے پورا کرنے کے لئے کوئی جائز کوشش کرنا حرام ہے۔ ذرہ غور سے اور حیا سے سوچو کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف میں یہ وعدہ نہیں دیا گیا تھا کہ عرب کی بُت پرستی نابود ہوگی اور بجائے بُت پرستی کے اسلام قائم ہوگا۔ اور وہ دن آئے گا کہ خانہ کعبہ کی کنجیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہوں گی۔ جس کو چاہیں گے دیں گے۔ اور خدا یہ سب کچھ آپ کرے گا مگر پھر بھی اسلام کی اشاعت کے لئے ایسی کوشش ہوئی جس کی تفصیل کی ضرورت نہیں بلکہ حدیث صحیح میں ہے کہ اگر کوئی خواب دیکھے اور اس کی کوشش سے وہ خواب پوری ہوسکے تو اس رؤیا کو اپنی کوشش سے پوری کر لینا چاہیئے۔

﴿۱۹۹﴾

جواب شبہات الخطاب الملیح فی تحقیق المہدی والمسیح
جو
مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے خرافات کا مجموعہ ہے

اس رسالہ میں جہاں تک مؤلف سے ہو سکا میری تکذیب کے لئے بہت ہاتھ پَیر مارے ہیں اور اپنے خیال کو قوت دینے کے لئے بہت سی خلاف واقعہ باتوں سے کام لیا ہے۔ یہ کتاب سراسر کچی اور بے اصل اور لغو خیالات اور مفتریات سے پُر ہے۔ اور مَیں جانتا ہوں کہ اس کے ردّ کی کچھ بھی ضرورت نہیں اور ایسا شخص جو قرآن شریف اور حدیث کا کچھ علم رکھتا ہے اس کے لئے اس بات کی حاجت نہیں کہ اس کا ردّ لکھا جائے۔ مگر چونکہ مَیں نے سُنا ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب کے مرید سہارنپور کے نواح میں اس رسالہ کو بہت عزت سے دیکھتے ہیں اور محض اس خیال سے کہ یہ تحریر ان کی ایّام زندگی کی یادگار ہے بہت محبت سے اس کو پڑھتے ہیں اس لئے مَیں نے مناسب سمجھا کہ ایسے لوگوں کو دھوکہ سے بچانے کے لئے ان چند ضروری اعتراضات کا جواب دیا جائے جن کی وجہ سے اس نواح کے جاہل اور بے علم ورطۂ ضلالت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اور اس رسالہ مجموعۂ اباطیل پر ناز کرتے ہیں۔

لیکن مَیں اس جگہ حق کے طالبوں پر ایک سیدھی راہ کھولنے کے لئے مناسب سمجھتا ہوں کہ جو اصل مسئلہ مابہ النزاع ہے پہلے اس کا کچھ تذکرہ کیا جائے۔ سو وہ یہ ہے کہ ہمارے مخالف جن میں مولوی رشید احمد بھی داخل ہیں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے اور وہ کسی غرض کے لئے زندہ مع جسم عنصری آسمان پر چلے گئے ہیں☆ اور کسی وقت

☆ معبّرین نے لکھا ہے کہ جو شخص خواب میں یہ دیکھے کہ وہ زندہ مع جسم عنصری آسمان پر چلا گیا ہے اُس کی یہی تعبیر ہوگی کہ وہ اپنی طبعی موت سے مرے گا۔ یعنی مخالفوں کے ارادۂ قتل سے امن میں رہے گا۔ پس کچھ تعجب نہیں کہ ایسی خواب حضرت عیسیٰ نے بھی دیکھی ہو اور پھر نادان لوگوں نے خواب کی تعبیر پر نظر نہ رکھ کر سچ مُچ آسمان پر مع جسم عنصری جانا سمجھ لیا ہو۔ منہ

قیامت سے پہلے دوبارہ دنیا میں نازل ہوں گے مگر نہیں بتلاتے کہ وہ کونسی غرض تھی جس کے لئے وہ آسمان پر اٹھائے گئے کیا صرف یہودیوں کے ہاتھ سے جان بچانا منظور تھا یا کوئی اور بات تھی؟ اور نہیں بتلا سکتے کہ اب تک جو دو ہزار برس کے قریب ہو چکا کیوں وہ آسمان پر ہیں۔ کیا ابھی تک یہودیوں کے مواخذہ کا کچھ دھڑ کا دل میں باقی ہے؟ اور نہیں بتلا سکتے کہ کیوں ان کو یہ خصوصیت دی گئی کہ برخلاف جمیع انبیاء کے وہ اتنی مدت تک کہ اب دو ہزار برس کے قریب پہنچ گئے آسمان پر ہیں۔ اور پھر کسی وقت مطابق پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمین پر نازل ہوں گے اور نہیں بتلا سکتے کہ ایسے رفع جسمانی اور پھر نزول میں مصلحت الٰہی کیا تھی؟ کیا یہودیوں کے پکڑنے کا اندیشہ یا کچھ اَور۔ اور نہیں بتلا سکتے کہ ایسے شخص کو یہ صعود اور نزول کی خصوصیت کیوں دی گئی جس کی نسبت اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ خدا بنایا جائے گا۔ اور چالیس کروڑ مخلوق محض اس کی طرف یہ خوارق منسوب ہونے کی وجہ سے اس کو خدا کا بیٹا بلکہ خدا مانیں گے۔ اور یہ لوگ اگرچہ بڑے زور سے کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں مگر نہیں بتلا سکتے کہ برخلاف سُنت اللہ کی کس نص صریح قرآن شریف سے ان کی زندگی ثابت ہے۔ مگر وہ عقیدہ جس پر خدا تعالیٰ نے علیٰ وجہ البصیرت مجھ کو قائم کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام مثل دیگر انسانوں کے انسانی عمر پا کر فوت ہو گئے ہیں اور آسمان پر مع جسم عنصری چڑھ جانا اور پھر کسی وقت مع جسم عنصری زمین پر نازل ہونا یہ سب اُن پر تہمتیں ہیں۔ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَل: قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا[1]۔ ﴿۲۰۰﴾

پس اصل مسئلہ جو طے ہونے اور فیصلہ ہونے کے لائق ہے وہ یہی ہے کہ کیا یہ سچ ہے کہ برخلاف عادت اللہ درحقیقت حضرت عیسٰی علیہ السلام مع جسم عنصری آسمان پر چڑھ گئے تھے اور اگر بہ نصوص صریحہ بیّنہ قرآن شریف سے ثابت ہو جائے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام درحقیقت آسمان پر مع جسم عنصری اٹھائے گئے تھے تو پھر اُن کے نازل ہونے کے بارے میں کسی بحث کی ضرورت نہیں کیونکہ جو شخص مع جسم عنصری آسمان پر جائے گا اُس کا واپس آنا بموجب نصِّ قرآنی ضروری ہے

[1] بنی اسرائیل: ۹۴

پس اگر حضرت عیسیٰ مع جسم آسمان پر چلے گئے ہیں تو واپس آنے میں کیا شک ہے وجہ یہ کہ اگر دوبارہ زمین پر آنے کے لئے کسی اور کام کی غرض سے ان کی کچھ ضرورت نہ ہو مگر پھر بھی مرنے کے لئے اُن کا آنا ضرور ہوگا کیونکہ آسمان پر کوئی قبروں کی جگہ نہیں۔ اورنصِ صریح قرآن شریف سے ثابت ہے کہ ہر ایک انسان زمین پر ہی مرے گا اور زمین میں ہی دفن کیا جائے گا اور زمین سے ہی نکالا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى[1] البتہ یہ ممکن ہے کہ آسمان سے بیمار ہو کر آویں یا راہ میں بیمار ہو جائیں اور پھر زمین پر آکر مر جائیں۔ اور یہ ہم نے اس لئے کہا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ آنے والا عیسیٰ زعفرانی رنگ کی دو چادروں میں نازل ہوگا۔ اور تمام معبّرین کے اتفاق سے تعبیر کی رو سے زرد رنگ چادر سے بیماری مراد ہوتی ہے۔ «۲۰۱»

اور میں کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ مَیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مسیح موعود ہوں۔ احادیث میں میرے جسمانی علامات میں سے یہ دو علامتیں بھی لکھی گئی ہیں کیونکہ زرد رنگ چادر سے بیماری مراد ہے اور جیسا کہ مسیح موعود کی نسبت حدیثوں میں دو زرد رنگ چادروں کا ذکر ہے ایسے ہی میرے لاحق حال دو بیماریاں ہیں۔ ایک بیماری بدن کے اوپر کے حصہ میں ہے جو اوپر کی چادر ہے اور وہ دورانِ سر ہے جس کی شدّت کی وجہ سے بعض وقت میں زمین پر گر جاتا ہوں اور دل کا دورانِ خون کم ہو جاتا ہے اور ہولناک صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور دوسری بیماری بدن کے نیچے کے حصہ میں ہے جو مجھے کثرت پیشاب کی مرض ہے جس کو ذیابیطس بھی کہتے ہیں۔ اور معمولی طور پر مجھ کو ہر روزہ پیشاب بکثرت آتا ہے اور پندرہ۱۵ یا بیس۲۰ دفعہ تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اور بعض اوقات قریب سَو۱۰۰ دفعہ کے دن رات میں آتا ہے اور اس سے بھی ضعف بہت ہو جاتا ہے سو یہ زرد رنگ کی دو چادریں ہیں جو میرے حصہ میں آ گئی ہیں۔ اور جو لوگ مجھے قبول نہیں کرتے اُن کو تو بہر حال ماننا پڑے گا کہ حضرت عیسیٰ نزول کے وقت آسمان سے یہ تحفہ لائیں گے جو دو۲ بیماریاں اُن کو لاحق ہوں گی۔ ایک بدن کے اوپر کے حصہ میں اور دوسری بدن کے

[1] طٰہٰ: ۵۶

نیچے کے حصہ میں ہوگی۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ ان چادروں سے اصلی چادریں ہی مراد ہیں تو گویا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے وقت ہندوؤں کے جوگیوں کی طرح زرد رنگ کی دو چادروں میں نازل ہوں گے۔ مگر یہ معنے ان معنوں کے برخلاف ہیں جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مکاشفات کی نسبت کئے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں میں دو کڑے دیکھے تھے اور اس کی تعبیر دو جھوٹے نبی فرمایا تھا۔ اور گائیاں ذبح ہوتی دیکھی تھیں اور اُس کی تعبیر اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کی شہادت فرمائی تھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک بڑا پیراہن دیکھا تھا اور اس کی تعبیر تقویٰ کی تھی۔ پس اس حدیث میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتِ قدیم کے موافق کیوں دو زرد چادروں کی وہ تعبیر نہ کی جائے جو بالاتفاق اسلام کے تمام اکابر معبّروں نے کی ہے جن میں سے ایک بھی اس تعبیر کے مخالف نہیں۔ اور وہ یہی تعبیر ہے کہ دو زرد چادروں سے دو بیماریاں مراد ہیں۔ اور مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میرا تجربہ بھی یہی ہے اور بہت سے مرتبہ جس کا میں شمار نہیں کرسکتا مجھے رؤیا میں اپنی نسبت یا کسی دوسرے کی نسبت جب کبھی معلوم ہوا کہ زرد چادر بدن پر ہے تو اس سے بیمار ہونا ہی ظہور میں آیا ہے۔ پس یہ ظلم ہے کہ جیسا کہ مُتَوَفِّیۡکَ کے لفظ کے معنے حضرت عیسیٰ کی نسبت سارے جہان کے برخلاف کئے جاتے ہیں ایسا ہی دو زرد چادروں کی نسبت بھی وہ معنے کئے جائیں کہ جو برخلاف بیان کردہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واصحاب رضی اللہ عنہم وتابعین وتبع تابعین وائمہ اہل بیت ہوں۔ ﴿۲۰۲﴾

اب خلاصہ کلام یہ کہ اس مقام میں نہایت ضروری بحث یہ ہے کہ آیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام درحقیقت فوت ہوگئے یا نہیں کیونکہ اگر یہ بات ثابت ہے کہ وہ مع جسم عنصری زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں تو پھر جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ بہرحال ان کا زمین پر آنا مہدی کی شمولیت کے لئے یا صرف مرنے کے لئے ضروری ہے۔ یہی اصل بحث ہے جس کے طے ہونے سے تمام جھگڑا طے ہوجاتا ہے اور جس فریق کے ہاتھ میں دلائل قویّہ حیات یا موت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہیں وہی فریق

سچ پر ہے۔ اور پھر اس بحث کے طے ہونے کے بعد دوسری فروعی بحثیں غیر ضروری ہو جاتی ہیں بلکہ فریق مغلوب کے دوسرے عذرات خود بخود رد ہو جاتے ہیں۔ سو طالب حق کے لئے نہایت ضروری یہی مسئلہ ہے جس پر اُسے پوری توجہ کے ساتھ غور کرنا لازم ہے۔

اس جگہ افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ قرآن شریف نے صریح لفظوں میں حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کی وفات کا بیان فرمایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح لفظوں میں حضرت عیسیٰ کا ان ارواح میں داخل ہونا بیان فرمادیا ہے جو اس دنیا سے گذر چکی ہیں۔ اور اصحاب رضی اللہ عنہم نے کھلے کھلے اجماع کے ساتھ اس فیصلہ پر اتفاق کرلیا ہے کہ تمام نبی فوت ہو چکے ہیں☆۔ پھر بھی ہمارے مخالف بار بار حضرت عیسیٰ کی حیات کو پیش کرتے ہیں۔ قرآن شریف

﴿۲۰۳﴾

☆ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ کی وفات سے سخت صدمہ گذرا تھا اور اسی صدمہ کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے بعض منافقوں کے کلمات سن کر فرمایا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ دنیا میں آئیں گے اور منافقوں کے ناک اور کان کاٹیں گے۔ پس چونکہ یہ خیال غلط تھا اس لئے اول حضرت ابو بکر صدیق حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر آئے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ پر سے چادر اٹھا کر پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔ اور کہا۔ اَنْتَ طَیِّبٌ حَیًّا و مَیِّتًا لَنْ یَّجْمَعَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْمَوْتَیْنِ اِلَّا مَوْتَتَکَ الْاُوْلٰی۔ یعنی تو زندہ اور میّت ہونے کی حالت میں پاک ہے خدا تعالیٰ ہرگز تیرے پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا مگر پہلی موت۔ اس قول سے مطلب یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں واپس نہیں آئیں گے اور پھر تمام اصحاب رضی اللّٰہ عنہم کو مسجد نبوی میں جمع کیا۔ اور حسن اتفاق سے اس دن تمام صحابہؓ جو زندہ تھے مدینہ میں موجود تھے پس سب کو جمع کر کے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے منبر پر چڑھ کر یہ آیت پڑھی۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ[1] یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف نبی ہیں اور پہلے اس سے سب نبی فوت ہو چکے ہیں۔ پس کیا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں

﴿۲۰۴﴾

[1] آل عمران: ۱۴۵

کو چھوڑتے ہیں۔ حدیث کو چھوڑتے ہیں صحابہ کے اجماع کو چھوڑتے ہیں اور اپنے باپ دادوں کی غلطی کو مضبوط پکڑتے ہیں۔ اور ایک ذرّہ اُن کے پاس اِس بات کا ثبوت نہیں کہ حضرت عیسیٰ فوت نہیں ہوئے۔ اور آخری زمانہ میں دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ صرف وہ حسد ان کو مخالفت پر آمادہ کر رہا ہے کہ جو ہمیشہ بوجہ معاصرت خود پسند لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ اگر بفرض محال یہ امر بھی درمیان ہوتا جو میرے دلائل کے مقابل پر حضرت عیسیٰ کی حیات پر ان کے پاس قرآن شریف یا حدیث کی رو سے کچھ دلائل ہوتے تب بھی تقویٰ کا تقاضا یہ ہونا چاہیئے تھا کہ

﴿۲۰۴﴾

بقیہ حاشیہ

یا قتل کئے جائیں تو تم لوگ دین کو چھوڑ دو گے؟ یہ پہلا اجماع تھا جو صحابہ رضی اللّٰہ عنھم میں ہوا۔ جس سے ثابت ہوا کہ کل نبی فوت ہو چکے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ بھی داخل ہیں۔ اور یہ کہنا کہ خَلَتْ کے معنوں میں زندہ آسمان پر جانا بھی داخل ہے یہ سراسر ہٹ دھرمی ہے۔ کیونکہ عرب کی تمام لُغت دیکھنے سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ زندہ آسمان پر جانے کے لئے بھی خلت کا لفظ آ سکتا ہے۔ ماسوا اِس کے اس جگہ اللہ تعالیٰ نے خلت کے معنے دوسرے فقرہ میں خود بیان فرما دیئے ہیں۔ کیونکہ فرمایا۔ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ۔ پس خلت کے معنے دو صورتوں میں محدود کر دیئے۔ ایک یہ کہ طبعی موت سے مرنا دوسرے قتل کئے جانا۔ ورنہ تشریح یوں ہونی چاہیئے تھی۔ اَفَاِن مَّات او قتل او رفع الی السّماء مع جسمہ العنصری۔ یعنی اگر مر جائے یا قتل کیا جائے یا مع جسم آسمان پر اٹھا دیا جائے۔ یہ تو بلاغت کے برخلاف ہے کہ جس قدر معنوں پر خلت کا لفظ بقول مخالفین مشتمل تھا۔ ان میں سے صرف دو معنے لئے اور تیسرے کا ذکر تک نہ کیا۔ ماسوا اس کے اصل مطلب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ تھا کہ دوسری مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں نہیں آئیں گے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر بوسہ دینے کے وقت حضرت ابوبکر نے اس کی تصریح بھی کر دی تھی تو بہر حال مخالف کو ماننا پڑے گا کہ کسی طرح حضرت عیسیٰ دنیا میں نہیں آ سکتے گو بفرض محال زندہ ہوں۔ ورنہ غرض استدلال باطل ہو جائے گی۔ اور یہ صحابہ کا اجماع وہ چیز ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ منہ

وہ لوگ ایسے شخص کے مقابل پر جو عین ضرورت کے زمانہ میں اور عین صدی کے سر پر آیا ہے اور قوی نشانوں سے اپنا دعویٰ ثابت کرتا ہے کچھ حیا اور شرم کرتے کیونکہ خدا تعالیٰ نے ان کا نام تو حَکَم نہیں رکھا تا مسیح موعود کے مقابل پر اپنی بات کو اور اپنے قول کو وہ ترجیح دیں۔ **بلکہ مسیح موعود کا نام حَکَم** رکھا ہے۔ پس شرط تقویٰ یہ تھی کہ اگر کچھ دلائل ظنّیہ اُن کے ہاتھ ہوتے بھی تب بھی ایسے شخص کے مقابل پر جو دلائل شرعیہ یقینیہ پیش کرتا ہے اور آسمانی نشان دکھلاتا ہے اپنے دلائل کو چھوڑ دیتے۔ مگر افسوس کہ وہ لوگ یہودیوں کے قدم پر قدم رکھتے ہیں اور محض جھوٹ کی حمایت کرتے ہیں۔ **میں تو خدا تعالیٰ کی طرف سے حَکَم ہو کر آیا ہوں مگر وہ میرے پر حَکَم بننا چاہتے ہیں۔**

﴿۲۰۵﴾ اب ہم اس بات کے لکھنے کے لئے متوجہ ہوتے ہیں کہ فی الواقع حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں اور ان کی حیات کا عقیدہ قرآن شریف اور احادیث صحیحہ کے مخالف ہے۔

سو یاد رہے کہ قرآن شریف صاف لفظوں میں بلند آواز سے فرما رہا ہے کہ عیسیٰ اپنی طبعی موت سے فوت ہو گیا ہے۔ جیسا کہ ایک جگہ تو اللہ تعالیٰ وعدہ کے طور پر یہ فرماتا ہے یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ [1] اور دوسری آیت میں اس وعدے کے پورا ہونے کی طرف اشارہ فرماتا ہے۔ جیسا کہ اس کا یہ قول ہے وَمَا قَتَلُوۡہُ یَقِیۡنًۢا بَلۡ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیۡہِ [2] ۔ پہلی آیت کے یہ معنے ہیں کہ اے عیسیٰ! میں تجھے طبعی موت دوں گا۔☆ یعنی قتل اور صلیب

☆ **حاشیہ** معلوم رہے کہ زبان عرب میں لفظ توفّی صِرف موت دینے کو نہیں کہتے بلکہ طبعی موت دینے کو کہتے ہیں جو بذریعہ قتل وصلیب یا دیگر خارجی عوارض سے نہ ہو۔ اسی لئے صاحبِ کشّاف نے جو علّامہ لسانِ عرب ہے اس مقام میں تفسیر اِنّی متوفّیک میں لکھا ہے کہ اِنِّیۡ مُمِیۡتُکَ حَتۡفَ اَنۡفِکَ یعنی میں تجھے طبعی موت دوں گا۔ اسی بناء پر لسان العرب اور تاج العروس میں لکھا ہے۔ توفّی المیّت استیفاء مُدّته التی وفیت له و عدّد ایّامه و شهوره و اَعوامه فی الدنیا۔ یعنی مرنے والے کی توفی سے مراد یہ ہے کہ اس کی طبعی زندگی کے تمام دن اور مہینے اور برس پورے کئے جائیں اور یہ صورت اُسی حالت میں ہوتی ہے جب طبعی موت ہو بذریعہ قتل نہ ہو۔ منه

[1] آل عمران: ۵۶ [2] النساء: ۱۵۸، ۱۵۹

کے ذریعہ سے تُو ہلاک نہیں کیا جائے گا اور میں تجھے اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ پس یہ آیت تو بطور ایک وعدہ کے تھی۔ اور دوسری آیت ممدوحہ بالا میں اس وعدہ کے ایفاء کی طرف اشارہ ہے جس کا ترجمہ مع تشریح یہ ہے کہ یہود خود یقیناً اعتقاد نہیں رکھتے کہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل کیا ہے اور جب قتل ثابت نہیں تو پھر موت طبعی ثابت ہے جو ہر ایک انسان کے لئے ضروری ہے۔ پس اس صورت میں جس امر کو یہودیوں نے اپنے خیال میں حضرت عیسیٰ کے رَفع اِلی اللّٰہ کے لئے مانع ٹھہرایا تھا یعنی قتل اور صلیب وہ مانع باطل ہوا اور خدا نے اپنے وعدہ کے موافق ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔

﴿۲۰۶﴾ اور اس جگہ اس بات پر ضد کرنا بے فائدہ ہے کہ توفّی کے معنے مارنا نہیں☆۔ کیونکہ اس بات پر تمام ائمہ لغتِ عرب اتفاق رکھتے ہیں کہ جب ایک عَلَم پر یعنی کسی شخص کا نام لے کر توفّی کا لفظ اُس پر استعمال کیا جائے مثلاً کہا جائے توفّی اللّٰہ زیدًا تو اس کے یہی معنے ہونگے کہ خدا نے زید کو مار دیا۔ اسی وجہ سے ائمہ لغت ایسے موقع پر دوسرے معنے لکھتے ہی نہیں۔ صرف وفات دینا لکھتے ہیں۔ چنانچہ لسان العرب میں ہمارے بیان کے مطابق یہ فقرہ ہے توفّی فلان و توفّٰہ اللّٰہ اذا قبض نفسہ و فی الصّحاح اذا قبض روحہ۔ یعنی جب یہ بولا جائے گا کہ توفّی فلان یا یہ کہا جائے گا توفّٰہ اللّٰہ تو اس کے صرف یہی معنے ہونگے کہ فلاں شخص مر گیا اور

☆ صحیح بخاری میں بھی جو بعد کتاب اللہ اصحّ الکتب کہلاتی ہے توفّی کے معنے مارنا ہی لکھا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس سے آیت یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کی نسبت یہ روایت لکھی ہے کہ اِنّی مُمِیْتُک۔ اور امام بخاری نے بھی اپنا یہی مذہب ظاہر کیا ہے۔ کیونکہ وہ اس کی تائید کے لئے ایک اور حدیث لایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جیسا کہ عیسیٰ قیامت کو کہے گا کہ جو لوگ میری اُمّت میں سے بگڑ گئے ہیں وہ میری موت کے بعد بگڑے ہیں مَیں بھی یہی کہوں گا کہ جو لوگ میری اُمّت میں سے بگڑے ہیں وہ میری موت کے بعد بگڑے ہیں۔ پس ایسی صورت میں جو توفی کے لفظ کا فاعل خدا اور کوئی نام لے کر مفعول بہٖ ہو ضرور مارنا ہی معنے ہوتے ہیں جس سے انکار کی کوئی صورت نہیں۔ منہ

خدا نے اُس کو مار دیا۔ اِس مقام میں تاج العروس میں یہ فقرہ لکھا ہے۔ تُوُفِّیَ فَلانٌ اذا مات یعنی تُوُفِّیَ فَلانٌ اس شخص کی نسبت کہا جائے گا۔ جب وہ مرجائے گا۔ دوسرا فقرہ تاج العروس میں یہ لکھا ہے تَوَفَّاهُ اللّٰه عَزَّ وَجَلَّ :اِذَا قَبَضَ نَفْسَهٗ یعنی یہ فقرہ کہ تَوَفَّاهُ اللّٰه عَزَّ وَجَلَّ اس مقام میں بولا جائے گا۔ جب خدا کسی کی روح قبض کرے گا۔ اور صحاح میں لکھا ہے تَوَفَّهُ اللّٰهُ قَبَضَ رُوحَه یعنی اس فقرہ تَوَفَّهُ اللّٰه کے یہ معنے ہیں کہ فلاں شخص کی روح کو خدا تعالیٰ نے قبض کر لیا ہے۔ اور میں نے جہاں تک ممکن تھا صحاح ستّہ اور دوسری احادیث نبویہ پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام اور صحابہؓ کے کلام اور تابعین کے کلام اور تبع تابعین کے کلام میں کوئی ایک نظیر بھی ایسی نہیں پائی جاتی جس سے یہ ثابت ہو کہ کسی عَلَم پر توفّی کا لفظ آیا ہو یعنی کسی شخص کا نام لے کر توفّی کا لفظ اس کی نسبت استعمال کیا گیا ہو اور خدا فاعل اور وہ شخص مفعول بہٖ ٹھہرایا گیا ہو اور ایسی صورت میں اس فقرہ کے معنے بجز وفات دینے کے کوئی اور کئے گئے ہوں بلکہ ہر ایک مقام میں جب نام لے کر کسی شخص کی نسبت توفّی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور اس جگہ خدا فاعل اور وہ شخص مفعول بہٖ ہے جس کا نام لیا گیا ہے تو اس سے یہی معنے مراد لئے گئے ہیں کہ وہ فوت ہو گیا ہے ۔ چنانچہ ایسی نظیریں مجھے تین ۳۰۰ سو سے بھی زیادہ احادیث میں ملیں۔ جن سے ثابت ہوا کہ جہاں کہیں توفّی کے لفظ کا خدا فاعل ہو اور وہ شخص مفعول بہٖ ہو جس کا نام لیا گیا ہے تو اس جگہ صرف مار دینے کے معنے ہیں نہ اور کچھ۔ مگر باوجود تمام تر تلاش کے ایک بھی ایسی حدیث مجھے نہ ملی جس میں توفّی کے فعل کا خدا فاعل ہو اور مفعول بہٖ عَلَم ہو یعنی نام لے کر کسی شخص کو مفعول بہٖ ٹھہرایا گیا ہو اور اس جگہ بجز مارنے کے کوئی اور معنے ہوں۔

﴿۲۰۷﴾

اسی طرح جب قرآن شریف پر اول سے آخر تک نظر ڈالی گئی تو اس سے بھی یہی ثابت ہوا جیسا کہ آیت تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ [1] اور آیت وَاِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ [2] وغیرہ آیات سے ثابت ہے اور پھر مَیں نے

[1] یوسف: ۱۰۲ [2] یونس: ۴۷

عرب کے دیوانوں کی محض اِسی غرض سے سیر کی اور جاہلیت اور اسلامی زمانہ کے اشعار بڑے غور سے دیکھے اور بہت سا وقت ان کے دیکھنے میں خرچ ہوا مگر میں نے ان میں بھی ایک نظیر ایسی نہ پائی کہ جب خدا توفّی کے لفظ کا فاعل ہو اور ایک عَلَم مفعول بہٖ ہو یعنی کوئی شخص اس کا نام لیکر مفعول بہ ٹھہرایا گیا ہو تو ایسی صورت میں بجز مار دینے کے کوئی اور معنے ہوں بعد اس کے میں نے اکثر عرب کے اہل علم اور اہل فضل وکمال سے دریافت کیا تو ان کی زبانی بھی یہی معلوم ہوا کہ آج کے دنوں تک تمام عرب کی سرزمین میں یہی محاورہ جاری وساری ہے کہ جب ایک شخص دوسرے شخص کی نسبت بیان کرتا ہے کہ توفّی اللّٰہ فلانا تو اس کے معنے قطعی اور یقینی طور پر یہی سمجھے جاتے ہیں کہ فلاں شخص کو خدا تعالیٰ نے مار دیا۔ اور جب ایک عرب کو دوسرے عرب کی طرف سے خط آتا ہے اور اس میں مثلاً یہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ توفّی اللّٰہ زیدًا تو اس کا یہی مطلب سمجھا جاتا ہے کہ خدا نے زید کو مار دیا۔ پس اس قدر تحقیق کے بعد جو حق الیقین تک پہنچ گئی ہے یہ امر فیصلہ ہو گیا ہے اور امور مشہودہ محسوسہ کے درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ ایک شخص جس کی نسبت اس طور سے لفظ توفّی استعمال کیا جائے۔ اس کے یہی معنے ہوں گے کہ وہ شخص وفات پا گیا ہے نہ اور کچھ اور چونکہ اسی طور سے لفظ توفی قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت دو۲ مقام میں استعمال پایا ہے۔ پس قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہوا کہ درحقیقت حضرت عیسیٰ وفات پا چکے ہیں اور ان کا رفع وہی ہے جو روحانی رفع ہوتا ہے۔ اور ان کی وفات بذریعہ قتل اور صلیب کے نہیں ہوئی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں خبر دی ہے۔ بلکہ وہ اپنی طبعی موت سے وفات پا گئے ہیں۔ ﴿۲۰۸﴾

اور لسان العرب اور دیگر کتبِ لُغت سے ظاہر ہے کہ اصل معنی توفی کے یہی ہیں کہ طبعی موت سے کسی کو مارا جائے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ زبانِ عرب کا ایک

بے مثل امام جس کے مقابل پر کسی کو چون و چرا کی گنجائش نہیں یعنی علامہ زمخشری☆ آیت اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ کے یہی معنے کرتا ہے کہ اِنّی مُمِیتک حَتف اَنفک۔ یعنی اے عیسیٰ! مَیں تجھے طبعی موت ماروں گا۔ حتف لغت عرب میں موت کو کہتے ہیں اور انف کہتے ہیں ناک کو۔ اور عربوں میں قدیم سے یہ عقیدہ چلا آتا ہے کہ انسان کی جان ناک کی راہ سے نکلتی ہے۔ اس لئے طبعی موت کا نام انہوں نے حتف انف رکھ دیا۔ اور عربی زبان میں توفّی کے لفظ کا اصل استعمال طبعی موت کے محل پر ہوتا ہے اور جہاں کوئی شخص قتل کے ذریعہ سے ہلاک ہو وہاں قتل کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور یہ ایسا محاورہ ہے کہ جو کسی عربی دان پر پوشیدہ نہیں۔ ہاں یہ عرب کے لوگوں کا قاعدہ ہے کہ کبھی ایسے لفظ کو کہ جو اپنی اصل وضع میں استعمال اس کی کسی خاص محل کے لئے ہوتا ہے ایک قرینہ قائم کر کے کسی غیر محل پر بھی مستعمل کر دیتے ہیں یعنی استعمال اس کا وسیع کر دیتے ہیں۔ اور جب ایسا قرینہ موجود نہ ہو تو پھر ضروری ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں وہ لفظ اپنی اصل وضع پر استعمال پاوے۔ سو اس جگہ جو علامہ امام زمخشری نے زیر آیت اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ یہ لکھا ہے کہ اِنّی متوفیک[1] حتف انفک یعنی اے عیسیٰ میں تجھے تیری طبعی موت سے ماروں گا۔ ان معنوں کے کرنے میں علامہ موصوف نے صرف لفظ توفی کی اصل وضع استعمال پر نظر نہیں رکھی بلکہ مقابل پر اس آیت کو دیکھ کر کہ ماقتلوہ یقینا اور اس آیت کو دیکھ کر کہ ما قتلوہ و ماصلبوہ اس بات پر قرینہ قویہ پایا کہ اس جگہ لفظ متوفیک

﴿۲۰۹﴾

☆ حاشیہ۔ واضح رہے کہ اس جگہ جو ہم نے زمخشری کو علامہ اور امام کے نام سے یاد کیا ہے وہ محض باعتبار تبحر فن لُغت کے ہے کیونکہ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ شخص زبان عرب کی لُغات اور ان کے استعمال کے محل اور مقام اور ان کے الفاظ فصیح اور غیر فصیح اور لُغت جیّد اور لُغت ردّی اور مترادف الفاظ کے فروق اور خصوصیتیں اور اُن کی ترکیبات اور اُنکے الفاظِ قدیم اور مستحدث اور قواعدِ لطیفہ صرف ونحو و بلاغت سے خوب ماہر اور ان سب باتوں میں امام اور علّامۂ وقت تھا نہ کہ اور کسی بات میں۔ منه

[1] سہو کتابت ہے۔ درست ممیتک ہے جیسا کہ اسی صفحہ کی دوسری سطر میں تحریر ہے۔ (ناشر)

کا استعمال اپنی اصل وضع پر ضروری اور واجب ہے۔ یعنی اس جگہ اس کے یہ معنے ہیں کہ اے عیسیٰ میں تجھے تیری طبعی موت سے ماروں گا۔ اسی وجہ سے اس نے آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کی یہ تفسیر کی کہ اِنّــی مُـمِیتک حتف انـفـک یعنی میں تجھے طبعی موت سے ماروں گا☆۔ پس امام زمخشری کی نظر عمیق نہایت قابل تعریف ہے کہ انہوں نے لفظ توفّی کے صِرف اصل وضعِ استعمال پر حَصر نہیں رکھا بلکہ بالمقابل قرآن شریف کی ان آیتوں پر نظر ڈال کر کہ عیسیٰ قتل نہیں کیا گیا اور نہ صلیب دیا گیا اصل وضع لفظ کے مطابق مُتــوفّیک کی تفسیر کر دی۔ اور ایسی تفسیر بجز ماہر فَن علم لُغت کے ہر ایک نہیں کر سکتا۔ یاد رہے کہ علاّمہ امام زمخشری لسان العرب کا مسلّم عالم ہے اور اس فن میں اسکے آگے تمام مابعد آنے والوں کا سرِ تسلیم خم ہے۔ اور کتبِ لُغت کے لکھنے والے اس کے قول کو سند میں لاتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب تاج العروس بھی جا بجا اس کے قول کی سند پیش کرتا ہے۔

اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ جب کہ آیت مَاقَتَلُوْہُ یَقِیْنًا[1] اور آیت وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ[2] صرف توفّی کے لفظ کی توضیح کے لئے بیان فرمائی گئی ہے کوئی نیا مضمون نہیں ہے بلکہ صرف یہ تشریح مطلوب ہے کہ جیسا کہ لفظ مُتَوَفِّیْکَ میں یہ وعدہ تھا کہ عیسیٰ کو اس کی طبعی موت سے مارا جائے گا۔ ایسا ہی وہ طبعی موت سے مر گیا۔ نہ کسی نے قتل کیا اور نہ کسی نے صلیب دیا۔ پس یہ خیال بھی جو یہود کے دل میں پیدا ہوا تھا جو عیسیٰ نعوذ باللہ لعنتی ہے اور اس کا روحانی رفع نہیں ہوا ساتھ ہی باطل ہو گیا۔ کیونکہ اس خیال کی تمام بِنَا صرف قتل اور صلیب پر تھی اور اسی سے یہ نتیجہ نکالا گیا تھا کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ ملعون اور راندہ درگاہِ الٰہی ہیں ﴿۲۱۰﴾

☆ چونکہ یہودیوں کے عقیدہ کے موافق کسی نبی کا رفع روحانی طبعی موت پر موقوف ہے اور قتل اور صلیب رفع روحانی کا مانع ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے اوّل یہود کے ردّ کے لئے یہ ذکر فرمایا کہ عیسیٰ کے لئے طبعی موت ہو گی اور پھر چونکہ رفع روحانی طبعی موت کا ایک نتیجہ ہے اس لئے لفظ متــوفّیک کے بعد رافعک الیّ لکھ دیا۔ تا یہودیوں کے خیالات کا پورا ردّ ہو جائے۔ منہ

[1]، [2] النساء: ۱۵۸

جن کا خدا تعالیٰ کی طرف رفع نہیں ہوا۔ پس چونکہ **متوفیک** کے لفظ کے ساتھ خدا تعالیٰ نے یہ شہادت دی کہ عیسیٰ اپنی طبعی موت سے مرا ہے اور پھر خدا نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ **متوفّیک** کے لفظ کا جو اصل منشاء تھا یعنی طبعی موت سے مرنا اس منشاء کی آیت **ماقتلوہ و ما صلبوہ** اور آیت **وما قتلوہ یقینًا** کے ساتھ پورے طور پر تشریح کر دی۔ کیونکہ جس شخص کی موت قتل وغیرہ خارجی ذریعوں سے نہیں ہوئی اس کی نسبت یہی سمجھا جائے گا کہ وہ طبعی موت سے مرا ہے۔ پس اس میں کچھ شک نہیں کہ فقرہ **وما قتلوہ وما صلبوہ، متوفّیک** کے لفظ کے لئے بطور تشریح واقع ہوا ہے۔ اور جب قتل اور صلیب کی نفی ثابت ہوئی تو بموجب اس قول کے کہ **اذا فات الشرط فات المشروط، رفع الی اللّٰہ** حضرت عیسیٰ کا ثابت ہو گیا اور یہی مطلوب تھا۔

اور پھر ہم اپنی پہلی کلام کی طرف عود کر کے کہتے ہیں کہ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ جس جگہ کسی کلام میں **توفّی** کے لفظ میں خدا تعالیٰ فاعل ہو اور کوئی شخص نام لے کر اس فاعل کا **مفعول بہٖ** قرار دیا جائے ایسے فقرہ کے ہمیشہ یہ معنے ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اس شخص کو مار دیا ہے یا مارے گا کوئی اور معنے ہرگز نہیں ہوتے۔ اور میں نے مدت ہوئی کہ اسی ثابت شدہ امر پر ایک اشتہار دیا تھا کہ جو شخص اس کے برخلاف کسی حدیث یا دیوان مستند عرب سے کوئی ایسا فقرہ پیش کرے گا جس میں باوجود اس کے کہ **توفّی** کے لفظ کا خدا فاعل ہو اور کوئی **عَلَم مفعول بہٖ** ہو یعنی کوئی ایسا شخص مفعول بہٖ ہو جس کا نام لیا گیا ہو۔ مگر باوجود اس امر کے اس جگہ وفات دینے کے معنے نہ ہوں تو اس قدر اس کو انعام دوں گا۔ اس اشتہار کا آج تک کسی نے جواب نہیں دیا۔ اب پھر اتمام حجت کے لئے دو ~~سَو~~ روپیہ نقد کا اشتہار دیتا ہوں کہ اگر کوئی ہمارا مخالف ہمارے اس بیان کو یقینی اور قطعی نہیں سمجھتا تو وہ احادیث صحیحہ نبویہ یا قدیم شاعروں کے اقوال میں سے جو مستند ہوں اور جو عرب کے اہل زبان اور اپنے فن میں مسلّم ہوں۔ کوئی ایک فقرہ پیش کرے جس میں **توفّی** کے لفظ کا خدا فاعل ہو اور مفعول بہٖ کوئی **عَلَم** ہو جیسے زید اور بکر اور خالد وغیرہ اور اس فقرہ کے معنے بداہت کوئی اور ہوں وفات دینے کے معنی نہ ہوں تو ایسی صورت میں **مَیں ایسے شخص کو**

﴿۲۱۱﴾

مبلغ دوسَو روپیہ نقد دوں گا۔ ایسے شخص کو صرف یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ حدیث جس کو وہ پیش کرتا ہے وہ حدیث صحیح نبوی ہے یا گذشتہ عرب کے شاعروں میں سے کسی ایسے شاعر کا قول ہے جو علم محاوراتِ عرب میں مسلّم الکمال ہے اور یہ ثبوت دینا بھی ضروری ہوگا کہ قطعی طور پر اس حدیث یا اس شعر سے ہمارے دعویٰ کے مخالف معنے نکلتے ہیں اور اِن معنوں سے جو ہم لیتے ہیں وہ مضمون فاسد ہوتا ہے۔ یعنی وہ حدیث یا وہ شعر ان معنوں پر قطعیۃ الدلالت ہے۔ کیونکہ اگر اُس حدیث یا اُس شعر میں ہمارے معنوں کا بھی احتمال ہے تو ایسی حدیث یا ایسا شعر ہرگز پیش کرنے کے لائق نہ ہوگا۔ کیونکہ کسی فقرہ کو بطور نظیر پیش کرنے کے لئے اُس مخالف مضمون کا قطعیۃ الدلالت ہونا شرط ہے۔ وجہ یہ کہ جس حالت میں صدہا نظائر قطعیۃ الدلالت سے ثابت ہو چکا ہے کہ **توفّی** کا لفظ اس صورت میں کہ خدا تعالیٰ اس کا فاعل اور کوئی **عَلَم** یعنی کوئی نام لے کر انسان اس کا **مفعول بہٖ** ہو بجز وفات دینے اس مفعول بہ کے کسی دوسرے معنوں پر آ ہی نہیں سکتا تو پھر ان نظائر متواترہ کثیرہ کے برخلاف جو شخص دعویٰ کرتا ہے۔ یہ بار ثبوت اس کی گردن پر ہے کہ وہ ایسی کوئی صریح نظیر جو قطعیۃ الدلالت ہو برخلاف ہمارے دعویٰ کے پیش کرے۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ۔[1]

پھر دوسری پختہ اور قطعی دلیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے **بل رفعه الله اليه** ۔ کیونکہ قرآن شریف اور احادیث کی تتبع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ **رفع الی الله** جو **رفعه الله اليه** کے فقرہ سے ظاہر ہے بجز موت کی حالت کے کسی حالت کی نسبت بولا نہیں جاتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔[2] یعنی اے نفسِ مطمئنہ جو خدا سے آرام یافتہ ہے اپنے خدا کی طرف واپس چلا آ اس حالت میں کہ خدا تجھ سے راضی اور تو خدا سے راضی اور میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میرے بہشت میں داخل ہو جا۔ ﴿۲۱۲﴾

اب ظاہر ہے کہ یہ مقولہ **الله جلّ شانه** کا کہ خدا کی طرف واپس چلا آ کوئی اہل اسلام میں سے اس کے

[1] البقرۃ: ۲۵ [2] الفجر: ۲۸ تا ۳۱

یہ معنے نہیں کرتا کہ زندہ مع جسم عنصری آسمان پر جا بیٹھ۔ بلکہ آیت اِرْجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ کے معنے موت ہی لئے جاتے ہیں۔ پس جب خدا تعالیٰ کی طرف واپس جانا بموجب نص صریح قرآن شریف کے موت ہے تو پھر خدا کی طرف اٹھائے جانا جیسا کہ آیت **بل رفعه الله اليه** سے ظاہر ہوتا ہے کیوں موت نہیں☆ یہ تو انصاف اور عقل اور تقویٰ کے برخلاف ہے کہ جو معنے نصوص قرآنیہ سے ثابت اور متحقق ہوتے ہیں اُن کو ترک کیا جائے۔ اور جن معنوں اور جس محاورہ کی اپنے پاس کوئی بھی دلیل نہیں اس پہلو کو اختیار کیا جائے۔ کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ **رفع الی اللّٰہ** کے زبان عرب اور محاورۂ عرب میں بجز وفات دیئے جانے کے کوئی اور بھی معنے ہیں؟ ہاں اس وفات سے ایسی وفات

☆ ایسا ہی بہت سی اور آیتیں قرآن شریف کی ہیں جن سے بداہت یہی معلوم ہوتا ہے کہ **رفع الی اللّٰہ** اور **رجوع الی اللّٰہ** کے الفاظ ہمیشہ فوت ہی کے لئے آیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ قُلۡ یَتَوَفّٰىکُمۡ مَّلَکُ الۡمَوۡتِ الَّذِیۡ وُکِّلَ بِکُمۡ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمۡ تُرۡجَعُوۡنَ۔[1] یعنی وہ فرشتہ تمہیں وفات دیگا جو تم پر مؤکّل ہے اور پھر تم اپنے رب کی طرف واپس کئے جاؤ گے۔ اور جیسا کہ ایک دوسری جگہ فرقان حمید میں فرماتا ہے کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ ثُمَّ اِلَیۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ[2] یعنی ہر نفس موت کا مزا چکھے گا اور پھر ہماری طرف واپس کئے جاؤ گے۔ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَرَفَعۡنٰہُ مَکَانًا عَلِیًّا۔[3] یعنی ہم نے اس کو یعنی اس نبی کو عالی مرتبہ کی جگہ اٹھالیا۔ اس آیت کی تشریح یہ ہے کہ جو لوگ بعد موت خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائے جاتے ہیں ان کے لئے کئی مراتب ہوتے ہیں سو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس نبی کو بعد اٹھانے کے یعنی وفات دینے کے اس جگہ عالی مرتبہ دیا۔ نواب صدیق حسن خاں اپنی تفسیر فتح البیان میں لکھتے ہیں کہ اس جگہ **رفع** سے مراد رفع روحانی ہے جو موت کے بعد ہوتا ہے۔ ورنہ یہ محذور لازم آتا ہے کہ وہ نبی مرنے کے لئے زمین پر آوے۔ افسوس ان لوگوں کو آیت **اِنّی متوفّیک و رافعک الیّ** میں یہ معنے بھول جاتے ہیں حالانکہ اس آیت میں پہلے **مُتوفّیک** کا لفظ موجود ہے اور بعد میں **رافعک**۔ پس صرف لفظ **رافعک** میں معنے موت لے سکتے ہیں تو **متوفّیک** اور **رافعک** کے معنے کیوں موت نہیں ہیں؟ **منه**

﴿۲۱۳﴾

[1] السّجدة:۱۲ [2] العنکبوت:۵۸ [3] مریم:۵۸

مراد ہے جس کے بعد روح خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائی جاتی ہے۔ جیسے مومنوں کی وفات ہوتی ہے۔ یہی محاورہ خدا تعالیٰ کی پہلی کتابوں میں موجود ہے۔

اور آیت ممدوحہ بالا میں جو فرمایا ہے **فادخلی فی عبادی** جس کے معنے پہلے فقرہ کے ساتھ ملانے سے یہ ہیں کہ خدا کی طرف واپس آجا اور پھر خدا کے بندوں میں داخل ہوجا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی شخص گذشتہ ارواح میں داخل نہیں ہوسکتا جب تک وفات نہ پالے۔ پس جب کہ بموجب نصِ قرآن شریف کے گذشتہ ارواح میں داخل ہونا بجز مرنے کے ممتنع اور محال ہے تو پھر کیونکر حضرت عیسیٰ بغیر فوت ہونے کے حضرت یحییٰ کے پاس دوسرے آسمان میں جا بیٹھے۔

اس جگہ یہ نکتہ بھی یاد رہے کہ آیت ممدوحہ بالا میں خدا تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے **وادخلی جنتی** جس کے معنے اس فقرہ کو تمام آیت کے ساتھ ملانے سے یہ ہوتے ہیں کہ ”اے نفس آرام یافتہ اپنے خدا کی طرف واپس آجا تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی اور میرے بندوں میں داخل ہوجا اور میرے بہشت میں داخل ہوجا“ پس جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشاہدہ سے جو معراج کی رات میں آپ کو ہوا یہ ثابت ہے کہ قرآن شریف کی اس آیت کے مطابق نبیوں اور رسولوں کی روحیں جو دنیا سے گذر چکی ہیں وہ عالم ثانی میں ایک ایسی جماعت کی طرح ہیں جو بلا توقف پچھلی فوت ہونے والے پہلوں کے گروہ میں جا ملتی ہیں اور ان میں داخل ہوجاتی ہیں۔ جیسا کہ آیت **فادخلی فی عبادی** کا منشاء ہے۔ پھر آخری فقرہ ان آیات کا یعنی **وادخلی جنّتی** بھی یہی چاہتا ہے کہ وہ تمام عباد اللہ بلا توقف بہشت میں داخل ہوں اور جیسا کہ آیت **فی عبادی** کا مفہوم کوئی مترقب اَمر نہیں جو دُور دراز زمانہ کے بعد ظہور میں آوے بلکہ راستبازوں کے مرنے کے ساتھ ہی بلا توقف اُس کا ظہور ہوتا ہے یعنی ایک جماعت جو بعد میں مرتی ہے پہلوں میں بلا توقف جا ملتی ہے۔ پس اسی طرح لازم آتا ہے کہ دوسرا فقرہ آیت کا یعنی **وادخلی**

﴿۲۱۳﴾

جنّتی وہ بھی بلاتوقف ظہور میں آتا ہو۔ یعنی ہر ایک شخص جو طیّب اور طاہر مومنوں میں سے مرے وہ بھی بلاتوقف بہشت میں داخل ہوجائے۔ اور یہی بات حق ہے جیسا کہ قرآن شریف کے دوسرے مقامات☆ میں بھی اس کی تشریح ہے۔۞

☆ اس جگہ بظاہر یہ اعتراض لازم آتا ہے کہ جب کہ ہر ایک مومن طیّب اور طاہر جن کی گردن پر کوئی بوجھ گناہ اور معاصی کا نہیں بلاتوقف بہشت میں داخل ہوجاتے ہیں تو اِس صورت میں حشر اجساد اور اس کے تمام لوازم متعلقہ سے انکار لازم آتا ہے۔ کیونکہ جب کہ بہشت میں داخل ہو چکے تو پھر بموجب آیت وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ [1] اُن کا بہشت سے نکلنا ممتنع ہے۔ پس اس سے تمام کارخانہ حشر اجساد و واقعات معاد کا باطل ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا عقیدہ جو مومنین مطہّرین بلاتوقف بہشت میں داخل ہوجاتے ہیں یہ میری طرف سے نہیں بلکہ یہی عقیدہ ہے جس کی قرآن شریف نے تعلیم دی ہے۔ اور دوسری تعلیم جو قرآن شریف میں ہے جو حشر اجساد ہوگا اور مردے زندہ ہوں گے وہ بھی حق ہے اور ہم اس پر ایمان لاتے ہیں صرف فرق یہ ہے کہ یہ بہشت میں داخل ہونا صرف اجمالی رنگ میں ہے اور اس صورت میں جو مومنوں کو مرنے کے بعد بلاتوقف اجسام دیئے جاتے ہیں وہ اجسام ابھی ناقص ہیں مگر حشر اجساد کا دن تجلّیٔ اعظم کا دن ہے اور اُس دن کامل اجسام ملیں گے اور بہشتیوں کا تعلق کسی حالت میں بہشت سے الگ نہیں ہوگا۔ مِنْ وَجْہٍ وہ بہشت میں ہوں گے اور مِنْ وَجْہٍ خداتعالیٰ کے سامنے آئیں گے۔ کیا وہ شہداء جو سبز چڑیوں کی طرح بہشت میں پھل کھاتے ہیں کیا وہ چڑیاں بہشت سے باہر نکل کر خدا کے سامنے پیش نہیں ہوں گی؟ فتدبّر۔ **منه**

۞ جنت میں داخل ہونے کے لئے جسم ضروری ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ جسم عنصری ہو بلکہ ایسا جسم چاہیئے کہ جو عنصری نہ ہو۔ کیونکہ جنت کے پھل وغیرہ بھی عنصری نہیں بلکہ وہ خلق جدید ہے اس لئے جسم بھی خلق جدید ہوگا جو پہلے جسم کے مغائر ہوگا۔ مگر مومنوں کے لئے مرنے کے بعد جسم کا ملنا ضروری ہے اور اس پر نہ صرف جنّتی کا لفظ دلالت کرتا ہے بلکہ معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کی صرف روحیں نہیں دیکھیں بلکہ سب کے جسم دیکھے اور حضرت عیسیٰ کا جسم ان سے الگ طور کا نہ تھا۔ **منه**

[1] **الحجر**: ۴۹

﴿۲۱۴﴾ منجملہ ان کے ایک وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قِيۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّةَ [1] یعنی کہا گیا کہ تو بہشت میں داخل ہو جا۔ ایسا ہی اور بہت سے مقامات ہیں جن کا لکھنا موجب تطویل ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ارواح طیّبین مطہّرین کے بمجرد فوت ہونے کے بہشت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی بہت سی احادیث سے یہی مطلب ثابت ہوتا ہے اور ارواحِ شہداء کا بہشت کے میوے کھانا یہ تو ایسی مشہور حدیثیں ہیں کہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہیں اور خدا تعالیٰ بھی فرماتا ہے۔ [2] وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ یعنی جو لوگ خدا تعالیٰ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کی نسبت یہ گمان مت کرو کہ وہ مُردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں خدا تعالیٰ سے اُن کو رزق ملتا ہے۔ اور کتب سابقہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے پس جب کہ ارواح طیّبین مطہّرین کا بہشت میں داخل ہونا ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ بہشت وہ مقام ہے جس میں انواع اقسام کی جسمانی نعماء بھی ہوں گی اور طرح طرح کے میوے ہوں گے اور بہشت میں داخل ہونے کے یہی معنے ہیں کہ وہ نعمتیں کھاوے اس صورت میں صرف روح کا بہشت میں داخل ہونا بے معنے اور بے سود ہے۔ کیا وہ بہشت میں داخل ہو کر ایک محروم کی طرح بیٹھی رہے گی اور بہشت کی نعمتوں سے فائدہ نہیں اٹھائے گی؟ پس آیت وادخلی جنّتی صاف بتلا رہی ہے کہ مومن کو مرنے کے بعد ایک جسم ملتا ہے۔☆ اسی وجہ سے تمام

☆ واضح رہے کہ عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ یسوع مسیح یعنی عیسیٰ جسم عنصری کے ساتھ نہیں اٹھایا گیا بلکہ مرنے کے بعد اُس کو ایک جلالی جسم ملا تھا۔ سو افسوس بلکہ سخت افسوس کہ فیج اعوج کے مسلمان جو قرونِ ثلاثہ کے بعد پیدا ہوئے نہ تو وہ اس مسئلہ کے بارے میں صحابہ رضی اللّٰہ عنھم کا عقیدہ رکھتے ہیں کیونکہ تمام صحابہؓ کا اس بات پر اجماع ہو گیا تھا کہ تمام گذشتہ انبیاء فوت ہو چکے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ بھی داخل ہیں۔ اور نہ یہ لوگ اس مسئلہ میں یہودیوں کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں کیونکہ یہودی نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ کو لعنتی ٹھہرا کر صرف ان کے رفع روحانی کے منکر ہیں جو بعد موت

[1] یٰسٓ: ۲۷ [2] آل عمران: ۱۷۰

ائمہ اور اکابر متصوّفین اس بات کے قائل ہیں کہ مومن جو طیّب اور مطہّر ہوتے ہیں وہ بمجرد فوت ہونے کے ایک پاک اور نورانی جسم پاتے ہیں جس کے ذریعہ سے وہ نعماءِ جنت سے لذّت اٹھاتے ہیں۔ اور بہشت کو صرف شہیدوں کے لئے مخصوص کرنا ایک ظلم ہے بلکہ ایک کفر ہے کیا کوئی

بقیہ حاشیہ

مومن کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ کاٹھ پر لٹکائے جانے کا نتیجہ صرف رفع روحانی سے محروم رہنا اور لعنتی بننا ہے نہ اور کچھ۔ اور نہ یہ لوگ اس مسئلہ میں عیسائیوں کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں کیونکہ عیسائی حضرت عیسیٰ کے رفع جسم کے تو قائل ہیں مگر ان لوگوں کی طرح جسم عنصری کے رفع کے قائل نہیں بلکہ جلالی جسم کے رفع کے قائل ہیں جو بزعم ان کے بعد موت حضرت عیسیٰ کو ملا۔ سو ہم اس بات سے منکر نہیں ہو سکتے کہ بعد موت حضرت عیسیٰ کو جلالی جسم ملا ہو جو خاکی جسم نہیں ہے ﴿۲۱۵﴾ کیونکہ وہ ہر ایک مومن راستباز کو بعد موت ملتا ہے جیسا کہ آیت وَادخلی جنّتی اس پر شاہد ہے۔ کیونکہ مجرد روح بہشت میں داخل ہونے کے لائق نہیں۔ پس اس میں حضرت عیسیٰ کی کوئی خصوصیت نہیں۔ ہاں عیسائیوں کی یہ غلطی ہے کہ جو عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ جلالی جسم صلیبی موت کے بعد حضرت عیسیٰ کو ملا تھا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ صلیب پر ہرگز نہیں مرے ورنہ وہ نعوذ باللہ اپنے لئے یونس نبی کی مثال پیش کرنے میں دروغ گو ٹھہرتے ہیں اور نیز لعنت کے مفہوم کے مصداق بنتے ہیں۔ کیونکہ ملعون وہ ہوتا ہے جس کا دل شیطان کی طرح خدا سے برگشتہ ہو جائے اور وہ خدا کا دشمن اور خدا اس کا دشمن ہو جائے اور شیطان کی طرح راندہ درگاہ الٰہی ہو کر خدا کا سرکش ہو جائے تو کیا ہم یہ مفہوم حضرت عیسیٰؑ کی نسبت تجویز کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اور کیا کوئی عیسائی یہ گستاخی کر سکتا ہے کہ صلیب پانے کے بعد حضرت عیسیٰ خدا سے برگشتہ ہو گئے تھے اور شیطان سے تعلقات پیدا کر لئے تھے۔ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے لعنت کا یہی مفہوم قرار دیا ﴿۲۱۶﴾ گیا ہے جس پر تمام قوموں کو اتفاق ہے۔ مگر افسوس عیسائیوں نے کبھی اس مفہوم پر غور نہیں کی ورنہ ہزار بیزاری سے اس مذہب کو ترک کرتے۔ ماسوا اس کے جن واقعات کو انجیلوں نے پیش کیا ہے اُن سے ظاہر ہے کہ صلیب سے رہائی پانے کے بعد صرف خاکی جسم حضرت عیسیٰ کا مشاہدہ کیا گیا

سچا مومن یہ گستاخی کا کلمہ زبان پر لاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ابھی تک بہشت سے باہر ہیں جن کے روضہ کے نیچے بہشت ہے مگر وہ لوگ جنہوں نے آپ کے ذریعہ سے ایمان اور تقویٰ کا مرتبہ حاصل کیا وہ شہید ہونے کی وجہ سے بہشت میں داخل ہیں اور بہشتی میوے کھا رہے ہیں بلکہ حق یہ ہے کہ جس نے خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان کو وقف کر دیا وہ شہید ہو چکا۔ پس اس صورت میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اول الشہداء ہیں۔ سو جب کہ یہ بات ثابت ہے تو ہم بھی کہتے ہیں کہ مسیح بھی مع جسم آسمان پر اٹھایا گیا (مگر اُس جسم کے ساتھ جو اِس عنصری جسم سے الگ ہے*) اور پھر خدا تعالیٰ کے بندوں میں داخل ہوا اور بہشت میں داخل ہوا۔ اس صورت میں ہمارے اور ہمارے مخالفوں کی نزاع صرف لفظی نزاع نکلی۔ اب جب کہ اس صورت میں رفع مع جسم ثابت ہوا تو اس کے بعد کیا ضرورت اور حاجت ہے کہ ایک مسلّم سنت اللہ سے جو تمام انبیاء کی نسبت ایک پاک جسم عطا کرنے کی ہے مُنہ پھیر کر حضرت عیسیٰ کو مع خاکی جسم کے آسمان پر اٹھایا جائے اور اگر یہ اعتقاد ہو کہ ان کو بھی بعد موت ایک نورانی جسم ملا تھا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحیٰ علیہ السلام وغیرہ انبیاء کو جسم ملا تھا اور اُسی جسم کے ساتھ وہ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائے گئے تھے تو ہم کب اس سے انکار کرتے ہیں۔ اس قسم کے جسم کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام کا آسمان پر جانا ہمیں بدل و جان منظور ہے۔ ع چشم ما روشن و دلِ ما شاد۔

﴿۲۱۵﴾

اور اگرچہ آیات ممدوحہ بالا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر نصوصِ صریحہ قطعیہ ہیں مگر تاہم اگر قرآن شریف کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اور بھی بہت سی ایسی آیات ہیں

* حاشیہ: جیسا کہ جب دھوما حواری نے شک کیا کہ کیونکر عیسیٰ صلیب سے رہائی پا کر آ گیا تو حضرت عیسیٰ نے ثبوت دینے کے لئے اپنے زخم اس کو دکھلائے اور دھوما نے اُن زخموں میں انگلی ڈالی۔ پس کیا ممکن ہے کہ جلالی جسم میں بھی زخم موجود رہے اور کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جلالی جسم بھی ملا پھر بھی زخموں سے رہائی نہ ہوئی۔ بلکہ جلالی جسم وہ تھا جو کشمیر میں وفات پانے کے بعد ملا۔ منہ

جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ منجملہ ان کے یہ آیت ہے۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ[1]۔ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم محض ایک رسول ہیں اور ان سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ پس کیا اگر وہ فوت ہو گئے یا قتل کئے گئے تو تم دین اسلام کو چھوڑ دو گے۔ اور جیسا کہ ابھی میں بیان کر چکا ہوں یہ صحیح نہیں ہے کہ خلت کا لفظ اور تمام نبیوں کے لئے تو وفات دینے کے لئے آتا ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ان معنوں پر آتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو مع جسم عنصری آسمان پر اٹھا لیا۔ یہ دعویٰ سراسر بے دلیل ہے۔ اس پر کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی۔ بلکہ جہاں جہاں قرآن شریف میں خلت کا لفظ آیا ہے وفات کے معنوں پر ہی آیا ہے اور کوئی شخص قرآن شریف سے ایک بھی ایسی نظیر پیش نہیں کر سکتا کہ ان معنوں پر آیا ہو کہ کوئی شخص مع جسم عنصری آسمان پر اٹھایا گیا۔ ماسوا اس کے جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں خدا تعالیٰ نے انہیں آیات میں خلت کے لفظ کی خود تشریح فرما دی ہے اور خلت کے مفہوم کو صرف موت اور قتل میں محدود کر دیا ہے۔ یہی آیت شریفہ ہے جس کی رو سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع ہو گیا تھا کہ تمام نبی اور رسول فوت ہو چکے ہیں اور کوئی ان میں سے دنیا میں واپس آنے والا نہیں بلکہ اس اجماع کی اصل غرض یہی تھی کہ دنیا میں واپس آنا کسی کے لئے ممکن نہیں اور اس اجماع سے اس خیال کا ازالہ مطلوب تھا کہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں آیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر دنیا میں واپس آئیں گے اور منافقوں کے ناک اور کان کاٹیں گے۔ اِس صورت میں ظاہر ہے کہ اگر اسلام میں کسی نبی کا دنیا میں واپس آنا تسلیم کیا جاتا تو اس آیت کے پڑھنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خیال کا ازالہ غیر ممکن ہوتا اور ایسی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی کسرِ شان تھی۔ بلکہ ایسی صورت میں حضرت ابوبکر کا اس آیت کو پڑھنا ہی بے محل تھا۔ غرض یہ آیت بھی وہ عالی شان آیت ہے کہ جو

《۲۱۶》

[1] اٰل عمران: ۱۴۵

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا بلند آواز سے اعلان کرتی ہے۔ **فالحمد لله علٰی ذالک۔**

پھر ایک اور آیت ہے جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَأْكُلٰنِ الطَّعَامَ[1] الجزو نمبر ۶ غ یعنی عیسیٰ مسیح ایک رسول ہے۔ پہلے اُس سے سب رسول فوت ہو چکے ہیں اور ماں اس کی ایک عورت راستباز تھی اور دونوں جب زندہ تھے روٹی کھایا کرتے تھے۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی کا ابطال کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ پہلے اس سے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ اور پھر باوجود اس کے یہ خیال کہ مسیح زندہ آسمان پر بیٹھا ہے باطل ہے۔ پس کس طرح اس دلیل سے اس کی خدائی ثابت کی جاتی ہے کیونکہ یہ دلیل ہی فاسد ہے بلکہ حق یہ ہے کہ موت نے کسی کو نہیں چھوڑا سب مر گئے۔ دوسری دلیل اس کی عبودیت پر یہ ہے کہ اس کی ماں تھی جس سے وہ پیدا ہوا اور خدا کی کوئی ماں نہیں۔ تیسری دلیل اس کی عبودیت پر یہ ہے کہ جب وہ اور اس کی ماں زندہ تھے دونوں روٹی کھایا کرتے تھے۔ اور خدا روٹی کھانے سے پاک ہے۔ یعنی روٹی بدل ما یتحلّل ہوتی ہے اور خدا اس سے بلند تر ہے کہ اس میں تحلیل پانے کی صفت ہو۔ مگر مسیح روٹی کھاتا رہتا تھا۔ پس اگر وہ خدا ہے تو کیا خدا کا وجود بھی تحلیل پاتا رہتا ہے؟ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ طبعی تحقیقات کی رو سے انسان کا بدن تین برس تک بالکل بدل جاتا ہے اور پہلے اجزاء تحلیل ہو کر دوسرے اجزاء ان کے قائم مقام پیدا ہو جاتے ہیں مگر خدا میں یہ نقص ہرگز نہیں۔ یہ دلیل ہے جس کو خدا تعالیٰ حضرت عیسیٰ کے انسان ہونے پر لایا ہے۔

﴿۲۱۷﴾

مگر افسوس ان لوگوں پر کہ جو حضرت عیسیٰ کو آسمان پر پہنچا کر پھر اعتقاد رکھتے ہیں کہ اُن کے وجود میں انسانوں کی طرح یہ خاصیت نہیں کہ سلسلہ تحلیل کا ان میں جاری رہے اور بغیر اس کے جو بذریعہ غذا بدل ما یتحلّل اُن کو ملتا ہو اُن کا وجود فنا سے بچا ہوا ہوگا

[1] المآئدۃ: ۷۶

اِس طرح پر وہ خدا کی اس برہان اور دلیل کو توڑنا چاہتے ہیں جو آیت ممدوحہ بالا میں اس نے قائم کی ہے۔ یعنی خدا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انسان ہونے کی یہ دلیل دیتا ہے کہ اور انسانوں کی طرح وہ بھی محتاج غذا تھا اور بغیر غذا کے اس کا بدن قائم نہیں رہ سکتا تھا بلکہ بدل ما یتحلّل کی ضرورت تھی۔ لیکن یہ لوگ جو حضرت عیسیٰ کو مع جسم عنصری آسمان پر پہنچاتے ہیں وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کا وجود بغیر غذا کے قائم رہ سکتا ہے تو گویا وہ برخلاف منشاء اللہ تعالیٰ کے حضرت عیسیٰ کی خدائی کی ایک دلیل پیش کرتے ہیں۔ شرم کی جگہ ہے کہ جس دلیل کو خدا نے اس غرض سے پیش کیا ہے کہ تا حضرت عیسیٰ کی انسانیت ثابت ہو یہ لوگ اُس دلیل کی بے عزتی کرتے ہیں۔ کیونکہ جس بات سے خدا تعالیٰ انکار کرتا ہے کہ وہ بات مسیح میں موجود نہیں تا اس کو خدا ٹھہرایا جائے یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ بات اُس میں موجود ہے پس یہ خدا کی اس حجت کاملہ کی بے عزتی ہے جو حضرت عیسیٰ کے انسان ہونے کے لئے وہ پیش کرتا ہے۔ اگر یہ بات سچ ہے کہ حضرت عیسیٰ باوجود جسم عنصری کے روٹی کھانے کے محتاج نہیں اور ان کا بدن خدا کے وجود کی طرح خود بخود قائم رہ سکتا ہے تو یہ تو اُن کی خدائی کی ایک دلیل ہے جو قدیم سے عیسائی پیش کیا کرتے ہیں اور اس کے جواب میں یہ کہنا کافی نہیں کہ زمین پر تو وہ روٹی کھایا کرتے تھے گو وہ آسمان پر نہیں کھاتے کیونکہ مخالف کہہ سکتا ہے کہ زمین پر وہ محض اپنے اختیار سے کھاتے تھے انسانوں کی طرح روٹی کے محتاج نہ تھے اور اگر محتاج ہوتے تو آسمان پر بھی ضرور محتاج ہوتے مجھے بار بار اس قوم پر افسوس آتا ہے کہ خدا تو حضرت مسیح کا روٹی کھانا ان کی انسانیت پر دلیل لاوے اور یہ لوگ اعتقاد رکھیں کہ گو حضرت مسیح نے زمین پر تیس[۳۰] برس روٹی کھائی مگر آسمان پر اُنیس سو[۱۹۰۰] برس سے بغیر روٹی کھانے کے جیتے ہیں۔

﴿۲۱۸﴾

اور پھر ایک اور دلیل حضرت عیسیٰ کی وفات پر قرآن شریف کی یہ آیت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ[1]☆۔ (ترجمہ) تم (اے بنی آدم) زمین میں ہی زندگی بسر کرو گے اور زمین میں ہی مرو گے اور زمین میں سے ہی نکالے جاؤ گے۔ پس باجود اس قدر نص صریح کے کیونکر ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بجائے زمین پر رہنے کے قریباً دو ہزار برس یا اس سے بھی زیادہ کسی نامعلوم مدت تک آسمان پر رہیں ایسی صورت میں تو قرآن شریف کا ابطال لازم آتا ہے۔

اور پھر ایک اور دلیل حضرت عیسیٰ کی وفات پر قرآن شریف کی یہ آیت ہے۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ[2] (ترجمہ) اور تمہاری قرار گاہ زمین ہی ہوگی اور موت کے دنوں تک تم زمین پر ہی اپنے آرام کی چیزیں حاصل کرو گے۔ یہ آیت بھی آیت ممدوحہ بالا کے ہم معنے ہے۔ پس کس طرح ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ زمین پر جو انسانوں کے رہنے کی جگہ ہے صرف تینتیس ۳۳ برس تک زندگی بسر کریں مگر آسمان پر جو انسانوں کے رہنے کی جگہ نہیں دو۲ ہزار برس تک یا اس سے بھی زیادہ کسی نامعلوم مدت تک سکونت اختیار کر رکھیں۔ اس سے تو

☆ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں حضرت عیسیٰ کا خود اپنا ایک اقرار ہے جو ان کی وفات پر شاہد ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے اس سوال کے جواب میں کہ اے عیسیٰ کیا تو نے ہی لوگوں کو تعلیم دی تھی کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا کر کے مانو یہ جواب دیتے ہیں جو قرآن شریف میں مندرج ہے یعنی یہ آیت وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ[3] یعنی میں تو اس زمانہ تک ان پر گواہ تھا جب تک میں ان کے درمیان تھا اور جب تو نے مجھے وفات دے دی تو پھر ان کا محافظ تو ہی تھا۔ اس جواب میں حضرت عیسیٰ عیسائیوں کی ہدایت کو اپنی زندگی سے وابستہ کرتے ہیں۔ پس اگر حضرت عیسیٰ اب تک زندہ ہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ عیسائی حق پر ہیں اور اس آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ قبل از قیامت دوبارہ دنیا میں نہیں آئیں گے ورنہ نعوذ باللہ یہ لازم آتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے سامنے جھوٹ بولیں گے کہ مجھے اپنی امت کے بگڑنے کی کچھ بھی اطلاع نہیں۔ منہ

[1] الاعراف:۲۶ [2] البقرۃ:۳۷ [3] المآئدۃ:۱۱۸

شبہ پڑے گا کہ وہ انسان نہیں ہیں۔ خاص کر اس صورت میں کہ ایسے فوق الانسانیت خواص دکھلانے میں کوئی دوسرا انسان ان کا شریک نہیں۔ ﴿۲۱۹﴾

اور پھر ایک اور دلیل حضرت عیسیٰ کی وفات پر قرآن شریف کی یہ آیت ہے۔ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّۃً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّۃٍ ضُعْفًا وَّشَیْبَۃً[1] (ترجمہ) یعنی خدا وہ خدا ہے جس نے تمہیں ضعف سے پیدا کیا پھر ضعف کے بعد قوت دے دی۔ پھر قوت کے بعد ضعف اور پیرانہ سالی دی۔ اب ظاہر ہے کہ یہ آیت تمام انسانوں کے لئے ہے یہاں تک کہ تمام انبیاء علیھم السّلام اس میں داخل ہیں۔ اور خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو نبیوں کے سردار ہیں وہ بھی اس سے باہر نہیں۔ آپ پر بھی پیرانہ سالی کے علامات ظاہر ہو گئے تھے اور چند بال سفید ریش مبارک میں آ گئے تھے۔ اور آپ خود اپنی آخری عمر میں آثار پیرانہ سالی کے ضعف کے اپنے اندر محسوس کرتے تھے۔ لیکن بقول ہمارے مخالفین کے حضرت عیسیٰ اس سے بھی باہر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک خصوصیت ان کی ہے جو فوق العادت ہے اور یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی پر ایک دلیل ہے۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی پر صرف ایک دلیل نہیں بلکہ پانچ۵ دلیلیں ہیں جو بزعم نصاریٰ اور عقیدہ ہماری قوم کے مخالفوں کے اس جگہ موجود ہیں جن کا ابطال بغیر اُس خصوصیت کے توڑنے کے ممکن نہیں کیونکہ جس حالت میں حضرت عیسیٰ ہی اپنی ذات میں یہ خصوصیت رکھتے ہیں کہ وہ مع جسم عنصری آسمان پر چلے گئے کوئی دوسرا انسان ان کا شریک نہیں۔ اور پھر دوسری۲ یہ خصوصیت بھی رکھتے ہیں کہ صدہا سال تک بغیر آب و دانہ کے آسمان پر زندہ رہنے والے وہی ٹھہرے جس میں ان کا کوئی دوسرا انسان شریک نہیں۔ اور پھر تیسری۳ یہ خصوصیت رکھتے ہیں کہ آسمان پر اتنی مدت تک پیرانہ سالی اور ضعف سے محفوظ رہنے والے وہی ٹھہرے جس میں ان کا کوئی آدمی شریک نہیں۔ اور پھر چوتھی۴ یہ خصوصیت رکھتے ہیں کہ مدت دراز کے بعد آسمان سے مع ملائک نازل ہونے والے وہی ٹھہرے جس میں ان کا ایک بشر بھی شریک نہیں۔ اب سوچنا چاہیئے کہ یہ چار۴ خصوصیتیں جو محض ان کی ذات میں تسلیم کی جاتی ہیں

[1] الرّوم: ۵۵

اوران میں وہ وحدہٗ لا شریک خیال کئے جاتے ہیں۔ کس قدر یہ عقیدہ لوگوں کے لئے موجب ابتلا ہوسکتا ہے۔☆ اور خدا بنانے والوں کے لئے کس قدر وجوہات ملتے ہیں جو خود مسلمانوں کے اقرار سے ثابت شدہ امور ہیں۔ پس اگر خدا نے حضرت عیسیٰ کو وفات شدہ قرار دے کر ان تمام

«۲۲۰»

☆ ماسوا اس کے ہمارے مخالف مسلمان بدقسمتی اور جہالت کی وجہ سے ایک پانچویں۵ خصوصیت بھی حضرت عیسیٰ کے لئے قائم کرتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ تمام انبیاء میں سے مسِ شیطان سے بھی وہی پاک ہیں اور کوئی نبی پاک نہیں۔ اور پھر چھٹی خصوصیت یہ کہ روح القدس ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا تھا مگر کسی دوسرے نبی کے ساتھ ایسی دائمی رفاقت روح القدس نے نہیں کی۔ مگر یہ ان لوگوں کی تمام غلطیاں ہیں۔ وہ نہیں سمجھتے کہ ہر ایک نبی مسِ شیطان سے پاک ہوتا ہے لیکن خدا نے جو اس جگہ اپنے رسول کے فرمودہ کے ذریعہ سے حضرت عیسیٰ کا مع اس کی والدہ کے مسِ شیطان سے پاک ہونا ذکر فرمایا اس میں حکمت یہ ہے کہ نعوذ باللہ یہود نامسعود حضرت مریم صدیقہ کو ایک زانیہ عورت خیال کرتے تھے اور حضرت عیسیٰ کو ایک ولد الزنا سمجھتے تھے اور خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ ان الزاموں سے ان کی بریّت کرے۔ پس اس طرح اس نے ان کی بریّت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ وہ دونوں مسِ شیطان سے پاک ہیں یعنی زنا ایک شیطانی فعل ہے اور عیسیٰ اور مریم اس شیطانی فعل سے محفوظ ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ صرف وہ محفوظ ہیں اور دوسرے نبی آلودہ ہیں۔ اسی طرح یہودیوں کا خیال تھا کہ بوجہ ناجائز ولادت کے حضرت عیسیٰ کا رفیق شیطان ہے، اور یہی توریت کی رو سے انکا عقیدہ تھا۔ پس اُن کے ردّ میں روح القدس کی رفاقت بیان فرمائی گئی۔ اور یہ بھی صحیح نہیں کہ عیسیٰ میں ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ ان کا تولّد روح القدس کے سایہ سے ہوا۔ کیونکہ قرآن شریف اور توریت کی رو سے یہ بات قرار پاچکی ہے کہ بعض انسان شیطان کے سایہ سے پیدا ہوتے ہیں اور ان میں شیطانی خصلتیں ہوتی ہیں اور بعض انسان روح القدس کے سایہ سے پیدا ہوتے ہیں اور ان میں پاک خصلتیں ہوتی ہیں اور وہ لوگ جو ولد الحرام ہوں وہ شیطان کے سایہ سے ہی رحم مادر میں وجود پکڑتے ہیں۔ پس اس بات کا رد کرنا ضروری تھا کہ حضرت عیسیٰ کی ولادت ناجائز نہیں۔ لہٰذا اُس کی نسبت روح القدس کے سایہ کا انجیل میں بھی ذکر کیا گیا تا معلوم ہو کہ وہ شیطان کے سایہ سے پیدا نہیں ہوئے اور ان کی ولادت ناجائز نہیں۔ منہ

«۲۲۱»

خصوصیتوں کو رد نہیں کر دیا تو پھر دوسرا طریق رد کا یہ تھا کہ خدا تعالیٰ چند ایسی نظیریں پیش کرتا جس سے معلوم ہوتا کہ ان خوارق میں بعض اور انسان بھی اس کے شریک ہیں۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے بے پدر ہونے میں حضرت آدمؑ کی نظیر پیش کر دی تھی۔ مگر جب کہ خدا تعالیٰ نے نہ حضرت عیسیٰ کو فوت شدہ قرار دیا اور نہ ان تمام خصوصیتوں کو توڑا تو اس صورت میں گویا خدا تعالیٰ عیسائیوں کی حجت کے سامنے لاجواب ہو گیا۔ اور اگر کہو کہ ہم یہ بھی تو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ آخری زمانہ میں آکر ایک مدت کے بعد فوت ہو جائیں گے تو اس بات کو عیسائی قبول نہیں کرتے۔ وہ تمہارے اقرارات سے تمہیں ملزم کرتے ہیں۔ اور ان پر واجب نہیں ہے کہ تمہارے دعویٰ بے دلیل کو مان لیں۔ کیونکہ جب حضرت عیسیٰ قیامت کے دن تک زندہ رہیں اور سب خدائی کی علامتیں احیاء موتٰے وغیرہ ان میں موجود ہوں تو ممکن ہے کہ موت سے بچ رہیں اور عیسائیوں کا تو یہی عقیدہ ہے کہ وہ آسمان سے نازل ہو کر نہیں مریں گے بلکہ بحیثیت خدا ہونے کے لوگوں کو جزا سزا دیں گے۔ اور جس حالت میں تمہارے اپنے اقرار سے یہ چاؔر خصوصیتیں حضرت عیسیٰ میں ثابت ہیں تو عیسائی تو اس صورت میں آپ لوگوں پر سوار ہو جائیں گے کیونکہ ان کے نزدیک یہ چاؔر خصوصیتیں حضرت عیسیٰ کے خدا بنانے کے لئے کافی ہیں اور خدا تعالیٰ کی مصلحت سے بعید ہے کہ وہ ایسے شخص کو یہ چاؔر خصوصیتیں عطا کرے جس کو چالیس کروڑ انسان خدا بنا رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کی خصوصیت کے بارے میں صرف ایک بات پیش کی تھی کہ وہ بغیر باپ پیدا ہوا ہے تو خدا تعالیٰ نے فی الفور اس کا جواب دیا اور فرمایا۔ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ[1] یعنی خدا تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی مثال ہے خدا نے اس کو مٹی سے بنایا پھر کہا کہ ہو جا پس وہ زندہ جیتا جاگتا ہو گیا۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا بے باپ ہونا کوئی امر خاص اس کے لئے نہیں تا خدا ہونا اس کا لازم لاوے۔ آدم کے باپ اور ماں دونوں نہیں۔ پس جس حالت میں خدا تعالیٰ

﴿۲۲۱﴾

[1] آل عمران: ۶۰

﴿۲۲۲﴾ کی غیرت نے یہ تقاضا کیا کہ حضرت عیسیٰ میں بے پدر ہونے کی خصوصیت نہ رہے تا ان کی خدائی کے لئے کوئی دلیل نہ ٹھہرائی جائے۔ تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ میں چار فوق العادت خصوصیتیں قبول کر لی ہوں۔ ہاں اگر خدا نے ان خصوصیتوں کے توڑنے کے لئے کچھ نظیریں پیش کی ہیں تو وہ نظیریں پیش کرنی چاہئیں ورنہ ماننا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ عیسائیوں کے دعویٰ کا جواب نہیں دے سکا۔ کیونکہ یہ بھی ایسی خصوصیتیں ہیں جو عیسائی پیش کیا کرتے ہیں اور ان خصوصیتوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی کی دلیل ٹھہراتے ہیں۔ پس جب کہ خدا تعالیٰ نے ان چار خصوصیتوں کو آدم کی پیدائش کی طرح کوئی نظیر پیش کر کے نہیں توڑا تو اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے عیسائیوں کے دعویٰ کو مان لیا ہے۔ اور اگر توڑا ہے اور ان چار خصوصیتوں کی کوئی نظیر پیش کی ہے تو قرآن شریف میں سے وہ آیات پیش کرو۔

اور منجملہ ان آیات کے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر صریح دلالت کرتی ہیں یہ آیت قرآن شریف کی ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ۔[1] یعنی جو لوگ بغیر اللہ کے پرستش کئے جاتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ آپ پیدا شدہ ہیں اور وہ سب لوگ مر چکے ہیں زندہ نہیں ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔ پس اس مقام پر غور سے دیکھنا چاہیئے کہ یہ آیتیں کس قدر صراحت سے حضرت مسیح اور ان تمام انسانوں کی وفات کو ظاہر کر رہی ہیں جن کو یہود اور نصاریٰ اور بعض فرقے عرب کے اپنے معبود ٹھہراتے تھے۔ اور ان سے دعائیں مانگتے تھے۔ یاد رکھو یہ خدا کا بیان ہے اور خدا تعالیٰ اس بات سے پاک اور بلند تر ہے کہ خلاف واقعہ باتیں کہے۔ پس جس حالت میں وہ صاف اور صریح لفظوں میں فرماتا ہے کہ جس قدر انسان مختلف فرقوں میں پوجا کئے جاتے ہیں اور خدا بنائے گئے ہیں وہ سب مر چکے ہیں ایک بھی ان میں سے زندہ نہیں ہے۔ تو پھر کس قدر سرکشی اور نافرمانی اور خدا کے حکم کی مخالفت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ سمجھا جائے۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ﴿۲۲۳﴾

[1] النّحل: ۲۱، ۲۲

اُن لوگوں میں سے نہیں ہیں جن کو خدا بنایا گیا ہے یا جن کو اپنی مشکل کشائی کے لئے پکارا جاتا ہے بلکہ وہ ان سب لوگوں سے اول نمبر پر ہیں۔ کیونکہ جس اصرار اور غلو کے ساتھ حضرت عیسیٰ کے خدا بنانے کے لئے چالیس کروڑ انسان کوشش کر رہا ہے اس کی نظیر کسی اور فرقہ میں ہرگز نہیں پائی جاتی۔

یہ تمام آیات جو ہم نے اس جگہ لکھی ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ اور پھر جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث طیّبہ کی طرف دیکھتے ہیں تو ان سے بھی یہی مطلب ثابت ہوتا ہے صرف فرق یہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے اقوال سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر گواہی دیتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رؤیت سے حضرت مسیح کی موت پر شہادت دیتے ہیں۔ سو خدا تعالیٰ نے اپنے قول سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے یعنی رؤیت سے اس بات پر مہر لگا دی کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رؤیت سے یہ گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے معراج کی رات میں حضرت عیسیٰ کو آسمان پر ان گذشتہ نبیوں میں دیکھا ہے جو اس دنیا سے گذر چکے ہیں اور دوسرے عالم میں پہنچ گئے ہیں اور صرف اِسی قدر نہیں بلکہ جس قسم کے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے جسم دیکھے اسی قسم کا جسم حضرت عیسیٰ کا دیکھا اور ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ایسا سمجھنا غلطی ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام جو اِس دنیا سے گذر چکے ہیں اُن کی صرف آسمان پر روحیں ہیں بلکہ ان کے ساتھ نورانی اور جلالی اجسام ہیں جن اجسام کے ساتھ وہ مرنے کے بعد دنیا میں سے اٹھائے گئے جیسا کہ آیت وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ [۱] اس بات پر نصِ صریح ہے۔ کیونکہ بہشت میں داخل ہونے کے لئے جسم کی ضرورت ہے اور قرآن شریف جابجا تصریح سے فرماتا ہے کہ جو لوگ بہشت میں داخل ہوں گے ان کے ساتھ جسم بھی ہوں گے کوئی مجرد رُوح بہشت میں داخل نہیں ہوگی۔ پس آیت وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ [۱] اس بات کے لئے نص صریح ہے کہ ہر ایک راستباز جو مرنے کے بعد بہشت میں داخل ہوتا ہے اُس کو مرنے کے بعد ضرور ایک جسم ملتا ہے پھر دوسری شہادت جسم ملنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت ہے کیونکہ آپ نے معراج کی رات میں آسمان میں صرف انبیاء کی روحیں نہیں دیکھیں بلکہ ان کے اجسام بھی دیکھے۔ اور حضرت مسیح کا کوئی نرالا جسم نہیں دیکھا بلکہ جیسے تمام انبیاء کے جسم دیکھے

﴿۲۲۴﴾

[۱] الفجر: ۳۱

ویسا ہی حضرت مسیح کا بھی جسم دیکھا۔ پس اگر انسان ناحق باطل پرستی پر ضد نہ کرے تو اس کے لئے اس بات کا سمجھنا بہت ہی سہل ہے کہ حضرت عیسیٰ جس جسم کے ساتھ اٹھائے گئے وہ عنصری جسم نہ تھا بلکہ وہ جسم تھا جو مرنے کے بعد ہر ایک مومن کو ملتا ہے۔ کیونکہ عنصری جسم کے لئے خود اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے کہ وہ آسمان پر جاوے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا[1]۔ ترجمہ۔ یعنی کیا ہم نے زمین کو ایسے طور سے نہیں بنایا کہ وہ انسانوں کے اجسام کو زندہ اور مردہ ہونے کی حالت میں اپنی طرف کھینچ رہی ہے کسی جسم کو نہیں چھوڑتی کہ وہ آسمان پر جاوے۔

اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا[2]۔ یعنی جب کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان پر چڑھنے کی درخواست کی کہ یہ معجزہ دکھلا دیں کہ مع جسم عنصری آسمان پر چڑھ جائیں تو ان کو یہ جواب ملا کہ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ الخ۔ یعنی ان کو کہہ دے کہ میرا خدا اس بات سے پاک ہے کہ اپنے عہد اور وعدہ کے برخلاف کرے۔ وہ پہلے کہہ چکا ہے کہ کوئی جسم عنصری آسمان پر نہیں جائے گا۔ جیسا کہ فرمایا۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا[3] اور جیسا کہ فرمایا فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ[4] اور جیسا کہ فرمایا وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ[5]۔ پس یہ عرب کے کفار کی شرارت تھی کہ وہ لوگ برخلاف وعدہ وعہد الٰہی معجزہ مانگتے تھے اور خوب جانتے تھے کہ ایسا معجزہ دکھایا نہیں جائے گا کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کے اس قول کے برخلاف ہے جو گذر چکا ہے۔ اور خدا تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اپنے عہد کو توڑے۔ اور پھر فرمایا کہ ان کو کہہ دے کہ میں تو ایک بشر ہوں اور خدا تعالیٰ فرما چکا ہے کہ بشر کے لئے ممتنع ہے کہ اس کا جسم خاکی آسمان پر جائے ہاں پاک لوگ دوسرے جسم کے ساتھ آسمان پر جا سکتے ہیں جیسا کہ تمام نبیوں اور رسولوں اور مومنوں کی روحیں وفات کے بعد آسمان پر جاتی ہیں اور انہیں کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مُفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ[6]۔ یعنی مومنوں کے لئے آسمان کے

﴿۲۲۵﴾

[1] المرسلٰت: ۲۶-۲۷ [2] بنی اسرآئیل: ۹۴ [3] المرسلٰت: ۲۶، ۲۷ [4] الاعراف: ۲۶
[5] الاعراف: ۲۵ [6] صٓ: ۵۱

دروازے کھولے جائیں گے۔ یاد رہے کہ اگر صرف روحیں ہوتیں تو اُن کے لئے **لھم** کی ضمیر نہ آتی۔ پس یہ قرینہ قویّہ اس بات پر ہے کہ بعد موت جو مومنوں کا رفع ہوتا ہے وہ مع جسم ہوتا ہے مگر یہ جسم خاکی نہیں ہے بلکہ مومن کی روح کو ایک اور جسم ملتا ہے جو پاک اور نورانی ہوتا ہے اور اس دکھ اور عیب سے محفوظ ہوتا ہے جو عنصری جسم کے لوازم میں سے ہے یعنی وہ ارضی غذاؤں کا محتاج نہیں ہوتا۔ اور نہ زمینی پانی کا حاجت مند ہوتا ہے اور وہ تمام لوگ جن کو خدا تعالیٰ کی ہمسائیگی میں جگہ دی جاتی ہے ایسا ہی جسم پاتے ہیں۔ اور ہم ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے بھی وفات کے بعد ایسا ہی جسم پایا تھا اور اسی جسم کے ساتھ وہ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائے گئے تھے۔

بعض نادان اس جگہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جس حالت میں قرآن شریف کی یہ آیت کہ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ اور آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ[1] صاف طور پر بتلا رہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے حضور میں یہ عذر پیش کریں گے کہ میری وفات کے بعد لوگ بگڑے ہیں نہ میری زندگی میں تو اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر یہ عقیدہ صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰ صلیب سے بچ کر کشمیر کی طرف چلے گئے تھے اور کشمیر میں ۸۷ برس عمر بسر کی تھی تو پھر یہ کہنا کہ میری وفات کے بعد لوگ بگڑ گئے صحیح نہیں ہوگا بلکہ یہ کہنا چاہیئے تھا کہ میرے کشمیر کے سفر کے بعد لوگ بگڑے ہیں کیونکہ وفات تو صلیب کے واقعہ سے ستاسی[۸۷] برس بعد ہوئی۔

پس یاد رہے کہ ایسا وسوسہ صرف قلت تدبّر کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے ورنہ کشمیر کا سفر اس فقرہ کی ضد نہیں کیونکہ **مادمت فیھم** کے یہ معنے ہیں کہ جب تک میں اپنی امت میں تھا جو میرے پر ایمان لائے تھے یہ معنے نہیں کہ جب تک میں اُن کی زمین میں تھا کیونکہ ہم قبول کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ زمین شام میں سے ہجرت کر کے کشمیر کی طرف چلے گئے تھے۔ مگر ہم یہ قبول نہیں کرتے کہ حضرت عیسیٰ کی والدہ اور آپ کے حواری پیچھے رہ گئے تھے بلکہ تاریخ کی رو سے ثابت ہے کہ حواری بھی کچھ تو حضرت عیسیٰ کے ساتھ اور کچھ بعد میں آپ کو آملے تھے جیسا کہ دھوما حواری حضرت عیسیٰ کے ساتھ آیا تھا باقی حواری بعد میں آگئے تھے

﴿۲۲۶﴾

[1] المآئدۃ: ۱۱۸

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی رفاقت کے لئے صرف ایک ہی شخص اختیار کیا تھا یعنی دھوما کو جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے وقت صرف حضرت ابوبکر کو اختیار کیا تھا۔ کیونکہ سلطنت رومی حضرت عیسیٰ کو باغی قرار دے چکی تھی اور اسی جرم سے پیلاطوس بھی قیصر کے حکم سے قتل کیا گیا تھا کیونکہ وہ درپردہ حضرت عیسیٰ کا حامی تھا اور اس کی عورت بھی حضرت عیسیٰ کی مرید تھی۔ پس ضرور تھا کہ حضرت عیسیٰ اس ملک سے پوشیدہ طور پر نکلتے کوئی قافلہ ساتھ نہ لیتے اس لئے انہوں نے اس سفر میں صرف دھوما حواری کو ساتھ لیا جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے سفر میں صرف ابوبکر کو ساتھ لیا تھا اور جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی اصحاب مختلف راہوں سے مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا پہنچے تھے۔ ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری مختلف راہوں سے مختلف وقتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں جا پہنچے تھے۔ اور جب تک حضرت عیسیٰ ان میں رہے جیسا کہ آیت مَا دُمْتُ فِيْهِمْ[1] کا منشاء ہے وہ سب لوگ توحید پر قائم رہے بعد وفات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان لوگوں کی اولاد بگڑ گئی۔ یہ معلوم نہیں کہ کس پشت میں یہ خرابی پیدا ہوئی۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ تیسری صدی تک دین عیسائی اپنی اصلیت پر تھا بہرحال معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی وفات کے بعد وہ تمام لوگ پھر اپنے وطن کی طرف چلے آئے کیونکہ ایسا اتفاق ہو گیا کہ قیصر روم عیسائی ہو گیا پھر بے وطنی میں رہنا لاحاصل تھا۔

اور اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کشمیر کی طرف سفر کرنا ایسا امر نہیں ہے کہ جو بے دلیل ہو، بلکہ بڑے بڑے دلائل سے یہ امر ثابت کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ خود لفظ کشمیر بھی اس پر دلیل ہے کیونکہ لفظ کشمیر وہ لفظ ہے جس کو کشمیری زبان میں کشیر کہتے ہیں۔ ہر ایک کشمیری اس کو کشیر بولتا ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ لفظ عبرانی ہے کہ جو کاف اور اشیر کے لفظ سے مرکب ہے اور اشیر عبرانی زبان میں شام کے ملک کو کہتے ہیں اور کاف مماثلت کے لئے آتا ہے۔ پس صورت اس لفظ کی کَاَشِیْر تھی

﴿۲۲۷﴾

[1] المآئدۃ: ۱۱۸

یعنی کاف الگ اور اَشِیر الگ۔ جس کے معنے تھے مانند ملک شام یعنی شام کے ملک کی طرح اور چونکہ یہ ملک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہجرت گاہ تھا اور وہ سرد ملک کے رہنے والے تھے اس لئے خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو تسلی دینے کے لئے اِس ملک کا نام کَـاَشِیر رکھ دیا۔ جس کے معنے ہیں اَشِیر کے ملک کی طرح۔ پھر کثرت استعمال سے الف ساقط ہو گیا۔ اور کشیر رہ گیا۔ پھر بعد اس کے غیر قوموں نے جو کشیر کے باشندے نہ تھے اور نہ اِس ملک کی زبان رکھتے تھے ایک میم اِس میں زیادہ کر کے کشمیر بنا دیا۔ مگر یہ خدا تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ کشمیری زبان میں اب تک کشیر ہی بولا جاتا اور لکھا جاتا ہے۔

ماسوا اس کے کشمیر کے ملک میں اور بہت سی چیزوں کے اب تک عبرانی نام پائے جاتے ہیں بلکہ بعض پہاڑوں پر نبیوں کے نام استعمال پا گئے ہیں جن سے سمجھا جاتا ہے کہ عبرانی قوم کسی زمانہ میں ضرور اس جگہ آباد رہ چکی ہے جیسا کہ سلیمان نبی کے نام سے ایک پہاڑ کشمیر میں موجود ہے اور ہم اس مدعا کے ثابت کرنے کے لئے ایک لمبی فہرست اپنی بعض کتابوں میں شائع کر چکے ہیں جو عبرانی الفاظ اور اسرائیلی نبیوں کے نام پر مشتمل ہے جو کشمیر میں اب تک پائے جاتے ہیں۔ اور کشمیر کی تاریخی کتابیں جو ہم نے بڑی محنت سے جمع کی ہیں جو ہمارے پاس موجود ہیں ان سے بھی مفصلاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانہ میں جو اس وقت شمار کی رو سے دو ہزار برس کے قریب گذر گیا ہے ایک اسرائیلی نبی کشمیر میں آیا تھا جو بنی اسرائیل میں سے تھا اور شاہزادہ نبی کہلاتا تھا۔ اس کی قبر محلہ خان یار میں ہے جو یوز آسف کی قبر کر کے مشہور ہے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ کتابیں تو میری پیدائش سے بہت پہلے کشمیر میں شائع ہو چکی ہیں۔ پس کیونکر کوئی خیال کر سکتا ہے کہ کشمیریوں نے افترا کے طور پر یہ کتابیں لکھی تھیں۔ ان لوگوں کو اس افترا کی کیا ضرورت تھی اور کس غرض کے لئے انہوں نے ایسا افترا کیا؟ اور عجیب تر یہ کہ وہ لوگ اب تک اپنی کمال سادہ لوحی سے دوسرے مسلمانوں کی طرح یہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر مع جسم عنصری چلے گئے تھے

﴿۲۲۸﴾

اور پھر باوجود اس اعتقاد کے پورے یقین سے اس بات کو جانتے ہیں کہ ایک اسرائیلی نبی کشمیر میں آیا تھا کہ جو اپنے تئیں شہزادہ نبی کر کے مشہور کرتا تھا۔ اور ان کی کتابیں بتلاتی ہیں کہ شمار کی رو سے اس زمانہ کو اب انیس سو برس سے کچھ زیادہ برس گذر گئے ہیں۔ اس جگہ کشمیریوں کی سادہ لوحی سے ہمیں یہ فائدہ حاصل ہوا ہے کہ اگر وہ اس بات کا علم رکھتے کہ شاہزادہ نبی بنی اسرائیل میں کون تھا اور وہ نبی کون ہے جس کو اب انیس سو برس گذر گئے تو وہ کبھی ہمیں یہ کتابیں نہ دکھلاتے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ ہم نے ان کی سادہ لوحی سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ ماسوا اس کے وہ لوگ شہزادہ نبی کا نام یوز آسف بیان کرتے ہیں یہ لفظ صریح معلوم ہوتا ہے، کہ یسوع آسف کا بگڑا ہوا ہے۔ آسف عبرانی زبان میں اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو قوم کو تلاش کرنیوالا ہو چونکہ حضرت عیسیٰ اپنی اس قوم کو تلاش کرتے کرتے جو بعض فرقے یہودیوں میں سے گم تھے کشمیر میں پہنچے تھے اس لئے انہوں نے اپنا نام یسوع آسف رکھا تھا اور یوز آسف کی کتاب میں صریح لکھا ہے کہ یوز آسف پر خدا تعالیٰ کی طرف سے انجیل اتری تھی۔ پس باوجود اس قدر دلائل واضحہ کے کیونکر اس بات سے انکار کیا جائے کہ یوز آسف دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہے ورنہ یہ بار ثبوت ہمارے مخالفوں کی گردن پر ہے کہ وہ کون شخص ہے جو اپنے تئیں شاہزادہ نبی ظاہر کرتا تھا جس کا زمانہ حضرت عیسیٰ کے زمانہ سے بالکل مطابق ہے اور یہ پتہ بھی ملا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ کشمیر میں آئے تو اس زمانہ کے بدھ مذہب والوں نے اپنی پُستکوں میں ان کا کچھ ذکر کیا ہے۔

ایک اور قوی دلیل اس بات پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍ[1] یعنی ہم نے عیسیٰ اور اس کی ماں کو ایک ایسے ٹیلے پر پناہ دی جو آرام کی جگہ تھی اور ہر ایک دشمن کی دست درازی سے دور تھی اور پانی اُس کا بہت خوشگوار تھا۔ ﴿۲۲۹﴾

یاد رہے کہ اوٰی کا لفظ عربی زبان میں اس جگہ بولا جاتا ہے جب ایک مصیبت کے بعد کسی شخص کو پناہ دیتے ہیں ایسی جگہ میں جو دارالامان ہوتا ہے پس وہ دارالامان ملک شام

[1] المؤمنون:۵۱

نہیں ہوسکتا کیونکہ ملک شام قیصر روم کی عملداری میں تھا۔ اور حضرت عیسیٰ قیصر کے باغی قرار پاچکے تھے۔ پس وہ کشمیر ہی تھا جو شام کے ملک سے مشابہ تھا اور قرار کی جگہ تھی۔ یعنی امن کی جگہ تھی یعنی قیصر روم کو اس سے کچھ تعلق نہ تھا۔

اس جگہ بعض آدمی ایک اور اعتراض پیش کیا کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جس حالت میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ سلسلہ محمدیہ سلسلہ موسویہ کے مقابل پر قائم کیا گیا ہے اور ہر ایک حسن و قبح میں یہ سلسلہ سلسلۂ موسویہ کی مثال اپنے اندر رکھتا ہے تو اِس صورت میں لازم تھا کہ جیسا کہ قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مثیل موسیٰ رکھا گیا ہے آخری خلیفہ کا نام پیشگوئیوں میں مثیل عیسیٰ رکھا جاتا۔ حالانکہ انجیل اور نیز احادیثِ نبویہ میں سلسلہ خلافت کے آخری زمانہ میں آنے والے کا نام عیسیٰ ابن مریم رکھا گیا ہے مثیل عیسیٰ نہیں رکھا۔

اِس وہم کا جواب یہ ہے کہ ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ صدر اسلام اور آخر اسلام کے خلیفہ کے بارے میں اسی طرز سے بیان کرتا جس طرز سے خدا تعالیٰ کی پہلی کتابوں میں بیان کیا گیا تھا۔ سو یہ امر کسی پر پوشیدہ نہیں کہ توریت میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پیشگوئی ہے وہ انہیں الفاظ میں ہے کہ ’’خدا تعالیٰ تمہارے بھائیوں میں سے موسیٰ کی مانند ایک نبی قائم کرے گا‘‘ اُس مقام میں یہ نہیں لکھا کہ خدا موسیٰ کو بھیجے گا۔ پس ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بارے میں توریت کے مطابق بیان فرماتا تا توریت اور قرآن شریف میں اختلاف پیدا نہ ہوتا۔ پس اِسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا۔ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا۬ شَاہِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا[1]۔ یعنی ہم نے اُسی نبی کی مانند تمہاری طرف یہ رسول بھیجا ہے کہ جو فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا۔ ﴿۲۳۰﴾

لیکن آخری خلیفہ کے بارے میں جس کا نام عیسیٰ رکھا گیا ہے انجیل میں یہ نہیں خبر دی گئی کہ آخری زمانہ میں مثیل عیسیٰ آئے گا بلکہ یہ لکھا ہے کہ عیسیٰ آئے گا۔ پس ضرور تھا کہ انجیل کی پیشگوئی کے مطابق اسلام کے آخری خلیفہ کا نام عیسیٰ رکھا جاتا تا انجیل اور احادیث نبویہ میں اختلاف پیدا نہ ہوتا۔

[1] المزّمّل:۱۶

ہاں اس جگہ ایک طالب حق کا یہ حق ضرور ہے کہ وہ یہ سوال پیش کرے کہ اس میں کیا حکمت اور مصلحت تھی کہ توریت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف مثیل موسیٰ کر کے بیان کیا گیا لیکن انجیل میں خود عیسیٰ کر کے ہی بیان کر دیا گیا۔ اور کیوں جائز نہیں کہ عیسیٰ سے مراد درحقیقت عیسیٰ ہی ہو اور وہی دوبارہ آنے والا ہو۔

اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو کسی طرح دوبارہ نہیں آسکتے کیونکہ وہ وفات پا گئے اور اُن کا وفات پا جانا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں صریح لفظوں میں بیان فرما دیا ہے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس جماعت میں آسمان پر بیٹھے ہوئے دیکھ لیا جو اس جہان سے گذر چکے ہیں۔ پھر تیسری شہادت یہ کہ تمام اصحاب رضی اللّٰہ عنھم کے اجماع سے تمام نبیوں کا فوت ہو جانا ثابت ہو گیا۔ پھر بعد اس کے عقل سلیم کی شہادت ہے جو شہاداتِ ثلاثہ مذکورہ کی مؤیّد ہے کیونکہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے عقل نے اس واقعہ کی کوئی نظیر نہیں دیکھی اور کوئی نبی آج تک نہ کبھی مع جسم عنصری آسمان پر گیا اور نہ واپس آیا، پس چار شہادتیں باہم مل کر قطعی فیصلہ دیتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور ان کا زندہ آسمان پر مع جسم عنصری جانا اور اب تک زندہ ہونا اور پھر کسی وقت مع جسم عنصری زمین پر آنا یہ سب ان پر تہمتیں ہیں۔ افسوس کہ اسلام بُت پرستی سے بہت دور تھا لیکن آخر کار اسلام میں بھی بُت پرستی کے رنگ میں یہ عقیدہ پیدا ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ کو ایسی خصوصیتیں دی گئیں جو دوسرے نبیوں میں نہیں پائی جاتیں۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو اس قسم کی بُت پرستی سے رہائی بخشے۔ عیسیٰ کی موت میں اسلام کی زندگی ہے اور عیسیٰ کی زندگی میں اسلام کی موت ہے۔ خدا وہ دن لاوے کہ غافل مسلمانوں کی نظر اس راہ راست پر پڑے۔ آمین ﴿۲۳۱﴾

اب خلاصہ کلام یہ کہ جبکہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات قطعی طور پر ثابت ہے تو پھر یہ گمان بداہت باطل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ رہا سوال مذکورہ کے اِس حصہ کا جواب کہ ایک اُمّتی کا عیسیٰ نام رکھنے میں کیا مصلحت تھی اور کیوں انجیل

اور احادیث نبویہ میں اس کا نام عیسیٰ رکھا گیا۔ اور کیوں مثیل موسیٰ کی طرح اس جگہ بھی مثیل عیسیٰ کے لفظ سے یاد نہ کیا گیا۔

اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کومنظور تھا کہ ایک عظیم واقعہ میں جو اسرائیلی عیسیٰ پر وارد ہو چکا تھا اِس اُمّت کے آخری خلیفہ کو شریک کرے اور وہ اس واقعہ میں اس حالت میں شریک ہوسکتا تھا کہ جب اس کا نام عیسیٰ رکھا جائے اور چونکہ خدا تعالیٰ کومنظور تھا کہ دونوں سلسلوں کی مطابقت دکھلاوے اس لئے اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مثیل موسیٰ رکھا کیونکہ حضرت موسیٰ کو جو فرعون کے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اُس واقعہ کی مشابہت اسی صورت میں نمایاں ہوسکتی تھی کہ جب آپ کو مثیل موسیٰ کر کے پکارا جاتا۔ مگر جو واقعہ حضرت عیسیٰ کو پیش آیا تھا وہ اس امت کے آخری خلیفہ میں اس صورت میں متحقق ہوسکتا تھا کہ جب اُس کا نام عیسیٰ رکھا جاتا کیونکہ اُس عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے صرف اِس وجہ سے قبول نہیں کیا تھا کہ ملاکی نبی کی کتاب میں یہ لکھا گیا تھا کہ جب تک الیاس نبی دوبارہ دنیا میں نہیں آئے گا تب تک وہ عیسیٰ ظاہر نہیں ہوگا لیکن الیاس نبی دوبارہ دنیا میں نہ آیا اور یوحنا یعنی حضرت یحییٰ کو ہی الیاس قرار دیا گیا۔ اس لئے یہود نے حضرت عیسیٰ کو قبول نہ کیا۔ پس خدا تعالیٰ کی تقدیر میں مماثلت پوری کرنے کے لئے یہ قرار پایا تھا کہ آخری زمانہ میں بعض اِسی امّت کے لوگ ان یہودیوں کی طرح ہو جائیں گے۔ جنہوں نے الیاس ﴿۲۳۲﴾ آنے والے کی حقیقت کو نہ سمجھ کر حضرت عیسیٰ کی نبوت اور سچائی سے انکار کیا تھا۔ پس ایسے یہودیوں کے لئے کسی ایسی پیشگوئی کی ضرورت تھی جس میں کسی گذشتہ نبی کی آمد کا ذکر ہوتا جیسا کہ الیاس کی نسبت پیشگوئی تھی اور تقدیر الٰہی میں قرار پاچکا تھا کہ ایسے یہودی اس امت میں بھی پیدا ہوں گے۔ پس اس لئے میرا نام عیسیٰ رکھا گیا جیسا کہ حضرت یحییٰ کا نام الیاس رکھا گیا تھا۔ چنانچہ آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ [1] میں اسی کی طرف اشارہ ہے پس عیسیٰ کی آمد کی پیشگوئی اِس امّت کے لئے ایسی ہی تھی جیسا کہ یہودیوں کے لئے حضرت یحییٰ

[1] الفاتحة: ۷

کی آمد کی پیشگوئی۔ غرض یہ نمونہ قائم کرنے کے لئے میرا نام عیسیٰ رکھا گیا۔ اور نہ صرف اس قدر بلکہ اس عیسیٰ کے مکذّب جو اس امّت میں ہونے والے تھے ان کا نام یہود رکھا گیا چنانچہ آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ میں انہیں یہودیوں کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی وہ یہودی جو اس امّت کے عیسیٰ سے منکر ہیں جو ان یہودیوں کے مشابہ ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ کو قبول نہیں کیا تھا۔ پس اس طور سے کامل درجہ پر مشابہت ثابت ہوگئی کہ جس طرح وہ یہودی جو الیاس نبی کی دوبارہ آمد کے منتظر تھے حضرت عیسیٰ پر محض اس عذر سے کہ الیاس دوبارہ دنیا میں نہیں آیا ایمان نہ لائے۔ اِسی طرح یہ لوگ اِس اُمّت کے عیسیٰ پر محض اِس عذر سے ایمان نہ لائے کہ وہ اسرائیلی عیسیٰ دوبارہ دنیا میں نہیں آیا۔ پس ان یہودیوں میں جو حضرت عیسیٰ پر ایمان نہیں لائے تھے اس وجہ سے کہ الیاس دوبارہ دنیا میں نہیں آیا اور ان یہودیوں میں جو حضرت عیسیٰ کی دوبارہ آمد کے منتظر ہیں مشابہت ثابت ہوگئی اور یہی خدا تعالیٰ کا مقصد تھا۔ اور جیسا کہ اسرائیلی یہودیوں اور ان یہودیوں میں مشابہت ثابت ہوگئی اسی طرح اسرائیلی عیسیٰ اور اس عیسیٰ میں جو مَیں ہوں مشابہت بدرجہ کمال پہنچ گئی کیونکہ وہ عیسیٰ اسی وجہ سے یہودیوں کی نظر سے ردّ کیا گیا کہ ایک نبی دوبارہ دنیا میں نہیں آیا اِسی طرح یہ عیسیٰ جو میں ہوں ان یہودیوں کی نگاہ میں رد کیا گیا ہے کہ ایک نبی دوبارہ دنیا میں نہیں آیا۔ اور صاف ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو احادیث نبویہ اس امت کے یہودی ٹھہراتی ہیں جن کی طرف آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ بھی اشارہ کرتی ہے وہ اصل یہودی نہیں ہیں بلکہ اِسی اُمّت کے لوگ ہیں جن کا نام یہودی رکھا گیا ہے۔ اِسی طرح وہ عیسیٰ بھی اصل عیسیٰ نہیں ہے جو بنی اسرائیل میں سے ایک نبی تھا بلکہ وہ بھی اِسی اُمّت میں سے ہے اور یہ خدا تعالیٰ کی اس رحمت اور فضل سے بعید ہے جو اِس اُمّت کے شامل حال رکھتا ہے کہ وہ اِس اُمّت کو یہودی کا خطاب تو دے بلکہ ان یہودیوں کا خطاب دے جنہوں نے الیاس نبی کے دوبارہ آنے کی حجت پیش کرکے حضرت عیسیٰ کو کافر اور کذّاب ٹھہرایا تھا لیکن اِس اُمّت کے کسی فرد کو عیسیٰ کا خطاب نہ دے تو کیا

﴿۲۴۳﴾

اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا ہے کہ یہ اُمّت خدا تعالیٰ کے نزدیک کچھ ایسی بدبخت اور بدقسمت ہے کہ اس کی نظر میں شریر اور نافرمان یہودیوں کا خطاب تو پا سکتی ہے مگر اس امّت میں ایک فرد بھی ایسا نہیں کہ عیسیٰ کا خطاب پاوے پس یہی حکمت تھی کہ ایک طرف تو خدا تعالیٰ نے اس امّت کے بعض افراد کا نام یہودی رکھ دیا اور دوسری طرف ایک فرد کا نام عیسیٰ بھی رکھ دیا۔

بعض لوگ محض نادانی سے یا نہایت درجہ کے تعصّب اور دھوکا دینے کی غرض سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی پر اس آیت کو بطور دلیل لاتے ہیں کہ وَاِنۡ مِّنۡ اَھۡلِ الۡکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤۡمِنَنَّ بِہٖ قَبۡلَ مَوۡتِہٖ[1] اور اس سے یہ معنے نکالنا چاہتے ہیں کہ اس وقت تک حضرت عیسیٰ فوت نہیں ہوں گے جب تک کل اہل کتاب اُن پر ایمان نہ لے آویں۔ لیکن ایسے معنے وہی کرے گا جس کو فہم قرآن سے پورا حصہ نہیں ہے۔ یا جو دیانت کے طریق سے دور ہے۔ کیونکہ ایسے معنے کرنے سے قرآن شریف کی ایک پیشگوئی باطل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے فَاَغۡرَیۡنَا بَیۡنَھُمُ الۡعَدَاوَۃَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ[2] اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے۔ وَاَلۡقَیۡنَا بَیۡنَھُمُ الۡعَدَاوَۃَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ[3]۔ ان آیتوں کے یہ معنے ہیں کہ ہم نے قیامت تک یہود اور نصاریٰ میں دشمنی اور عداوت ڈال دی ہے پس اگر آیت ممدوحہ بالا کے یہ معنے ہیں کہ قیامت سے پہلے تمام یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے تو اس سے لازم آتا ہے کہ کسی وقت یہود و نصاریٰ کا بغض باہمی دور بھی ہو جائے گا اور یہودی مذہب کا تخم زمین پر نہیں رہے گا حالانکہ قرآن شریف کی اِن آیات سے اور کئی اور آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودی مذہب قیامت تک رہے گا۔ ہاں ذلت اور مَسکنت ان کے شامل حال ہوگی اور وہ دوسری طاقتوں کی پناہ میں زندگی بسر کریں گے۔ پس آیت ممدوحہ بالا کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ہر ایک شخص جو اہل کتاب میں سے ہے وہ اپنی موت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یا حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آویں گے۔ غرض موتہٖ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف پھرتی ہے نہ حضرت عیسیٰ کی طرف اسی وجہ سے اس آیت کی دوسری قراءت میں مَوتھم واقع ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ کی طرف

﴿۲۳۴﴾

[1] النسآء:۱۶۰ [2] المآئدۃ:۱۵ [3] المآئدۃ:۶۵

یہ ضمیر پھرتی تو دوسری قراءت میں موتھم کیوں ہوتا؟ دیکھو تفسیر ثنائی کہ اس میں بڑے زور سے ہمارے اس بیان کی تصدیق موجود ہے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہی معنے ہیں مگر صاحب تفسیر لکھتا ہے کہ ’’ابو ہریرہ فہم قرآن میں ناقص ہے اور اس کی درایت پر محدثین کو اعتراض ہے۔ ابو ہریرہ میں نقل کرنے کا مادہ تھا اور درایت اور فہم سے بہت ہی کم حصہ رکھتا تھا۔ اور میں کہتا ہوں کہ اگر ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایسے معنے کئے ہیں تو یہ اس کی غلطی ہے جیسا کہ اور کئی مقام میں محدثین نے ثابت کیا ہے کہ جو امور فہم اور درایت کے متعلق ہیں اکثر ابو ہریرہؓ اُن کے سمجھنے میں ٹھوکر کھاتا ہے اور غلطی کرتا ہے۔ یہ مسلّم امر ہے کہ ایک صحابی کی رائے شرعی حجت نہیں ہو سکتی۔ شرعی حجت صرف اجماع صحابہؓ ہے۔ سو ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس بات پر اجماع صحابہ ہو چکا ہے کہ تمام انبیاء فوت ہو چکے ہیں۔

﴿۲۳۵﴾ اور یاد رکھنا چاہیئے کہ جبکہ آیت قبل موتہٖ کی دوسری قراءت قبل موتھم موجود ہے، جو بموجب اصول محدثین کے حکم صحیح حدیث کا رکھتی ہے یعنی ایسی حدیث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تو اس صورت میں محض ابو ہریرہ کا اپنا قول رد کرنے کے لائق ہے کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کے مقابل پر ہیچ اور لغو ہے اور اُس پر اصرار کرنا کفر تک پہنچا سکتا ہے۔ اور پھر صرف اسی قدر نہیں بلکہ ابو ہریرہ کے قول سے قرآن شریف کا باطل ہونا لازم آتا ہے کیونکہ قرآن شریف تو جابجا فرماتا ہے کہ یہود و نصاریٰ قیامت تک رہیں گے ان کا بکلی استیصال نہیں ہوگا۔ اور ابو ہریرہ کہتا ہے کہ یہود کا استیصال بکلی ہو جائے گا اور یہ سراسر مخالف قرآن شریف ہے۔ جو شخص قرآن شریف پر ایمان لاتا ہے اس کو چاہیئے کہ ابو ہریرہ کے قول کو ایک ردّی متاع کی طرح پھینک دے بلکہ چونکہ قراءت ثانی حسب اصول محدثین حدیث صحیح کا حکم رکھتی ہے اور اس جگہ آیت قبل موتہٖ کی دوسری قراءت قبل موتھم موجود ہے جس کو حدیث صحیح سمجھنا چاہیئے۔ اس صورت میں ابو ہریرہ کا قول قرآن اور حدیث دونوں کے مخالف ہے۔ **فلا شکّ انّه باطل و من تبعه فانّه مفسد بطّال ۔**

کلمۃ

تمّت

﴿الف﴾

بڑا اہم مطلب جو اس خاتمہ میں لکھنے کے لئے پیش نظر ہے وہ یہ ہے کہ گذشتہ چار[۴] حصوں میں جو جو امور یا جو جو الہام مجمل بیان کئے گئے ہیں یا جن پیشگوئیوں کا ان حصوں میں ذکر ہو چکا ہے اور وہ اس زمانہ میں ظہور میں نہیں آئیں مگر بعد میں رفتہ رفتہ ظہور میں آ گئیں ان سب امور کے ظہور اور وقوع کا اس خاتمہ میں ذکر کیا جائے اور جن امور کی بعد میں حقیقت کھل گئی اس حقیقت کو بیان کیا جائے۔ پس یہ حصہ پنجم درحقیقت پہلے حصوں کے لئے بطور شرح کے ہے اور ایسی شرح کرنا میرے اختیار سے باہر تھا جب تک خدا تعالیٰ تمام سامان اپنے ہاتھ سے میسر نہ کرتا۔ کیونکہ حصص سابقہ کی الہامی پیشگوئیوں میں بہت سے نشانوں کے ظاہر ہونے کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی وعدہ ہے کہ خدا تعالیٰ اس عاجز کو قرآن شریف کے حقائق اور معارف سکھلائے گا اور انہیں حصوں میں میرا نام مریم اور عیسیٰ اور موسیٰ اور آدم غرض تمام انبیاء کا نام رکھا گیا ہے۔ اور یہ راز بھی معلوم نہ تھا کہ کیوں رکھا گیا اور ان تمام امور کا سمجھنا بجز الٰہی طاقت کے میرے لئے غیر ممکن تھا۔ خاص کر آسمانی نشانوں کا ظاہر کرنا تو وہ امر ہے جو بدیہی طور پر بشری قوت سے بالاتر اور بلند تر ہے۔ اور ان تمام امور کے ظاہر ہونے کے لئے خدا تعالیٰ کے ارادہ نے ایک وقت مقدّر کر رکھا تھا اور کتاب کے پنجم[۵] حصہ کا لکھنا انہیں امور کی شرح پر موقوف۔ پس اس صورت میں کیونکر ممکن تھا کہ بغیر ظہور ان امور کے جو حصص سابقہ کے لئے بطور شرح کے تھے پنجم حصہ لکھا جاتا۔ کیونکہ وہی امور تو پنجم حصہ کے لئے نفس مضمون تھے اور جب مدت التوا پر چوبیسواں[۲۴] سال آیا تو عنایت الٰہی کی نسیمِ رحمت

﴿ب﴾

نے تمام وہ امور جو براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں مخفی اور مستور تھے اُن پر ہر ایک پہلو سے روشنی ڈال دی۔ ایک طرف وہ موعودہ پیشگوئیاں جن کے ظہور کی انتظار تھی کافی طور پر ظہور میں آ گئیں اور دوسری طرف قرآنی حقائق اور معارف جو معرفت کو کامل کرتے تھے بخوبی کھل گئے اور ساتھ اس کے **اسماء الانبیاء** کا راز بھی جو پہلے چار حصوں میں سربستہ تھا یعنی وہ نبیوں کے اسماء جو میری طرف منسوب کئے گئے تھے ان کی حقیقت بھی **کما حقّہٗ منکشف** ہوگئی یعنی یہ راز بھی کہ خدا تعالیٰ نے تمام انبیاء **علیہم السّلام** کا نام براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں میرا نام کیوں رکھ دیا ہے۔ اور نیز یہ **راز** بھی کہ اخیر ج پر بنی اسرائیل کے خاتم الانبیاء کا نام جو **عیسیٰ** ہے اور اسلام کے خاتم الانبیاء کا نام جو **احمد** اور **محمد** ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دونوں نام بھی میرے نام کیوں رکھ دیئے؟ ان تمام چھپی ہوئی حقیقتوں کا بھی انکشاف ہوگیا۔ اور میرا نام آسمان پر عیسیٰ وغیرہ ہونا وہ راز تھا جس کو اسی طرح خدا تعالیٰ نے صدہا سال تک مخفی رکھا تھا جیسا کہ اصحاب کہف کو مخفی رکھا تھا۔ اور ضرور تھا کہ وہ تمام راز سربستہ رہیں جب تک کہ وہ زمانہ آ جائے جو ابتدا سے مقدر تھا۔ اور جب وہ زمانہ آ گیا اور یہ تمام باتیں پوری ہوگئیں تو وقت آ گیا کہ پنجم حصہ لکھا جائے۔ پس اِسی بات نے براہین احمدیہ کی تکمیل کو تیئیس ۲۳ برس تک معرضِ التوا میں رکھا تھا۔ یہ خدا کے اسرار ہیں جن پر انسان بجز اُس کے مطلع کرنے کے اطلاع نہیں پا سکتا۔ ہر ایک انسان جو اس پنجم حصہ کو پڑھے گا وہ اس بات کے لئے مجبور ہوگا کہ یہ اقرار کرے کہ اگر ان پیشگوئیوں اور دوسرے اسرار کے کھلنے سے پہلے پنجم حصہ لکھا جاتا تو وہ گذشتہ حصوں کی حقیقت دکھلانے کے لئے ہرگز آئینہ نہ ٹھہر سکتا بلکہ اس کا لکھنا محض بے ربط اور بے تعلق ہوتا۔ پس وہ خدا جو حکیم اور عالم الغیب ہے اور ہر ایک کام اس کا اوقات سے وابستہ ہے اس نے یہی پسند کیا کہ اوّل وہ تمام پیشگوئیاں اور تمام حقیقتیں ظاہر ہو جائیں جو حصص سابقہ کے وقت میں ابھی ظاہر نہیں ہوئی تھیں پھر بعد میں پنجم حصہ لکھا جائے تا وہ ان تمام امور کے

﴿ج﴾

ظاہر اور کامل ہونے کی اطلاع دے جو پہلے مخفی اور مستور تھے اور درحقیقت اس کتاب کے پہلے حصے جس قدر تحریر پر ختم ہو چکے ہیں ان کے لئے ایک ایسی حالتِ منتظرہ باقی تھی جو بجز اس طرز کے پنجم حصہ کے پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ ان چار حصوں میں ایک بڑا حصہ پیشگوئیوں کا ہے جن میں خبر دی گئی ہے کہ آئندہ خدا ایسے ایسے امور کو ظاہر کرے گا۔ اور جب تک وہ پیشگوئیاں پوری نہ ہو جاتیں تو کیونکر کوئی سمجھ سکتا تھا کہ وہ تمام الہام جن میں یہ پیشگوئیاں لکھی گئیں وہ خدا کی طرف سے ہیں اور اسی وجہ سے تمام مخالف ان پیشگوئیوں کے مکذّب رہے اور خدا نہیں چاہتا تھا کہ اُس کی پیشگوئیوں کو تکذیب کی نظر سے دیکھا جائے اور خود یہ بات محققانہ طرز سے دور تھی کہ ابھی گذشتہ حصوں کی سچائی کا ثبوت نہ دیا جائے اور ایک غیر متعلق پنجم حصہ لکھا جائے۔ پس ضرور تھا کہ قضاء وقدر ربّانی اس عاجز کو پنجم حصہ کے لکھنے سے اُس مدت دراز تک روکے رکھے جب تک کہ وہ تمام پیشگوئیاں اور دوسرے امور ظہور میں آجائیں کہ جو پہلے چار حصوں میں مخفی اور مستور تھے۔ سو **اَلحمد لِلّٰہ وَالمنّۃ** اس مدت میں کہ جو پوری تیئیس[۲۳] سال تھی وہ سب باتیں ظہور میں آگئیں اور یہ سب سامان خدا نے آپ میسّر کر دیا اور علاوہ ظہور نشانوں کے خدا تعالیٰ کی کشفی تجلّیات نے حقیقت اسلام کی اور نیز بہت سے مشکل مقامات قرآن شریف کے میرے پر کھول دیئے۔ ورنہ میری طاقت سے باہر تھا کہ میں ان دقائق عالیہ کو خود بخود معلوم کر سکتا۔ لیکن اس سامان کے پیدا ہونے کے بعد میں اس لائق ہو گیا کہ پنجم حصہ میں پہلے چار حصوں کے ان مقامات کی شرح لکھوں کہ جو اس گذشتہ زمانہ میں مَیں لکھ نہیں سکتا تھا۔ پس میں نے اس پورے سامان کے بعد ارادہ کیا کہ اوّل اس خاتمہ میں اسلام کی حقیقت لکھوں کہ اسلام کیا چیز ہے؟ اور بعد میں قرآن شریف کی اعلیٰ اور کامل تعلیم کا اُس کی آیات کے حوالہ سے کچھ بیان کروں۔ اور یہ ظاہر کروں کہ درحقیقت تمام آیات قرآنی کے لئے اسلام کا مفہوم بطور مرکز کے ہے اور تمام آیاتِ قرآنی

اسی کے گرد گھوم رہی ہیں۔اور پھر بعد اس کے ان نشانوں کا ذکر کروں جن کا میرے ہاتھ پر ظاہر ہونا براہین احمدیہ کے پہلے حصوں میں وعدہ تھا جو اتباع قرآن شریف کا ایک نتیجہ ہیں۔ ﴿د﴾ اور سب کے بعد ان الہامات کی تشریح لکھوں جن میں میرا نام خدا تعالیٰ نے عیسیٰ رکھا ہے یا دوسرے نبیوں کے نام سے مجھے موسوم کیا ہے یا ایسا ہی اور بعض الہامی فقرے جو تشریح کے لائق ہیں بیان فرمائے ہیں۔پس مذکورہ بالا ضرورتوں کے لحاظ سے اس خاتمہ کو چار فصلوں پر منقسم کیا گیا ہے۔

فصل اوّل۔اسلام کی حقیقت کے بیان میں۔

فصل دوم۔قرآن شریف کی اعلیٰ اور کامل تعلیم کے بیان میں۔

فصل سوم۔ان نشانوں کے بیان میں جن کے ظہور کا براہین احمدیہ میں وعدہ تھا اور خدا نے میرے ہاتھ پر وہ ظاہر فرمائے۔

فصل چہارم۔ان الہامات کی تشریح میں جن میں میرا نام عیسیٰ رکھا ہے یا دوسرے نبیوں کے نام سے مجھے موسوم کیا ہے یا ایسا ہی اور بعض الہامی فقرے جو تشریح کے لائق ہیں بیان فرمائے ہیں۔اب انشاء اللہ اسی تشریح سے فصول اربعہ کا ذیل میں ذکر ہوگا۔**وَ مَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ**

رَبِّ اَنْطِقْنَا بِالْحَقِّ وَ اكْشِفْ عَلَيْنَا الْحَقَّ وَاهْدِنَا اِلٰى حَقٍّ مُّبِيْنٍ.

اٰمين ثُمَّ اٰمين

﴿۱﴾

ذیلؔ میں وہ متفرق یادداشتیں دی جاتی ہیں

جو

حضرت اقدس نے اِس مضمون کے متعلق لکھی تھیں اور آپ کے مسودات سے دستیاب ہوئیں

آیاتِ قرآن شریف جو اس مضمون میں انشاء اللہ لکھی جائیں گی۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ[1] ۔ صفحہ ۵۶ ☆

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ[2] ۔ اگر تم ظاہر کرو خیرات کو تو وہ اچھا ہے۔ اور اگر تم خیرات کو چھپاؤ تو وہ بہت ہی اچھا ہے۔ ایسی خیرات تمہاری برائیاں دُور کرے گی۔ صفحہ ۶۰

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ[3] ۔ صفحہ ۶۱

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ[4] ۔ تا کہ ان کا بھلا ہو۔ صفحہ ۳۷۔ سورۃ البقرۃ الجزو نمبر ۲ ۔ چاہئے کہ میرے حکموں کو قبول کریں اور مجھ پر ایمان لاویں تا کہ ان کا بھلا ہو۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا[5] ۔ صفحہ ۴۱۔ الجزو نمبر ۲ سورۃ البقرۃ۔ تم محبت سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ خدا کو یاد کرو۔ جیسا کہ تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو۔

☆ نوٹ ۔ یہ حوالہ جات صفحات اُس قرآن مجید کے ہیں جو حضور علیہ السلام کے پاس بوقت تحریر مضمون تھا۔

[1] البقرۃ:۲۵۷　[2] البقرۃ:۲۷۲　[3] البقرۃ:۲۷۵　[4] البقرۃ:۱۸۷
[5] البقرۃ:۲۰۱

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللهِ وَاللهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ[1] ۔ صفحہ ۴۲۔ الجزو نمبر ۲ البقرہ۔ بعض ایسے ہیں کہ اپنے نفسوں کو خدا کی راہ میں بیچ دیتے ہیں۔ تا کسی طرح وہ راضی ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ[2] ۔ صفحہ ۴۳۔ اے ایمان والو! خدا کی راہ میں اپنی گردن ڈال دو۔ اور شیطانی راہوں کو اختیار مت کرو کہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اِس جگہ شیطان سے مراد وہی لوگ ہیں جو بدی کی تعلیم دیتے ہیں۔ ﴿۲﴾

لَا تَجْعَلُوا اللهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ[3] ۔ صفحہ ۴۶

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى[4] ۔ صفحہ ۵۸۔ كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا[5] ۔ صفحہ ۵۸

صاف

قرآن شریف میں یہ خاص خوبی ہے کہ اس کی اخلاقی تعلیم تمام دُنیا کے لئے ہے مگر انجیل کی اخلاقی تعلیم صرف یہود کے لئے ہے۔

اس بیان میں کہ قرآن شریف دوسری امتوں کے نیکوں کی بھی تعریف کرتا ہے۔

لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ○ يُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ[6] ۔ صفحہ ۸۵

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِىْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ

---

[1] البقرة:۲۰۸ [2] البقرة:۲۰۹ [3] البقرة:۲۲۵ [4] البقرة:۲۶۵ [5] البقرة:۲۶۵

[6] ال عمران:۱۱۴، ۱۱۵

بِالْکِتٰبِ کُلِّہٖ وَ اِذَا لَقُوْکُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْکُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ[۱] ۔ صفحہ ۸۷

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یُزَکُّوْنَ اَنْفُسَھُمْ بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا[۲] صفحہ ۱۱۴۔ سورۃ النساء

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا وَ اِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا[۳] ۔ صفحہ ۱۱۵۔ سورۃ النساء

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ یہودی اور مسلمان میں اس کے متعلق ہے)

﴿۳﴾ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَۃً حَسَنَۃً یَّکُنْ لَّہٗ نَصِیْبٌ مِّنْھَا وَمَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَۃً سَیِّئَۃً یَّکُنْ لَّہٗ کِفْلٌ مِّنْھَا وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا[۴] ۔ صفحہ ۱۲۱

اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے

وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ خٰلِدًا فِیْھَا وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَلَعَنَہٗ وَ اَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیْمًا[۵] ۔ سورۃ النساء۔ صفحہ ۱۲۳۔ الجزو نمبر ۵

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا[۶] ۔ صفحہ ۱۲۳ سورۃ النساء

اسلام — وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا[۷] صفحہ ۱۳۰ رکوع ۱۸۔ سورۃ النساء۔ الجزو نمبر ۵

صلح — وَالصُّلْحُ خَیْرٌ[۸] صفحہ ۱۳۰۔ رکوع ۱۹۔ سورۃ النساء

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ[۹] الجزو نمبر ۵۔ سورۃ النساء۔ صفحہ ۱۳۶

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ

[۱] ال عمران: ۱۱۹، ۱۲۰ [۲] النسآء: ۵۰ [۳] النسآء: ۵۹ [۴] النسآء: ۸۶
[۵] النسآء: ۹۴ [۶] النسآء: ۹۵ [۷] النسآء: ۱۲۶ [۸] النسآء: ۱۲۹
[۹] النسآء: ۱۳۶

الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا۔[1] صفحہ ۱۳۲

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا .... وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔[2] صفحہ ۲۷۔ سورۃ البقرۃ۔ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ۔[3] صفحہ ۲۷ سورۃ البقرۃ

اگر وہ ایسا ایمان لائیں جیسا کہ تم ایمان لائے تو وہ ہدایت پا چکے اور اگر ایسا ایمان نہ لاویں تو پھر وہ ایسی قوم ہے جو مخالفت چھوڑنا نہیں چاہتی اور صلح کی خواہاں نہیں۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا۔[4] صفحہ ۱۳۷۔ سورۃ النساء۔ جزو نمبر ۶

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا۔[5] صفحہ ۱۳۵ سورۃ النساء

﴿۴﴾

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ یُكْفَرُ بِهَا وَیُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ۔[6] صفحہ ۱۳۳

مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِیْمًا۔[7] صفحہ ۱۳۵۔ سورۃ النساء

اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَیْرًا لَّكُمْ۔[8] صفحہ ۱۳۹۔ سورۃ النساء الجزو نمبر ۶

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا[9] صفحہ ۱۴۱

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ[10] صفحہ ۱۴۳ سورۃ المائدہ الجزو نمبر ۶۔ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى۔[11]

---

[1] النساء: ۱۳۷ [2] البقرۃ: ۱۳۷ [3] البقرۃ: ۱۳۸ [4] النساء: ۱۶۶
[5] النساء: ۱۵۱، ۱۵۲ [6] النساء: ۱۴۱ [7] النساء: ۱۴۸ [8] النساء: ۱۷۲ [9] المائدۃ: ۴
[10] المائدۃ: ۹ [11] النحل: ۹۱

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[1] صفحہ ۱۶۱۔سورۃ المائدہ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ[2]۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ[3]۔صفحہ ۱۹۹

الانعام۔الجزو نمبر ۸ الٰی صفحہ ۲۰۸

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا[4] .... وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى[5]۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ[6]

نہیں نکلتی کھیتی اس کی مگر تھوڑی صفحہ ۲۰۹۔سورۃ الاعراف۔الجزو نمبر ۸

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ[7] سورۃ الاعراف۔صفحہ ۲۱۵

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم نے ان کو انکار کی حالت میں قحط اور وبا کے ساتھ پکڑا تا اس طرح پر وہ عاجزی کریں۔

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ[8] صفحہ ۲۱۵۔سورۃ الاعراف۔الجزو نمبر ۹

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ[9] صفحہ ۲۱۵۔الاعراف

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ ؕ اَوَاَمِنَ

(۵)

[1] المائدۃ:۹۱ [2] اٰل عمران:۳۲ [3] الانعام:۱۶۳ [4] الشمس:۱۰،۱۱
[5] بنی اسرائیل:۷۳ [6] الاعراف:۵۸،۵۹ [7] الاعراف:۹۵ [8] الاعراف:۹۶ [9] الاعراف:۹۷

اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ[1] صفحہ ۲۱۵

يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِىْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[2]

صفحہ ۲۲۵۔الاعراف۔الجزونمبر ۹

یہ نبی اُن باتوں کے لئے حکم دیتا ہے جو خلاف عقل نہیں ہیں اور ان باتوں سے منع کرتا ہے جن سے عقل بھی منع کرتی ہے۔اور پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ناپاک کو حرام ٹھہراتا ہے اور قوموں کے سر پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جس کے نیچے وہ دبی ہوئی تھیں اور ان گردنوں کے طوقوں سے وہ رہائی بخشتا ہے جن کی وجہ سے گردنیں سیدھی نہیں ہوسکتی تھیں۔پس جو لوگ اس پر ایمان لائیں گے اور اپنی شمولیت کے ساتھ اس کو قوت دیں گے۔اور اس کی مدد کریں گے اور اس نور کی پیروی کریں گے جو اس کے ساتھ اُتارا گیا وہ دنیا اور آخرت کی مشکلات سے نجات پائیں گے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا[3] صفحہ ۲۲۵۔الاعراف۔الجزونمبر ۹

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ[4] صفحہ ۲۲۸

﴿۲﴾ اور جو لوگ محکم پکڑتے ہیں کتاب کو اور نماز کو قائم کرتے ہیں اُن کے ہم اجر ضائع نہیں کرتے۔

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى[5] صفحہ ۲۲۹۔رُوحوں کے قویٰ جن میں خدا تعالیٰ کا عشق پیدا ہوا ہے بزبان حال گواہی دے رہے ہیں جو وہ خدا کے ہاتھ سے نکلے ہیں۔

پس اگر یہ سوال پیش ہو کہ ہم کس طرح قرآن شریف پر ایمان لاویں کیونکہ دونوں تعلیموں میں تناقض درمیان ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی تناقض نہیں وید کی شرتیوں کی ہزارہا طور پر تفسیریں کی گئی ہیں اور منجملہ ان کے ایک تفسیر وہ بھی ہے جو قرآن کے مطابق ہے۔

[1] الاعراف:۹۸،۹۹ [2] الاعراف:۱۵۸ [3] الاعراف:۱۵۹
[4] الاعراف:۱۷۱ [5] الاعراف:۱۷۳

جو شخص خدا سے نہیں ڈرتا وہ ایک حق الامر کے بارے میں ایسا مقابلہ سے پیش آتا ہے کہ گویا اس کو موت کی طرف کھینچنا چاہتے ہیں اور وہ اپنی جان بچا رہا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ[1] صفحہ ۲۳۹۔ الانفال۔ نمبر ۹۔ اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ[2]

(ترجمہ) اے ایمان والو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم میں اور تمہارے غیر میں خدا ایک فرق رکھ دے گا اور تمہیں پاک کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور تمہارا خدا صاحب فضل بزرگ ہے۔

یادداشت۔ دین مذہب صرف زبانی قصہ نہیں بلکہ جس طرح سونا اپنی علامتوں سے شناخت کیا جاتا ہے اسی طرح سچے مذہب کا پابند اپنی روشنی سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

خدا ہلاک کرتا ہے اس شخص کو جو دلیل کے ساتھ ہلاک ہو چکا اور زندہ رکھتا ہے اُس شخص کو جو دلیل کے ساتھ زندہ ہے۔

وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ[3] صفحہ ۲۴۴۔ الانفال۔ نمبر ۱۰۔ اور اگر مخالف لوگ صلح کے واسطے جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ اور خدا پر توکل کرو۔

وَ اِنْ یُّرِیْدُوْۤا اَنْ یَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِیْۤ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ[4] صفحہ ۲۴۴۔ سورۃ الانفال

اور اگر صلح کے وقت دل میں دغا رکھیں تو اُس دغا کے تدارک کے لئے خدا تجھے کافی ہے۔

﴿۷﴾ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْۤا اَیْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ[5]

سورۃ التوبہ۔ صفحہ ۲۵۰۔ الجزو نمبر ۱۰

[1] الانفال:۳۰ [2] الانفال:۳۵ [3] الانفال:۶۲ [4] الانفال:۶۳ [5] التوبۃ:۱۳

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ٰاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ[1] ۔صفحہ ۲۵۲۔سورۃ التوبہ۔الجزو نمبر ۱۰

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ[2] ۔صفحہ ۲۶۸ التوبہ نمبر ۱۰

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ[3] ۔صفحہ ۲۷۱۔سورۃ التوبہ۔الجزو نمبر ۱۱۔

(ترجمہ)۔وہ لوگ خوش وقت ہیں جو سب کچھ چھوڑ کر خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں اور خدا کی پرستش میں مشغول ہوتے ہیں اور خدا کی تعریف میں لگے رہتے ہیں۔اور خدا کی راہ میں منادی کے لئے دنیا میں پھرتے ہیں اور خدا کے آگے جھکے رہتے ہیں۔اور سجدہ کرتے ہیں۔وہی مومن ہیں جن کو نجات کی خوشخبری دی گئی ہے۔ ﴿۳۱۰﴾

خدا نے اپنے قانون قدرت میں مصائب کو پانچ قسم پر منقسم کیا ہے۔یعنی آثار مصیبت کے جو خوف دلاتے ہیں۔اور پھر مصیبت کے اندر قدم رکھنا۔اور پھر ایسی حالت جب نومیدی...... پیدا ہوتی ہے۔اور پھر زمانہ تاریک مصیبت کا۔اور پھر صبح رحمت الٰہی کی یہ پانچ وقت ہیں جن کے نمونہ پانچ نمازیں ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ. كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ[4] ۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ[5] ۔

---

[1] التوبۃ:۲۴ [2] التوبۃ:۱۰۳ [3] التوبۃ:۱۱۲ [4] الصّف:۳،۴ [5] الانعام:۲۲

﴿۸﴾

ذیل میں چند اعتراضات اور چند حقائق درج کئے جاتے ہیں جو حضور علیہ السلام کی یادداشتوں میں جو مضمون کے متعلق آپ نے لکھی ہوئی تھیں ملے ہیں۔ان اعتراضات کو رد کرنے کا اوران حقائق پر بموجب تعلیم قرآن روشنی ڈالنے کا آپ کا ارادہ تھا ایسا ہی بعض امور بدھ کی ایک کتاب سے لئے معلوم ہوتے ہیں جو اُن دنوں آپ کے زیر مطالعہ تھی۔جس کے متعلق آپ کچھ لکھنا چاہتے تھے۔

(۱) جتنی الہامی کتابیں ہیں ان میں کونسی ایسی نئی بات ہے جو پہلے معلوم نہ تھی۔

(۲) کس ایسی سائنس کے عقدہ کو نبیوں نے حل کیا جو پہلے .... لَایَنْحَلُ تھا۔

(۳) نبیوں نے روح کی کیفیت و ماہیت کچھ نہیں بتلائی اور نہ آئندہ زندگی کا کچھ حال بتلایا نہ خدا کا ہی مفصل حال بیان کر سکے۔

فن طبعی میں نیند کو اسباب طبعیہ میں رکھا ہے۔لیکن انبیاء نے بیان کیا ہے کہ نیند کے اور اسباب تھے۔ اَمَنَةً نُّعَاسًا ۔

(۴) سابقہ مغالطوں کو رفع نہیں کیا۔اور نہ پیچیدہ مسائل کو سلجھایا۔ بلکہ اَور بھی الجھن میں ڈال دیا۔

(۵) بدھ کی تعلیم اخلاقی سب سے اعلیٰ ہے۔

(۶) جس چیز سے انسان پیار کرتا ہے اس سے اگر جدا کیا جائے تو یہی اس کے لئے ایک عذاب ہو جاتا ہے۔

(۷) اور جس چیز سے اگر پیار کرے اگر وہ میسر آجائے تو یہی اس کی راحت کا موجب ہو جاتا ہے۔وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ[1]۔

(۸) خواہش کا نابود کرنا ذریعہ نجات ہے۔

(۹) دنیا میں کبھی علم صحیح سے نجات ملتی ہے اور کبھی عمل صحیح سے نجات ملتی ہے اور کبھی قول صحیح سے نجات ملتی ہے اور کبھی فعل صحیح سے نجات ملتی ہے۔اور

[1] سبا:۵۵

کبھی بنی نوع سے معاملہ پاک موجب نجات ہو جاتا ہے اور کبھی خدا سے معاملہ نیک درد و دکھ چُھڑاتا ہے۔ اور کبھی ایک درد دُوسری دردوں کے لئے کفارہ ہو جاتی ہے۔

﴿۹﴾ (۱۰) سچ کہو جھوٹ نہ بولو۔ بیہودہ باتوں سے پرہیز کرو۔ اور اپنے فعل یا اپنے قول سے کسی کو نقصان مت پہنچاؤ۔ اپنی زندگی کو پاک رکھو غیبت نہ کرو۔ اور کسی پر بہتان مت لگاؤ۔ نفسانی شہوات اپنے پر غالب نہ ہونے دو۔ کینہ اور حسد سے پرہیز کرو۔ بغض سے اپنا دل صاف رکھو۔ اپنے دشمنوں سے بھی وہ معاملہ نہ کرو جو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے۔ ایسی نصیحتیں دوسروں کو مت کرو جن کے تم پابند نہیں۔ معرفت کی ترقی میں لگے رہو۔ جہل سے دل کو پاک کرو۔ جلدی سے کسی پر اعتراض مت کرو۔

﴿صفحہ ۶۲﴾

﴿۶۹﴾ نفرت کرنے سے نفرت رفع نہیں ہوتی بلکہ اور بھی بڑھتی ہے۔ محبت نفرت کو ٹھنڈا کر کے رفع کر دیتی ہے۔

﴿۷۰﴾ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ[۱]۔ یعنی دلوں کی پاکیزگی سچی قربانی ہے۔ گوشت اور خون سچی قربانی نہیں۔ جس جگہ عام لوگ جانوروں کی قربانی کرتے ہیں خاص لوگ دلوں کو ذبح کرتے ہیں۔

مگر خدا نے یہ قربانیاں بھی بند نہیں کیں تا معلوم ہو کہ ان قربانیوں کا بھی انسان سے تعلق ہے۔

کتاب بدھ صفحہ ۹۷

خدا نے بہشت کی خوبیاں اس پیرایہ میں بیان کی ہیں جو عرب کے لوگوں کو چیزیں دل پسند تھیں وہی بیان کر دی ہیں تا اس طرح پر ان کے دل اس طرف مائل ہو جائیں۔ اور دراصل وہ چیزیں اور ہیں یہی چیزیں نہیں۔ مگر ضرور تھا کہ ایسا بیان کیا جاتا تا کہ دل مائل کئے جائیں۔ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِىْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ[۲]۔

وہ جو اپنی نفسانی خواہشات کے پورا کرنے میں لگا رہتا ہے وہ سراسر اپنی بیخ کنی کرتا ہے لیکن وہ جو سچے راستہ پر چلتا ہے اس کا نہ صرف بدن بلکہ روح بھی نجات کو پہنچے گی۔

۱؎ الحج: ۳۸ ۲؎ محمّد: ۱۶

وہ جو اپنی نفسانی خواہشات کے پورا کرنے میں لگا رہتا ہے وہ سراسر اپنی بیخ کنی کرتا ہے اور نہ صرف جسم کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ بلکہ روح کو بھی ہلاک کرتا ہے۔ مگر وہ جو راہ راست پر چلتا ہے اور نفسانی جذبات کا پیرو نہیں ہوتا۔ وہ نہ صرف اپنے بدن کو ہلاکت سے بچاتا ہے بلکہ اپنی روح کو بھی نجات تک پہنچا دیتا ہے۔ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰىهَا وَ قَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا۔[1]

«۱۰»

ایک گاؤں میں سَو گھر تھے اور صرف ایک گھر میں چراغ جلتا تھا۔ تب جب لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ اپنے اپنے چراغ لے کر آئے اور سب نے اُس چراغ سے اپنے چراغ روشن کئے۔ اِسی طرح ایک روشنی سے کثرت ہو سکتی ہے۔ اِسی طرف اللہ تعالیٰ اشارہ کر کے فرماتا ہے۔ وَ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذۡنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیۡرًا۔[2]

انسان تو اپنی جان کا بھی مالک نہیں چہ جائیکہ وہ دولت کا مالک ہو۔ ایک چمچہ شربت کا مزہ نہیں پا سکتا اگرچہ کئی بار اس میں پڑتا ہے۔ شیرینی ہاتھوں کے ذریعہ سے منہ تک پہنچتی ہے لیکن ہاتھ شیرینی کا مزہ نہیں پا سکتے۔ اسی طرح جس کو خدا نے حواس نہیں دیئے وہ ذریعہ بن کر بھی کچھ فائدہ نہیں اٹھاتا۔ اَللّٰہُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ[3]۔ صُمٌّۢ بُکۡمٌ عُمۡیٌ فَهُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ۔[4]

ایک بڑی لذّت چھوٹی لذّت سے غنی کر دیتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ[5] .... وَلَذِکۡرُ اللّٰہِ اَکۡبَرُ۔[6]

«صفحہ ۱۰۲»

(۱) ایمان بیج ہے (۲) نیک کام مینہ ہے (۳) مجاہدات ہل ہیں جو جسمانی اور ظاہری طور پر کئے جاتے ہیں۔ نفس مرتاض بیل ہے جو نفس لوّامہ ہے۔ شریعت اس کے چلانے کے لئے ڈنڈا ہے اور وہ اناج جو اس سے پیدا ہوتا ہے وہ دائمی زندگی ہے۔

ذات سے خارج وہ ہوتا ہے جو نیک صفات سے خالی ہو کیونکہ انسان کی نیک صفات ہی اُس کی ذات ہے۔ اپنے دل کے جذبات کو سمجھنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔

[1] الشمس: ۱۰، ۱۱ [2] الاحزاب: ۴۷ [3] الانعام: ۱۲۵ [4] البقرۃ: ۱۹
[5] الرعد: ۲۹ [6] العنکبوت: ۴۶

وہ جن چیزوں میں اپنی خوشحالی دیکھتے ہیں درحقیقت وہ خوشحالی کا موجب نہیں ہوتیں۔

جو شخص بدی کے مقابل پر بدی نہیں کرتا اور معاف کرتا ہے وہ بلاشبہ تعریف کے لائق ہے۔مگر اس سے زیادہ وہ شخص تعریف کے لائق ہے جو عفو یا انتقام کا مقید نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہو کر مناسب وقت کام کرتا ہے۔ کیونکہ خدا بھی ہر ایک کے مناسب حال کام کرتا ہے جو سزا کے لائق ہے اس کو سزا دیتا ہے جو معافی کے لائق ہے اس کو معافی دیتا ہے۔ جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ[1]۔ ﴿۱۱﴾

دنیا میں دو فرقے بہت ہیں۔ایک تو وہ جو عدل کو پسند کرتے ہیں۔اور دوسرے وہ جو احسان کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں۔ اور تیسرا فرقہ وہ ہے جو سچی ہمدردی اس قدر ان پر غالب آجاتی ہے کہ وہ عدل اور احسان کا پابند نہیں رہتا۔ بلکہ سچی ہمدردی کی رہنمائی سے مناسب وقت عمل کرتا ہے۔جیسا کہ ماں اپنے بچہ کے ساتھ سلوک کرتی ہے کہ شیریں اور لذیذ غذائیں بھی اس کو اور پھر مناسب وقت پر تلخ دوا بھی دیتی ہے اور دونوں حالتوں میں اس کی ....

میرے بیان میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہوگا جو گورنمنٹ انگریزی کے برخلاف ہو۔اور ہم اس گورنمنٹ کے شکر گذار ہیں کیونکہ ہم نے اس سے امن اور آرام پایا ہے۔ میں اپنے دعویٰ کی نسبت اس قدر بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں اپنی طرف سے نہیں بلکہ خدا کے انتخاب سے بھیجا گیا ہوں تا میں مغالطوں کو رفع کروں اور پیچیدہ مسائل کو صاف کردوں اور اسلام کی روشنی دوسری قوموں کو دکھلاؤں۔اور یاد رہے کہ جیسا کہ ہمارے مخالف ایک مکروہ صورت اسلام کی دکھلا رہے ہیں۔ یہ صورت اسلام کی نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایسا چمکتا ہوا ہیرا ہے جس کا ہر ایک گوشہ چمک رہا ہے اور جیسا کہ ایک بڑے محل میں بہت سے چراغ ہوں اور کوئی چراغ کسی دریچہ سے نظر آوے اور کوئی کسی کونہ سے۔یہی حال

[1] الشوریٰ:۴۱

اسلام کا ہے کہ اُس کی آسمانی روشنی صرف ایک ہی طرف سے نظر نہیں آتی بلکہ ہر ایک طرف سے اس کے ابدی چراغ نمایاں ہیں۔ اُس کی تعلیم بجائے خود ایک چراغ ہے اور اس کی قوت روحانی بجائے خود ایک چراغ ہے اور اس کے ساتھ جو خدا کی نصرت کے نشان ہیں وہ ہر ایک نشان چراغ ہے۔ اور جو شخص اس کی سچائی کے اظہار کے لئے خدا کی طرف سے آتا ہے وہ بھی ایک چراغ ہوتا ہے۔ میرا بڑا حصہ عمر کا مختلف قوموں کی کتابوں کے دیکھنے میں گذرا ہے مگر میں سچ سچ کہتا ہوں کہ میں نے کسی دوسرے مذہب کی کسی تعلیم کو خواہ اس کا عقائد کا حصہ اور خواہ اخلاقی حصہ اور خواہ تدبیر منزلی اور سیاست مدنی کا حصہ اور خواہ اعمال صالحہ کی تقسیم کا حصہ ہو قرآن شریف کے بیان کے ہم پہلو نہیں پایا اور یہ قول میرا اس لئے نہیں کہ میں ایک شخص مسلمان ہوں بلکہ سچائی مجھے مجبور کرتی ہے کہ میں یہ گواہی دوں اور یہ میری گواہی بے وقت نہیں بلکہ ایسے وقت میں ہے جب کہ دنیا میں مذاہب کی کُشتی شروع ہے۔ مجھے خبر دی گئی ہے کہ اس کُشتی میں آخر کار اسلام کو غلبہ ہے۔ میں زمین کی باتیں نہیں کہتا کیونکہ میں زمین سے نہیں ہوں بلکہ میں وہی کہتا ہوں جو خدا نے میرے مُنہ میں ڈالا ہے زمین کے لوگ خیال کرتے ہوں گے کہ شاید انجام کار عیسائی مذہب دنیا میں پھیل جائے یا بدھ مذہب تمام دنیا پر حاوی ہو جائے مگر وہ اس خیال میں غلطی پر ہیں۔ یادر ہے کہ زمین پر کوئی بات ظہور میں نہیں آتی جب تک وہ بات آسمان پر قرار نہ پائے۔ سو آسمان کا خدا مجھے بتلاتا ہے کہ آخر اسلام کا مذہب دلوں کو فتح کرے گا۔ اس مذہبی جنگ میں مجھے حکم ہے کہ میں حکم کے طالبوں کو ڈراؤں۔ اور میری مثال اس شخص کی ہے جو ایک خطرناک ڈاکوؤں کے گروہ کی خبر دیتا ہے جو ایک گاؤں کی غفلت کی حالت میں اس پر ڈاکہ مارنا چاہتے ہیں۔ پس جو شخص اُس کی سنتا ہے وہ اپنا مال اُن ڈاکوؤں کی دستبرد سے بچالیتا ہے اور جو نہیں سنتا وہ غارت کیا جاتا ہے۔ ہمارے وقت میں دو قسم کے ڈاکو ہیں

﴿۱۲﴾

کچھ تو باہر کی راہ سے آتے ہیں اور کچھ اندر کی راہ سے۔ اور وہی مارا جاتا ہے جو اپنے مال کو محفوظ جگہ میں نہیں رکھتا۔ اس زمانہ میں ایمانی مال کے بچانے کے لئے محفوظ جگہ یہ ہے کہ اسلام کی خوبیوں کا علم ہو۔ اسلام کی قوت روحانی کا علم ہو۔ اسلام کے زندہ معجزات کا علم ہو اور اس شخص کا علم ہو جو اسلامی بھیڑوں کے لئے بطور گلہ بان مقرر کیا جائے۔ کیونکہ پرانا بھیڑیا اب تک زندہ ہے وہ مرا نہیں ہے۔ وہ جس بھیڑ کو اُس کے چرانے والے سے دور دیکھے گا وہ ضرور اس کو لے جائے گا۔

اے بندگانِ خدا! آپ لوگ جانتے ہیں کہ جب امساک باراں ہوتا ہے اور ایک مدت تک مینہ نہیں برستا تو اس کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئیں بھی خشک ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ پس جس طرح جسمانی طور پر آسمانی پانی بھی زمین کے پانیوں میں جوش پیدا کرتا ہے اِسی طرح روحانی طور پر جو آسمانی پانی ہے (یعنی **خدا کی وحی**) وہی سفلی عقلوں کو تازگی بخشتا ہے۔ سو یہ زمانہ بھی اس **روحانی پانی** کا محتاج تھا۔

میں اپنے دعویٰ کی نسبت اس قدر بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مَیں **عین ضرورت کے وقت** خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔ جبکہ اس زمانہ میں بہتوں نے یہود کا رنگ پکڑا۔ اور نہ صرف **تقویٰ اور طہارت** کو چھوڑا بلکہ ان یہود کی طرح جو حضرت عیسیٰ کے وقت میں تھے سچائی کے دشمن ہو گئے تب بالمقابل خدا نے میرا نام **مسیح** رکھ دیا۔ نہ صرف یہ ہے کہ میں اس زمانہ کے لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہوں بلکہ خود زمانے نے **مجھے بُلایا ہے**۔

انڈیکس

روحانی خزائن جلد نمبر ۲۱

مرتبہ: مکرم فہیم احمد خالد صاحب

زیر نگرانی

سید عبد الحی

آیات قرآنیہ

المائدة

الانعام

الاعراف

الانفال

التوبة

یونس

هود

یوسف

الرعد

الحجر

النحل

بنی اسرائیل

الکهف

مریم

طٰهٰ

احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم

(بترتیب حروف تہجی)

احادیث بالمعنی

☆☆☆

الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

عربی الہامات

اردوالہامات

عبرانی میں الہام

☆☆☆

مضامین

آ

الف

اصحاب الصفہ

اعراض

افتراء

القاء

اللہ تعالیٰ

معرفت وشناخت

صفات الٰہیہ

امانت

امت محمدیہ

انسان

پ

ت

تبلیغ

تزکیہ نفس

تصویر (فوٹو)

تعبیر رؤیا

تعلق باللہ

قضاء و قدر

قیامت

ک، گ

کیمرہ

گناہ

م

محبت رمحبت الٰہی

مذہب

مسلمان

معجزہ

معراج

معرفت الٰہی

و، ی

☆☆☆

اسماء

آ

آدم علیہ السلام

الف

ابراہیم

ابن عباسؓ

ابن ماجہ

ابوبکر رضی اللہ عنہ

ابوجہل

ابولہب

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

س،ش ص

ع، غ

عبداللہ آتھم ڈپٹی

عبداللہ بن ابی سرح

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

عبداللطیف شہید صاحبزادہ

عکرمہ بن ابی جہل

عمر رضی اللہ عنہ

عیسیٰ بن مریم علیہ السلام

حضرت عیسیٰ کی پیشگوئیاں

مزعومہ امتیازی خصوصیات

غلام احمد قادیانی مرزا
مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

ف، ک

فارقلیط

فرعون

فضل حق شیخ رضی اللہ عنہ

☆☆☆

مقامات

ا،ب،پ

ح،خ

د،ر

س،ش

غ،ق،ک

ل، م، ن، ہ، ی

☆☆☆

کتابیات

☆☆☆